کتاب ــــــــ اکابرِ تحریکِ پاکستان
مؤلف ــــــــ جناب محمد صادق قصوری
مقدمہ ــــــــ جناب سید محمد فاروق القادری ایم۔اے
کتابت ــــــــ شاہ محمد چشتی قصوری
پروف ریڈنگ ــــــــ اسد نظامی
طباعت بار اوّل (گجرات) ــــــــ صفر المظفر/فروری (۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء)
طباعت بار دوم ــــــــ ۱۹۷۹ء
ناشر ــــــــ نوری بک ڈپو، لاہور
مطبع ــــــــ افتخار افضال پرنٹرز، لاہور
صفحات ــــــــ ۳۰۴
باہتمام ــــــــ صاحبزادہ سید محمد حسن گیلانی
قیمت ــــــــ

ملنے کا پتہ

نوری بک ڈپو، لاہور

فہرست

انتساب

شمعِ رسالت (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے اُن
پروانوں کے نام جنہوں نے مسلمانانِ برِصغیر
کے لئے ایک آزاد اسلامی ریاست کا نقشہ
اپنے خون سے کھینچا ــــــــــــــ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

مقدّمہ

از سیّد محمد فاروق القادری ایم-اے عربی/اسلامیات (گولڈ میڈلسٹ)

جب سے برِّصغیر پر فرنگی اقتدار نے پَر جمائے ٹھیک اسی وقت سے آزادی وطن کے مشن کا بھی آغاز ہوا۔ یہ آغاز کن لوگوں نے کیا؟ اس پر کما حقہٗ روشنی ڈالنے کی کوشش کبھی نہیں کی گئی۔ انگریزی سامراج کی نوآبادیاتی تاریخ کا یہ پہلا واقعہ ہے کہ ادھر اس نے ایک خطّے پر قبضہ جمانے کو قدم رکھا، ورا ادھر اس قطعۂ ارض کا حسّاس سینہ کرب سے چیخ اٹھا یہی وہ پہلی چیخ تھی جسے بلاشبہ جنگِ آزادی کا پہلا غلغلہ کہا جا سکتا ہے۔ یہ آواز کس طبقے نے بلند کی؟ اس کا جواب پوری تاریخ میں ایک ہی ہے، علماء اور مشائخ!

آج ہماری آزادی کی تاریخ جس انداز سے مرتب ہو کر سامنے آرہی ہے اس میں قلم کا تعصب پورے طور پر سرایت کیے ہوئے ہے۔ تحریکِ آزادی محض ایک وقتی و ہنگامی جذبہ نہ تھا بلکہ اسلامی حکومت کے قیام کے لیے ایک منظم پروگرام کی بنیاد تھی جس نے آگے چل کر پاکستان کا روپ دھارا۔ اس پوری تحریک کا مطالعہ کرنے سے ہمارے سامنے دو قسم کے لوگ آتے ہیں، ایک تو وہ جن کا مقصد صرف انگریزی سامراج سے نجات حاصل کرنا تھا، اس کے بعد سیکولر اسٹیٹ بنے یا عملاً ہندو سامراج اس کی جگہ لے لے، انہیں اس سے کچھ غرض نہ تھی۔ دوسرے وہ جو عملی طور پر دوبارہ برِّصغیر میں مسلمانوں کا اقتدار بحال کر کے یا ایک علیحدہ خطّۂ زمین حاصل کر کے قرآنی نظامِ حیات

پر مشتمل ایک اسلامی ریاست قائم کرنا چاہتے تھے۔ ظاہر بات ہے کہ دوسرے مقصد کے مقابلے میں پہلا مقصد ذرا بھی مقدس نہیں۔ آج ہم جب پورے حالات پر غور کرتے ہیں تو ہمارے سامنے یہ افسوسناک تاریخی مغالطہ ایک حقیقت کا روپ دھارتا جا رہا ہے اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ جیسے اصل عظمت و کردار کا مستحق پہلا گروہ ہے اور اگر ملّی تاریخ میں کچھ خدمات ہیں تو بس اسی کی!

تحریک پاکستان کی بنیاد ۱۸۵۷ء میں مولانا فضلِ حق خیرآبادی، مفتی عنایت احمد کاکوروی، مولانا فیض احمد بدایونی، مولانا امام بخش صہبائی، مولانا کافی مرادآبادی شہید، سیّد احمد اللہ شاہ مدراسی، مولانا رضی الدین بدایونی ایسے مجاہدینِ آزادی اور سرفروشانِ اسلام اپنا خونِ جگر دے کر پھانسی کے تختوں پر چڑھ کر اور کالے پانی کی تکالیف برداشت کر کے رکھ چکے تھے۔ مجاہدین کا یہ گروہ اسی سوادِ اعظم سے تعلق رکھتا ہے جسے آج بھی قال اقول قسم کے مُلّا حضرات جذبۂ حبِّ نبوی میں غلو کا الزام دیتے ہیں۔

کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ برِصغیر میں انگریزی سامراج کی بنیادیں ہلانے والوں اور اسلامی حکومت کے اولین معماروں کو تو پسِ پشت ڈال دیا گیا اور ان کے مقابلے میں بوجوہ سیّد احمد بریلوی اور شاہ محمد اسمٰعیل کو پورے برِصغیر کی مذہبی و ملّی تحریکات کا واحد ہیرو بنانے کی کوششیں شروع کر دی گئی ہیں۔ ایک گروہ پر تاریخ کی یہ تیز روشنی اور دوسرے کو اندھیروں میں رکھنے کے پیچھے دو علیحدہ نظریات کا وہی جذبہ کارفرما ہے جس کے بارے میں ہم اوپر اشارہ کر چکے ہیں۔ اسے حسنِ اتفاق سمجھیے یا سوءِ اتفاق کہ ایک نظریے کی تصویب و تائید کے لئے اسے علمی فضا میسّر ہو گئی جو دوسرے کو نہ ہو سکی۔ شاہ محمد اسمٰعیل اور سید احمد بریلوی کی تحریک پر تبصرہ ہمارے موضوع سے متعلق نہیں البتہ اس تحریک کے بارے میں مولانا حسین احمد مدنی کا یہ غور طلب تجزیہ پیشِ خدمت ہے، آپ لکھتے ہیں:-

"سید صاحب کا اصل مقصد چونکہ ہندوستان سے انگریزی تسلط

اور اقتدار کا قلع قمع کرنا تھا جس کے باعث ہندو مسلمان دونوں پریشان تھے اس بنا پر آپ نے اپنے ساتھ ہندوؤں کو بھی شرکت کی دعوت دی اور صاف صاف انہیں بتا دیا کہ آپ کا واحد مقصد ملک سے پردیسی لوگوں کا اقتدار ختم کرنا ہے اس کے بعد حکومت کس کی ہوگی؟ اس سے آپ کو غرض نہیں۔ جو لوگ حکومت کے اہل ہوں گے ہندو یا مسلمان یا دونوں وہ حکومت کریں گے۔" [1]

اس کے ساتھ ہی مولانا عبید اللہ سندھی کی عینی شہادت بھی ملاحظہ فرمایئے:

"ایک دفعہ میں مرحوم [illegible] کے مقام پر [illegible] میں اس امید میں کہ شاید سید احمد شہید اور شاہ اسمٰعیل شہید کی جماعت مجاہدین میں زندگی کی کوئی کرن دکھائی دے [illegible] دیکھا وہ حد درجہ افسوسناک [illegible] کہ وہ جماعت جو مجاہدین کے نام نامی سے [illegible] میں ہے [illegible] خان کی وساطت سے انگریزی حکومت کی [illegible]" [2]

دیکھا آپ نے [illegible] وہ تھا نظریہ [illegible] آج کا [illegible] جدال و تعلیب کے حربے صرف ملک گیری [illegible] حدود نہیں بلکہ [illegible] کی گستاخیوں سے بڑھ کر مسلمانوں کو میلا [illegible] بننے کے لئے استعمال ہو رہے [illegible] کے علماء و فقہاء پر قیامت گزر گئی ہے [illegible]

---

[1] نقش حیات [illegible] ص ۱۳۰

[2] افادات و ملفوظات مولانا عبید اللہ سندھی [illegible]

الاپنے والے پھانسی کے پھندوں، جیل کی کوٹھڑیوں اور کالے پانی کو آباد کئے ہوئے ہیں مگر مجاہد فی سبیل اللہ اور شہیدِ اسلام اس سارے معرکے کو غیر اہم سمجھتے ہوئے فرنگی اقتدار کے قابو میں نہ آنے والے آزاد قبائل کے ساتھ رفع یدین اور نکاحِ بیوگان کے مسئلے پر جہاد کر رہے ہیں یا پھر ایک غیر سیاسی قوت سکھوں کے ساتھ لڑائی کا فریضہ انجام دے رہے ہیں ؎

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

قیامِ پاکستان کے اسباب

دو مختلف نقطہ ہائے نظر کا یہی وہ اختلاف ہے جو آگے چل کر تحریکِ پاکستان اور پھر قیامِ پاکستان تک بڑھ کر نقطۂ عروج کو پہنچا۔ قیامِ پاکستان کے اسباب کے سلسلے میں پہلے مختصر طور پر ہندو ذہنیت کا مطالعہ کرنا ہوگا۔

بلاشبہ آزادی کی تحریک اکٹھے شروع ہوئی مگر جلد ہی ہندو طرزِ عمل نے ثابت کر دیا کہ یہ محض اقتدار کی تبدیلی ہوگی اور ہندو اقتدار کہیں زیادہ خطرناک اور تباہ کن ثابت ہوگا اس لئے دردمند مسلمانوں نے جلد ہی اس حقیقت کو محسوس کر لیا کہ مسلمان اپنے مذہب کی بنا پر ایک الگ قوم ہیں اور وہ اپنے دین کے مطابق اسی صورت میں زندگی بسر کر سکتے ہیں جب ان کی آزاد مملکت ہو جس میں وہ قانونِ الٰہی نافذ کر سکیں۔ یہ خیال کیوں پیدا ہوا؟ اس کے محرکات جاننے کے لئے ذیل کے حوالہ جات ملاحظہ کیجئے۔

ڈاکٹر رادھا مکرجی نائب صدر ہندو مہاسبھا و صدر کانگریس بنگال نے کہا:

"ہندوستان کو نظریہ اور عمل کے لحاظ سے ایک ہندو اسٹیٹ ہونا چاہیے جس کا کلچر ہندو جس کا مذہب ہندو ہو اور جس کی حکومت ہندوؤں کے ہاتھ میں ہو" [۱]

---

[۱] طلوعِ اسلام، دسمبر ۱۹۳۸ء

کانگریس کے جنرل سیکرٹری اچاریہ کرپلانی نے اگست ۱۹۳۹ء میں اپنے ایک بیان میں کہا :

" گاندھی جی نے کانگریس کو بتایا کہ ہمارا کام صرف یہ نہیں کہ ملک کی سیاسی باگ ڈور انگریز کے ہاتھ سے چھین کر اہلِ ملک کے ہاتھ میں دے دیں بلکہ یہ سب سے ضروری چیز ہے کہ ہم اپنی تمام جدوجہد کی بنیاد کسی ایسے فلسفۂ حیات پر رکھیں جس کے دائرے میں ہماری معاشرت، اخلاق اور روحانیت سب کچھ داخل ہو، بالفاظِ دیگر ہماری تحریک کو صرف سیاسی نہیں ہونا چاہیے بلکہ اسے روحانی اور اعلیٰ فلسفۂ زندگی کے ماتحت ہونا چاہیئے الخ" [1]

مہاتما گاندھی نے ۱۵ ستمبر ۱۹۴۴ء کو قائدِ اعظم کے نام ایک خط میں لکھا :

" میں تاریخ میں اس کی مثال نہیں پاتا کہ کچھ لوگ جنہوں نے اپنے آباء واجداد کا مذہب چھوڑ کر ایک نیا مذہب قبول کر لیا ہو، وہ اور ان کی اولاد یہ دعویٰ کرے کہ وہ اپنے آباء و اجداد سے الگ ایک قوم بن گئے ہیں۔ اگر ہندوستان اسلام کی آمد سے پہلے ایک قوم تھا تو اسلام کے بعد بھی اسے ایک قوم رہنا چاہیے خواہ اس کے سپوتوں سے ایک کثیر تعداد نے اسلام قبول کر لیا ہو۔" [2]

گئو رکھشا کے بارے میں انہوں نے ۱۹۱۸ء میں کہا :

" یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ یورپین کے لیے گاؤکشی جاری رکھنے کی بابت ہندو کچھ بھی محسوس نہیں کرتے میں جانتا ہوں کہ ان کا غصہ اس خوف کے نیچے دب رہا ہے جو انگریز عملداری نے پیدا کر دیا ہے

---

[1] طلوعِ اسلام، مارچ ۱۹۶۹ء۔

[2] ایضاً

مگر ایک ہندو بھی ہندوستان کے طول و عرض میں ایسا نہیں جو اپنی سرزمین کو گاؤ کشی سے آزاد کرانے کی امید نہ رکھتا ہو ہندو مت عیسائی یا مسلمان کو تلوار کے زور سے بھی مجبور کرنے سے تامل نہیں کرے گا کہ وہ گاؤ کشی بند کر دیں۔" ؎۱

دوسرے مقام پر گاندھی جی یوں گویا ہوتے ہیں :

"میں اپنے آپ کو سناتنی ہندو کہتا ہوں کیونکہ میں ویدوں، اپنشدوں، پرانوں اور ہندوؤں کی تمام مذہبی کتابوں کو مانتا ہوں، اوتاروں کا قائل ہوں اور تناسخ کے عقیدہ پر یقین رکھتا ہوں، میں گؤ رکھشا کو اپنے مذہب کا جزو سمجھتا ہوں اور بت پرستی سے انکار نہیں کرتا، میرے جسم کا رواں رواں ہندو ہے۔" ؎۲

اب مذہب کے بارے میں پنڈت جواہر لال نہرو کی سنیئے :

"جس چیز کو مذہب یا منظم مذہب کہتے ہیں اسے ہندوستان میں اور دوسری جگہ دیکھ کر میرا دل ہیبت زدہ ہو گیا ہے۔ میں نے اکثر مذہب کی مذمت کی ہے اور اسے یکسر مٹا دینے کی آرزو کی ہے۔ قریب قریب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ اندھے یقین اور ترقی دشمنی کا بے دلیل عقیدت اور تعصب کا توہم پرستی اور لوگوں سے بے جا فائدہ اٹھانے کا قائم شدہ حقوق اور مستقل حقوق کی بقاء کا حامی ہے۔" ؎۳

؎۱ طلوعِ اسلام، مارچ ۱۹۶۹ء

؎۲ ینگ انڈیا ۱۲/۱۰/۲۱، بحوالہ طلوعِ اسلام مارچ ۱۹۶۹ء

؎۳ طلوعِ اسلام، جون ۱۹۳۸ء

ہندو دھرم کی بھی وہ قدیم منافقانہ پالیسی تھی کہ اپنے دھرم پر آنچ نہ آئے، دوسروں کی بات آئے تو سبکو ر حکومت کی باتیں کرنے لگو جس سے متاثر ہو کر علامہ اقبال نے فرمایا ؎

نگہ دارد برہمن کارِ خود را نمی گوید بہ کس اسرارِ خود را
بہ من گوید کہ از تسبیح بگذر بدوشِ خود برد زنّارِ خود را

یہ وہ حالات تھے جنہیں دیکھ کر حسّاس مسلمانوں کے دل کانپ اُٹھے اور انہوں نے بروقت متنبہ کیا کہ ہندو اپنی عیّاری اور دو رُخی پالیسی کے لحاظ سے انگریز سے کہیں زیادہ خطرناک ہے۔ سوادِ اعظم کے عظیم روحانی پیشوا مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی نے بروقت خبردار کرتے ہوئے فرمایا :

" تم نے دیکھا یہ حالت ہے ان لیڈر بننے والوں کے دین کی، کیا کیا شریعت کو مسلتے . بدلتے . پاؤں کے نیچے کچلتے اور خیر خواہِ اسلام بن کر مسلمانوں کو چھلتے ہیں، موالاۃِ مشرکین ایک، معاہدہ مشرکین دو، استعانت بمشرکین تین، مسجد میں اعلائے مشرکین چار، ان سب میں بلا مبالغہ یقیناً قطعاً لیڈروں نے خنزیر کو دنبے کی کھال پہنا کر حلال کیا ہے۔" ؎۱

ہندو ذہنیت کا بنظرِ غائر مطالعہ کرنے کے بعد ہی فاضل بریلوی نے ترکِ موالات کا وہ مشہور فتویٰ لکھا جسے سہارا بنا کر یار لوگوں نے آپ کو بدنام کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی حالانکہ مولانا محمد علی اور مولانا شوکت علی جس وقت فاضل بریلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی تحریک میں شمولیت کی دعوت دی تو آپ نے صاف فرمایا :

" مولانا ! میری اور آپ کی سیاست میں فرق ہے۔ آپ ہندو مسلم اتحاد کے حامی ہیں، میں مخالف ہوں۔" پھر فرمایا " مولانا ! میں

؎۱ المحجۃ المؤتمنہ : ص ۹۶، ۸۷۔

ملکی آزادی کا مخالف نہیں، ہندو مسلم اتحاد کا مخالف ہوں" [1]

کانگریسی علماء کی ذہنیت کچھ اس قسم کی واقع ہوئی ہے کہ جس نے انہیں ہندوؤں کے چرنوں میں سجدہ ریزی سے روکا انہوں نے اپنے بیگانے کی تمیز کئے بغیر فوراً اس پر انگریز دوستی اور وطن دشمنی کا فتوے جڑ دیا۔ فاضل بریلوی اور تمام مسلم لیگی زعماء، تو مجرم تھے ہی، اتفاق سے پورے دیوبند میں صرف ایک عالم مولانا اشرف علی تھانوی نے ان سے اختلاف کیا تو ان کو جو صلواتیں سنناپڑیں ان کی جھلک آپ بھی دیکھ لیجئے۔

پروفیسر محمد سرور کا بیان ہے:

"مولانا سندھی، مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کے علم و فضل اور ارشاد و سلوک میں انہیں جو بلند مقام حاصل تھا اس کے تو قائل تھے لیکن تحریکِ آزادی ہند کے بارے میں ان کی جو معاندانہ اور انگریزی حکومت کے حق میں مؤیدانہ روش رہی اس سے وہ بہت خفا تھے" [2]

پاکستان اور علمائے دیوبند

دو قومی نظریئے کی کہانی بہت پرانی ہے۔ برصغیر کے اکثر مسلمان مفکرین مسلمانوں کے علیحدہ ملی تشخص اور سرزمینِ حجاز سے اس کی وابستگی پر ہمیشہ زور دیتے رہے ہیں۔ مجددِ الفِ ثانی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی [3] اور فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاں [4] (رحمہم اللہ تعالیٰ) نے پورے شد و مد سے اس کی وضاحت کی ہے۔ ہم یہاں پر مکتبِ دیوبند کے علماء سے یہ سوال پوچھنے میں حق بجانب ہیں کہ

---

[1] فاضل بریلوی اور ترکِ موالات، پروفیسر محمد مسعود احمد، ص ۴۵

[2] افادات و ملفوظات مولانا عبید اللہ سندھی، ص ۳۸۲

[3] تذکرہ شاہ ولی اللہ، مناظر حسن گیلانی۔

[4] فاضل بریلوی اور ترکِ موالات۔ پروفیسر محمد مسعود احمد۔

اگر وہ بقولِ خود شاہ ولی اللہ کی تحریک کے وارث اور جانشین ہیں تو پھر ان کے دینی و ملی نظریات پر کامل طور پر یقین نہ رکھنے کا سبب کیا ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ ان کی نگاہ میں دین صرف سجود و قیام کا نام ہے اور کسی اسلامی ریاست کے لئے بنیادی نظریات فراہم کرنے کے سلسلے میں وہ دینِ اسلام کے مفکرین سے مدد لینے کے بجائے اپنے خود ساختہ اور دور از کار ضوابط پر عمل پیرا ہیں؟ دو قومی نظریہ جس کی بنیاد کتاب و سنت اور مسلمانوں کا چودہ سو سالہ تہذیبی ورثہ ہے اس کے مقابلے میں وطنی قومیت کا نعرہ ایک ایسا کھلا غیر اسلامی دعویٰ ہے جو گاندھی اور نہرو ایسے پُر پیچ، مفاد پرست اور عیّار سیاستدانوں سے تو متوقع ہو سکتا ہے مگر صاحبانِ جبّہ و دستار اور وارثانِ منبر و محراب کو کسی طرح زیب نہیں دیتا۔

افسوس مکتبِ دیوبند کی اکثریت نے برِصغیر میں اسلامی ریاست کی امکانی حد تک مخالفت کر کے تحریکِ آزادی کے سلسلے میں بھی اپنے تھوڑے سے بہت کام پر لکیر پھیر کر رکھ دی ہے۔ کیا وقت کا بیدار مؤرخ یہ لکھنے میں حق بجانب نہ ہوگا کہ علمائے دیوبند کا یہ گروہ مجدد الف ثانی اور شاہ ولی اللہ کے مقابلے میں گاندھی جی کی میکیاولی سیاست پر زیادہ یقین رکھتا تھا اور اس نے مسلمانوں کے انحطاط و زوال کے دور میں سات کروڑ مسلم عوام کے مقابلے میں اپنا سارا وزن ہندوؤں کے پلڑے میں رکھ دیا؟

یہ تلخ حقیقت علمائے دیوبند کو برداشت کرنا پڑے گی کہ ان کے پیشِ نظر برِصغیر میں اسلامی حکومت کا قیام کبھی بھی نہیں رہا بلکہ وہ ہمیشہ جمہوری انداز کی سیکولر حکومت کے لئے کوشاں رہے ہیں۔ شاہ محمد اسمٰعیل کی تحریک ہو کہ جمعیۃ العلمائے ہند کی تنظیم، احرار ہوں یا آزاد، ان سب کا اندازِ فکر اس معاملے میں حیرت انگیز یکسانیت کا حامل رہا ہے۔ اسلامی حکومت کا قیام تو بہت مقدس نصب العین ہے انہوں نے تو مسلمانوں کے مفادات تک کی پرواہ نہیں کی جو احسان کا معمولی درجہ ہے۔

یہ ایک واقعہ ہے کہ ۱۸۵۷ء کی تحریکِ آزادی ہو یا قیامِ پاکستان کی جدوجہد

یہ انہیں لوگوں کی رہینِ منّت اور شرمندۂ احسان ہیں جنہیں آج بھی مکتبِ دیوبند کے ذمہ دار فرد سے طفلِ مکتب تک بدعتی، قبر پجوے اور میلاد خواں کے طعنے دیتے ہیں۔ کیا پاکستان کی کوئی تاریخ "بنارس سُنّی کانفرنس" کے فقید المثال اجتماع کا ذکر کئے بغیر مکمل ہو سکتی ہے؟ صدر الافاضل سید نعیم الدین مراد آبادی، ابو المحامد سید محمد شاہ محدث کچھوچھوی، خواجہ محمد قمر الدین سیالوی، مولانا امجد علی، خواجہ عبد الرحمٰن بھرچونڈوی، پیر جماعت علی شاہ محدث علی پوری، مولانا عبد الحامد بدایونی، مولانا پیر سید مغفور القادری، مولانا ابو الحسنات قادری، علامہ عبد الغفور ہزاروی، پیر صاحب مانکی شریف، پیر صاحب گولڑہ شریف، مولانا عبد الستار خان نیازی، یہ عظیم شخصیتیں اور لاکھوں انسانوں کے مقتدا کون ہیں؟ وہی تو ہیں جو فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاں کے ہم مسلک تھے، آج ان پر کیچڑ اچھالنے والے ذرا جائزہ تو لیں کہ پورے مکتبِ دیوبند میں مولانا شبیر احمد عثمانی یا مولانا اشرف علی تھانوی کے محدود حلقے کے دو چار آدمیوں کے سوا باقی سارے علماء عملی طور پہ کہاں کھڑے تھے؟ برِ صغیر کے تمام علمی مدارس اور مکاتب پر مولانا مدنی اور دیوبند کے اسی حلقے کے اثرات تھے جو نیشنلسٹ خیالات کا علمبردار اور گاندھی و نہرو کو قبلۂ سیاست سمجھے ہوئے تھا۔ مسلم لیگ کے حلقے میں مولانا شبیر احمد عثمانی کی پذیرائی کی یہ شان صرف اس لئے بنی کہ وہ اپنے سارے قافلے سے تنہا کٹ کر ادھر آئے تھے، دیوبند کے علماء و طلباء نے انہیں اس کی جو سزا دی وہ خود انہیں کی زبانی سنئے:

> "دار العلوم دیوبند کے طلباء نے جو گندی گالیاں اور فحش اشتہارات اور کارٹون ہمارے متعلق چسپاں کئے جن میں ہم کو ابو جہل تک کہا گیا اور ہمارا جنازہ نکالا گیا، آپ حضرات نے اس کا بھی کوئی تدارک کیا تھا؟ آپ کو معلوم ہے کہ اس وقت دار العلوم کے تمام مدرسین، مہتمم اور مفتی سمیت بالواسطہ یا بلا واسطہ مجھ سے نسبتِ تلمذ رکھتے ہیں۔" [1]

---

[1] مکالمۃ الصدرین، طبع ہاشمی بک ڈپو لاہور: ص: ۳۲، ۳۳۔

مکتب دیوبند کے نامور عالم شیخ الہند مولانا محمود حسن کو کون نہیں جانتا آج اسیر مالٹا اور تحریک آزادی کے مجاہدین میں انہیں سرِفہرست شمار کیا جاتا ہے برِصغیر سے انگریزی اقتدار کے خاتمے کا جو پروگرام آپ نے مرتب فرمایا اس میں کسی اسلامی حکومت کے تصور کو یکسر نظرانداز کرتے ہوئے واضح طور پہ ایک لادینی (سیکولر) حکومت کا نظریہ پیش کیا گیا ہے۔ مولانا عبیداللہ سندھی کو آپ ہی نے کابل بھیجا، وہاں آپ کے حکم اور مشورے سے ——— موقتہ ہند کے نام سے ایک متوازی حکومت بنائی گئی لیکن آپ حیران ہوں گے کہ اس حکومت کے لائف پریذیڈنٹ (LIFE PRESIDENT) معروف متعصب سکھ لیڈر راجہ مہندر پرتاپ مقرر ہوئے[1] جبکہ مولانا عبیداللہ سندھی اس کے وزیر خارجہ تھے۔ اس سے آپ بخوبی اس حکومت کا نقشہ سمجھ سکتے ہیں جو ان حضرات کے ذہنوں میں موجود تھا۔ مزید اطمینان کے لئے مولانا سندھی اور راجہ صاحب کے رفیقِ کار ظفر حسن صاحب کا یہ تبصرہ ملاحظہ فرمائیے اور ٹھنڈے دل سے غور کیجئے کہ یہ حضرات مسلمانوں کو کہاں لے جا رہے تھے؟

ظفر حسن ایبک لکھتے ہیں :

"راجہ مہندر پرتاپ ہندوستان کے آزاد ہونے پر وہاں ایک ہندو حکومت قائم کرنا چاہتے تھے"۔[2]

خدا لگتی کہئے کیا یہ تجزیہ اس سے کچھ مختلف ہے جو مسلم لیگی زعماء نے کانگریس کے بارے میں کیا تھا؟

مولانا عبیداللہ سندھی نے کابل سے آزادی ہند کے بعد حکومت کا جو نقشہ پیش کیا اس کی یہ شق دیدنی ہے (یہ بات پیشِ نظر رہے کہ مولانا سندھی شیخ الہند کے معتمد خصوصی، ان کے فرستادہ اور انہی کے مشن کی تکمیل کے لئے کابل گئے تھے) مولانا سندھی نے "جمنا نربدا سندھ ساگر

---

[1] آپ بیتی ظفر حسن ایبک، طبع منصور بک ہاؤس لاہور، ص ۱۰۰

[2] ایضاً " ص ۹۷

پارٹی" کانگریسی سوراجیہ کمیٹی کابل، مہابھارت سوراجیہ پارٹی اور حکومت موقتہ ہند کے ذمہ دار رکن کی حیثیت سے ہر جگہ ایک ہی جملہ دہرایا ہے، فرماتے ہیں :

" مرکزی حکومتِ ہند (CENTRAL GOVT. OF THE FEDERAL REPUBLIC OF INDIA) کا مذہب سے کوئی تعلق نہ ہوگا اور نہ اس کو ان مذاہب میں دخل دینے کا حق حاصل ہوگا جو پارٹی کے مندرجہ بالا اقتصادی اور اجتماعی اصولوں کو مانتے ہیں " [1]

اس کے مقابلے میں علامہ اقبال نے ۱۹۳۰ء میں الٰہ آباد میں مسلم لیگ کی صدارت کرتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا :

" ہندوستان دنیا بھر میں سب سے بڑا اسلامی ملک ہے۔ اس ملک میں اسلام بحیثیت ایک تمدنی قوت کے اسی صورت میں زندہ رہ سکتا ہے کہ اسے ایک علاقہ میں مرکوز کر دیا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام خدا اور بندے کے درمیان ایک روحانی تعلق کا نام نہیں یہ ایک نظامِ حکومت ہے ۔۔۔۔۔ اس لئے میری آرزو ہے کہ پنجاب، صوبہ سرحد، سندھ اور بلوچستان کو ملا کر ایک واحد اسلامی ریاست قائم کر دی جائے۔" [2]

ہر دو نقطہ ہائے نظر آپ کے سامنے ہیں، خود ہی فیصلہ کیجئے کہ ان میں سے کونسا اسلام اور مسلمانوں سے زیادہ قریب ہے؟ کانگریس کے نزدیک ہندوستان میں بسنے والے تمام مسلم اور غیر مسلم ایک متحدہ قومیت کے افراد تھے۔ یہی وہ فسوں ہے جس کا شکار مولانا محمود حسن سے لے کر مولانا حسین احمد اور مولانا ابوالکلام آزاد تک سب لوگ ہوئے۔ مولانا

---

[1] پمفلٹ جنا زبدا سندھ ساگر پارٹی، شائع کردہ بیت الحکمۃ دہلی، مولانا سندھی، ص ۵۰،
و مولانا عبیداللہ سندھی، پروفیسر محمد سرور سندھ ساگر اکادمی، ص ۴۵۸۔
[2] نشریٔ سلام، دسمبر ۱۹۷۲ء

حسین احمد نے دہلی میں ۱۹۳۸ء میں کہا کہ :

"قومیں اوطان سے بنتی ہیں مذہب سے نہیں"

مولانا کے اس نظریے پر برِ صغیر کا پورا مذہبی طبقہ چونک اٹھا۔ علامہ اقبال نے بسترِ مرگ پر سے اس نظریے پر یوں تنقید فرمائی ؎

عجم ہنوز نداند رموزِ دیں ورنہ — ز دیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی ست
سرود برسرِ منبر کہ ملت از وطن است — چہ بے خبر ز مقامِ محمدِ عربی ست
بمصطفٰے برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست — اگر باو نرسیدی تمام بولہبی ست [1]

علامہ اقبال کی زندگی میں مولانا حسین احمد خاموش ہو گئے۔ جونہی حضرت علامہ اللہ کو پیارے ہوئے انہوں نے "اسلام اور متحدہ قومیت" کے نام سے پھر ایک رسالہ لکھ ڈالا اور اس میں تحدّی سے کہا کہ میں نے جو کچھ کہا تھا وہ ٹھیک تھا، علامہ اقبال غلط تھے۔ چنانچہ مسٹر غلام احمد پرویز نے بروقت اس رسالے کا تعاقب کیا اور غلط و صحیح کو الگ کر دکھایا۔ پرویز صاحب نے مولانا حسین احمد کو متنبہ کیا کہ اگرچہ علامہ مرحوم ہماری بزم سے اٹھ گئے ہیں تاہم ان کے ہم خیال اور اسلامی قومیت کے علمبردار ابھی محاسبہ کرنے کے لئے موجود ہیں۔ تعجب ہے کہ مکتب دیوبند میں اس مسئلے پر کسقدر حیرت انگیز یکسانی پائی جاتی ہے۔ یہ اندھی تقلید کا کرشمہ ہے یا مغالطہ، اللہ بہتر جانتا ہے۔ اس یکسانیت کے کچھ نمونے ملاحظہ ہوں۔

مولانا عبیداللہ سندھی آخر دم تک اپنا یہ نظریہ ان الفاظ میں دہراتے رہے جس کے راوی آج بھی موجود ہیں :

"میں سندھی پہلے ہوں اور مسلمان بعد میں"

مولانا ابوالکلام آزاد نے لاہور میں فرمایا :

---

[1] ارمغانِ حجاز، ص ۲۷۸۔

"مسٹر جناح کا یہ نظریہ کہ ہندوستان میں ہندو اور مسلمان دو جداگانہ قومیں ہیں، غلط فہمی پر مبنی ہے، میں اس باب میں ان سے متفق نہیں"۔ ؎۱

ایک اور مقام پر آپ نے فرمایا :

"ہماری ایک ہزار سال کی مشترک زندگی نے ایک متحدہ قومیت کا سانچہ ڈھال دیا ہے، ایسے سانچے بنائے نہیں جا سکتے، وہ قدرت کے مخفی ہاتھوں سے خود بخود بنا کرتے ہیں اور قسمت کی مہر اس پر لگ چکی ہے، ہم پسند کریں یا نہ کریں مگر اب ہم ایک ہندوستانی قوم اور ناقابلِ تقسیم ہندوستانی قوم بن چکے ہیں، علیحدگی کا کوئی بناوٹی تخیل ہمارے اس ایک ہونے کو رد نہیں بنا سکتا"۔

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں :

"میں فخر کے ساتھ محسوس کرتا ہوں کہ میں ہندوستانی ہوں، میں ہندوستان کی ناقابلِ تقسیم متحدہ قومیت کا ایک عنصر ہوں"۔

ان کے علاوہ مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی وغیرہم نے پاکستان کی مخالفت میں جو کردار انجام دیا وہ نظریات کی اسی یکسانیت کا آئینہ دار ہے جس کی طرف ہم پیچھے اشارہ کر آئے ہیں۔

قیامِ پاکستان کے بعد آہستہ آہستہ اس زود فراموش قوم کو بیوقوف بنانے کے لئے اب یہ مہم شروع کر دی گئی ہے کہ مولانا حسین احمد نے اپنے نظریے سے رجوع کر لیا تھا یا علامہ ان کا صحیح مفہوم نہیں سمجھ سکے تھے، یہاں تک کہ علامہ طالوت اور شورش کاشمیری ایسے پڑھے لکھے اور باخبر حضرات بھی یہی راگ الاپے جا رہے ہیں۔ ان کی خدمت میں سوائے اس کے اور کیا عرض کریں کہ حقائق کا چہرہ اتنی جلدی مسخ نہیں ہو سکتا !

؎۱ STATESMAN DATED: 19.2.40، بحوالہ طلوعِ اسلام، دسمبر ۱۹۷۲ء، روزنامہ نوائے وقت ۲۸ دسمبر ۱۹۷۵ء۔

58907

اس سے بڑھ کر جب ان علماء نے گاندھی جی کو جامع مسجد شیخ خیرالدین امرتسر میں منبرِ رسول پر بٹھایا اور اس کے ذریعے اسلام کی امداد کی دعا کی گئی اور گاندھی کی جے کے نعرے لگوائے گئے تو مسلم قومیت کے علمبردار فاضل بریلوی چیخ اُٹھے، آپ نے فرمایا:

"جب ہندوؤں کی غلامی ٹھہری پھر کہاں کی غیرت اور کہاں کی خودداری؟ وہ تمہیں ملیچھ جانیں، بھنگی مانیں، تمہارا پاک ہاتھ جس چیز کو لگ جائے گندی ہو جائے، سودا بیچیں تو دور سے ہاتھ میں ڈال دیں ...... حالانکہ بحکمِ قرآن خود وہی نجس ہیں اور تم نجسوں کو مقدس مطہر بیت اللہ میں لے جاؤ، جو تمہارے ماتھا رکھنے کی جگہ ہے وہاں ان کے گندے پاؤں رکھواؤ، مگر تم کو اسلامی حس ہی نہ رہا۔ محبتِ مشرکین نے اندھا بہرا کر دیا، ان باتوں کا ان سے کیا کہنا جن پر "حُبُّک الشَّیْئَ یُعْمِی وَیُصِم" کا رنگ بھر گیا۔ سب جانے دو۔ خدا کو منہ دکھانا ہے یا ہمیشہ مشرکین ہی کی چھاؤں میں رہنا ہے۔ جواز تھا تو یوں کہ کوئی کافر ...... مثلاً اسلام لانے یا اسلامی تبلیغ سننے یا اسلامی حکم لینے کے لئے مسجد میں آئے یا اس کی اجازت تھی کہ خود سر مشرکوں نجس بت پرستوں کو مسلمانوں کا واعظ بنا کر مسجدوں میں لے جاؤ، اسے مسندِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر بٹھاؤ ...... کیا اس کے جواز کی کوئی حدیث یا کوئی فقہی روایت تمہیں مل سکتی ہے؟ حاشا تم حاشا للہ انصاف! کیا یہ اللہ و رسول سے آگے بڑھنا، شرعِ مطہر پر افتراء گھڑنا، احکامِ الٰہی دانستہ بدلنا، مُور کو بکری بتا کر نگلنا نہ ہوگا" ۲

---

۱ مقالاتِ یومِ رضا، مضمون فاضل بریلوی کے رفقاء کی سیاسی بصیرت، از حکیم محمد موسیٰ امرتسری

۲ المحجۃ المؤتمنہ : ص : ۸۴

نظریات کا یہی وہ اختلاف ہے جس میں اعتقادی مباحث کی طرح سوادِ اعظم کی اکثریت سیاسی پلیٹ فارم پر بھی مکتبِ دیوبند سے الگ ہوگئی۔ انگریزی سامراج سے نجات حاصل کرنے کی تحریک یقیناً ایک عظیم تحریک تھی لیکن اگر یہ تحریک صرف وطنی بنیادوں پر اُٹھے تو آخر اس کا موازنہ اس تحریک سے کیسے کیا جاسکتا ہے جس کا مطمحِ نظر کتاب وسنت کے مطابق ایک اسلامی ریاست قائم کرنا ہو۔ وطنی بنیادوں پر تو کتنے ہی مسلمان لیڈروں نے کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں مثلاً مصطفےٰ کمال پاشا، خوشحال خاں خٹک، پیر سید صبغۃ اللہ شاہ پیر پاگارا شہید کے نام اسی ضمن میں آتے ہیں لیکن آج کسی میں اتنی جرأت ہے کہ وہ ان کی مساعی اور کوششوں کو اسلامی جہاد یا کسی نوعیت سے اسلامی خدمت قرار دے سکے؟ اگر نہیں ہے تو کس برتے پر مکتبِ دیوبند کے علماء اور شورش کاشمیری ایسے صحافی جن سے تحریکِ پاکستان اور آزادی کا کوئی گوشہ مخفی نہیں پیر جماعت علی شاہ محدث علی پوری، مولانا عبدالحامد بدایونی، مولانا ابوالحسنات قادری اور اسی قبیل کے دوسرے لوگوں کا ذکر قدح کے بغیر نہیں کرتے۔

فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاں کے ہم مکتب علماء ومشائخ کا یہی وہ با اثر گروہ ہے جس نے دامے، درمے، سخنے، قدمے پاکستان کے لئے کام کیا، لاکھوں روپے چندے دئیے، دن رات کا آرام حرام کیا، برصغیر کے کونے کونے میں پھیکر رائے عامہ کو ہموار کیا، ہر قسم کی تکالیف برداشت کیں۔

سرحد میں پیر مانکی شریف، پنجاب میں پیر جماعت علی شاہ علی پوری اور سندھ میں پیر عبدالرحمٰن بھرچونڈوی اور شاہ مغفور القادری نے جو کارہائے نمایاں انجام دئیے ہیں اسے مسلمانوں کی مذہبی تاریخ کبھی فراموش نہیں کرسکتی۔ یہ قدآور شخصیتیں اور بلند ہستیاں اسی لئے طاقِ نسیاں کی نذر کی جارہی ہیں کہ قلم غیروں کے ہاتھ میں ہے یا اس ملک میں مسلم لیگ کا وجود ختم کردیا گیا ہے؟

یہ ضروری نہیں کہ کوئی شخص شیخ الاسلام کے لقب سے ملقّب ہو یا کوئی شیخ الہند کے

منصب پر فائز ! سوال یہ ہے کہ مسلمانوں کے ملی تشخص اور اسلام کے احیاء کے لئے کس نے کتنا کام کیا ہے ؟ ہمیں کسی سے ذاتی پرخاش نہیں ہے ، یہ تاریخی حقائق ہیں جو سامنے آکر رہیں گے ، ان میں خیانت کرنے والے تاریخ کے طالب علموں کے سامنے جواب دہ ہوں گے ۔

آج کا مؤرخ اور قاری دونوں بیدار ہیں ۔ وہ سلطانی و ملوکی دور لد گئے جب مؤرخ شاہوں کے بارے میں دیو مالائی قسم کی کہانیاں لکھ کر انہیں خوش کر دیتے اور قارئین اسے افیون سمجھ کر لطف اندوز ہوتے رہتے ، اب ہر بات پر غور ہوتا ہے ، ہر بیان کو عقل و نقل کے مصدقہ اصولوں پر پرکھا جاتا ہے ، اسلام پر ایک گروہ کی اجارہ داری نہیں ہے ، کھوٹا مال بھی ہر جنس میں موجود ہوتا ہے ، اس کا مطلب یہ نہیں کہ ایک آدھ آدمی کا سہارا لے کر سوادِ اعظم کی تضحیک کی جائے ، فکر و نظر اور اعتقادیات کے اختلافات سدا ہوتے آئے ہیں انہیں وجہ بنا کر تاریخی بد دیانتی صرف وہی لوگ کرتے ہیں جنہیں قلم کی عظمت اور عصمت کا کوئی احساس نہیں ہوتا ۔

اس کے ساتھ ہی میں سوادِ اعظم کے پڑھے لکھے اور محبِ وطن طبقے سے درد مندانہ اپیل کرتا ہوں کہ اگر مُردنی اور بے حسی نے پوری طرح ان پر قابو نہیں پا لیا تو وہ آگے بڑھیں اور ۱۸۵۷ء سے لے کر قیامِ پاکستان کی تاریخ تک اپنے اسلاف کے قابلِ فخر اور زرّیں کارناموں سے نئی نسل کو روشناس کرائیں ، اگر انہوں نے اس فرض کی ادائیگی میں غفلت برتی تو وہ وقت دور نہیں جب پاکستان کے نعرے کو ایک وقتی ہنگامی جذبہ اور اس کے لئے قربانیاں پیش کرنے والے علماء و مشائخ کو انگریز دوستی کا لباس پہنا دیا جائے گا جیسا کہ گذشتہ پچیس برس سے یہ عمل جاری ہے ۔

پاکستان کے حقیقی خیر خواہ وہی لوگ ہو سکتے ہیں جنہوں نے اپنے ہاتھوں سے اسے پایۂ تکمیل تک پہنچایا ہے ۔ آج جبکہ پاکستان کی نظریاتی سرحدیں خطرے میں ہیں چاروں طرف سے وطنیت کا عفریت پھنکار رہا ہے ضرورت ہے کہ سوادِ اعظم کے وہی پیشوا رہنمائی کریں جنہوں نے

اس فسوں کو توڑ کر یہ ملک حاصل کیا تھا۔ اس وقت حجرہ نشینی اور وقت کی آواز سے اغماض ایک ایسا ملّی و مذہبی جرم ہوگا جس کا خمیازہ مدتوں مسلمان قوم برداشت کرتی رہے گی۔

عزیزم محمد صادق قصوری صاحب قابلِ صد مبارکباد ہیں کہ انہوں نے "اکابرِ تحریکِ پاکستان" لکھ کر مجاہدینِ پاکستان کے حالات کی تفصیل کا ایک خوبصورت اور قابلِ قدر اجمال ہدیۂ ناظرین کیا ہے۔ انہوں نے جن سرفروشانِ اسلام کے حالات سپردِ قلم کئے ہیں، ان میں سے ہر ایک اس قابل ہے کہ اس کی خدمات پر مستقل کام کیا جائے۔

زیرِ نظر کتاب سوادِ اعظم کے اہلِ قلم کے لئے ایک دعوت ہے کہ وہ اس سلسلے کو اس کی تمام تر تفصیلات کے ساتھ آگے بڑھائیں، اس میں تمام شخصیات سے متعلق ضروری معلومات اور ان کی خدمات کا اجمالی تذکرہ بڑے اچھے انداز میں آگیا ہے، اس اعتبار سے یہ کتاب ایک ماخذ کا کام دے گی۔

یوں بھی اس کی قدر و قیمت کچھ کم نہیں کہ یہ اپنے موضوع پر پہلی کتاب ہے گویا اس کے ذریعہ تاریخِ پاکستان کے ایک اہم پہلو کا آغاز ہو رہا ہے۔

یہ تذکرہ پاکستان کی تاریخ کے ان گوشوں کی نقاب کشائی کی طرف ایک قدم ہے جو آج تک زیادہ تر دانستہ اور باقی غیر دانستہ طور پر مخفی رکھے گئے ہیں۔

اس کے جواں سال مؤلف اگرچہ میدانِ تحریر میں نووارد ہیں تاہم یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ جس محنت اور لگن سے وہ تاریخِ پاکستان کے سلسلے میں تحقیقی کام کر رہے ہیں اس کی بناء پر وہ دن دور نہیں کہ سوادِ اعظم کا یہ اہلِ قلم مستقبل کا ایک منجھا ہوا مؤرخ بن کر ابھرے۔

خداوندِ قدوس ان کی محنت بارآور فرمائے اور ملّتِ اسلامیہ کے نوجوانوں کو پاکستان

اور نظریۂ پاکستان کے بارے میں انہی جیسا جذبہ عطا فرمائے ؏
این دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

سید محمد فاروق القادری ایم اے
آستانہ شاہ آباد شریف
گڑھی اختیار خاں (رحیم یار خاں)
۴ رجب المرجب ۱۳۹۵ھ

تحریکِ پاکستان اور سوادِ اعظم

راجا رشید محمود ایم اے

کبریا کا لطف تھا اور رحمتِ شاہِ زمن — ہم کو سینتالیس میں حاصل ہوا اپنا وطن
ہم پہ جدوجہدِ آزادی میں تھے سایہ فگن — اولیائے امتِ احمد، صحابہ، پنج تن
اہلِ سنت والجماعت کی مقاصد سے لگن — رنگ کیسے لے نہ آتی کیوں نہ مل جاتا وطن
کون سا سُنی نہ تھا تحریکِ پاکستان میں — تھا تشخص اور تخصص ان کا موضوعِ سخن
چشمِ ظاہر بیں یہ کہتی تھی وطن سے قوم ہے — اور ہماری کوششوں پر ہو رہی تھی خندہ زن
چند تھے تحریک کے حامی مخالف بیشتر — ذکر ان کا کیا کروں سب کچھ ہے جن لوگوں کو دھن
کس کو وہ توفیق دے کس کو نہ دے اس کی رضا — ہے خدا کے سامنے کس کو مجالِ دم زدن
ظلمتِ کفر و ضلالات کو ہوئی آخر شکست — مہرِ آزادی نے جب ڈالی محبت کی کرن
ہم تھے من حیث الجماعت ملک کے راہرو — کامرانی نے قدم چومے بہ فضلِ ذوالمنن
سُنیوں کو تھا یقیں آقا سے استمداد پہ — زندگی میں کام آتے ہیں کہاں تخمین و ظن
جنگِ آزادی کے ہیرو فضلِ حق تھے بے گماں — جن کی حق گوئی پہ شاہد ہے یہ گردونِ کہن
ہندوؤں سے اپنا کیا ناتا الگ ہیں قوم ہم — سب سے پہلے حضرت کا تھا یہ رنگِ سخن
ہیں اکابر جس قدر تحریکِ پاکستان کے — ان کا تذکار حسیں ہے ہم کو حرزِ جان و تن
چاہتے تھے اہلِ دیں کے واسطے اک مملکت — تھے عمل پیرا سے احکاماتِ قرآن و سنن
اس پہ شاہد ہے بنارس کیا کیے تحریک میں — عالمانِ اہلِ سنت اور مشائخ نے جتن
فضل شاہ، خواجہ سدید الدین اور عبدالغفور — رہنمایانِ سوادِ اعظمِ اہلِ وطن
تھے امیرِ ملتِ بیضا جماعت شاہ سے — سامنے خائف کانگرس کے مولوی اور برہمن
قوم کے تھے رہنما صدر الافاضل بے گماں — جن پہ تھا لطف و فضلِ شہِ خیبر شکن

معتمد تھے قائدِ اعظم کے اپنے محترم — ضیغمِ ملت نیازی، عاملِ دینِ حسن
جبر و استبداد کے رستے میں ہیں کوہِ گراں — لعلِ حق گوئی اگلتا ہی رہا ان کا دہن
حضرت علامہ ترنم ہوں کہ بھر چونڈی کے پیر — تھا مددگاران کا یزداں ان کا دشمن اہرمن
بو المحامد صدرِ اجمیر و بنارس کیوں نہ ہوں — تھے کچھوچھہ کے محدث میرِ اربابِ سخن
جد و جہدِ حریت میں عزم و استقلال سے — تھی ابو الحسنات کی دیں کے مقاصد سے لگن
خواجہ قمر الدین اور عبد العلیم میرٹھی — تذکرہ ان کا نہ ہو تو قوم کیا اور کیا وطن
عبدِ ماجد، عبدِ حامد، دونوں مردانِ جری — ان سے ہم کرتے ہیں اب تک اکتسابِ علم و فن
مانکی یا گولڑہ یا پیر خانے دوسرے — لائقِ توصیف ہے تحریک میں ان کا چلن
سیکڑوں پیروں، ہزاروں عالموں کی دوڑ دھوپ — تھی نتیجہ خیز، ہم نے لے لیا آخر وطن
ہم نے گلچیں کے تصرف میں نہ جب رہنے دیا — کھل اٹھے اپنے چمن میں لالہ و سرو و سمن
جنگِ آزادی سے لے کر تا حصولِ مملکت — تھا نبی کے نام لیواؤں کا ظاہر بانکپن

اب بھی اے محمود سُنّی سب بہ فیضِ مصطفےٰ
اشجعانِ قوم ہیں اور پاسبانانِ وطن

عرضِ مؤلّف

ملّتِ اسلامیہ پر جب بھی کوئی مشکل وقت آیا، علماء و مشائخ نے اس کی راہنمائی کا فریضہ ادا کیا، دین کے فروغ و نفاذ کی ہر کوشش میں ان کی مساعی کو دخل رہا، اسلام اور اس کے شعائر کے خلاف جب کسی نے ژاژخائی اور ہرزہ سرائی کا ارادہ کیا تو ان کو مزاحم پایا، غیر ملکی تسلط سے ہندوستان کو آزاد کرانے کی جدوجہد ہو یا دینِ متین کے عمل کے طور پر ایک علیحدہ اسلامی مملکت کے حصول کی تحریک ہمارے علماء و مشائخ اور ان کے لاکھوں عقیدتمندوں نے اپنے خونِ جگر سے اس کو پروان چڑھایا اور اس کے ثمرات سے قوم کو متمتع ہونے کا موقع فراہم کیا۔ ۱۸۵۷ء میں مجاہدِ کبیر حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی، مفتی کفایت علی کافی، مولانا امام بخش صہبائی، مفتی عنایت احمد کاکوروی، مولانا فیض احمد بدایونی، مولانا احمد اللہ شاہ مدراسی، سید وہاج الدین مرادآبادی، مولانا شاہ رضا علی بریلوی (رحمہم اللہ تعالےٰ) جیسے بے شمار رہنماؤں اور ان کے ارادتمندوں نے انگریزی سامراج کا تختہ اُلٹنے کے لیے جو بیش بہا قربانیاں دیں ان کے بغیر جنگِ آزادی کا تصور تک ممکن نہیں۔

تحریکِ پاکستان کا مرحلہ آیا تو بھی ہمارے علمائے کرام اور مشائخ عظام نے قوم کی رہنمائی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا اور آزادی کی منزل کو حاصل کرنے کے لئے تن من دھن کی بازی لگادی۔ یہ درست ہے کہ پاکستان کا مطالبہ مسلم لیگ نے کیا تھا مگر اس حقیقت سے صرفِ نظر ممکن نہیں کہ اگر ہمارے علماء و مشائخ مسلم لیگ کی تائید و حمایت نہ کرتے، مسلمانوں کے سوادِ اعظم کو جو ان بزرگوں کے ارادتمندوں اور نام لیواؤں پر مشتمل تھا، الگ ریاست کے حصول کے لئے آمادہ نہ کرتے تو شاید پاکستان کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہوتا۔ انہوں نے رائے عامہ کو بیدار کیا اور قوم کو منزل تک پہنچانے کی خواہش میں یہاں تک چلے گئے کہ اگر کسی موقع پر قائدِ اعظم پاکستان کے مطالبے

دستبردار یا بددل بھی ہو گئے تو بھی علماء و مشائخ اہلِ سنت اس نصب العین کے حصول کے لئے تگ و دو میں کوئی جھول نہیں آنے دیں گے اور اسے حاصل کر کے دم لیں گے۔ جب ہمارے بزرگ اور ان کے متبعین مسلم لیگ سے بھرپور تعاون کر رہے تھے تو بعض حضرات محدود گروہی اور انفرادی مفادات کے پیشِ نظر وسیع تر قومی اور ملی مفاد کے خلاف کانگرس کے ہاتھ مضبوط کرتے رہے اور کسی نہ کسی صورت میں غلامی کا جُوا ملت کے گلے کی زینت بنائے رکھنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے رہے، ان کی نظر میں مطالبۂ پاکستان کی تشہیر و تبلیغ کرنے والے کافر و مشرک بنے انہوں نے پاکستان کو پلیدستان قرار دیا، قوموں کو اوطان سے مشتق بتایا اور خدا و رسول (صلی اللہ علیہ و سلم) کے معاندین سے محبت شعار کی۔ ایسے حضرات کی تمام تر کوششوں کے باوصف مخلصین کی جماعت کامرانی سے ہمکنار ہوئی، سازشیں اپنی موت آپ مر گئیں اور ۱۹۴۷ء میں دنیا کے نقشے پر پاکستان معرضِ وجود میں آ گیا۔

قیامِ پاکستان کے بعد تحریکِ پاکستان کے رہنماؤں اور ملک و ملت کے بے لوث خادموں کے خلاف دشنام طرازی اور اتہام تراشی کی تحریکیں جاری رہیں اور ذرائع ابلاغ پر قابض لوگوں نے پاکستان کے قیام کی جدوجہد میں علماء و مشائخ کے کردار پر پردہ ڈالنے کی کوششیں شروع کر دیں، ان لوگوں نے تصنیف و تالیف کے میدان میں جولانیاں دکھائیں تو مطمحِ نظر یہ ٹھہرا کہ علماء و مشائخِ اہلِ سنت کے کارناموں کو قعرِ گمنامی میں پھینک دیا جائے، مشہور کیا گیا کہ سنی بزرگ مسجد و خانقاہ کے لوگ ہیں، میدانِ جہاد سے ان کا تعلق ہو ہی نہیں سکتا حتیٰ کہ انگریز کے ازلی کاسہ لیس اور ہندوؤں کے پرانے ساتھیوں نے بھی سنیوں پر زبانِ طعن دراز کرنے میں قباحت محسوس نہ کی۔

دوسری طرف سنیوں نے اس حقیقت کا ادراک نہ کیا کہ کام کرنا ہی سب کچھ نہیں ہوتا، اس کی تشہیر بھی ضروری ہوتی ہے انہوں نے تصنیف و تالیف کے میدان میں قدم نہ رکھا، اپنے بزرگوں کے کارناموں کو صفحۂ قرطاس پر منتقل کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی، مخالفینِ حق کے پروپیگنڈے

کے خلاف حقائق نویسی کو شعار نہ کیا۔ دوسروں نے ہماری اس غفلت کا فائدہ اٹھا کر تاریخ کے طالب علم کو غلط اور نامکمل مواد فراہم کیا اور نئی نسل کو یہ باور کرانے کی بھرپور کوشش کی کہ اہلِ سنت وجماعت کا تحریکِ پاکستان سے بس واجبی سا تعلق رہا ہے۔

پروفیسر محمد مسعود احمد قبلہ نے احساس کی شدت میں مجھے اس موضوع پہ کام کرنے کی ترغیب دی اور ہر ممکن تعاون کا یقین دلایا چنانچہ میں نے پروفیسر صاحب موصوف کی تحریک اور استاذی حضرت حکیم محمد موسیٰ صاحب امرتسری مدظلہ کی تائید سے اس خارزار وادی میں قدم رکھا اور اللہ کا نام لیکر کام شروع کر دیا۔ میری دو سال کی شبانہ روز محنت کا ثمر اکابرِ تحریکِ پاکستان کی صورت میں آپ کے سامنے ہے۔ میں بکھرے ہوئے مواد کو مجتمع کرنے میں کس حد تک کامیاب ہوا ہوں، اس کا فیصلہ کرنا آپ کا کام ہے، بہرحال اس موضوع پر یہ پہلی کوشش ہے جو مستقبل کے مؤرخ کو مستند مواد فراہم کرے گی۔ قارئینِ کرام سے گزارش ہے کہ اپنے گراں قدر مشوروں سے نوازیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں ضروری اضافے کئے جا سکیں۔

موضوع کی اہمیت اور کاغذ کی ہوش ربا گرانی کے پیشِ نظر کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے، زیرِ نظر جلد میں محض علماء و مشائخِ اہلِ سنت کا تذکرہ ہے، دوسری جلد میں علماء و مشائخ کے علاوہ دیگر مجاہدینِ تحریک کی خدماتِ جلیلہ کا ذکرِ خیر بھی کیا جائے گا۔

نامناسب ہوگا اگر میں ان حضرات کا شکریہ ادا نہ کروں جنہوں نے قدم قدم پر میری رہنمائی کر کے تحریکِ پاکستان کے بعض گوشوں کو بے نقاب کرنے کے لئے اس تاریخی مواد کو ایک مبسوط کتاب کی شکل میں پیش کرنے کے قابل بنایا۔ استاذی حکیم محمد موسیٰ امرتسری کی عالمانہ اور محققانہ رہنمائی کے بغیر اس کتاب کی ترتیب و تدوین اور اشاعت ممکن ہی نہ تھی، انہوں نے مجھے اپنے گرانقدر مشوروں سے نوازا اور نایاب کتابیں فراہم کیں، حضرت قبلہ سید محمد فاروق القادری ایم۔اے عربی و اسلامیات (گولڈ میڈلسٹ) سجادہ نشین شاہ آباد شریف، گڑھی اختیار خاں ضلع رحیم یار خاں نے اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود مسودے کا ایک ایک لفظ کو پڑھا اور ضروری ترامیم اور اضافوں کے

علاوہ اس پر مقدمہ تحریر فرمایا جس سے کتاب کی افادیت دہ چند ہو گئی ہے۔ ان کے علاوہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، پروفیسر فیاض احمد خاں کاوش، پروفیسر محمد ایوب قادری، خواجہ عبد الکریم قاصف ایڈووکیٹ (ملتان)، محترم جناب رشید محمود ایم۔اے، جناب چوہدری گل محمد فیضی بی۔اے (مؤلف آزادی کی ان کہی کہانی) اور مولانا شاہ محمد چشتی سیالوی قصوری کا بھی سپاس گذار ہوں کہ ان حضرات نے مقدور بھر تعاون فرمایا، اللہ تعالےٰ میرے ان کرم فرماؤں کو جزائے خیر دے آمین ثم آمین بجاہِ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

محمد صادق قصوری
۵ر شوال المکرم ۱۳۹۵ھ
۱۱ر اکتوبر ۱۹۷۵ء

برج کلاں
ضلع قصور
پاکستان

مولانا آزاد سبحانی

مولانا کا اصل نام عبدالقادر تھا۔ آپ کی پیدائش ۱۸۸۲ء میں سکندر پور ضلع بلیا (یو۔پی) میں ہوئی۔ آپ فلسفۂ الٰہیات کے فاضل، وسیع النظر عالم، سحر بیان خطیب و شاعر تھے۔ پہلے پہل ان کے نام کو شہرت اس وقت حاصل ہوئی جب آریہ سماجیوں نے ہندوستان میں فتنۂ ارتداد بپا کیا۔ اس فتنہ کو کچلنے میں آپ نے شب و روز بڑی محنت سے کام کیا یہ وہی فتنہ تھا جسکو ۱۹۲۳ء میں دوبارہ شدھی کے نام سے سوامی شردھانند نے ابھارا۔ اس فتنہ کے استیصال کے لئے آپ نے کانپور میں ۱۳ ستمبر ۱۹۰۸ء کو مدرسہ الٰہیات قائم کر کے بے شمار مبلغ پیدا کئے [۱]

آپ نے تحریک خلافت، ترکِ موالات اور مسلم لیگ میں شامل ہو کر آزادی وطن کے لئے سرگرم حصہ لیا۔ ۱۹۱۲ء میں جب اٹلی نے طرابلس پر حملہ کر دیا۔ ابھی یہ جنگ جاری تھی کہ بلقان کی ریاستیں متحد ہو کر ترکیہ پر حملہ آور ہوئیں تاکہ اسلام اور مملکت ترکی کو یورپ کے نقشہ سے مٹا ڈالیں۔ دوسری طرف ہند میں برطانوی راج کے ہاتھوں مسلمان پستے چلے جا رہے تھے۔ انگریزوں کے خلاف نفرت کا جذبہ پیدا ہو چکا تھا۔ اسی زمانے میں مسجد مچھلی بازار کانپور کے منہدم کرنیکا واقعہ پیش آیا۔

قصہ یوں ہوا کہ شہر کی میونسپلٹی نے ایک نئی سڑک نکالی جس میں مسجد کا ایک حصہ جو وضو خانہ تھا بیچ میں آگیا اور مسلمانوں کی مرضی کے خلاف سے زبردستی منہدم کر دیا گیا حالانکہ مسجد کے پاس ایک چھوٹا سا مندر بھی تھا جس کو بچا کر یہ سڑک نکالی گئی۔ اس واقعہ نے مسلمانوں کے جذبات کو بھڑکا دیا۔ ۱۳ اگست ۱۹۱۳ء کو جب رمضان المبارک کی دسویں تاریخ تھی مسلمانانِ کانپور نے مولانا عبدالقادر آزاد سبحانی کی سرکردگی میں ایک عظیم الشان جلسہ منعقد کیا۔ آپ کی تقریر سے جلسہ میں کافی جوش و خروش

[۱] ماہنامہ نقوش لاہور، مکاتیب نمبر، ص ۹۴۰۔

پیدا ہوا۔ جلسہ کے بعد پرجوش مسلمانوں نے جن میں بچے بوڑھے سبھی شامل تھے مسجد کا رُخ کیا اور مسجد کی منہدم دیوار پر اینٹیں چن چن کر رکھنے لگے۔

مسٹر ٹلر ڈپٹی کمشنر کانپور نے سکھ فوج کو حملہ کرنے کا حکم دیا۔ فوج اور پولیس کے سپاہیوں نے نہایت بے رحمی سے گولیاں برسائیں اور قریب سے برچھے مارے۔ شہیدوں اور زخمیوں میں ننھے ننھے بچے بھی شامل تھے۔ شہدار کی صحیح تعداد کا پتہ نہ چل سکا، سرکاری اندازہ بیس آدمیوں کا تھا۔ اس خونی سانحہ نے تمام ہندوستان میں آگ لگا دی۔ اس سانحہ کے موقع پر آزاد سبحانی سب سے پہلے ملک میں متعارف ہوئے۔ مولانا آزاد سبحانی اور دیگر بہت سے مسلمان علمارکرام اور رہنما گرفتار کر لئے گئے جس کی وجہ سے ملک گیر مظاہرے شروع ہو گئے۔ مسلمانوں کا مطالبہ تھا کہ مسجد کے اس حصے کو جو شہید کیا گیا ہے قائم رکھا جائے مگر حکومت نے اپنے وقار کا مسئلہ بنا لیا۔

مسلمانوں کا ایک وفد انگلستان گیا تاکہ حکومت برطانیہ کو تمام حالات سے آگاہ کیا جا سکے اس وفد میں مولانا محمد علی جوہر اور وزیر حسن (جو بعد میں جج بنے) شامل تھے۔ ان کی کوششوں سے لارڈ ہارڈنگ (وائسرائے) اور سرعلی امام (لا ممبر) کانپور پہنچے اور اس مسئلہ کا تصفیہ کیا۔ حکومت نے مولانا کو معافی نامہ پیش کرنے کی شرط پر رہائی کا پیغام بھیجا مگر انہوں نے اسے اپنی توہین سمجھتے ہوئے ٹھکرا دیا اور قید و بند کی صعوبتوں کو گلے لگایا، آپ کی جائیداد کو نیلام کر دیا گیا۔ آپ نے سب کچھ برداشت کیا مگر راہِ حق کو کسی قیمت پر بھی نہ چھوڑا۔ [۱]

کلکتہ میں جب سیاسی اختلافات کے سبب مسلمانوں کی اکثریت نے مولانا ابوالکلام آزاد کی اقتدا میں نمازِ عیدین پڑھنے سے انکار کر دیا تو ان کی جگہ مولانا آزاد سبحانی نے دو سال تک امامت و خطابت کے فرائض سرانجام دئیے۔ مولانا کے خطبے عام طور پر عالمانہ اور محققانہ ہوتے تھے [۲]

---

[۱] حیاتِ شبلی از سید سلیمان ندوی مطبوعہ اعظم گڑھ ۱۹۴۳ء ص ۶۰۱، ۶۰۲ — دید و شنید از رئیس احمد جعفری مطبوعہ لاہور ۱۹۴۸ء ص ۵۹، ۶۰ — اعمال نامہ از سر رضا علی مطبوعہ دہلی ۱۹۳۹ء ص ۳۱۰ — ہفتہ وار المدینہ کراچی ۲۷ اگست ۱۹۷۱ء۔

[۲] ذکر آزاد، از عبدالرزاق ملیح آبادی مطبوعہ کلکتہ ۱۹۶۰ء، ص ۲۱۹-۲۲۰ ، نقوش لاہور ، مکاتیب نمبر ۱۹۶۰ء۔

۱۹۴۵ء میں آپ نے حکومتِ ربانیہ کے نام سے ایک روحانی اور اصلاحی تحریک شروع کی اور گورکھپور سے ایک رسالہ روحانیت کے نام سے نکالا جو ڈیڑھ سال بعد بند ہو گیا۔ آپ نے سیاسی موضوع پر آزادی اور مالابار دو بلا نامی دو کتابیں لکھیں۔ روحانیت اور مذہب کے موضوع پر بھی متعدد کتابیں لکھیں [۱]

آپ کی زندگی نہایت سادہ مگر پُر وقار تھی، حق گوئی و بیباکی آپ کا شیوہ تھا۔ تحریکِ آزادی میں ہمیشہ پیش پیش رہے۔ آپ کی تقاریر نہایت پُر تاثیر ہوتی تھیں، جب آپ میلاد کی محفلیں پڑھا کرتے تو مخالفین بھی شریکِ محفل ہوا کرتے تھے۔ [۲]

۱۹۳۵ء (ذوالحجہ ۱۳۵۳ھ) میں آپ کو حج بیت اللہ کی سعادت نصیب ہوئی۔ اس سال ہندوستان سے مندرجہ ذیل مشاہیر بھی حج کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے:

۱۔ مولانا معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ (استاذ حضرت شیخ الاسلام سیالوی مدظلہ)
۲۔ مولانا عبدالقدیر بدایونی رحمۃ اللہ علیہ
۳۔ مولانا حسرت موہانی رحمۃ اللہ علیہ
۴۔ مولانا مظہر الدین ایڈیٹر الامان وغیرہم [۳]

آپ ۲۴ جون ۱۹۵۷ء کو لکھنؤ کے بلرام پور ہسپتال میں اس دنیائے فانی سے رخصت ہوئے انا للہ وانا الیہ راجعون، کچی باغ گورکھپور میں مدفن بنا [۴]

---

[۱] ماہنامہ معلومات، لاہور، شمارہ نمبر ۱۵۔
[۲] قومی زبان کراچی، ۱۶ جولائی و یکم اگست ۱۹۵۷ء و دید و شنید از رئیس احمد جعفری، مطبوعہ لاہور ۱۹۵۸ء، ص ۵۸، ۶۰۔
[۳] معین المنطق از مولانا معین الدین اجمیری، مطبوعہ کراچی ۱۹۶۷ء، ص ۹۶
[۴] ماہنامہ نقوش لاہور (مکاتیب نمبر) ۱۹۵۷ء، ص ۹۴۰۔

مولانا محمد ابراہیم علی چشتی

حضرت مولانا محمد ابراہیم علی چشتی ۱۶ر اگست ۱۹۱۷ء کو لاہور میں پیدا ہوئے۔ آپ کا تاریخی نام افتخار احمد (۱۳۳۵ھ) تھا[1] والدِ گرامی کا نام مولوی محرم علی چشتی تھا جو لاہور کے بہت بڑے سیاستدان، وکیل اور اخبار نویس تھے۔ ان کی ایک کتاب "اسلامی زندگی کا دنیوی پہلو" شہرتِ دوام حاصل کر چکی ہے۔ ۸ر دسمبر ۱۹۳۴ء کو لاہور میں مدفون ہوئے[1]

مولانا محمد ابراہیم علی چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے لاہور سے بی اے کرنے کے بعد ۱۹۴۱-۴۲ء میں شعبہ صحافت پنجاب یونیورسٹی سے فرسٹ ڈویژن میں ڈپلوما ان جرنلزم حاصل کیا اور اول پوزیشن حاصل کی، پھر ایل ایل بی کیا[2] طبیعت شروع ہی سے سیاست کی طرف مائل تھی چنانچہ آپ نے ۱۹۳۶ء میں انٹر کالجیٹ مسلم برادرہڈ قائم کی اور ۱۹۳۷ء میں اس کا نصب العین خلافتِ پاکستان قرار دیا۔ خلافتِ پاکستان کا نقشہ پنجاب، سندھ، سرحد، بلوچستان اور کشمیر سے شروع ہو کر دہلی، آگرہ، لکھنؤ، گنگا جمنا کا طاس ایک کاریڈور یعنی خطۂ اتصال کی شکل میں بنگال اور آسام سے مل کر مکمل ہوتا تھا۔ انٹر کالجیٹ مسلم برادرہڈ لاہور کے کالجوں میں تعلیم پانے والے مسلم طلبہ کی تنظیم تھی، علامہ اقبال اس کے روحانی سرپرست تھے اور چشتی صاحب مرحوم اس کے جنرل سیکرٹری تھے۔ نیز اس زمانے میں ان کا تعارف بطور ایک بہترین DEBATOR کے ہوتا تھا۔ ۱۹۳۸ء میں جب مولانا عبدالستار خاں نیازی نے پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کی صدارت

---

[1] تاریخِ جلیلہ از پیر غلام دستگیر نامی مطبوعہ لاہور ۱۹۶۰ء (تکملہ) ص ۱۵، مکتوب گرامی مولوی عبدالقدیر نعمانی بنام راقم الحروف محررہ از لاہور ۲۱۔

[2] نقوش لاہور نمبر، ص ۹۴۴۔

[3] مکتوب گرامی ڈاکٹر عبدالسلام خورشید بنام راقم الحروف از لاہور، محررہ ۲۶ر ستمبر ۱۹۷۴ء

سنبھالی تو چشتی صاحب اس کے سیکریٹری جنرل اور ناظمِ امورِ خارجہ مقرر ہوئے۔ ۱۹۳۹ء میں مولانا نیازی نے ان کے مشورہ سے آل انڈیا مسلم لیگ کے سامنے خلافتِ پاکستان سکیم پیش کی۔[1] ۱۹۴۱ء میں فیڈریشن کی سالانہ کانفرنس منعقد کی جس میں خلافتِ پاکستان کا منشور اور حصول کا طریقۂ کار پیش کیا گیا۔ ۱۹۴۴ء میں چشتی صاحب مرحوم کی رہنمائی میں ایک مشہور کتاب پیرِ پاکستان کی تعبیرِ پاکستان (پاکستان کیا ہے؟ کیسے بنے گا اور ہو گا کیا؟) میاں محمد شفیع (م ش)، مولانا نیازی نے شائع کی اور ۱۹۴۸ء میں تحریکِ خلافتِ پاکستان کے اساسی رکن بن گئے اور ہفتہ وار اخبار خلافتِ پاکستان جاری کیا۔ چشتی صاحب اس اخبار کے ایڈیٹوریل سٹاف میں ممتاز درجہ رکھتے تھے، نیازی صاحب مدیرِ مسئول اور چشتی صاحب نگرانِ اعلیٰ تھے۔ پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے ممتاز قائدین میں چشتی صاحب مرحوم کے علاوہ مولانا عبدالستار خاں نیازی، جناب حمید نظامی، میاں محمد شفیع، شیخ انوار الحق (حال جسٹس سپریم کورٹ) ذکی الدین پال (حال جج ہائی کورٹ)، چوہدری نصر اللہ خاں ایڈووکیٹ، ملک ظفر اللہ خاں، حکیم محمد انور بابری، ڈاکٹر عبدالسلام خورشید اور مولانا عبدالقدیر نعمانی نے طلبہ کی تنظیم کے ذریعے تحریکِ پاکستان کو آگے بڑھایا۔ برصغیر پاک و ہند میں خلافتِ پاکستان کے نظریہ کو مقبول بنانے میں شبانہ روز کوشش کی۔ خلافتِ پاکستان سکیم پر مشتمل نقشہ انٹر مسلم برادرہڈ نے شائع کر کے تمام ہندوستان میں پھیلا دیا تھا جو عرصہ تک ملک کے بڑے بڑے اخباروں میں خبروں اور تبصروں کا موضوع بنا رہا ہے۔[2]

۱۹۴۱ء میں آپ نے تحریکِ رفاقت کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا جس کا مقصد یہ تھا کہ ہندوؤں، سکھوں اور مسلمانوں میں سیاسی اختلافات کی موجودگی میں ———

---

[1] مکتوب مولانا عبدالستار خاں نیازی بنام راقم الحروف، محررہ لاہور۔

[2] روزنامہ کوہستان ۲۳ جولائی ۱۹۶۸ء ص ۲ - نوائے وقت لاہور، ۷ اگست ۱۹۶۸ء، ص ۲

بھائی چارہ اور رفاقت پیدا کی جائے۔ چند سال تک اس تحریک کو بڑے زور شور سے چلایا تاکہ سیاسی اور مذہبی اختلافات بجائے خود رکھتے ہوئے بھی صلح و آشتی کے ماحول میں ایک دوسرے کا نقطۂ نگاہ سمجھا جائے۔ ۱۹۴۶ء کے عمومی انتخابات کے موقع پر خضر حیات نے تحریکِ رفاقت کو اپنے سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کرنا چاہا، لالہ بھیم سین سچر وزیر خزانہ نے بھی دباؤ ڈالا، مگر چشتی صاحب نے مخالفت کی اور بالآخر اس تحریک کو ختم کر کے مسلم لیگ میں شامل ہو گئے اور قیامِ پاکستان تک مسلم لیگ کی دل و جان سے خدمت کی۔

۱۹۴۶ء میں مسلم لیگ نے علماء و مشائخ کی حمایت حاصل کرنے کے لئے مشائخ کمیٹی بنائی جس کا صدر آپ کو بنایا گیا چنانچہ بنارس کی آل انڈیا سنی کانفرنس میں آپ نے مسلم لیگ کی طرف سے شرکت فرما کر پاکستان کے حق میں مشہور قرارداد پاس کرائی جس کی رُو سے ملک کے علماء و مشائخِ اہلسنت نے نظریۂ پاکستان کے لئے کام کرنا شروع کیا۔ اس تحریک میں آپ حضرت محدث علی پوری، محدث کچھوچھوی، مولانا ابوالحسنات قادری اور حضرت مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہم کے ساتھ کام کرتے رہے [1]

۱۹۴۶ء میں جب مسلم لیگ اور یونینسٹ پارٹی کی کشمکش فیصلہ کن مرحلہ میں داخل ہو گئی تو مولانا چشتی نے اپنے احباب سے مشورہ کے بعد (جس میں مولانا عبدالستار خان نیازی مدظلہ، حمید نظامی مرحوم، باری مرحوم اور میاں محمد شفیع (م ش) شامل تھے) ایک مرتبہ پھر میدان میں آنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ جب صوبائی مسلم لیگ کی ہائی کمانڈ کے تمام اراکین کو گرفتار کر لیا گیا تو چشتی صاحب تحریکِ سول نافرمانی کی رہنمائی کرتے ہوئے جیل بھیج دیئے گئے۔ سلسلہ چشتیہ کی معروف گدیوں تونسہ شریف، سیال شریف اور گولڑہ شریف کے قابلِ احترام سجادہ نشینوں کے بے پناہ اثر و رسوخ کو مسلم لیگ کے لئے حاصل کرنے میں آپ کا بہت زیادہ دخل ہے [2]

---

[1] کوہستان لاہور ۱۳ جولائی ۱۹۶۸ء، ص ۲۔ نوائے وقت لاہور ۱۴ جنوری ۱۹۷۳ء

[2] نوائے وقت لاہور، ۷ اگست ۱۹۷۴ء، ص ۳

غرضیکہ مولانا کی ذات سے مسلم لیگ کو بہت زیادہ تقویت ملی۔

حضرت مولانا چشتی ایک عظیم سیاستدان ہونے کے علاوہ بلند پایہ صحافی بھی تھے چنانچہ مشہور صحافی جناب ڈاکٹر عبدالسلام خورشید لکھتے ہیں :-

"۱۹۴۱ء میں صحافت کی کلاس کا آغاز ہوا تو (مولانا) میرے ہم جماعت تھے وہ فرسٹ آئے اور میں سیکنڈ، جب باہر نکلتے تو ڈگری کا سیاہ گاؤن ضرور پہنتے وہ کسی اخبار سے منسلک نہیں رہے لیکن "مفکر" اور "مبصر" کے عنوان سے ان کے مقالات اخباری قارئین سے خراجِ تحسین حاصل کرتے رہے وہ انگریزی اور اردو دونوں زبانوں میں دسترس رکھتے تھے اور دونوں میں لکھتے تھے غالباً کچھ عرصہ بعض غیر ملکی اخبارات کے کالم نویس بھی رہے، انہیں جرمنی کے ڈکٹیٹر ہٹلر کی شخصیت میں عسکریت بہت پسند تھی اس لئے اس کی خودنوشت سوانح کا ترجمہ کیا جو تزکِ ہٹلری[1] اور تورہ ہٹلری کے نام سے مشہور ہے۔

قیامِ پاکستان کے بعد مولانا چشتی محکمہ اسلامیات کے ڈائرکٹر مقرر ہوئے لیکن آپ کی مذہبی و ملی خدمات اور حق گوئی و بیباکی میں ذرہ بھر فرق نہ آیا اور اتنے بڑے عہدہ پر فائز ہوتے ہوئے بھی ان کی زندگی سادگی کا نمونہ بنی رہی۔ آپ نے اپنے والد کی طرح عنفوانِ شباب ہی میں ڈاڑھی رکھ لی تھی۔ انگریزی لباس کبھی نہ پہنا۔ آپ کے ہاتھ میں ہمیشہ ایک خوبصورت اور موٹا ڈنڈا رہتا تھا جو آپ کو ورثے میں ملا تھا اور اس ڈنڈے کو "مولا بخش" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

آپ کی شخصیت کے بارے میں آپ کے رفیقِ خاص جناب م ش کی رائے ملاحظہ ہو :-

---

[1] روزنامہ مشرق لاہور، ۱۴ر اگست ۱۹۶۸ء، ص ۴

"قبلہ چشتی صاحب کے حالاتِ زندگی میں سب سے اہم معاملہ عقائد کی صحت اور پختگی تھا۔ انہوں نے روزِ اول سے اپنی سیاسیات اور اپنی جملہ مصروفیات کو اپنے غیر متزلزل عقائد کی روشنی میں استوار کیا۔ وہ ایک عظیم انسان تھے، بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ وہ اپنے دور کے عظیم ترین انسان تھے لیکن انہیں جو دور میسر آیا وہ بقولِ اقبال ؎

وہ محفل اٹھ گئی جس وقت مجھ تک دورِ جام آیا

ان کی عظمت کے مطابق انہیں ساقی نہ ملے ؎

لیکن مجھے پیدا کیا اِس دیس میں تو نے
جس دیس کے بندے ہیں غلامی پہ رضامند

انگریزی کا ایک لفظ AMBITION ہے جسے اردو میں تمنا، تڑپ، آرزو وغیرہ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے، میرا یہ ایک AMBITION ہے کہ حضرت قبلہ مولوی محمد ابراہیم علی چشتی پر کچھ لکھ سکوں، اس کے لئے قلب و جگر کی پاکیزگی شرطِ اول ہے لیکن میں مکروہاتِ دنیا میں گل گل تک دھنسا ہوں"[1]

تحریک ختم نبوت چلی تو حضرت مولانا چشتی بھی دیگر علماء اہلسنت کی طرح میدان میں کود پڑے۔ اس دوران میں آپ نے جس اولوالعزمی اور بلند حوصلگی کا ثبوت دیا وہ اپنی مثال آپ ہے انکوائری رپورٹ میں آپ کے مقدمہ کی روئیداد آپ کے استقلال کی بہت بڑی دلیل ہے' آپ اس تحریک میں قید و بند میں بھی رہے[2]

عشقِ رسول آپ کے رگ و پے میں سمایا ہوا تھا چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں انہوں نے

---

[1] مکتوب جناب میاں محمد شفیع بنام مخدومی حکیم محمد موسےٰ امرتسری، محررہ ۲۷ جولائی ۱۹۷۴ء، لاہور

[2] روزنامہ کوہستان لاہور، ۳۰ جولائی ۱۹۶۸ء، ص ۲۔

ہمیشہ کھدر پہنا اور مٹی کے برتنوں میں کھانا کھایا، وہ چارپائی پر ہمیشہ کھجور کی چٹائی ڈال کر سوتے تھے، ان کی دوستی اور دشمنی کا معیار اسلام اور صرف اسلام تھا، وہ عقائد میں پختگی کے لحاظ سے چٹان اور میدانِ عمل کے شاہسوار تھے، وہ بھرپور جوان تھے اور ساری زندگی مجرد رہے مگر ان کا دامن جوانی کی لغزشوں اور آلودگیوں سے سراسر پاک تھا [1]

حضرت مولانا چشتی اعتقادی طور پر اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ کے مسلک کے پیروکار تھے، ان کے افکار کی تبلیغ و اشاعت میں خاصا وقت دیتے تھے۔ روپے پیسے کی بالکل لالچ نہ تھا، انہوں نے فقر و فاقہ، تنگ دستی و عسرت کو بہ طیبِ خاطر قبول کیا اور اپنے انتقال کے وقت ایک پیسہ کی جائداد منقولہ و غیر منقولہ نہ چھوڑی۔ ۱۹۲۵ء میں پیسہ اخبار کے جس کرایہ کے مکان میں رہتے تھے ۱۹۶۸ء میں وہیں سے ان کا جنازہ اٹھا۔ یہ حال اس شخص کا تھا جس کا شمار پاکستان کے معماروں میں کیا جاتا ہے [2]

گوناگوں مصروفیتوں کے باوجود مولانا چشتی مرحوم نے کئی ایک کتابیں بھی لکھیں، چند ایک کے نام یہ ہیں :-

۱۔ تزکِ ہٹلری و تورۂ ہٹلری (ہٹلر کی خودنوشت سوانحِ حیات کا اردو ترجمہ، دو جلدوں میں چھپ چکا ہے)

۲۔ ملفوظاتِ بابا بلند کوہی۔

۳۔ منشورِ خلافتِ پاکستان۔

۴۔ انگریز کا راج کیوں کر ختم ہوا؟ (انگریزی سے ترجمہ)

---

[1] روزنامہ کوہستان لاہور، ۱۳ر جولائی ۱۹۶۸ء، ص ۲۔

[2] ایضاً ایضاً ، نوائے وقت لاہور، ۷ر اگست ۱۹۶۸ء۔

۵. A TREASURE OF GENERAL KNOWLEDGE

۶. A DRAFT MODERN ISLAMIC CONSTITUTION FOR PAKISTAN

۷. THE CONCISE ENCYCLOPAEDIA OF ISLAMIC GENERAL KNOWLEDGE

حضرت مولانا نے پاکستان میں اسلامی نظام کے لیے جو مساعی جمیلہ کیں ان کا ذکر خاصی طوالت کا متقاضی ہے، اس جہاد میں ان کے دونوں پھیپھڑے خراب ہو گئے، خون میں شکر نارمل سے تین سو فیصد سے زائد ہو گئی جس سے گلہ اور بصارت متاثر ہوئے لیکن ان حالات میں بھی آپ اپنی ان تکالیف کو زبان پر نہ لائے۔

آخر اسی مرض کی حالت میں ۱۰ر جولائی ۱۹۶۸ء/ ۱۳ر ربیع الثانی ۱۳۸۸ھ بروز جمعۃ المبارکہ اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ نمازِ جنازہ مفتی اعظم پاکستان مولانا ابوالبرکات قادری مدظلہ نے پڑھائی اور مولانا مفتی محمد حسین نعیمی، (جامعہ نعیمیہ لاہور)، علامہ علاؤالدین صدیقی، میاں محمد شفیع (م ش)، مسعود احمد سی ایس پی ناظم اوقاف، سید آل احمد سابق ایڈمنسٹریٹر اوقاف، حکیم محمد انور بابری، حکیم محمد موسیٰ امرتسری، ڈاکٹر عبدالسلام خورشید، خان عبدالوحید خان (سابق مرکزی وزیر اطلاعات)، مولانا قیوم الٰہی عرفانی خطیب شاہی مسجد و دیگر بہت سے معروف حضرات نے نمازِ جنازہ میں شرکت کی اور اس مردِ قلندر کو بادشاہی مسجد کے قریب سپردِ خاک کر دیا گیا۔

بہت سے شعراء نے قطعہ ہائے تاریخِ وصال کہے، چند ایک درج ذیل ہیں، جناب ابوالظفر نازش رضوی نے یہ قطعۂ تاریخ کہا ؎

چو ابراہیم علی چشتی مردِ نیک سرشت — زقیدِ دارِ فانی شد بامرِ حق آزاد
زگریہ قطرۂ خونیں دو دیدہ بیش چکید — دلِ حزینِ من زار نیز در فریاد
برائے مادۂ سالِ فوت چوں جستم — ندائے ہاتفِ غیب آمد اسے بلند نہاد
زروئے تعمیہ گرد عدد اضافہ کنی
برآیدت کہ بخلدِ بریں مقامش باد

۱۳۸۶+۲ = ۱۳۸۸ھ

سید شریف احمد شرافت نوشاہی سجادہ نشین ساہنپال شریف ضلع گجرات نے یہ قطعہ لکھا

جناب براہیم چشتی کمال | زدنیائے دوں شد سوئے ذوالجلال
ذکی و سخن پرور و خوش بیاں | نبودہ کسے مثلِ او درجہاں
مہارت بسے داشت در ہر زباں | بتالیف پرداخت در ہر لساں
بتجرید و تفرید بودہ وحید | بفقر و غنا مثلِ وے کس ندید
پسر پاک حضرت محترم علی | کہ بودہ بہ اقران مردِ جلی
زاولادِ آں فردِ مسعود دیں | شکر گنج قطب زمان و زمیں
بُد از عاشقانِ بزرگانِ چشت | خداوند جائش کند در بہشت
بفردوسِ اعلیٰ شود مستقیم | بروضاتِ جناتِ دار النعیم
چو بربست رختِ حیات ازجہاں | ربیع دوم سیزدہ بود آں
زترحیلِ وے گویم ازلطفِ شاہ | "سراج ہدایت مروت پناہ"
زِ سالِ مسیحی چو خواہی نشاں | بداں "خسروئے منتخب" بہرِ آں

دگر "فاضل نغز" تاریخ اوست
شرافت بگفتا چنیں بہرِ دوست

مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری

حضرت مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری ۱۸۹۶ء میں ریاست الور میں پیدا ہوئے[1]
آپ کے والدِ گرامی سید دیدار علی شاہ ملک کے ممتاز عالمِ دین اور بزرگ ہو گزرے ہیں۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد ریاست الور ہی میں مذہبی خدمات سرانجام دینے لگے۔ مسلمانوں کی زبوں حالی دیکھ کر ان کا جی کڑھتا تھا اسی لئے آپ نے مہاراجہ الور سے تعلقات بڑھائے کیونکہ آپ نے محسوس کر لیا تھا کہ جب تک مسلمان ریاست الور میں دخیل نہ ہوں گے اس وقت تک عظمت رفتہ بحال نہ ہوسکے گی۔ مہاراجہ جلد ہی آپ کے تبحرِ علمی اور بلند خیالی کا معترف ہو گیا اور ریاست میں ایک انجمن تحفظ حقوق المسلمین قائم کر دی۔ انہی دنوں حکومت نے ایک سڑک بنانے کا منصوبہ تیار کیا، سڑک کے راستے میں ایک مسجد تھی جسے شہید کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اس پر پورے علاقے کے مسلمانوں میں غم و غصّے کی لہر دوڑ گئی اور نوبت ہندو مسلم فسادات تک پہنچ گئی حکومت نے مسلمانوں کے جذبات کے احساس کو بالائے طاق رکھ کر ایک رات فوج کی مدد سے مسجد کو شہید کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ مولانا کو پتہ چلا تو آپ ۳۱۳ جانبازوں کا جیش لیکر اسی رات مسجد کی طرف روانہ ہو گئے اور راستہ میں ایک دو مقام پر معمولی مزاحمت کے بعد آپ نے مسجد میں داخل ہونے میں کامیابی حاصل کر لی۔

ادھر مسلمانوں کو آپ کی روانگی کی خبر ہوئی تو تمام مسلمان اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس نازک صورتِ حال کے پیشِ نظر حکومت نے مسجد کو منہدم کرنے کا پروگرام ملتوی کر دیا اور آپ کو بلا کر کہا کہ مسجد کے لئے اس سے بہتر اور وسیع جگہ دی جاتی ہے، آپ اس جگہ کو چھوڑ دیں لیکن آپ نے

---

[1] تذکرہ علمائے اہلسنت لاہور، از علامہ اقبال احمد فاروقی، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۵ء، ص ۳۱۵۔

؏ آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بے باکی

کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم اس مسجد کو شہید نہیں ہونے دیں گے اور مسلمان خانۂ خدا کی حفاظت کی خاطر اپنی جانیں نچھاور کر دیں گے، چنانچہ حکومت اس طوفان کے آگے نہ ٹھہر سکی اور مسجد کو شہید کرنے کا ارادہ ترک کر دیا گیا۔ یہ آپ کی جرأت و بیباکی کا پہلا واقعہ تھا۔

۱۹۲۶ء میں آپ اہلِ لاہور کی درخواست پر مسجد وزیر خاں میں بحیثیتِ خطیب تشریف لائے، والد ماجد کے علاوہ آپ نے شیخ المشائخ سید علی حسین شاہ کچھوچھوی سے بھی اجازت و خلافت حاصل کی تھی۔ مثنوی مولانا روم پر آپ کو عبور حاصل تھا۔ لاہور کے علاوہ دیگر شہروں میں بھی تبلیغی دورے فرماتے تھے، خواص و عوام آپ کی تقاریر کو بہت ذوق و شوق سے سنا کرتے تھے۔

تحریکِ پاکستان کا غلغلہ بلند ہوا تو آپ نے تحریک کی حمایت کے لئے کام کرنا شروع کر دیا۔ مسلم لیگ کے پروگرام کو عوام تک پہنچانے کے لئے شب و روز مصروف رہتے۔ علماءِ پنجاب میں سب سے پہلے آپ ہی نے مسلم لیگ کی حمایت کا اعلان کیا۔

۱۹۴۰ء میں جب منٹو پارک (اقبال پارک) میں قراردادِ پاکستان منظور ہوئی تو مولانا ابوالحسنات اس جلسہ کے سرگرم کارکنوں میں سے تھے۔ ۱۹۴۵ء میں حج کے لئے تشریف لے گئے تو علماء کے عظیم اجتماع میں تحریکِ پاکستان پر روشنی ڈالی اور علماء کو اپنا ہمنوا بنایا۔ بعد میں قائدِ اعظم سے ملاقات کر کے نظریہ پاکستان کی حمایت میں قلمی محاذ سنبھالا۔ روزنامہ احسان میں نظریۂ پاکستان کی حمایت میں ایک طویل مضمون پانچ قسطوں میں شائع کرایا۔ قائدِ اعظم، پیر صاحب مانکی شریف اور امیرِ ملت پیر سید جماعت علی شاہ علی پوری کے ساتھ مل کر ملک بھر دورے کر کے عوام کو نظریۂ پاکستان قبول کرنے پر آمادہ کیا اور تحریر و تقریر سے عوام میں پاکستان کی حمایت کا جذبہ پیدا کیا۔

۱۹۴۶ء میں آل انڈیا سنی کانفرنس منعقدہ بنارس میں سرگرمی سے حصہ لیا۔ ۴۷-۱۹۴۶ء میں جب مسلم لیگ نے ایجی ٹیشن شروع کیا تو آپ نے علماء و مشائخ کے وفود لے کر ہر ضلع کا دورہ کیا اور مسلم لیگ کا پیغام پہنچایا۔ خضر وزارت نے متعدد پابندیاں لگا کر آپ کو روکنا چاہا مگر بے سود۔ آپ نے اپنے

مشن کو جاری رکھا اور قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ پاکستان بننے کے بعد جمعیۃ علمائے ہند کے مقابلہ میں جب جمعیۃ علماء پاکستان کی بنیاد رکھی گئی تو آپ کو صدر منتخب کر لیا گیا۔ ۱۹۴۸ء میں جب تحریک آزادیٔ کشمیر شروع ہوئی تو جمعیۃ علماء پاکستان کی طرف سے آپ نے سب سے پہلے تحریک کی حمایت کی، ایک متفقہ بیان جاری کر کے دیگر مکاتبِ فکر کے علماء سے بھی دستخط کرائے۔ پبلک جلسوں میں مجاہدین کیلئے سامان جمع کرنے کی مہم چلائی۔ موچی گیٹ میں ایک عظیم الشان کشمیر کانفرنس منعقد کی جس میں صدر آزاد کشمیر بھی شریک ہوئے اور لاکھوں روپیہ کا سامان جمع کیا گیا، علاوہ ازیں خود بھی محاذ پر تشریف لیجا کر جمعیۃ کی طرف سے سرفروشی کا مظاہرہ کیا، انہیں خدمات کی بدولت آپ کو غازیٔ کشمیر کا خطاب دیا گیا۔

دورۂ آزاد کشمیر میں آپ کے ساتھ آپ کے صاحبزادے سید امین الحسنات خلیل احمد قادری اور مجاہدِ اسلام مولانا غلام محمد ترنم اور جمعیۃ کے دیگر متعدد اراکین بھی تھے۔ آپ کی اقتدا میں مسجد وزیر خاں لاہور میں سردار محمد ابراہیم اور کرنل علی احمد خاں سابق صدر آزاد کشمیر کئی دفعہ چندہ کی اپیل کرنے کے لئے آئے، آپ نے لاکھوں روپے چندہ اکٹھا کر کے ارسال کیا۔

۱۹۵۳ء میں جب تحریکِ ختمِ نبوت کا آغاز ہوا تو سر دھڑ کی بازی لگا کر میدان میں کود پڑے۔ تحریک کی متحدہ مجلسِ عمل کے چیئرمین (قائد) چنے گئے اور اسی قیادت کے دوران بمع دیگر علماء گرفتار ہوئے۔ کراچی، سکھر اور حیدر آباد کی جیلوں میں ایک سال تک نظر بند رہے۔ سکھر جیل میں درجہ حرارت ۱۲۵ ڈگری تھا۔ آپ دیگر چار علماء کے ساتھ صرف آٹھ مربع فٹ کوٹھڑی میں بند رہے۔ پھر سکھر سے لاہور منتقل کر دئے گئے۔ جیل میں آپ کو اطلاع دی گئی کہ آپ کے اکلوتے صاحبزادے سید خلیل احمد قادری کوتو سال قید کی سزا سنائی گئی ہے۔ یہ سنکر آپ نے نہایت استقامت سے فرمایا "جو اللہ کو منظور"

۹ مارچ ۱۹۴۹ء کو پہلی دستور ساز اسمبلی میں جو قرار دادِ مقاصد پیش کی گئی تھی اس میں مولانا ابوالحسنات کی مساعی کا بڑا حصہ تھا۔ آپ نے عوام و خواص کے دلوں پہ یہ بات نقش

کردی کہ ہم نے پاکستان کا مطالبہ اسلام اور صرف اسلام کے نام پر کیا ہے لہذا پاکستان کا دستور بھی اسلامی بنیاد پر مرتب ہونا چاہیئے۔

لاہور، کراچی، حیدرآباد اور سکھر کی جیلوں میں رہنے سے آپ کی صحت بہت گر گئی تھی، آخر کار ۲ر شعبان المعظم ۱۳۸۰ھ مطابق ۲۰ر جنوری ۱۹۶۱ء بروز جمعہ ۱۲ ½ بجے آپ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا، انا للہ وانا الیہ راجعون، آخری وقت یہ شعر زبان پر جاری تھا ؎

حافظِ رند زندہ باش مرگ کجا و تو کجا

تو زندہ فنائے حمد، حمد بود بقائے تو

تصنیفات میں تفسیر الحسنات (...) جسے آپ نے ایام اسیری میں تحریر کرنا شروع کیا تھا اور وصال سے صرف ایک دن قبل مکمل ہوا۔

علاوہ ازیں مندرجہ ذیل تصانیف آپ سے یادگار ہیں:

۱۔ ترجمہ کشف المحجوب
۲۔ شمیم رسالت
۳۔ شرح قصیدہ بردہ (طیب الوردہ)
۴۔ اوراقِ غم
۵۔ صبحِ نور
۶۔ قراطیس المواعظ
۷۔ فرشتۂ رحمت
۸۔ اظہار الاسقام
۹۔ مظہر الاسرار
۱۰۔ التبیان
۱۱۔ مونس الاطباء
۱۲۔ رجوم المؤمنین علی مانع الجماعۃ للمتهجدین

وغیرہ وغیرہ

آپ تا دمِ زیست آزادیٔ کشمیر کا انتظار کرتے رہے۔

آپ کا مزار پُرانوار حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے احاطہ میں مرجعِ خلائق ہے۔

اس وقت آپ کے اکلوتے فرزند مولانا سید امین الحسنات خلیل احمد قادری مدظلہ مسجد وزیر خان میں خطیب ہیں [1] مفتی اعظم پاکستان امیر العلوم حزب الاحناف سید احمد قادری مدظلہ العالی آپ کے چھوٹے بھائی ہیں۔

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھئے تذکرہ علمائے اہلسنت لاہور ص ۳۱۵ تا ۳۲۵

آپ کی وفات پر روزنامہ نوائے وقت لاہور نے آپ کی ملی و سیاسی خدمات کو درج ذیل الفاظ میں سراہا :

" مولانا ابوالحسنات اپنے والد مولانا دیدار علی شاہ مرحوم کے بعد ۱۹۲۶ء سے مسجد وزیر خاں کے خطیب چلے آرہے تھے، مذہبی اور سیاسی حلقوں میں وہ عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، وہ یونانی طبیب بھی تھے قرآنِ حکیم کی تفسیر الحسنات کے علاوہ آپ نے فقہی اور علمی مسائل پر متعدد تصانیف کیں، مرحوم اپنی زندگی میں اسلامی سیاسی تحریکوں میں نمایاں حصہ لیتے رہے چنانچہ انہوں نے تحریکِ پاکستان کے دور میں کانگرس کی ہمنوا "جمعیۃ العلماء ہند" کے مقابلے پر علماء کی بہت بڑی تنظیم جمعیۃ العلمائے پاکستان قائم کی[1] جو آپ کی قیادت میں قیامِ پاکستان کیلئے جدوجہد کرتی رہی، اس سلسلہ میں یونینسٹ حکومت نے آپ کو قید بھی کر دیا تھا، قیامِ پاکستان کے بعد بھی مرحوم کی سرگرمیاں استحکامِ وطن کے لئے جاری رہیں، انہیں دوسری بار ۱۹۵۳ء کی اینٹی قادیانی تحریک کے دوران گرفتار کیا گیا تھا، بیماری سے پہلے مرحوم نے اپنی آخری تصانیف کو مکمل کرنے کی جانب زیادہ توجہ مبذول کر رکھی تھی"

(روزنامہ نوائے وقت ۲۱ جنوری ۱۹۶۱ء ص ۶)

[1] یعنی آل انڈیا سنی کانفرنس کی پنجاب میں شاخیں قائم کیں اور پنجاب کے صدر آپ ہی تھے۔ (رضوی)

علامہ سیّد احمد سعید شاہ کاظمی

آپ ۱۹۱۳ء میں امروہہ ضلع مراد آباد میں پیدا ہوئے۔ والدِ ماجد کا اسم گرامی سید محمد مختار کاظمی تھا سلسلۂ نسب حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے بچپن ہی میں آپ سایۂ پدری سے محروم ہو گئے۔ آپ کی پرورش، تعلیم و تربیت آپ کے برادرِ معظم سید محمد خلیل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی اور سولہ سال کی عمر میں سندِ فراغت حاصل کر کے انہی کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے۔ پھر جامعہ نعمانیہ لاہور میں تدریسی خدمات انجام دینے لگے۔ ۱۹۳۱ء میں واپس امروہہ تشریف لے گئے اور چار سال تک امروہہ کے مدرسہ محمدیہ حنفیہ میں تدریس فرماتے رہے۔

۱۹۳۵ء میں آپ ملتان تشریف لے آئے اور مدرسہ انوار العلوم کی بنیاد رکھی۔ ملتان میں غیر مقلدین اور بدمذہبوں نے آپ کو طرح طرح سے ناکام بنانے کی کوشش کی، قاتلانہ حملے کئے، مگر آپ کے غیر متزلزل عزم کے سامنے ان کی تمام سازشیں ناکام ہو گئیں علم و عرفان کی ندیاں بہنے لگیں طالبانِ حق آ آ کر شرابِ توحید و رسالت کے جام لنڈھانے لگے۔ الحمد للہ! آج یہ دار العلوم پاکستان کے مثالی اداروں میں سے ایک ہے۔ اور یہاں سے فارغ التحصیل ہونے والے ہزاروں علماء ملک کے کونے کونے میں خدمتِ دینِ متین میں مصروف ہیں۔

آپ نے تحریکِ پاکستان میں بھی گرانقدر خدمات انجام دی ہیں مسلم لیگ کے سٹیج سے قیام پاکستان کے لئے جلسے کرتے رہے۔ ۱۹۴۶ء میں قرار دادِ پاکستان کی توثیق کے لئے بنارس کی آل انڈیا سُنّی کانفرنس میں شرکت کی جس زمانہ میں کانگریسی اور احراری علماء سر دھڑ کی بازی لگا کر پاکستان کی مخالفت کر رہے تھے۔ اس وقت حضرتِ امیرِ ملت پیر جماعت علی شاہ محدث علی پوری، مولانا ابو الحسنات، پیر صاحب مانکی شریف، مولانا عبد الحامد بدایونی، مولانا عبد الغفور ہزاروی (رحمہم اللہ) اور حضرت خواجہ محمد قمر الدین سیالوی مدظلہ کی رفاقت میں الگ قومیت اور آزاد پاکستان کے لئے مسلسل

اور جدوجہد کر رہے تھے کانگریسی و احراری مفکرین کے لچر اعتراضات کے جوابات دینے میں آپ کا کوئی ثانی نہیں تھا۔

قیام پاکستان کے بعد آپ نے جمعیت علماء پاکستان کی بنیاد رکھنے کے لئے ملتان میں علماء اہلسنت کا کونشن بلایا جس میں مولانا ابوالحسنات کو صدر اور آپ کو جمعیت کا ناظم اعلیٰ منتخب کیا گیا۔ آج اللہ تعالےٰ کے فضل وکرم سے آپ کی بنا کردہ جمعیت ملکی سیاست میں اہم مقام کی حامل ہے اور دن بدن ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ ۱۹۶۳ء تا ۱۹۷۴ء جامعہ اسلامیہ بہاولپور میں شیخ الحدیث رہے[1]

آپ کی بہت سی تصانیف ہیں جن کی تفصیل یہ ہے :۔

۱۔ تسبیح الرحمٰن عن الکذب والنقصان
۲۔ مزیلۃ النزاع عن مسئلۃ السماع
۳۔ تسکین الخواطر
۴۔ حیات النبی
۵۔ معراج النبی
۶۔ تقریر منیر
۷۔ حجیت حدیث
۸۔ مکالمہ کاظمی ومودودی
۹۔ تحقیق قربانی
۱۰۔ نفی الظل والفیئ
۱۱۔ کتاب التراویح
۱۲۔ الحق المبین
۱۳۔ التحریر اور اس کی شرح التقریر
۱۴۔ اسلام اور سوشلزم
۱۵۔ طلباء کا اسلامی کردار
۱۶۔ التبشیر برد التحذیر
۱۷۔ میلاد النبی
۱۸۔ اسلام اور عیسائیت
۱۹۔ فتویٰ حنفی
۲۰۔ آئینۂ مودودیت

---

[1] ماہنامہ ضیائے حرم لاہور، جون ۱۹۷۵ء، ص ۴۹

پیر محمد امین الحسنات عرف پیر صاحب مانکی شریف

حضرت پیر محمد امین الحسنات بن پیر عبدالروٴف ۱۹۲۲ء میں مانکی شریف تحصیل نوشہرہ ضلع پشاور میں پیدا ہوئے۔ گیارہ سال کی عمر میں والد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا اور آپ مسند نشین ہو گئے۔ یہ ملک کا ایک بہت بڑا سجادہ ہے جہاں ہزاروں کی تعداد میں عقیدت مند آتے ہیں اور فیض یاب ہوتے ہیں۔

تحریکِ پاکستان کا دور شروع ہوا تو ۱۹۴۵ء میں آپ نے مسلم لیگ میں شرکت فرمائی نظریۂ پاکستان کی حمایت میں بے شمار دورے کیے۔ صوبہ سرحد میں کانگرس کا بہت زور تھا، میدانِ سیاست میں خان عبدالغفار خان اور ان کے بھائی ڈاکٹر خان کا طوطی بولتا تھا چنانچہ آپ کانگرسی لیڈروں کے خلاف سینہ سپر ہو گئے اور آپ کے ہزاروں مریدوں نے آپ کی آواز پر لبیک کہہ کر نظریۂ پاکستان کی حمایت کی۔ ڈاکٹر خان صاحب کی وزارت میں آپ کو قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کرنا پڑیں۔ اس وقت آپ کی عمر صرف ۲۲ سال تھی۔

آپ نے مسلم لیگ کیلئے فضا ہموار کر کے ۱۹۴۵ء میں قائدِ اعظم کو صوبہ سرحد کا دورہ کرنے کی دعوت دی قائدِ اعظم نے کئی روز تک پشاور میں قیام فرمایا اور مانکی شریف بھی تشریف لے گئے اس طرح سرحد میں کانگرس کا زور ٹوٹنے لگا اور مسلم لیگ کا شہرہ ہونے لگا۔

ان دنوں سابق صوبہ سرحد میں صورت حال بڑی نازک تھی اس کی طرف حضرتِ قائدِ اعظم نے واضح اشارہ فرمایا تھا .... وہاں سرخ پوشوں نے قیامت اٹھا رکھی تھی، وہ تحریک بے حد منظم اور عوام میں بے پناہ مقبول تھی۔ عبدالغفار خان جو سرحدی گاندھی کے لقب سے مشہور تھا، اس کا عوام پر زبردست اثر تھا، مسلم لیگ اس علاقے میں انتہائی غیر مؤثر اور بے وزن تھی

اسے جلسۂ عام کرنے کی ہمت نہ پڑتی تھی ساتھ ساتھ علماء کا ایک گروہ جو دیوبند سے اس زمانے میں فارغ التحصیل ہوا تھا، جب وہاں کانگرسی سیاست غالب آ چکی تھی، سرخپوشوں کی حمایت میں کام کر رہا تھا۔ ڈاکٹر خاں کی وزارت کے نقوش بہت گہرے تھے، ایسے میں پاکستان کے لئے کام کرنا بڑا کٹھن تھا"۔۔۔۔۔ "علماء کے ساتھ سابق پیر مانکی شریف اور پیر زکوڑی شریف نے بڑی تندہی سے کام کیا اور سچی بات یہ ہے کہ ان کی تائید و حمایت سے صوبۂ سرحد کی سیاسی فضا میں وہ تغیر رونما ہوا جو بظاہر ناممکن نظر آتا تھا"۔ ؎۱

۱۹ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو صوبہ سرحد اور پنجاب کے پیروں، سجادہ نشینوں، صوفیوں اور روحانی پیشواؤں کا ایک اہم اجتماع پشاور میں ہوا۔ اس جلسہ میں ایک تجویز منظور ہوئی جس میں مسلم لیگ سے وفاداری اور مسٹر جناح کی قیادت پر اعتماد کا اظہار کیا گیا۔ پیر صاحب مانکی شریف نے اس اجتماع میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

"اس وقت مسلمانوں کو باہمی اتحاد کی سخت ضرورت ہے، ہر مسلمان کو حصولِ پاکستان کے لئے پوری جدوجہد کرنی چاہئے جہاں وہ عزت اور آزادی سے رہ سکیں گے۔ حصولِ پاکستان کا اس سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں ہو سکتا کہ ہر مسلمان مسلم لیگ میں شریک ہو کیونکہ صرف مسلم لیگ ہی ایک ایسی جماعت ہے جو صرف اسلام اور مسلمانوں کی سربلندی اور آزادی کے لئے کوشاں ہے"۔ ؎۲

آپ نے مولانا محمد گل صاحب کی قیادت میں ایک وفد حضرت صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی کی خدمت میں بھیجا جس نے نظریۂ پاکستان پر گفتگو کی۔ پھر ۱۹۴۶ء میں

؎۱ انٹرویو مفتی محمد شفیع، ماہنامہ اردو ڈائجسٹ لاہور، جولائی ۱۹۶۰ء، ص: ۳۰

؎۲ قائداعظم اور ان کا عہد از رئیس احمد جعفری، مطبوعہ لاہور ۱۹۶۶ء

بنارس کی آل انڈیا سنی کانفرنس میں شرکت کرکے اڑھائی گھنٹے تک تقریر فرمائی، دورانِ تقریر آپ نے فرمایا:

"میں نے قائدِ اعظم سے وعدہ لیا ہے کہ اگر انہوں نے مسلمانوں کو دھوکا دیا یا اسلام کے خلاف کوئی نظام جاری کرنے کی کوشش کی تو آج جس طرح ہم آپ کو دعوت دے رہے ہیں اور آپ کی قیادت کو مان رہے ہیں کل اسی طرح اس کے برعکس ہوگا۔" [1]

آل انڈیا سنی کانفرنس کے خصوصی اجلاس میں نظریۂ پاکستان کی توثیق و تائید میں نہایت سرگرمی سے قرارداد پاس کرائی اور پھر تمام ملک میں اس کی حمایت میں دورے کئے اور عوام کو آمادہ کیا کہ وہ تحریکِ پاکستان کو بہرصورت کامیاب بنائیں گے۔

پاکستان بننے کے بعد ۱۹۴۸ء میں حضرت صدر الافاضل مراد آبادی جب پاکستان تشریف لائے تو دار العلوم حزب الاحناف لاہور میں چار گھنٹے تک بند کمرے میں گفتگو ہوتی رہی۔ گفتگو میں صدر الافاضل، پیر صاحب مانکی شریف، محدث کچھوچھوی، مفتی محمد عمر نعیمی، مولانا غلام معین الدین نعیمی اور سید ابو البرکات شریک ہوئے۔ اس موقع پر پیر صاحب نے صدر الافاضل پر زور دیا کہ دستورِ اسلامی کا ایک خاکہ مرتب کریں جسے ہم قائدِ اعظم کے سامنے رکھیں اور ان سے اسے لاگو کرنے کو کہیں لیکن افسوس کہ تین ماہ بعد صدر الافاضل فوت ہوگئے، بعد ازاں پیر صاحب حضرت محدث علی پوری اور مجاہدِ ملت مولانا عبد الستار خاں نیازی مدظلہ کے ساتھ مل کر بعد کی حکومتوں پر اسلامی نظام کے نفاذ پر زور دیتے رہے مگر ان کی یہ کوشش بار آور نہ ہوسکی۔

جب مسلم لیگ کا دورِ انحطاط آیا تو آپ جناح عوامی مسلم لیگ میں شامل ہوگئے جو بعد میں عوامی لیگ بن گئی۔ ۱۹۵۵ء میں اربابِ سیاست کی روش کے پیشِ نظر سیاست کے کوچہ کو خیرباد

---

[1] سوادِ اعظم لاہور ۱۵ر جنوری ۱۹۶۰ء

کہہ دیا اور ملتِ اسلامیہ کی روحانی پیشوائی پر تمام تر توجہ صرف کرنا شروع کر دی۔

۱۹۵۲ء میں ایک سرکاری وفد کے قائد بن کر چین میں ہونے والی امن کانفرنس میں شرکت فرمائی اور وہاں ہندوستانی نمائندے کو منہ توڑ جواب دیا۔ اس کانفرنس میں آپ نے مسئلۂ کشمیر کے بارے میں پاکستانی موقف کی بڑی جرأت اور پامردی سے ترجمانی کی، مشترکہ اعلامیہ کی ایک جھلک ملاحظہ ہو:-

"ہندوستان اور پاکستان کے مابین جو بھی تنازعات ہیں ان کا فیصلہ امن و آشتی سے ہونا چاہیئے اور یہ حق باشندگانِ جموں و کشمیر ہی کو حاصل ہے کہ وہ اپنی قسمت کا آپ فیصلہ کریں۔" [1]

اس اعلان پر ہندوستان کی جانب سے ڈاکٹر کچلو، گیان چند، ردی شنکر، شورام پیاس اور رومیش چندر نے دستخط کئے اور پاکستان کی طرف سے پیر صاحب مانکی شریف، سردار شوکت حیات، عطاء الرحمٰن اور میر عبدالقیوم نے دستخط کئے تھے۔

۵ جنوری ۱۹۶۰ء/ ۱۳۷۹ھ کو مانکی شریف سے کیمبل پور جاتے ہوئے آپ کی کار فتح جنگ کے قریب حادثے کا شکار ہو گئی، ڈرائیور تو موقع پر ہی دم توڑ گیا مگر آپ بری طرح زخمی ہو جانے کی وجہ سے ملٹری ہسپتال راولپنڈی میں داخل کئے گئے لیکن زخموں کی تاب نہ لا کر ۲۸ جنوری ۱۹۶۰ء کو یہ مجاہدِ آزادی اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ لاکھوں عقیدتمندوں نے جنازہ میں شرکت کی، مدفن مانکی شریف میں ہے۔ آپ کے بعد ۲۹ جنوری کو آپ کے صاحبزادے روح الامین سجادہ نشین ہوئے۔

مولانا غلام معین الدین نعیمی مدیر سوادِ اعظم لاہور نے تاریخ وفات کہی:

آہ مردِ میداں پیر صاحب مانکی شریف
۱۳ ھ ۷۹

---

[1] نیا چین، سفرنامہ پیر صاحب مانکی شریف، مطبوعہ یکم ستمبر ۱۹۶۰ء، پشاور، از فضل حق شیدا، ص ۱۱۲

ملک کے نامور صحافی جناب ظہور عالم شہید نے "سرحد میں مسلم لیگ کی تحریک سول نافرمانی" کے زیرِ عنوان پیر صاحب مانکی شریف کو ان الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا ہے :

" پیر صاحب مانکی شریف کی انقلابی تقریروں نے سارے صوبے میں آگ لگادی تھی اور انہیں گرفتار کرنے کی کوششیں ابھی تک کامیاب نہیں ہوئی تھیں ...... ڈاکٹر خاں صاحب (وزیرِاعلیٰ سرحد) کی افسوسناک کوششیں بالآخر "رنگ" لائیں جس طرح پنجاب میں ہندو سکھ رہنماؤں نے فرقہ وارانہ فسادات شروع کرائے تھے اسی طرح سرحدی وزیرِ اعظم (اعلیٰ) نے اپنے صوبے میں بھی ان (ہندو مسلم) فسادات کی حوصلہ افزائی کی ڈاکٹر خاں صاحب کا مقصد یہ تھا کہ انہیں فسادات کی آڑ لیکر مسلم لیگ کی تحریک کو کچلنے کا اور جواز مل سکے۔ پیر صاحب مانکی شریف کے سوا صوبہ کے تمام قابلِ ذکر مسلم لیگی رہنما جیلوں میں تھے ....!

۲۸ مارچ ۱۹۴۷ء کو سرحد مسلم لیگ کے جلیل القدر رہنما اور لاکھوں مسلمانوں کے روحانی پیشوا حضرت پیر صاحب مانکی شریف بھی گرفتار کر لیے گئے۔ گرفتاری سے پہلے پیر صاحب نے ایک بیان میں سرحدی عوام سے بالعموم اور اپنے معتقدین سے بالخصوص یہ اپیل کی کہ وہ وزارتی اشتعال انگیزیوں کے باوجود اپنی تحریک کو غیر فرقہ وارانہ رکھیں اور اسے اس وقت تک بند نہ کریں جب تک صوبائی لیگ کے جائز مطالبات کی تکمیل نہیں ہو جاتی۔ پیر صاحب کی گرفتاری ڈاکٹر خاں صاحب کی مجنونانہ مایوسی کی انتہا تھی۔ اس چھبیس سالہ سیاسی و روحانی قائد کی گرفتاری نے صوبائی مسلمانوں اور ان کے لاکھوں عقیدتمندوں میں

تحریک جاری رکھنے کا نیا جوش اور ولولہ پیدا کر دیا اور ڈاکٹر خان صاحب کا اصل مقصد پورا نہ ہوا، ہندو اخبارات نے پیر صاحب کی گرفتاری پر "ملا مانکی" "جناح ایجی ٹیٹر ملا مانکی" اور "سرحدی ایجی ٹیشن کا سرغنہ" ایسی افسوسناک سرخیاں جمائیں جس سے صوبہ سرحد میں وزارت کے لئے حالات اور خراب ہو گئے ......" [1]

روزنامہ نوائے وقت لاہور میں آپ کے انتقال پر اداریہ لکھا گیا جس میں آپ کی خدمات پر یوں روشنی ڈالی گئی :-

"پیر صاحب مانکی شریف مرحوم کو کل ان کے گاؤں میں سپرد خاک کر دیا گیا

ع پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

محمد امین الحسنات مرحوم جو پیر صاحب مانکی شریف کے نام سے مشہور تھے تحریک پاکستان کے اُن رہنماؤں میں سے تھے جنہوں نے ملک کی آزادی اور قیام پاکستان کے لئے شاندار خدمات انجام دیں، وہ اس زمانہ میں صوبہ سرحد کے افقِ سیاست پر نمودار ہوئے جب اس صوبہ میں خان برادران کا طوطی بولتا تھا اور کانگرس اور انگریز دونوں سابق صوبہ سرحد کو خان عبدالغفار کا گڑھ سمجھتے تھے، جن مسلم لیگی لیڈروں نے سرحدی گاندھی کے اس طلسم کو توڑا، پیر صاحب مانکی شریف ان میں سب سے زیادہ نمایاں تھے۔ وہ اس زمانہ میں بالکل نوجوان تھے مگر اللہ تعالیٰ کو ان سے یہ کام لینا مقصود تھا کہ وہ اس اہم علاقہ کو پاکستان کے لئے جیتیں، قیامِ پاکستان کے بعد ایک مرتبہ انہیں صوبائی وزارت بھی پیش کی گئی مگر انہوں نے اسے قبول نہ کیا، بعد ازاں خان عبدالقیوم نے ایسے حالات پیدا کر دئے کہ تحریکِ پاکستان اور مسلم لیگ کے یہ مخلص رہنما

---

[1] روزنامہ نوائے وقت لاہور، ۲۵ر دسمبر ۱۹۶۲ء، ص ۶

مسلم لیگ سے علیحدگی پر مجبور ہو گئے۔ پیر صاحب نے عوامی لیگ میں شرکت کی اور پاکستان میں حزبِ اختلاف کے قیام کے لئے بڑی سرگرمی سے کام کیا اور دونوں حصہ ہائے ملک میں قریہ قریہ گھومے مگر ادھر چند سالوں سے آپ سیاسی زندگی سے بالکل کنارہ کش ہو چکے تھے۔ پیر صاحب ابھی جوان ہی تھے کہ خالقِ حقیقی نے انہیں پاس بلا لیا ؏

خوش درخشید ولے شعلۂ مستعجل بود

اللہ تعالیٰ انہیں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دیں۔"

(روزنامہ نوائے وقت لاہور
۳۱ جنوری ۱۹۶۰ء)

امیرِ ملّت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری

مغل شہنشاہ جلال الدین اکبر کے عہد میں سید محمد حنیف نامی ایک بزرگ شیراز سے ہندوستان میں وارد ہوئے اور علی پور سیداں میں مستقل سکونت اختیار کر لی شہنشاہ نے ایک گرانقدر جاگیر نذر گزاری، اسی بزرگ کے خاندان میں چوتھی جگہ سید کریم شاہ صاحب کے ہاں ۱۸۴۰ء، ۱۸۴۵ء میں وہ مبارک بچہ ہوا جو آگے چل کر امیرِ ملت اور محدث علی پوری کے نام سے مشہور ہوا۔[1]

حضرت امیرِ ملت نے ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں ہی میں حاصل کی۔ سات سال کی عمر میں قرآنِ پاک حفظ کر لیا۔ عربی و فارسی کی ابتدائی کتب میاں عبدالرشید سے پڑھیں اور تکمیل مولانا عبدالوہاب امرتسری سے کی۔ بعد ازاں لاہور میں مولانا غلام قادر بھیروی اور مولانا فیض الحسن سہارنپوری (تلمیذ شہید انڈیمان علامہ فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ) سے مولوی عالم اور مولوی فاضل کا کورس پڑھا۔ پھر مفتی محمد عبداللہ ٹونکی پروفیسر اورینٹل کالج لاہور سے مزید استفادہ کیا مگر تشنگیٔ علم ہنوز باقی تھی چنانچہ یہی تشنگی کشاں کشاں آپ کو حضرت مولانا محمد مظہر سہارنپوری (بانی مدرسہ مظہریہ) اور مولوی محمد علی (ناظم دارالعلوم ندوہ اعظم گڑھ) اور مولانا احمد حسن کانپوری کی خدمت میں لے گئی اور ان سے آپ نے تمام علوم عقلیہ و نقلیہ میں دسترس حاصل کی۔ پھر شاہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ شاہ صاحب نے اپنی کلاہِ مبارک اتار کر آپ کے سر پر رکھدی[2] اور پس خوردہ پانی پلا کر، بہت سے اوراد و وظائف کی اجازت مرحمت فرما کر رخصت کیا۔

علومِ ظاہریہ میں مہارتِ تامہ حاصل کرنے کے بعد روحانی تربیت کے لئے حضرت بابا فقیر محمد

---

[1] تیغ گنج علی پوری، بار دوم، مطبوعہ لاہور، ص: ۲۴

[2] برکاتِ علی پور بار دوم ۱۹۶۴ء، مطبوعہ راولپنڈی، ص: ۴

چورای رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت باباصاحب آپ کی آمد سے بے حد مسرور ہوئے اور زبانِ حال سے یوں گویا ہوئے ؎

اے آتشِ فراقت دلہا کباب کردہ
سیلابِ اشتیاقت جانہا خراب کردہ

چند روزہ صحبت کے بعد باباجی نے آپ کو اجازت و خلافت سے نوازا[1] تو دوسرے مریدوں نے اعتراض کیا کہ ہم عرصہ سے حاضرِ خدمت ہیں، ہمیں ابھی تک اس نعمتِ عظمیٰ سے سرفراز نہیں کیا گیا جبکہ جماعت علی شاہ صاحب کو آتے ہی سب کچھ عطا فرما دیا گیا ہے!

اس پر باباجی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جماعت علی شاہ کے پاس چراغ بھی تھا، تیل بھی تھا اور بتی بھی! ہم نے تو صرف آگ ہی جلائی ہے۔ پھر باباجی نے آپ کے حق میں دعا فرمائی

پیرو مرشد کی اس دعا کا یہ اثر تھا کہ پشاور سے راس کماری اور کشمیر سے مدراس تک آپ کا سلسلۂ عقیدت خوب پھیلا۔ برِصغیر ہی نہیں بلکہ کابل، برما، سعودی عرب اور دیگر ممالک میں بھی حضرت کے عقیدت مند موجود ہیں آغا خلیل گنجی بردار[2] دربارِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم، نادر شاہ[3] والیٔ افغانستان اور میر عثمان علی خاں نظام دکن بھی آپ کے عقیدت مند تھے۔

خرقۂ خلافت ملنے کے بعد آپ نے سب سے پہلے علی پور شریف کی مسجد ہی کو وعظ و نصیحت کا مرکز بنایا۔ بعد ازاں پشاور، بمبئی، کلکتہ، کراچی، میسور، حیدر آباد دکن،

---

[1] ماہنامہ عارف لاہور، اکتوبر ۱۹۶۰ء ، سہ ماہی العلم کراچی ، اپریل تا جون ۱۹۷۴ء

[2] پنج گنج علی پوری ، ص: ۳۱ ، سہ ماہی العلم کراچی ، اپریل تا جون ۱۹۷۴ء

[3] ماہنامہ انوار الصوفیہ قصور ، جنوری ۱۹۶۳ء ص : ۵

دہلی، بھوپال، کوہ نیلگرہی، کشمیر اور کابل وغیرہ دور دراز علاقوں کے تبلیغی دورے کئے۔ بے شمار لوگوں کو راہِ ہدایت دکھائی، سینکڑوں غیر مسلموں نے آپ کے دستِ حق پرست پر اسلام قبول کیا۔ آپ نے کئی جگہ مدرسے، مسجدیں اور کنوئیں بنائے اور تبلیغِ اسلام[1] میں انتہائی تن دہی سے کوشاں رہے۔

عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے رگ و پے میں سمایا ہوا تھا۔ سرکارِ مدینہ حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی سُنکر آپ کی آنکھیں پُرنم ہو جاتیں اور چہرے کا رنگ متغیر ہو جاتا تھا۔ مندرجہ ذیل اشعار اکثر پڑھتے اور زار و قطار رونے لگتے ؎

سب کچھ ملا جو مل گئی اس در کی حاضری ۔۔۔ گو ملک و مال و خویش و وطن سے جدا ہوا
قابل تھا نار کے مجھے جنت ہوئی نصیب ۔۔۔ اس در کی حاضری سے تو قسمت بدل گئی

آپ ہر سال حجِ بیت اللہ کے لئے حاضری دیتے اور زیادہ وقت مدینہ طیبہ ہی میں گذارا کرتے۔ مدینہ شریف کے چرند پرند اور درندوں تک کا احترام کرتے۔ عرب لوگوں کی مالی امداد اس قدر کرتے کہ وہ لوگ آپ کو ابوالعرب کہا کرتے تھے۔

آپ کے جذبۂ عشق کا اعتراف مخالفین نے بھی کیا ہے چنانچہ مولانا حسین احمد مدنی سابق صدر جمعیت علمائے ہند آپ کے نکتہ چینیوں کے جواب میں کہا کرتے تھے کہ: "عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں شاہ صاحب کے مقام کو کوئی نہیں پہنچ سکتا"۔ سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری بھی آپ کے اس جذبہ کا ذکر کیا کرتے تھے۔ مشہور اہلِ حدیث عالم مولانا سید محمد داؤد غزنوی کا بیان ہے کہ میں نے یہ واقعہ بچشمِ خود دیکھا ہے کہ:

"ایک دفعہ مدینہ منورہ میں باب السلام کے قریب چند کتے لیٹے ہوئے تھے۔ ایک نا سمجھ نے جاتے جاتے ایک کتے کو لاٹھی ماری، کتا لنگڑاتا اور چیختا چلاتا ہوا جا رہا تھا کہ اچانک آپ وہاں تشریف لے آئے جب حقیقت

---

[1] انوار الصوفیہ قصور جنوری ۱۹۶۱ء ص: ۱۴ ، ہفت روزہ الہام بہاول پور ۲۴ اکتوبر ۱۹۷۱ء ، ہفت روزہ پاک جمہوریت لاہور ۵ جون ۱۹۷۲ء

حال معلوم ہوئی تو کتے کو پاس بٹھا لیا اور اس شخص سے کہا ظالم! تو نے یہ نہ دیکھا کہ مدینہ شریف کا کتا ہے! پھر اپنا عمامہ پھاڑ کر کتے کی زخمی ٹانگ پر پٹی باندھی اور بازار سے کھانا منگوا کر کھلایا۔[1]

ایک مرتبہ سرزمینِ عرب میں قحط پڑ گیا۔ آپ کو اس سے سخت صدمہ ہوا۔ فوراً ایک لاکھ روپیہ کی رقم بھجوائی۔[2] آپ جب تک مدینہ شریف میں حاضر رہتے تھے آپ کی مجلس میں اکثر و بیشتر نعت خوانی ہوتی رہتی تھی۔ ایک دفعہ آپ کی مجلس میں ابو الاثر حفیظ جالندھری نے یہ شعر پڑھا ؎

کہاں ایسے نصیب اللہ اکبر سنگِ اسود کے
یہاں کے پتھروں نے پاؤں چومے ہیں محمدؐ کے

آپ نے یہ شعر سنتے ہی فوراً اپنی گرم واسکٹ بمع نقدی نذر کر دی۔[3]

حکیم الامت علامہ اقبال کو آپ سے بہت زیادہ عقیدت و محبت تھی۔ اکثر و بیشتر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ اس سلسلے کے چند ایک واقعات پیش ہیں:

ایک مرتبہ حضرت امیرِ ملت انجمن حمایتِ اسلام کے جلسہ کی صدارت فرما رہے تھے کہ علامہ ذرا دیر سے پہنچے۔[4] کرسیاں بھری ہوئی تھیں، فرش پر بھی لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ علامہ حضرت کے قدموں میں بیٹھ گئے اور کہنے لگے کہ اولیاء اللہ کے قدموں میں جگہ پانا موجبِ فخر ہے۔ حضرت نے تبسم فرمایا اور کہا اقبال جس کے قدموں میں آجائے اس کے فخر کا کیا کہنا!

---

[1] ایضاً ص: ۱۴ د ایضاً اکتوبر ۱۹۷۱ء

[2] ماہنامہ ضیائے حرم لاہور فروری ۱۹۷۴ء، ص: ۶۳ ، سہ ماہی العلم کراچی اپریل تا جون ۱۹۷۴ء

[3] صوفیائے نقشبند مطبوعہ لاہور ۱۹۷۳ء ص ۳۵۲، ۳۵۳ ، " "

[4] سیرتِ اقبال از پروفیسر محمد طاہر فاروقی مطبوعہ لاہور ۱۹۶۶ء ، ص: ۱۰۳-۱۰۴ ، صوفیائے نقشبند ص: ۳۵۳، ۳۵۴۔

۱۹۳۷ء کا واقعہ ہے کہ ایک مجلس میں حضرتِ امیرِ ملت نے علامہ سے کہا کہ آپ کا ایک شعر تو ہمیں بھی یاد ہے اور یہ شعر پڑھ دیا ؎

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زورِ بازو کا
نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

علامہ یہ سنکر بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ میری نجات کے لئے یہی کافی ہے۔

۱۹۲۳ء میں جب صوبہ یوپی میں شدھی تحریک کا آغاز ہوا تو چند ہندو سرمایہ داروں اور بالخصوص سوامی شردھانند وغیرہ نے انگریز حکمرانوں کی سازش سے مسلمانوں کو مرتد بنانے یا ختم کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اس صورتِ حال سے آپ کو سخت صدمہ ہوا چنانچہ آپ نے اس فتنہ کے انسداد کا عزمِ صمیم کر لیا اور ۱۰ اپریل ۱۹۲۳ء کے سالانہ جلسۂ انجمن خدام الصوفیہ ہند میں بمقام علی پور سیداں اپنے جذبات کا اظہار یوں فرمایا :

" یہ ایک ایسا نازک موقع ہے کہ اس کی نظیر تاریخِ اسلام میں نہ ملے گی اسلام کی دنیاوی وجاہت کو نہیں تاکا جاتا بلکہ سرے سے اسلام کی ہستی پر چھری لگائی جاتی ہے۔ کوئی مسلمان ایسا نہیں ہے جس کا دل اس صدمہ سے متاثر نہ ہوا ہو بانیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا تو یہ حکم ہے کہ اپنے مردے بھی اغیار کے ہاتھ میں نہ جانے دو اور یہاں یہ حالت ہے کہ ہمارے زندوں کو اغیار لئے جائیں اور ہم دیکھا کریں !

اس وقت حمیت تو یہ ہے کہ جب تک اس فتنہ کا انسداد نہ ہو ہر مسلمان خواب وخور اپنے اوپر حرام کرے اور دامے درمے قلمے الغرض ہر ذریعہ سے جو خدمت اسلام کی اس سے ممکن ہو اس سے دریغ نہ کرے۔ اور جب تک یہ فتنہ فرو نہ ہو جائے اپنی سعی کو مسلسل جاری رکھے۔

"میں نے عزم بالجزم کر لیا ہے کہ اس اہم مقصد کی خاطر سیکڑوں مبلغ میدانِ ارتداد میں بھیجوں گا اور خود بھی موقع پر پہنچ کر حصہ لوں گا اور جب تک گم گشتگانِ دینِ متین کو حلقۂ اسلام میں واپس نہ لے آؤں چین سے نہ بیٹھوں گا سردست ایک ہزار روپیہ نقد دیتا ہوں اور ایک سو روپے ماہوار اس کارِ خیر میں دیتا رہوں گا اور اپنے تمام ذرائع و وسائل کو انسدادِ فتنۂ ارتداد کے لئے وقف کر دوں گا۔"[1]

اس کے بعد آپ نے فوری طور پر اس فتنہ کی سرکوبی کے لئے مہم شروع کر دی۔ آپ کے علاوہ صاحبزادگان و دیگر اہلِ خاندان نے بھی بھرپور حصہ لیا۔ آپ نے پہلا وفد مئی ۱۹۲۳ء میں روانہ کیا اور خود رہتک تک اس کے ساتھ تشریف لے گئے۔ تین ماہ میں آپ نے ۸۶ وفد بھیجے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آپ کی کوششیں بارآور ثابت ہوئیں اور ہزاروں مرتد دوبارہ مسلمان ہو گئے۔ آپ نے باری باری تمام علاقوں کا دورہ کیا۔ آگرہ، متھرا، ریاست بھرت پور، ریاست بڑودہ، گڑگاؤں، فرخ آباد اور رہتک میں وفود کے ساتھ دورہ کیا۔

دوآبہ گنگ و جمن [illegible] قریب ہی آگرہ شہر سے ایک بڑا بااثر ہندو وکیل، بیرسٹر اور بڑے بڑے تاجر اور زمیندار [illegible] پہنچے اور مسلمانوں کو مرتد بنانے کی پوری پوری کوشش کی۔ آپ نے [illegible] مقابلہ کر کے ان کو میدان چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ اس طرح یہ علاقہ اس عظیم فتنہ سے محفوظ رہا۔ [illegible] آپ نے [illegible] ہیڈ کوارٹر آگرہ میں بنا رکھا تھا۔ آپ نے اکیس جلسوں کی صدارت فرمائی [illegible] دیا۔ [illegible] دینی مدارس، مسجدیں اور کنوئیں بنوائے۔ لاکھوں روپے غرباء میں تقسیم کئے۔ اس تحریک میں حضرت صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی اور میر غلام بھیک نیرنگ انبالوی وغیرہم نے بھی حضرت امیرِ ملت سے پورا تعاون کیا۔

---

[1] ماہنامہ [illegible] ۱۹۶ ص ۲۹ [illegible] ۱۹۲۷ء

۱۹۱۰ء میں جب خلیفۂ اسلام سلطان ترکی غازی عبدالحمید خاں نے حجاز ریلوے لائن کی تعمیر کے لئے مسلمانانِ عالم سے چندہ کی درخواست کی تو آپ نے اپنے اور اپنے متوسلین کی جانب سے چھ لاکھ روپے نقد امداد فرمائی۔ بنا بریں سلطان المسلمین نے اپنے دستخط خاص کے ساتھ حضرت کو چھ تمغہ جات اور سنہری فرامین جاری کئے اور عمدۃ الاماثل والافاضل کے جلیل القدر خطابات سے سرفراز فرمایا۔[1]

مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کے لئے جب چندہ جمع کرنے کی مہم شروع ہوئی تو لاہور میں عظیم الشان جلسۂ خلافت منعقد ہوا جس میں حضرت کو خصوصی طور پہ مدعو کیا گیا تھا۔ نواب وقار الملک نے اپنی ٹوپی اتار کر حضرت کے قدموں میں رکھ دی اور اپیل کی کہ یہ معاملہ مسلمانوں کی عزت کا ہے آپ ہاتھ بٹائیں۔ آپ نے استفسار فرمایا کہ کیا یونیورسٹی میں دینیات کی تعلیم لازمی ہو گی؟ نواب وقار الملک نے یقین دلایا کہ انگریزی کے ساتھ ساتھ دینیات کی تعلیم لازمی ہو گی۔ اس پہ آپ نے تین لاکھ روپے کی گرانقدر رقم بطور چندہ مرحمت فرمائی اور اس کے بعد بھی تعاون فرماتے رہے۔[2]

تحریک خلافت میں بھی آپ کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔ آپ نے خلافت فنڈ میں لاکھوں روپے چندہ دیا۔ دورانِ تحریک ان علاقوں کا بھی دورہ کیا جہاں پہنچنا مشکل ہی نہیں ناممکن تھا مثلاً ریاست کورگ (علاقہ مدراس) مرکارہ، دیراجندرپیٹ، اسی بلگنڈہ اور کوہ نیلگرھی وغیرہ وغیرہ۔

ایک مرتبہ آپ بمبئی سے حیدر آباد دکن کے لئے روانہ ہو رہے تھے کہ مولانا شوکت علی اور احمد صدیق جنرل سیکریٹری خلافت کمیٹی اسٹیشن پہ آپ کو خدا حافظ کہنے کے لئے آئے۔ مولانا موصوف نے آپ کو ایک مالا پہنائی جس پہ لفظ خلافت اور ایک تمغہ جس پہ نصرٌ من اللہ وفتحٌ قریب کندہ تھا پیش کیا اور کہا کہ میرے پاس صرف یہی چیز تھی جسے پیش کرتا ہوں۔ اس کے ساتھ خلافت کمیٹی کی

---

[1] و [2] فیضان امیرملت مطبوعہ حیدر آباد دکن بار اول، ص: ۱۰۹، صوفیائے نقشبند، ص: ۳۵۲، مہر منیر ص ۶۱-۴۰، روزنامہ کوہستان لاہور ۱۲ مئی ۱۹۶۶ء، ماہنامہ انوار الصوفیہ قصور مارچ ۱۹۷۰ء۔

طرف سے پانچسو روپے کی رسیدیں بھی دیں۔ آپ نے ان رسیدوں کو حیدرآباد میں فروخت کرا دیا اور مبلغ پانچسو تیس روپے سیکریٹری خلافت کمیٹی حیدرآباد کی وساطت سے بمبئی روانہ فرما دیئے جس پر مولانا نے کہا کہ مجھے اصل بھی مل گیا ہے اور سود بھی۔ ۱؎

ایک بار مولانا شوکت علی نے یہ تجویز پیش کی کہ ہندوستان کے ہر مسلمان سے فی کس ایک روپیہ خلافت فنڈ کے لیے وصول کیا جائے تو آپ نے نیلگرھی سے اپنا اور اپنے متعلقین کا چندہ بمبئی بھیج دیا اور ساتھ ہی اعلان فرمایا کہ فقیر کے سب محبت والے ایک ایک روپیہ فی کس اپنا اور اپنے متعلقین کا خلافت فنڈ میں داخل کریں۔

مولانا نے اس اعلان کو قدآدم اشتہارات کے ذریعے تمام ہندوستان میں مشتہر کیا جس کے نتیجے میں ملک کے گوشے گوشے سے زرِ کثیر وصول کیا گیا۔ اس کے علاوہ آپ کے اکثر معتقدین نے اپنے اپنے طور پر ہزاروں روپیہ خلافت فنڈ میں دیا۔ مثلاً نورانی سیٹھ بمبئی نے آپ کے ارشاد پر ۲۵ ہزار روپے اور اہلِ کوہاٹ نے ۲۷ ہزار روپے کی گراں قدر رقوم خلافت فنڈ میں داخل کیں لیکن آپ نے ہرگز ہرگز یہ گوارا نہ کیا کہ آپ کے ارشاد پر عامۃ المسلمین تو عمل کریں اور خود اس کارِ خیر میں شامل نہ ہوں چنانچہ آپ نے علی پور سیداں میں منعقدہ انجمن خدام الصوفیہ ہند کے سالانہ جلسہ کے موقع پر ایک مرتبہ تیرہ سو روپیہ ملک لال دین صاحب سیکریٹری خلافت کمیٹی لاہور کی وساطت سے اور دوسری مرتبہ اٹھارہ سو روپے جیبِ خاص سے خلافت فنڈ میں عطا فرمائے۔ ۲؎

۳، ۴ مارچ ۱۹۲۱ء کو لائل پور میں خلافت کانفرنس شروع ہوئی حضرت امیر ملت نے صدارت قبول فرما کر کانفرنس کو رونق بخشی۔ آپ نے خطبہ صدارت میں فرمایا کہ جس کو

۱؎ ماہنامہ انوار الصوفیہ قصور جنوری ۱۹۲۱ء، ص: ۱۰، حضرت امیر ملت کے قومی کارنامے مطبوعہ آگرہ ۱۹۲۵ء، ص: ۹۹، ۱۰۰
۲؎ ایضاً ص: ۱۰ ، ایضاً ص: ۱۰

خلافت سے محبت نہیں ہے اسے اسلام سے سروکار نہیں۔ جو لوگ مجھ پر بہتان باندھتے ہیں کہ میں خلافت میں دلچسپی نہیں لیتا وہ کذّاب اور مفتری ہیں، پڑھو مسلمانو، لعنۃ اللہ علی الکاذبین!
آپ نے خطبۂ صدارت میں وہ ولولہ اور جوش پیدا کیا کہ عوام خدمتِ خلافت کے لئے ایسے تیار ہوئے کہ ہزاروں روپے کے خلافت نوٹ موقع پر ہی فروخت ہو گئے۔ [1]

مولانا ظفر علی خاں نے مخالفت کے باوجود اپنے اخبار زمیندار میں حضرت کو ہدیۂ تبریک پیش کیا چنانچہ لکھتے ہیں:-

"۲۴ مارچ ۱۹۲۱ء کو لائل پور میں جو عظیم الشان جلسۂ خلافت منعقد ہوا اس میں پنجاب کے مشہور و معروف صوفی حضرت پیر جماعت علی شاہ صاحب قبلہ صدر تھے۔ آپ نے اپنے فی البدیہہ خطبۂ صدارت میں جس جوشِ اسلامی اور بے نظیر جرأتِ ایمانی سے مسلمانانِ عالم کی صحیح رہنمائی فرمائی وہ اس قابل ہے کہ ہمارے تمام مشائخ اور پیرزادگان اس سے سبق حاصل کریں۔ آپ نے اپنے خطبۂ صدارت میں ان تمام غلط فہمیوں کا ازالہ کر دیا ہے جو بعض سیاہ باطن لوگ حضرتِ ممدوح کے متعلق پھیلاتے تھے، اور صاف صاف کہہ دیا کہ جو مسلمان خلافت سے محبت نہیں رکھتا وہ بے ایمان ہے اور ہرگز مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں خلافتِ اسلامیہ اور مقاماتِ مقدسہ کے تحفظ کے لئے اپنی جان تک نثار کرنے کو تیار ہوں اور میرا جو مرید تحریکِ خلافت میں حصہ نہیں لیتا، اس کو میں یارانِ طریقت میں سے نہیں سمجھتا کیونکہ خلافت خدا اور رسول کی ہے، جو مسلمان خدا اور رسول کی خلافت سے بیزار ہے یا بغض و عنادی

---

[1] انوار الصوفیہ قصور جنوری ۱۹۶۱ء ص: ۱۰، حضرت امیر ملت کے قومی کارنامے، ص ۱۰۰

مصلحتوں کے تحت صداقت سے خوف کھاتا ہے وہ میرے نزدیک مسلمان نہیں۔

ہم حضرت قبلہ شاہ صاحب کی خدمت میں ہدیہ تہنیت پیش کرتے ہیں کہ خدائے بزرگ و برتر نے حضرتِ ممدوح کو اعلائے کلمۃ الحق اور صداقت کی وہی جرأت و بیباکی عطا فرمائی ہے جو قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کا طرۂ امتیاز تھی ہمیں یقین ہے کہ آپ جیسی متقی شخصیت اور پیشوائے ملت کی رہنمائی سے تحریکِ خلافت کو تقویت پہنچے گی۔

ہمیں معلوم ہوا ہے کہ پنجاب خلافت کانفرنس عنقریب بمقام راولپنڈی منعقد ہونے والی ہے۔ اس کی صدارت بھی مشائخ ہی سے کسی روشن ضمیر بزرگ کی خدمت میں پیش کی جائے گی۔ اگر انہوں نے منظور کی تو یقیناً مسلمانانِ پنجاب کی خوش قسمتی ہوگی۔

اگر ملک کے تمام مشائخ عظام اور پیرزادگان حضرت حافظ حاجی پیر جماعت علی شاہ صاحب علی پوری کی تقلید کریں اور خلافتِ مقدسہ اسلامیہ کی حمایت و اعانت پر کمربستہ ہو جائیں تو خلافت اور آزادیٔ وطن کے مسائل کا حل بہت جلد ہو سکتا ہے۔ ہم حضرتِ ممدوح کا پورا خطبۂ صدارت عنقریب ہی کسی آئندہ اشاعت میں شائع کر دیں گے۔" [1]

مولانا شوکت علی مرحوم نے اس خطبہ کا انگریزی میں ترجمہ کر کے اس کی تحسین اُرکا پیل یورپ

---

[1] روزنامہ زمیندار، لاہور ۱۰ مارچ ۱۹۲۱ء

بھیجنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا مگر معلوم نہیں کہ ان کی یہ خواہش پوری ہوئی یا نہیں۔ دورانِ جلسہ جب مولانا شوکت علی نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ کوئی ہے جو راہِ خدا میں اپنی جان فدا کرے؟ تو اس وقت بارہ ہزار کے مجمع میں سے صرف حضرت قبلہ ہی کھڑے ہوئے تھے اور آپ نے نہایت جلال و استقلال سے فرمایا تھا کہ میں حاضر ہوں اور راہِ خدا میں اپنی جان فدا کرنے کو تیار ہوں۔ آپ کی اس اولوالعزمی اور سرفروشی کا حال معلوم کر کے شملہ میں ایک بزرگ نے آپ کو سنوسیٔ ہند کا خطاب دیا تھا۔

حیدر آباد دکن میں مرزا محمد اصغر بیگ اصغر یار جنگ بیرسٹر کی تحریک سے ارکانِ خلافت حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جلسۂ خلافت کی صدارت کی درخواست کی۔ آپ نے ان کے معروضہ کو شرفِ قبولیت بخشا حالانکہ اس روز واپسی کا ٹکٹ خریدا جا چکا تھا۔ حضرت نے ٹکٹ واپس کر دیا اور بڑی جرأت و دلیری سے صدارت فرمائی۔ اس جلسہ میں بڑے بڑے نامور بزرگوں نے شرکت کی تھی۔ آپ نے صدارتی تقریر ایسے مؤثر انداز سے کی کہ آپ کی تحریک پر ۳۰ ہزار روپے چندہ جمع ہوا۔

اس جلسہ کے بعد حکومت کے اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ نے بڑی بوکھلاہٹ کا مظاہرہ کرتے ہوئے لکھا کہ:

"حکومت کو اس قدر خطرہ گاندھی جی سے نہیں جتنا پیر جماعت علی شاہ صاحب سے ہے" [1]

گوجرہ ضلع لائل پور میں سید مہدی (ممبر کونسل) کے خوف سے ارکانِ خلافت داخل نہیں ہوتے تھے۔ حضرت امیرِ ملت کو جب یہ معلوم ہوا تو آپ خود تشریف لے گئے اور اپنے ہمراہ غازی عبدالرحمٰن (سیکریٹری خلافت کمیٹی لائل پور) کو لے جا کر خلافت کمیٹی قائم کی اور عہدیدار مقرر

---

[1] انوار الصوفیہ جنوری ۱۹۶۱ء ص: ۱۰ ، قومی کارنامے ، ص : ۱۱

کئے۔ جب حکومت نے محسوس کیا کہ آپ کی کوششوں سے خلافت کا ثمر بار آور ہو رہا ہے تو آپ کو صوبہ سرحد سے نکل جانے کا حکم دے دیا گیا، بلوچستان میں داخلہ بند کر دیا گیا اور کشمیر میں بھی دو سال تک داخلہ کی اجازت نہ دی گئی [1]

۱۹۱۴ء میں آپ نے تحریکِ ترکِ موالات کی مخالفت [2] کی اور اعلان کیا کہ "ہندو مردے کو جلا کر خاک کر دیا جاتا ہے اور وہ ہوا میں اڑ جاتی ہے، اگر مسلمان مرے تو دو گز زمین تا قیامت اس کی جاگیر ہوتی ہے، مسلمانو! ہجرت نہ کرو، آپ کا وطن آپ کا عدی ورثہ ہے اسے ہاتھ سے نہ جانے دو" مگر پھر بھی دو لاکھ کے قریب مسلمان افغانستان اور عرب ممالک جا پہنچے اور بعد ازاں پریشان حالت میں واپس ہندوستان آئے۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی بھی حضرت امیرِ ملت کے ہمنوا تھے۔" [3]

۱۹۳۰ء میں شاردا ایکٹ کا نفاذ [4] ہوا جس کی رُو سے نابالغ بچوں کی شادی ممنوع قرار دی۔ جس دن اس ایکٹ کے نفاذ کا اعلان کیا گیا اس وقت آپ پشاور میں تھے۔ آپ نے متعدد نکاح پڑھائے اور ٹیلی فون پر پولیس کو اطلاع دے دی کہ میں نے اتنے نکاح پڑھا دیئے ہیں اور قانون توڑ دیا ہے۔ حضرت کے ارشاد پر پورے ہندوستان میں ہزاروں نکاح پڑھائے گئے اور مجبور ہو کر حکومت کو اس ایکٹ میں ترمیم کرنا پڑی۔

۱۹۳۵ء میں تحریکِ شہید گنج چلی تو حضرت امیرِ ملت پھر مردانہ وار میدان میں نکل آئے مسجد شہید ہو گئی تو واگزاری کے لئے راولپنڈی میں کانفرنس ہوئی جس میں آپ کو امیرِ ملت

---

[1] ایضاً

[2] مہرِ منیر ص: ۴۰۶، صوفیۂ نقشبند ص ۳۵۵، انوار الصوفیہ قصور جنوری ۱۹۶۱، ص: ۸

[3] تفصیل کے لئے دیکھئے "فاضل بریلوی اور ترکِ موالات" از پروفیسر محمد مسعود احمد، شائع کردہ مرکزی مجلسِ رضا لاہور

[4] صوفیۂ نقشبند ص ۳۲۲، انوار الصوفیہ قصور اپریل مئی ۱۹۶۱ء ص: ۶۳۔

منتخب کیا گیا۔ بیعتِ امارت سب سے پہلے علامہ عنایت اللہ مشرقی نے کی۔ آپ نے ایک اعلان جاری فرمایا جو مندرجہ ذیل ہے :۔

۱۔ مجھے ایک لاکھ سرفروش جانباز درکار ہیں،

۲۔ ایک روپیہ فی کس کے حساب سے ایک لاکھ روپیہ بیت المال کے لئے درکار ہے۔

۳۔ تمام بازاری عورتیں پیشہ ترک کر دیں اور شرعی نکاح کر کے رمضان المبارک سے پہلے پہلے اپنے گھروں میں بیٹھ جائیں۔

۴۔ مسلمان، تجارت اپنے ہاتھ میں لے لیں۔ [1]

افسوس کہ صرف صوبہ سرحد ہی نے نقد رقوم اور جانباز پیش کئے اور ملک کے دوسرے حصوں نے خاموشی اختیار کی۔

امیرِ ملت منتخب ہونے کے بعد آپ کو لاہور میں گولی چلنے کی خبر ملی تو آپ سخت بے چین ہو گئے آپ فوراً لاہور روانہ ہو گئے، راولپنڈی اسٹیشن پہنچے تو مسلمانوں میں زبردست جوش و خروش پیدا ہوا فضا نعرۂ تکبیر و رسالت سے گونج اٹھی۔ ڈپٹی کمشنر راولپنڈی نے آپ کو روکنا چاہا مگر ایس پی نے اسے سمجھایا کہ راولپنڈی کو لاہور نہ بناؤ، حضرت کو لاہور جانے دو، لاہور والے جانیں اور ان کا کام! حضرت ٹرین پر سوار ہو کر بادامی باغ لاہور اسٹیشن پر اتر کر سیدھے کوچہ فقیر خانہ گئے اور باقی ہمراہی لاہور اسٹیشن پر پہنچ گئے۔

۸ نومبر ۱۹۳۵ء کو بادشاہی مسجد سے آپ کی سرکردگی میں پانچ لاکھ مسلمان جانبازوں نے ننگی تلواریں لے کر ایک عظیم الشان جلوس نکالا جب آپ صحن مسجد سے جلوس کی قیادت کے لئے اترے تو مسلمان خیر مقدم کے لئے دیوانہ وار آپ کی طرف بڑھنے۔ حکومت اور غیر مسلموں کو خدشہ تھا کہ کہیں

---

[1] صوفیا نقشبند، ص ۳۵۵ ، ماہنامہ انوار الصوفیہ سیالکوٹ اپریل مئی ۱۹۵۸ء ، امیر حزب اللہ مطبوعہ ۱۹۶۶ء ص ۳۲۵۔
، سہ ماہی العلم کراچی اپریل تا جون ۱۹۷۴ء

فساد نہ ہو جائے مگر ایسا نہ ہو سکا۔

تحریکِ پاکستان میں اگر قائدِ اعظم اور مسلم لیگ کو حضرت کا تعاون حاصل نہ ہوتا تو شائد پاکستان کا نقشہ یہ نہ ہوتا جب بڑے بڑے جبہ و دستار پوش علماء ہندوؤں کے حاشیہ بردار اور کاسہ لیس بنکر "ملت از وطن است" کا نعرہ لگا رہے تھے۔ آپ نے بانگِ دہل مسلم لیگ اور نظریۂ پاکستان کی حمایت کی اور قائدِ اعظم کو بھرپور تعاون کا یقین دلایا جس کی پاداش میں آپ کو اپنوں کی مخالفت کا سامنا بھی کرنا پڑا ۔ؔ[1]

۱۹۴۴ء میں آپ سری نگر تشریف فرما تھے کہ چوہدری غلام عباس جو حضرت کے مرید صادق تھے، قائدِ اعظم کو ساتھ لیکر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے قائدِ اعظم کی پر تکلف دعوت کی اور انواع و اقسام کے ۴۵ کھانے دسترخوان پر چنے گئے کشمیری رواج کے مطابق آخر میں گشتابہ یا گشتابہ نامی کھانا پیش کیا گیا، اس کے لئے گوشت کو میٹھے میں پکایا جاتا ہے۔

دعوت سے فارغ ہوئے تو آپ نے قائدِ اعظم کی کامیابی کی پیشینگوئی کی اور دو جھنڈے عطا فرمائے۔ ان میں سے ایک جھنڈا سبز تھا فرمایا سبز جھنڈا مسلم لیگ کا ہے اور دوسرا کفر کا۔ پھر فدا آور اشتہارات کے ذریعہ اعلان فرمایا :

" مسلمانو! مسلم لیگ کے جھنڈے تلے جمع ہو جاؤ۔ میرا جو مرید مسلم لیگ کی حمایت نہیں کرے گا وہ مسلمان نہیں ہے۔ اس وقت دو جھنڈے ہیں۔ ایک ہلالی پرچم مسلم لیگ کا اور دوسرا کفر کا۔ اب فیصلہ کرو کہ تم کس کے ساتھ ہو۔" [2]

چنانچہ آپ کے تمام مریدوں نے مسلم لیگ کا ساتھ دیا۔

مسلم لیگ کے بارے میں فرمایا :

---

[1] ماہنامہ انوار الصوفیہ قصور اکتوبر ۱۹۷۱ء ص : ۱۲ - ۱۳ - سہ ماہی العلم کراچی اپریل تا جون ۱۹۷۴ء

[2] ۔ انوار الصوفیہ مئی ۱۹۱۶ء، مارچ ۲۷ء۔ صوفیہ نقشبند ص ۲۵۵ - ۲۵۶۔

"یہی ایک اسلامی جماعت ہے، مسلمانو! سب اس میں شامل ہو جاؤ، کانگرس سے اس بات کی توقع کرنا کہ وہ مسلمانوں کی حمایت کرے گی، فضول ہے۔" ؎۱

تحریکِ پاکستان کے دوران آپ مسلم لیگ کی حمایت کے لئے کوہاٹ تشریف لے گئے۔ یہاں احرار کا زور تھا، یارانِ طریقت مسلم لیگ میں شامل ہونے سے پس و پیش کر رہے تھے۔ کارکنانِ مسلم لیگ نے حاضر ہو کر درخواست کی کہ یارانِ طریقت کو مسلم لیگ میں شامل ہونے کا حکم دیں۔ کسی نے اعتراض کیا تو آپ نے جوش میں آ کر فرمایا کہ اگر مسلم لیگ میں شامل نہ ہوں تو کیا کفر لیگ میں شامل ہوں؟ کسی نے کہا کہ اس پر خاکسار چھائے ہوئے ہیں، فرمایا وہ مسلم لیگ کے جھنڈے تلے جمع ہوں گے یا علیحدہ ہو جائیں گے۔ چنانچہ سب یارانِ طریقت مسلم لیگ میں شامل ہو گئے اور چند دنوں میں مسلم لیگ دیگر تمام جماعتوں پر چھا گئی۔ ؎۲

۱۹۴۵ء میں حضرت امیرِ ملت حیدرآباد دکن سے واپس پنجاب تشریف لائے تو رہتک شہر میں مسلم لیگ کے عہدیدار مقرر کرنے کے لئے خطاب فرمایا اور مندرجہ ذیل عہدیدار مقرر کئے:

۱۔ راؤ خورشید علی

۲۔ چوہدری حسین علی

۳۔ محبوب الٰہی وغیرہ وغیرہ ؎۳

۱۹۴۶ء میں آپ کے صاحبزادے سید محمد حسین شاہ نے بھی مسلم لیگ میں حصہ لیتے ہوئے بھرپور اور وسیع و عریض دورے کئے۔ تمام یارانِ طریقت کو بالخصوص اور جملہ مسلمانوں کو بالعموم مسلم لیگ کا ہمنوا بنایا۔ دیگر صاحبزادگان نے بھی اپنی پوری کوشش کی اور مسلم لیگ کو شایانِ شان

؎۱ ماہنامہ انوار الصوفیہ لاہور اپریل ۱۹۴۰ء، ص ۶۱

؎۲ انوار الصوفیہ قصور اپریل مئی ۱۹۶۱ء، ص : ۶۲

؎۳ ایضاً اگست ۱۹۶۱ء، ص : ۳۵

کامیابی نصیب ہوئی [1]

مشہور مؤرخ اور ادیب جناب رئیس احمد جعفری کی زبانی بھی ایک واقعہ سن لیجئے :-

" جمعیت العلماء اسلام پنجاب کے ایک اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے الحاج پیر سید جماعت علی شاہ صاحب محدث علی پوری نے فرمایا : حکومت اور کانگرس دونوں کان کھول کر سن لیں کہ اب مسلمان بیدار ہو چکے ہیں۔ انہوں نے اپنی منزلِ مقصود متعین کر لی ہے۔ اب دنیا کی کوئی طاقت ان کے مطالبۂ پاکستان کو ٹال نہیں سکتی۔ بعض دین فروش نام نہاد لیڈر مسٹر جناح کو بُرا بھلا گالیاں دیتے ہیں، لیکن انہوں نے آج تک کسی کو برا نہیں کہا، یہ ان کے سچا راہنما ہونے کا ثبوت ہے، خاکساروں نے مجھے قتل کی دھمکیاں دی ہیں، میں انہیں بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں سید ہوں، سید موت سے کبھی نہیں ڈرتا " اس کے بعد موصوف نے اپنے مریدوں اور حلقہ بگوشوں سے فرمایا کہ وہ مسلم لیگ کے امیدواروں کو ووٹ دیں " [2]

۱۹۴۶ء ہی میں بنارس میں آل انڈیا سنی کانفرنس (جو برِصغیر کی تاریخ میں ایک مثالی کانفرنس تھی) آپ کی صدارت میں منعقد ہوئی جس میں پانچ ہزار سے زائد علماء و مشائخ نے شرکت کی۔ آپ نے خطبۂ صدارت میں پاکستان کی حمایت کا اعلان کیا۔ اور پھر تحریک پاکستان کی حمایت میں ملک گیر دورے کئے۔ آپ ہر جگہ دورانِ تقریر فرماتے :

" مسلمانو ! یہاں دو جھنڈے ہیں، ایک اسلام کا اور دوسرا کفر کا، بتاؤ کس جھنڈے کے نیچے جانا چاہتے ہو ؟ "

---

[1] انوار الصوفیہ قصور، اگست ۱۹۶۱ء، ص ۳۵

[2] قائدِ اعظم اور ان کا عہد از رئیس احمد جعفری مطبوعہ لاہور ۱۹۶۶ء، ص ۴۰۵ / رضائے مصطفےٰ گوجرانوالہ مئی ۱۹۷۴ء، ص: ۱۶، ۱۷، طبی العلم کراچی اپریل تا جون ۱۹۷۳ء

[3] یہ اجلاس جنوری ۱۹۴۶ء میں اسلامیہ کالج لاہور میں منعقد ہوا تھا۔

لوگ کہتے : "اسلام کے جھنڈے کے نیچے"۔ چنانچہ لاکھوں مسلمانوں نے محض آپ کی ہدایت پر پاکستان کے حق میں ووٹ دیا[1]

آپ دین کے کاموں کو بڑی تن دہی سے انجام دیا کرتے تھے۔ خود فرمایا کرتے تھے کہ "جب تک میں دین کا کوئی کام نہ کرلوں، ایک لقمہ کھانا حرام سمجھتا ہوں[2]"۔ چنانچہ قادیانی فتنہ کی سرکوبی کے لئے بھی آپ کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔

مرزا قادیانی کا مقابلہ ہر وقت علماءِ ظواہر کے ساتھ رہتا تھا، اگرچہ وہ ان سے بھی ہر وقت شکست کھاتا اور ذلیل ہوتا رہتا تھا مگر ۲۷ اکتوبر ۱۹۰۴ء کو سیالکوٹ میں حضرت کے ساتھ مناظرہ کا ارادہ کیا لیکن جب یہ مردِ حق سامنے آیا تو مرزا بھاگ کھڑا ہوا اور جس قدر لوگ اس کی بیعت کے لئے تیار تھے، اس کی ذلت و رسوائی دیکھ کر بدظن ہو گئے اور آپ کے حلقہ بگوش ہو گئے[3]۔

۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو مرزا قادیانی اپنی اہلیہ کے علاج کے لئے لاہور میں خواجہ کمال الدین کے مکان پر وارد ہوا تو اپنا دامِ فریب پھیلانا شروع کیا[4]۔ مسلمانانِ لاہور نے حضرت کو مدعو کیا۔ آپ لاہور تشریف لائے اور آتے ہی بادشاہی مسجد میں ۲۲ مئی کو ایک شاندار جلسہ منعقد کیا۔ آپ کے علاوہ دیگر علماءِ اہلِ سنت بھی کثیر تعداد میں موجود تھے۔ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی بھی حضرت سے تعاون اور مدد کے لئے تشریف لائے[5]۔ آپ نے اس تاریخی اور عدیم المثال جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا "اگر مرزا اپنے دعوئ نبوت میں سچا ہے تو سامنے آ کر ثابت کرے اگر مباحثہ

---

[1] صوفیاء نقشبند ص ۳۵۶

[2] خطبۂ صدارت ڈسٹرکٹ خلافت کمیٹی لائل پور مطبوعہ لاہور ۱۹۲۲ء بحوالہ انوار الصوفیہ قصور اپریل مئی ۶۱ء، ص ۲۳۔

[3] برکاتِ علی پور اپریل ۶۷ء مطبوعہ راولپنڈی، ص ۹، صوفیاء نقشبند، ص ۳۵۵، مہر منیر ص: ۴۰۶

[4] ایضاً ایضاً

[5] مہر منیر ۶ ۲۰۰ ء

نہ کر سکے تو مباہلہ ہی سہی، مگر چونکہ مرزا اپنے مکائد سمیت حضرت کے ہاتھوں ۱۹۰۴ء میں ذلیل و خوار ہو چکا تھا اس لئے آپ کے سامنے آنے کی جرأت نہ کر سکا۔ آپ نے فرمایا کہ ہم نے اس کا بہت انتظار کیا ہے لیکن وہ سامنے نہیں آیا، پیشینگوئی کرنا میری عادت نہیں لیکن میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ: "مرزاجی کا خدائی فیصلہ ہو چکا ہے لہذا تین روز کے اندر کیفرِ کردار کو پہنچے گا۔"

یہ بات آپ نے رات دس بجے فرمائی اور ۲۶ مئی کو صبح دس بجکر دس منٹ پر مرزاجی آنجہانی ہو گئے۔ مرنے سے چھ گھنٹے قبل زبان بند ہو گئی، خدا جانے ہیضہ تھا یا کچھ اور، نجاست منہ سے نکلتی رہی اور اسی حالت میں خاتمہ ہو گیا۔" [1]

جس وقت آپ نے مرزاجی کو موت کی پیشینگوئی فرمائی تو لوگوں نے اسے اہمیت نہ دی مگر جب پوری ہو گئی تو حد درجہ حیران ہوئے۔ اس پیشینگوئی کا مرزائیوں نے آج تک ذکر نہیں کیا [2] (تفصیل کے لئے دیکھئے "الکاویہ علی الغاویہ جلد دوم" از مولانا محمد عالم آسی امرتسری)

گوشۂ کرامت کو یہ کہہ کر واضح کرتا ہوں کہ آپ کی سب سے بڑی کرامت سنتِ مصطفیٰ کی اتباع اور دینِ اسلام پر قربان ہونے کا وہ لازوال جذبہ تھا جس نے عمر بھر آپ کو مجاہدانہ کردار پر کمربستہ رکھا۔

قیامِ پاکستان کے بعد آپ نے اسلامی آئین کے نفاذ کی بھرپور کوشش کی [3]۔ جگہ جگہ جلسوں اور یادداشتوں کے ذریعہ حکومت کو اسلامی آئین کے نفاذ کا وعدہ یاد دلایا۔ پیر صاحب مانکی شریف اور مولانا عبدالستار خاں نیازی (حال جنرل سیکرٹری جمیعت علماء پاکستان) نے آپ کی

---

[1] برکاتِ علی پور، ص: ۸

[2] صوفیۂ نقشبند، ص: ۳۵۶

[3] فیضانِ امیرملت، ص: ۸۵، العلم کراچی، اپریل تا جون ۱۹۷۴ء

معیت میں تمام ملک کا دورہ کیا مگر افسوس کہ حکومت نے اپنا وعدہ پورا نہ کیا جس کا حضرت کو تادم زیست سخت صدمہ رہا۔

علی پور شریف میں آپ نے سنگِ مرمر کی ایک خوبصورت مسجد تعمیر کرائی تھی جو آج بھی اپنے صوری کمالات کی بنا پر تمام ملک میں مسجدِ نور کے نام سے مشہور ہے۔ آج سے ساٹھ ستر برس قبل ارزانی کے دور میں اس پر چھ لاکھ روپیہ صرف ہوا تھا۔ دروازے صندل کی لکڑی کے اور ہاتھی دانت سے مرصع ہیں۔ مسجد میں چھت پر دیل مچھلی کا ۲۱ فٹ لمبا کانٹا خوبصورتی کے لئے لگایا گیا ہے[1]

آخر کار ۲۹ ذیقعدہ ۱۳۷۰ھ / ۳۱ اگست ۱۹۵۱ء کو حضرت امیرِ ملت قدس سرہ ایک سو سے زائد برس کی عمر میں واصل بحق ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون[2]

آپ کے مریدِ صادق جناب پروفیسر حامد حسن قادری نے درجِ ذیل آیت سے آپ کی تاریخ وصال نکالی:

یٰاَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ ارْجِعِیْ اِلٰی رَبِّکِ
۱۳

پیر غلام دستگیر نامی مرحوم نے یہ تاریخِ وصال کہی:

دین پناہِ علی پور جماعت علی شاہ
۱۳

آپ کی یاد میں قصور سے ماہنامہ انوار الصوفیہ تاحال جاری ہے، اور آپ کا عرس مبارک ہر سال ۲۸، ۲۹ بیساکھ کو علی پور شریف ضلع سیالکوٹ میں بڑے تزک و احتشام سے منایا جاتا ہے۔

نوٹ: آپ کی سوانح حیات سیرتِ امیرِ ملت کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔

---

[1] ہفت روزہ الہام بہاول پور ۲۴ اکتوبر ۱۹۷۱ء، سہ ماہی العلم کراچی اپریل تا جون ۱۹۷۴ء۔

[2] تاریخ پیدائش میں اختلاف کی وجہ سے عمر شریف کا صحیح اندازہ نہ ہو سکا، بعض ایک سو اٹھارہ اور بعض ایک سو گیارہ سال لکھتے ہیں، سہ ماہی العلم، اپریل تا جون ۱۹۷۴ء۔

مولانا حسرت موہانی

آپ کا اسم گرامی سید فضل الحسن اور حسرت تخلص ۱۸۷۳ء میں قصبہ موہان ضلع اناؤ (یو.پی) میں پیدا ہوئے، والدِ گرامی کا اسم گرامی سید اظہر حسین نیشاپوری تھا، خاندان کے بزرگِ اعلیٰ سید محمود، نیشاپور سے ہندوستان آئے اور موہان کو جائے سکونت بنایا، موہان کی نسبت سے ہی حسرت موہانی کہلائے۔

مولانا کو موہان سے جو دلی تعلق تھا اس کا یوں بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وطن سے نسبت ان کے نام کا جزو بن گئی، یہاں تک کہ دنیا آپ کو فضل الحسن کی بجائے صرف حسرت موہانی کے نام سے جانتی ہے، خود اپنے ایک شعر میں اس کا اعتراف موجود ہے ؎

عشق نے جب سے کہا حسرت مجھے
کوئی بھی کہتا نہیں فضل الحسن

مولانا موہانی امام علی موسیٰ رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں سے تھے جن کا مزار آج بھی شہر مقدس (نیشاپور) میں مرجعِ خلائق ہے اور شہنشاہِ ایران جن کی درگاہ کا متولی ہے، مولانا نے اسی تعلق سے اپنے نیشاپوری ہونے کا اعلان فرمایا ؎

کیوں نہ ہو اردو میں حسرت ہم نظیری کی نظیر
ہے تعلق ہم کو آخر خاکِ نیشاپور سے

مولانا کو اپنی گوناگوں مصروف زندگی کے دوران ایک بار حضرت امام موسیٰ کاظم کے مزار پر بھی حاضری کا شرف ملا۔ فرماتے ہیں ؎

ہوگئی بارگہ رب میں وہ یکسر منظور
ہم نے کی تھی جو دعا موسیٰ کاظم کے حضور

حسرت نے ۱۹۰۳ء میں علی گڑھ سے بی۔اے کیا پھر رسالہ اردوئے معلی نکالا، علم و ادب کے ساتھ ساتھ سیاست میں بھی خوب حصہ لیا، عربی، فارسی، اردو اور انگریزی پر عبور تھا، نظم و نثر، تقریر و تحریر میں یکتائے روزگار تھے، مذہب، سیاست اور تاریخ سے مکمل آگاہی کے ساتھ ساتھ ادب اوڑھنا بچھونا تھا۔ ۱۹۰۸ء میں ایک مضمون کی وجہ سے دو سال قید بامشقت اور پانچ ہزار روپیہ جرمانہ کی سزا ہوئی [1]

حسرت، حضرت مولانا شاہ عبدالوہاب فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے، آپ پکے نمازی، تہجد گزار، صوفی اور سماع کے دلدادہ تھے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے والہانہ عشق تھا اور حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے حد درجہ عقیدت رکھتے تھے، چنانچہ ایک مقام پر فرماتے ہیں:

حسرت کوئی مدد نہ کرے کیا مضائقہ — کافی ہیں غوث الاعظم جیلاں مرے لئے

شاہ محمود احمد قادری کانپوری، جناب نیاز فتحپوری کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ "مولانا حسرت موہانی کی زبان سے اکثر میں نے مولانا احمد رضا خاں بریلوی کا یہ شعر سنا ہے [2]

تیری سرکار میں لاتا ہے رضا اس کو شفیع
جو مرا غوث ہے اور لاڈلا بیٹا تیرا

حسرت نے سرکاری ملازمت کی بجائے انگریزوں سے ٹکر لینے کو ترجیح دی، عیش کی بجائے کانٹوں کی سیج کا انتخاب کیا، حکومت کی غلط پالیسیوں پر کڑی نکتہ چینی کرتے، ان کی زندگی سادگی درویشی اور قناعت کا مرقع تھی، آپ ایک سچے مسلمان کی طرح ظاہری نام و نمود کے قائل نہ تھے، ساری عمر

---

[1] یہ مضمون ۱۹۰۸ء میں "مصطفےٰ کمال فرغلی مصر میں انگریزوں کی پالیسی" کے نام سے چھپا تھا۔ (حسرت کی سیاسی زندگی از عبدالقوی دسنوی، مطبوعہ بمبئی ۱۹۵۶ء، ص ۱)

[2] ماہنامہ ترجمان اہلسنت کراچی، ولیم، دسمبر ۱۹۷۵ء، ص ۲۰۔

حق گوئی اور بے باکی میں گزاری۔ اپنے اخبار میں وہ صاعقہ پاشی کی کہ پورے برصغیر میں آپ کے قلم کا چرچا تھا، جو لکھتے بے باک ہو کر لکھتے، صدائے حق بلند کرتے وقت کسی سے نہ ڈرتے یہی وجہ تھی کہ انہیں متعدد بار پسِ دیوارِ زنداں جانا پڑا۔

الغرض ان کی ادبی نگارشات ہوں یا سیاسی سرگرمیاں ان سب کا مقصد حصولِ آزادی ہوتا تھا اسی لئے آج ہم جنگِ آزادی کے دیگر زعماء اور مجاہدین کا ذکر کرتے وقت اس مردِ مجاہد کے کارناموں کو کسی صورت میں فراموش نہیں کر سکتے۔ اس مردِ حریت شعار کو فرنگی نے بزار بار جھکانے کی کوشش کی مگر حسرت کو جھکانے کی ان کی حسرت کبھی بھی پوری نہ ہو سکی، خود فرماتے ہیں ؎

ہم قول کے صادق ہیں اگر جان بھی جاتی
واللہ کبھی خدمتِ انگریز نہ کرتے

تحریکِ آزادی کے سلسلے میں آپ تین مرتبہ قید ہوئے، پہلی مرتبہ جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے کہ پانچ سو روپے جرمانہ بھی ہوا یعنی ۱۹۰۸ء میں، دوسری مرتبہ ۱۹۱۶ء میں دو سال نظر بند رہے اور یوپی کی مختلف جیلوں میں رہے اور تیسری مرتبہ ۱۹۲۲ء میں زیرِ دفعہ ۱۲۴ الف ۲ سال قید کی سزا ہوئی لیکن دو سال بعد ہی رہا کر دیئے گئے۔[1]

جناب سید یعقوب حسن صاحب نے قیامِ پاکستان کا ارتقا منزل بہ منزل کے زیرِ عنوان تبصرہ کرتے ہوئے مولانا حسرت موہانی کی سیاسی بصیرت کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے لکھتے ہیں:

"پاکستان کا قیام ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو عمل میں آیا اور اس طرح برصغیر کے دس کروڑ مسلمانوں کے متفقہ مطالبے نے کامیابی حاصل کی جو ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو لاہور کے ایک عظیم اجتماع میں قرارداد تقسیمِ ہند یا قراردادِ لاہور کی صورت میں کیا گیا تھا اس طرح اس مطالبے کو کامیاب ہونے میں صرف سات سال لگے لیکن ... [illegible]

---

[1] سنت سدرچتیاں ماہو ... [illegible]

تحریکِ پاکستان کی عمر صرف سات سال ہے؟ ظاہر ہے کہ اس سوال کا جواب اثبات میں نہیں دیا جا سکتا، یہ درست ہے کہ اس مطالبے نے تحریک کی حیثیت سے سات سال کی مختصر مدت میں اپنی ساری منزلیں طے کر لیں لیکن نظریۂ پاکستان کے خیال کی منزل سے روبہ عمل آنے تک بہت طویل عرصہ گزرا ہے. عام طور پر یہ مدت سترہ سال قرار دی جاتی ہے اور اس کا آغاز ۱۹۳۰ء سے کیا جاتا ہے جبکہ علامہ اقبال نے الہ آباد میں کل ہند مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے تقسیم ملک کا نظریہ پیش کیا تھا اگر ہم ذرا اور پیچھے جائیں تو اس مطالبہ کی عمر اور طویل دکھائی دے گی جبکہ رئیس الاحرار مولانا حسرت موہانی اس کے داعی نظر آئیں گے جنہوں نے ۱۹۲۴ء میں برصغیر کے فرقہ وارانہ مسئلہ کا حل پیش کرتے ہوئے یہ مطالبہ کیا تھا کہ اس ملک کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے یعنی ہندو ہندوستان اور مسلم ہندوستان میں مولانا حسرت موہانی نے یہ نظریہ کسی بند کمرے میں پیش نہیں کیا تھا بلکہ یہ تجویز کھلے اجلاس میں پیش کی گئی جو ہر اس شخص تک پہنچی جسے ملک کی سیاست سے ذرا بھی دلچسپی تھی، علامہ اقبال برصغیر کے ان لوگوں میں سے تھے جن کے دلوں میں مسلمانوں کی سیاسی بیداری اور سیاسی آزادی کیلئے ناقابلِ بیان تڑپ تھی اس لئے ناممکن ہے کہ انہوں نے مولانا حسرت موہانی کی اس تجویز کا نوٹس نہ لیا ہو، دوسرے الفاظ میں کہا جا سکتا ہے کہ علامہ اقبال نے اپنی فکر کا چراغ مولانا حسرت موہانی کے چراغِ فکر سے روشن کیا تھا، اس لحاظ سے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ تقسیم ملک کی تحریک کا آغاز ۱۹۲۴ء سے ہو گیا تھا مولانا حسرت موہانی اور علامہ اقبال دونوں کو قدرت کی طرف سے غیر معمولی سیاسی بصیرت

عطا ہوئی تھی اور دونوں کی نظروں کے سامنے برِصغیر ہند کی گذشتہ دو صد سالہ تاریخ کا ایک ایک ورق کھلا ہوا تھا۔۔۔۔۔'' [1]

۱۹۳۶ء میں مسلم لیگ کی تنظیمِ نو ہوئی تو مولانا اس کے ساتھ وابستہ ہو گئے، یوپی مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ کے سرگرم رکن رہے، یہ وہ زمانہ تھا جب مسلم لیگ کو نوابوں اور امیروں کی جماعت سمجھا جاتا تھا، مولانا کا وجود اس اعتراض کا مسکت جواب تھا۔ آپ نے مسلم لیگ کو عوام میں مقبول بنانے کے لیے سب سے زیادہ کام کیا۔ قائدِ اعظم کا تعارف کراتے ہوئے اسٹیج سے بارہا یوں کہا جاتا تھا کہ یہ مولانا حسرت موہانی کے تسلیم شدہ قائد ہیں اور اس بات کا سامعین پر نہایت خوشگوار اثر پڑتا تھا۔

۱۹۳۷ء میں لکھنؤ میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس ہوا تو مولانا کی کوششوں سے اس اجلاس میں مسلم لیگ کا نصب العین کامل آزادی اور ایسے وفاقی طرزِ حکومت طے پایا جس کے صوبے اندرونی طور پر آزاد ہوں۔ اس اجلاس میں مولانا نے صاف طور پر اعلان کیا کہ وفاقِ ہند کے صوبوں کو وہ اس لئے آزاد رکھنا چاہتے ہیں کہ مرکزی حکومت اگر مسلمانوں کی اکثریت کے صوبوں کے ساتھ انصاف نہ کرے تو یہ صوبے وفاقِ ہند سے باہر نکل آئیں۔ وراگر ہندو اکثریتی صوبے نوآبادیاتی طرزِ حکومت پر قناعت کرلیں تو اسلامی اکثریت کے صوبے اپنی آزاد حکومت بنالیں [2]

مولانا دوبار بیرونی ممالک کا سفر کیا۔ ایک بار انگلستان گئے اور ایک بار مصر اس دوران میں آپ نے یورپ اور شرقِ وسطیٰ کے دوسرے ملکوں کا بھی سفر کیا، دوسرا سفر ۱۹۳۹ء میں قاہرہ کا تھا جہاں آپ آل انڈیا مسلم لیگ کے ایک وفد کے رکن کی حیثیت سے فلسطین کانفرنس میں شریک ہوئے اور ہندوستانی مسلمانوں کی نیابت کی۔

مولانا نے گیارہ مرتبہ حج کیا اور بارہ مرتبہ مدینہ طیبہ میں حاضری دی۔ مدینہ طیبہ میں

---

[1] روزنامہ نوائے وقت لاہور، ۱۶ دسمبر ۱۹۷۵ء ص ۵

[2] ماہنامہ ضیائے حرم لاہور، مئی ۱۹۷۵ء، ص ۳۰

پر ایک عجیب کیف کا عالم ہوتا تھا مسجدِ نبوی میں نماز ختم ہوتے ہی دعا کا انتظار کئے بغیر گنبدِ خضریٰ پر حاضر ہو کر مندرجہ ذیل اشعار ذوق و شوق سے عرض کرتے تھے ؎

یا نبی السلام علیک — ان الفوز والفلاح لدیک

بسلام آمدم جوابم دِہ — مرہمی بر دلِ کبابم نہ

بس بود جاہ و احتشام مرا — یک علیک از تو صد سلام مرا

جب آپ پہلی بار حجاز گئے تو حضرت شیخ عبدالباقی ایوبی علیہ الرحمہ[۱] سے سلاسلِ حدیث کی اجازت لی، اہلِ مدینہ کی خدمت کا بڑا خیال رکھتے تھے، مخیر حضرات سے رقمیں مقرر کرا دی تھیں جو خود دے جا کر نذر کرتے تھے۔

آپ کی زندگی درویشانہ بلکہ قلندرانہ قسم کی تھی اور مزاج میں حد درجہ استغنا رتھا آپ نے کبھی لیڈر بننے کی کوشش نہیں کی اور نہ کسی بڑے سے بڑے لیڈر سے مرعوب ہوئے۔ مولانا جمال میاں نے لکھا ہے کہ "آپ زیادہ باتیں کرنا پسند نہیں کرتے تھے، سیاسی امور پر جب مباحثہ ہوتا اور ان کو جوش آجاتا تو اور بات تھی، سیاسی اختلافات کی بنا پر وہ سخت تنقید سے ،ل نہیں کرتے تھے مگر ذاتی طور پر انہیں کسی سے عداوت یا عناد نہ تھا، اپنے عقائد میں بڑے مضبوط تھے مگر آپ کے احباب کے دائرے میں بلا امتیاز مذہب و ملت ہر قسم کے لوگ تھے۔ اپنے ذاتی کام سے کسی امیر یا حاکم کے یہاں نہیں گئے مگر ضرورتمندوں کیلئے اربابِ ثروت سے سفارش کرنے میں انہیں تامل نہ ہوتا تھا"[۲]

حسرت کے کردار کی ایک نمایاں خصوصیت آپ کا خلوص اور حق پرستی ہے جس چیز کو آپ نے حق سمجھا اس کو حاصل کرنے سے دنیا کی کوئی طاقت آپ کو روک نہیں سکی، دنیاوی فائدے کے خیال کا کوئی شائبہ تک آپ کے ذہن میں کبھی نہ آتا تھا، ایک جگہ لیڈر کی پہچان

---

[۱] فرنگی محل کے ایک بزرگ جو مدینہ طیبہ ہجرت کر گئے تھے ایک عرصہ تک مسجد نبوی میں درس دیتے رہے اور وہیں وصال فرما گئے۔

(ماہنامہ ابی الزبیر بہاولپور، جنوری ۱۹۶۱ء)

[۲] ماہنامہ الزبیر بہاولپور، جنوری ۱۹۶۱ء

بتاتے ہوئے لکھا ہے ؎

حق سے بہ عذرِ مصلحت وقت پہ جو کرے گریز
اس کو نہ پیشوا سمجھ، اس پہ نہ اعتماد کر

اس اصول کی روشنی میں آپ ایک سچے اور بڑے رہنما تھے۔ ملک کی تقسیم و پنجاب و دہلی میں قتل و غارتگری کے بعد جو واقعات ٹرینوں میں پیش آئے، انھوں نے کچھ عرصہ کے لئے سفر کو ایک نہایت خطرناک چیز بنا دیا تھا، مولانا کو مرکزی اسمبلی میں شرکت کرنے کی غرض سے اکثر دہلی کا سفر اختیار کرنا پڑتا، آپ سے بارہا درخواست کی گئی کہ جب تک حالات بہتر نہ ہو جائیں دہلی آنا جانا بند کر دیں، نہ ماننے تو کہا گیا کہ کم از کم سرخ ٹوپی جو کئی فرسنگ سے مقناطیس کی طرح سے نظروں کو کھینچ لیتی ہے، کچھ دنوں کے لئے چھوڑ دی جائے فرمایا کہ کیا مجھے بزدل اور موت سے ڈرنے والا سمجھا ہے۔ میں پچاس برس سے جان کی بازی لگائے پھر رہا ہوں، اب آخر وقت میں کیا جان چرا کر گھر میں بیٹھ جاؤں ستم پیشہ سے نہ پہلے کبھی مرعوب ہوا ہوں نہ اب ہوں گا [1]

سر پیشِ ستم اپنا ہرگز نہ فرو ہوگا
اس کارِ غلاماں کو آزاد نہیں کرتے

کوئی شک نہیں کہ آپ کی منحنی شخصیت کے پہلو میں شیر کا دل تھا۔ آپ کے عزم و حوصلہ کے آگے موت کے پر جلتے تھے، قید کی اذیتیں آپ کے ارادوں کو استقامت دیتی تھیں، شاہانہ جاہ و حشم نے کبھی آپ کو مرعوب نہ کیا نہ جبر و ستم آپ کو مغلوب کر سکے ؎

شاہوں کے تکبر سے دب کر نہ رہا ہیں کس بارگہِ خاص کا آخر ہوں گدا میں
بیکار ہے اظہارِ غضب اہلِ ستم کا ڈرتا ہوں میں اُن سے نہ ڈرونگا نہ ڈرا میں

---

[1] سہ ماہی الزبیر بہاولپور جنوری ۱۹۶۱ء

ہو جنہیں شوقِ شہادت انہیں کیا خوفِ بلا
قید کا مرحلۂ نرم اگر ہے درپیش

بیکار ڈراتے ہیں مجھے قیدِ ستم سے
واں روحِ وفا اور بھی آزاد رہے گی

آزاد ہیں قید میں بھی حسرت
ہم دل شدگانِ خود فراموش

روح آزاد ہے خیال آزاد
جسمِ حسرت کی قید ہے بیکار

کر کے وہی رہے گا جو دل میں ٹھان لی ہے
روشن ہے ہم پہ حسرت عزمِ امور تیرا

باطن میں ہیں آزاد بظاہر ہیں نظر بند
ہے دیدۂ دل باز بہاں دیدۂ سر بند [1]

مولانا حسرت کے متعلق یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ وہ کمیونسٹ عقائد رکھتے تھے، سوشلزم کے مبلغ تھے۔ آیئے ذرا اس الزام کی تحقیق کریں، جناب شمیم احمد لکھتے ہیں :۔

"اس سلسلے میں سب سے شرمناک بات یہ ہے کہ مولانا حسرت موہانی کے موجودہ مقلدین اور مداح وہ حضرات ہیں جنکو مولانا کی سب سے بڑی صفت یعنی اعلیٰ ترین کردار، اخلاقی صفات اور مذہبی شخصیت سے دور کا واسطہ بھی نہیں، مولانا حسرت موہانی کا اسلامی سوشلزم اور شخصیت اقبال کے اس تصور کا جیتا جاگتا نمونہ ہے جس کے لئے اقبال نے نطشے کے بارے میں اپنے اس شعر میں اشارہ کیا ہے ؎

اگر ہوتا وہ مجذوبِ فرنگی اس زمانے میں
تو اقبال اس کو سمجھاتا مقامِ کبریا کیا ہے

حسرت موہانی کا سوشلزم مقامِ کبریا کی شرط کے ساتھ تھا جس کا ایک جامع نمونہ خود ان کی شخصیت تھی اور یہی وہ شرط تھی جس سے ان کا اسلامی سوشلزم، سوشلزم کی سب سے بڑی تنقید بن جاتا ہے جس کو ایسے بدکردار منافقین اور

---

[1] سہ ماہی الزبیر بہاولپور ۱۹۶۱ء

شیاطین مجسم افراد آج ایکسپلائٹ کر رہے ہیں جن حسرت بانی کا نام لیتے ہوئے بھی شرم نہیں آتی۔ دراصل ایک زمانے کے تاریخی تقاضوں کو نظر انداز کرنے سے وہ بد باطنی، فریب کاری، جھوٹ اور نفاق پیدا ہوتا ہے جو آج ہماری سیاست کا سب سے بڑا گھناؤنا پہلو ہے جو تاریخ اور صداقت کو مسخ کرنے کے درپے ہے۔" [1]

ایک اور اقتباس ملاحظہ فرمائیے :۔

" اور یہ صورت حال آج بھی من وعن موجودہ ہندوستان میں برقرار ہے اور آج بھی وہاں کے بعض رہنما اور اہل فکر اس کا حل اشتراکی معاشرے کو سمجھتے ہیں لیکن حسرت نے اس وقت بھی اشتراکیت کے لئے اسلام کے بنیادی عقائد کی شرط رکھی تھی جس کو وہ اسلامی سوشلزم سے تعبیر کرتے تھے یعنی حسرت نے اشتراکیت کو من وعن قبول کرنے سے بالکل انکار کر دیا تھا اور اسلامی سوشلزم ان کے لئے ایک الگ اور حقیقی معنی ومفہوم رکھتا تھا۔ خواہ ان کے اس تصور کو کتنا ہی جذباتی اور بے معنی قرار دے دیا جائے مگر اس کا کوئی تعلق آج پاکستان کے ان بدکردار، بے عمل، منافق اور فریب کار سیاستدانوں سے نہیں ہے جن کے اعمال اور افعال انسانیت کی پست ترین اور حیوانی سطح کو چھو رہے ہیں اور جن پر اقبال کا یہ مصرعہ پورا پورا صادق آتا ہے ؎

یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

شراب خوری، بدکرداری، دھوکہ بازی، جھوٹ، فریب اور استحصال جن کی سرشت بن چکا ہے اور جو اسلامی سوشلزم کو محض فریب دہی اور اپنی ناپاک سازشوں کے لئے استعمال کر رہے ہیں، جن کے قول وفعل اور فکر وعمل

---

[1] تحریکِ پاکستان، مطبوعہ لاہور، ۱۹۷۵ء، ص ۱۹۰۔

میں ذرا سی بھی مطابقت نہیں ہے اور لفظ "اسلامی" سے ان کے عمل کو تو چھوڑ دیجئے فکر میں بھی سوائے استہزا اور تمسخر کے کوئی تصور پیدا نہیں ہوتا، ان کا اپنی تائید میں حسرت کے اسلامی سوشلزم کا حوالہ دینا ایسا ہی ہے جیسے کسی طوائف کو حضرت بی بی کا خطاب دے دینا حسرت جب سوشلزم کے ساتھ اسلامی کی شرط لگاتے ہیں تو اس میں اسلام کے تمام ارکان اور شعائر لازم وملزوم کی حیثیت رکھتے تھے جن کی پوری زندگی اور مکمل شخصیت اسلام کی تعلیمات اور اس کے فرائض کا ایک مثالی نمونہ تھی، انہیں اسلامی کے لفظ سے کسی کو دھوکا یا فریب دینا مقصود نہیں تھا کیونکہ وہ اپنی دنیا کے ان معدودے چند جری، بیباک، حق گو اور صاحب کردار آدمیوں میں سے تھے جنہیں اگر سوشلزم اختیار کرنا ہوتا تو دنیا کی کوئی طاقت ان کو اس کی پیروی اور تبلیغ سے باز نہیں رکھ سکتی تھی اور ان کی ساری زندگی اسی سانچے میں ڈھل جاتی جس کو وہ اپنے لیے پسند کرتے لیکن انہوں نے سوشلزم کو مشرف بہ اسلام کیا، سوشلزم کے نقطۂ نظر سے یہ خواہ کتنی ہی مضحکہ خیز اور حماقت آمیز بات ہو مگر اس وقت تو حسرت انہیں اپنے باپ سے بھی زیادہ عزیز نظر آ رہے ہیں"[1]

مندرجہ بالا اقتباسوں سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو گئی ہے کہ حسرت کے اسلامی سوشلزم اور سوشلزم کے موجودہ دعوے داروں کے نظریات و افکارات میں زمین و آسمان کا فرق ہے، حسرت کا سوشلزم عین اسلام اور ان کا سوشلزم عین کفر و الحاد، اگر میں یہ عرض کروں تو بے جا نہ ہوگا کہ ع

---

[1] تحریک پاکستان، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۵ء، ص ۲۰-۲۱

چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

تقسیم ملک کے بعد حسرت ہندوستان ہی میں رہے۔ ۱۹۵۰ء میں آخری بار حج بیت اللہ اور زیارتِ روضۂ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے اور ۱۳ مئی ۱۹۵۱ء کو تین بجے دن فرنگی محل لکھنؤ میں انتقال فرمایا اور اپنے مرشد شاہ عبدالوہاب فرنگی محلی کے قدموں میں دفن ہوئے۔[1]

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

جناب سید مسعود حسن مسعود لکھیم پوری نے درجِ ذیل قطعۂ تاریخ وفات لکھا ہے

گئے مسعود وہ خلدِ بریں کو — چلے اب چھوڑ کر دنیائے فانی
بہت ممتاز تھے ملکِ سخن میں — مکمل بادشاہِ خوش بیانی
"جہاندیدہ" بڑھا کر کہیے تاریخ
گئے فضل الحسن حسرت موہانی[2]
۱۹۵۱

نوٹ :- مجھے انتہائی افسوس ہے کہ میں نے مولانا کی قومی و ملی خدمت کو انتہائی مختصر طور پر بیان کیا ہے جس کی بڑی وجہ وسائلِ معلومات کی کمی ہے۔

---

[1] روزنامہ مغربی پاکستان لاہور، ۹ رجون ۱۹۷۳ء - حسرت کی سیاسی زندگی، مطبوعہ ممبئی ۱۹۵۶ء، ص ۳۰-۲۰۰ - مشاہیرِ جنگِ آزادی، مطبوعہ کراچی ۱۹۵۷ء، ص ۲۱۳ - کاروانِ گم گشتہ از رئیس احمد جعفری مطبوعہ کراچی ۱۹۷۱ء، ص ۳۶۹ سے ۳۸۸ - ماہنامہ ضیائے حرم لاہور، مئی ۱۹۷۵ء۔

[2] عندلیبِ تواریخ، از سید مسعود حسن مسعود، مطبوعہ الٰہ آباد، ۱۹۶۳ء، ص ۱۵۷

مولانا خلیل الدین آزاد صمدانی

مولانا آزاد صمدانی صاحب کی پیدائش ۱۸۹۲ء میں بھوپال میں ہوئی جہاں آپ کے والدِ گرامی تحصیلدار تھے، ابھی زندگی کے دس پھول ہی توڑے تھے کہ سایۂ پدری سے محروم ہو گئے اور دورِ عسرت شروع ہوا. بھوپال میں مولانا ذوالفقار احمد، مولانا محمد یوسف محدث اور کانپور میں مولانا مشتاق احمد بن مولانا احمد حسن سے حدیث و منطق پڑھی مسجد فتحپوری دہلی میں بھی حدیث و فقہ کی تعلیم پائی۔

مالی حالت غیر تسلی بخش تھی، بھرت پور کی پولیس میں کانسٹیبل بھرتی ہوئے اور ترقی کرتے کرتے سب انسپکٹر ہو گئے مگر کسی قسم کی پابندی آپ کی افتادِ طبع کے خلاف تھی، آریہ سماج نے شدھی تحریک چلائی تو آپ ملازمت ترک کر کے میدانِ جہاد میں کود پڑے جابجا آریوں سے مناظرے کئے اور مسلمانوں کو مرتد ہونے سے بچایا۔ تبلیغی سلسلہ میں عدن اور افریقہ بھی گئے۔ تحریکِ خلافت چلی تو تن من دھن کی بازی لگا کر اپنی دینی حمیت کا ثبوت دیا اور گرفتار ہو کر باندہ جیل میں نظر بند رہے۔

تحریکِ پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، مسلم لیگ کے پُرجوش مبلغ کی حیثیت سے ملک کے طول و عرض میں دورے کئے اور کانگرسیوں، احراریوں اور جمعیتیوں کے منصوبوں کو خاک میں ملا دیا۔ مولانا شوکت علی اور مولانا عبدالحامد بدایونی کے ساتھ مل کر مسلم لیگ کے پیغام کو جگہ جگہ پہنچایا اور اسی سلسلہ میں ہردوئی (یوپی) کی جیل میں قید و بند کی تکالیف اٹھائیں۔ قیامِ پاکستان کے وقت آپ کی سکونت ہردوئی (یوپی) میں تھی۔ صوبائی حکومت نے آپ کی گرفتاری کے وارنٹ جاری کر دیئے تو آپ بچ بچا کر تن تنہا راولپنڈی پہنچ گئے۔

آپ کی زندگی مجاہدانہ تھی، ہمیشہ گھر سے باہر رہتے، مریدوں کی تعلیم کے لئے اکثر بمبئی اور گجرات کاٹھیاواڑ میں رہتے اور تبلیغی و سیاسی سلسلہ میں جگہ جگہ جاتے۔ ۱۹۱۹ء میں مولانا محمد احمد امین گورکھپوری سے خرقۂ خلافت پایا، شاہ علی حسین سے بھی بیعت تھے جنہوں نے آپ کا نام خلیل اللہ شاہ رکھا اور صمدانی لقب دیا۔

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے کہ قیامِ پاکستان کے بعد آپ راولپنڈی تشریف لے آئے تھے، یہاں آ کر ۱۹۴۸ء میں مری کے آنریری پبلی سٹی آفیسر مقرر ہو گئے اور نواب افتخار حسین ممدوٹ وزیرِ اعلیٰ پنجاب کے ساتھ دوروں میں تقاریر کرتے۔ ۱۹۴۹ء میں ہندوستان سے اپنے بچوں کو بھی لے آئے اور ملتان میں رہائش پذیر ہو گئے۔ ۱۹۵۷ء میں ملتان ہی میں وفات پائی، انا للہ و انا الیہ راجعون [۱]

---

[۱] مآثر الاجداد، از منظور الحق صدیقی، مطبوعہ لاہور ۱۹۶۴ء ص ۲۷۴، ۳۹۸۔

فدائے ملت سید زین العابدین گیلانی

حضرت مخدوم سید زین العابدین گیلانی رحمۃ اللہ علیہ ملتان کے مشہور و معروف روحانی اور سیاسی گیلانی خاندان کے چشم و چراغ تھے[1]۔ پہلی جنگِ عظیم میں جب علماء نے انگریزی ملازمت کے حرام ہونے کا فتوے دیا تو آپ اس وقت شجاع آباد میں تحصیلدار تھے۔ ترکوں کی حمایت اور خلافت کی بقاء کے لئے دوسرے دردمند مسلمانوں کی طرح آپ بھی ملازمت چھوڑ کر مردانہ وار میدان میں نکل آئے اور زندگی بھر کا اندوختہ تحریکِ خلافت پر نچھاور کر دیا۔ اس کے بعد مسلمانوں کے مفاد کے لئے جو تحریک بھی اُبھری، آپ نے اسے خونِ جگر سے سینچ کر پروان چڑھایا[2]۔

ہندوؤں نے سیوادل، مہابیردل، پرتاب سینا، سیواجی سینا، راشٹریہ سیوک سنگھ، گوردل اور کانگرس والنٹیرز کور کی صورت میں خفیہ اور ظاہر بے شمار تنظیمیں قائم کر رکھی تھیں۔ ان کے مقابلے میں مسلمانوں کی صرف ایک تنظیم انجمن فدایانِ اسلام تھی جسے سید زین العابدین نے مخصوص وردی میں ملبوس اور صرف کلہاڑی سے مسلح کر رکھا تھا۔ اگرچہ ہندوؤں نے اخبارات میں واویلا مچا کر کلہاڑی ضبط کرا دی تھی تاہم وہ اپنے ذہنوں سے کلہاڑی کا خوف نہ نکال سکے۔

ایک دفعہ جبکہ کیپ میدان کے جلسہ میں پنڈت سوُدت رنگا چھالی کا پورا زور لگا کر اس طرح گرج رہے تھے کہ:

"وہ زمانے لد گئے جبکہ علی علی کے نعروں سے ہندو سہم جایا کرتے تھے۔ اب نہ وہ ہندو رہا اور نہ مسلمانوں کے وہ دن، جے چند کی نسل معدوم ہو چکی۔ اب کوئی غوری نہیں آسکتا۔ آج ہر ہندو بچہ بھیم وارجن ہے، سیواجی و پرتاب ہے"

---

[1] ولادت ۱۸۸۸ء میں سید پیر شاہ گیلانی کے ہاں ہوئی۔ میٹرک کرنے کے بعد سرکاری ملازمت اختیار کی۔

[2] تاریخِ ملتان از مولانا نور احمد خاں فریدی جلد دوم مطبوعہ ملتان ۱۹۷۳ء، ص: ۳۲۸

بیر بندہ اور بری سنگھ نلوا ہے، یہ بے چارا زین العابدین کیا اور اس کے فدائی کیا؟......"

...... پنڈت جی کی اس آتش بیانی کے دوران دفعۃً مجمع میں "او آ گیا" کی زوردار چیخ سنائی دی اور ساتھ ہی کسی نے کہہ دیا "کلہاڑی والا!" بس پھر کیا تھا کہ ہزاروں بھیم اور ارجن سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ گئے اور رنگا جی سکتہ کے عالم میں منہ کھولے کھڑے رہ گئے۔[1]

اس طرح کی تقریریں ہندو اپنے خفیہ جلسوں میں کیا کرتے تھے مگر مسلمانوں کے سامنے آنے کی جرأت نہ تھی۔

تحریک فدایانِ اسلام تو آپ کا اوڑھنا بچھونا ہو کر رہ گئی تھی۔ بقول منشی عبدالرحمن خاں اس تحریک کے مقاصد سنئے:۔

"انجمن فدایانِ اسلام کا مقصد مسلمانوں کو ہندوؤں کے ظلم و ستم سے بچانا تھا۔ اس فدائی سردار کے باقاعدہ وزیر تھے، فوج تھی۔ ملتان میں ان کا طوطی بولتا تھا جب یہ عظیم مجاہد اپنی فوج ظفر موج کے ساتھ مونچھوں پر تاؤ دیتا ہوا بازاروں سے گزرتا تو ہندو کانپ اٹھتے تھے۔ غریبوں کی یہ فوج مرنے مارنے سے نہ ڈرتی تھی۔ جہاں بھی ہندو ذرا شرارت کرتا، یہ وہاں پہنچ کر جھنڈے گاڑ دیتی اور اس وقت تک وہاں سے نہ ہٹتی جب تک کہ اپنی بات نہ منوا لیتی۔"[2]

جس طرح گیلانی صاحب ہندوؤں کے پکے دشمن تھے اسی طرح انگریزوں کے بھی سخت مخالف تھے۔ آپ نے تحریک کشمیر، مجلس اتحاد ملت، تحریک شہید گنج اور تحریک پاکستان

---

[1] یادوں کے چراغ از داسو ندوی بحوالہ تاریخ ملتان ص: ۲۰۰

[2] آئینہ ملتان از منشی عبدالرحمن خاں مطبوعہ ۱۹۷۳ء ص: ۴۲۶

میں بھرپور کردار ادا کیا۔ جب ملتان کے ہندوؤں نے بہاول پور کی اسلامی ریاست کو ختم کرنے کی سازش کی تو فدایانِ اسلام کی فوج کے دستوں نے اُن کی سازش کو ناکام بنا دیا۔ کئی بار آپ کو قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں، علاقہ بدر ہونا پڑا۔ انگریزوں نے بار ہا جاگیروں کا لالچ دے کر آپ کو خریدنا چاہا مگر اس مردِ حق شناس نے ہر بار انگریزی پیش کش کو پائے حقارت سے ٹھکرا دیا اور جیلوں کی کال کوٹھڑیوں میں رہ کر آوازِ حق کو بلند رکھا۔ آپ کی انہی خدمات کے پیشِ نظر لوگ آپ کو ملتان کا بے تاج بادشاہ کہتے تھے اور عام خاص باغ میں باقاعدہ ایک پرشکوہ دربار منعقد کیا گیا جس میں اسلامیانِ ملتان کی طرف سے مخدوم سید محمد صدرالدین رحمۃ اللہ علیہ نے عوام کے اس محبوب رہنما کو طلائی تاج پہنایا۔ اس موقع پر جسٹس سر عبدالقادر نے بے ساختہ کہا تھا کہ "آج مغلوں کی یاد تازہ ہوگئی ہے"۔ [1]

ملتان میں مسلم لیگ کی تنظیم قائم ہوئی تو آپ ڈسٹرکٹ مسلم لیگ کے صدر منتخب ہوئے۔ آپ نے کانگرسیوں، احراریوں اور ہندوؤں کا ناطقہ بند کر دیا۔ ۱۹۴۰ء میں آپ قراردادِ پاکستان لاہور کے تاریخی اجلاس میں شریک ہوئے۔ اس موقع پر جب قائدِ اعظم کے سامنے آپ کی خدمات کا ذکر کیا گیا تو قائدِ اعظم نے اٹھ کر آپ کو سینے سے لگا لیا اور آل انڈیا مسلم لیگ کا رکن نامزد کیا۔ لاہور سے واپسی پر قیامِ پاکستان کی جدوجہد میں آپ نے مسلم لیگ کی تنظیمِ نو کے لئے رات دن کام کیا اور ملتان بہت جلد مسلم لیگ کا مضبوط مرکز بن گیا۔ [2]

۱۹۴۷ء میں خضر وزارت کے خلاف سول نافرمانی کی تحریک چلی تو آپ نے ملتان کے علاقہ میں حکومت کو مفلوج کر کے رکھ دیا۔ ہزاروں مسلمانوں کے ساتھ ساتھ آپ بھی گرفتار ہوئے اور نیو سنٹرل جیل کی بارکوں میں مخدوم سید شیر شاہ، مخدوم سید محمد ولایت حسین شاہ، مخدوم زادہ جناب

---

[1] جنت روزہ اخبار جہاں کراچی ۲۳ اگست ۱۹۶۷ء۔

[2] ایضاً

محمد سجاد حسین قریشی و دیگر اکابرین کے ساتھ ساتھ بیٹھے دکھائی دیئے۔ اس کشمکش حیات میں مسلمان مستورات نے بھی بھرپور حصہ لیا چنانچہ دوسرے تیسرے روز اُن کے جلوس بھی نکلا کرتے تھے خضر وزارت نے لیگ کو کچلنے کی انتہائی کوشش کی جب جیلیں لیگی کارکنوں سے بھر گئیں تو پولیس انہیں لاریوں میں سوار کر کے شہر سے بہت دور دیہات میں چھوڑ آتی لیکن قبل اس کے کہ پولیس کی لاریاں واپس لوٹتیں، خواجہ عبدالحکیم صدیقی کی بسیں لیگی کارکنوں کو بحفاظتِ تمام شہر میں واپس لے آتیں۔

بھاگ دوڑ کا یہ سلسلہ جاری تھا کہ ۲ مارچ ۱۹۴۷ء کو خضر وزارت نے دم توڑ دیا۔ اور پنجاب میں گورنر راج قائم ہوگیا۔ یہ پنجاب کے مسلمانوں کی شاندار کامیابی تھی۔ ۳ مارچ کو گیلانی صاحب نے ڈپٹی کمشنر اور بلدیہ ملتان کے دفتروں سے برطانوی جھنڈا اتار کر پاکستانی پرچم نصب کر دیا حالانکہ ابھی پاکستان معرضِ وجود میں بھی نہیں آیا تھا لیکن آپ نے چھ ماہ قبل ہی ملتان کو پاکستان بنا دیا تھا۔[1]

ملتان میں مسلم لیگ کی یہ قربانیاں اور کارنامے آپ ہی کی وجہ سے تھے۔ آج ہم اپنے ان محسنوں کے نام تک سے بھی واقف نہیں ہیں جنہوں نے خصوصاً پاکستان کی نذر یہ کہہ کر تن من دھن کی بازی لگا دی کہ ع

میرا سب کچھ مرے وطن کا ہے

پاکستان دنیا کے نقشے پر نمودار ہوا تو آپ نے پندرہ اگست کو سرکاری تقریبات میں شمولیت کو نظرانداز کر دیا۔ نیشنل گارڈز کے چاق و چوبند دستے ہمراہ لئے اور سب سے پہلے بوہڑ گیٹ کی اندرونی جامع مسجد، جامع مسجد پاک گیٹ، جامع مسجد ولی محمد خان اور جامع مسجد لی گیٹ پہنچ کر پاکستان کا قومی پرچم لہرایا اور نیشنل گارڈز کے دستے نے اس پرچم کو سلامی دی۔ یہ مسجدیں

---

۱ ایضاً تاریخ ملتان جلد دوم ص : ۲۹۷

ہندوؤں کے علاقوں میں گھری ہوئی تھیں اور جب بھی ان مسجدوں سے اللہ اکبر کی آواز بلند کرنے کی کوشش کی جاتی، متعصب ہندو نیزاب، اینٹوں، پتھروں اور ٹوٹی پھوٹی بوتلوں کی بارش کر دیتے تھے۔ ایک صدی تک ہندوؤں کے تعصب کا شکار رہنے کے بعد پہلی بار ان مسجدوں پر اسلامی پرچم لہرا رہا تھا۔ بعد ازاں سید زین العابدین گیلانی نے صبح سات بجے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی عدالت، دفتر ڈسٹرکٹ بورڈ، پولیس لائن، تھانہ صدر پولیس، عدالت کمشنر، عدالت سیشن جج، رہائش گاہ ڈپٹی کمشنر، رہائش گاہ کمشنر، ہیڈ پوسٹ آفس، بنگلہ کمانڈر انچارج ملتان چھاؤنی، ملتان چھاؤنی، ریلوے اسٹیشن، تھانہ پرانی کوتوالی، تھانہ کپ، تھانہ حرم گیٹ، گورنمنٹ کالج، گورنمنٹ ہائی سکول، عمارت صدر تحصیل ملتان، اسلامیہ ہائی سکول، صدر دفتر محکمہ انہار اور صدر دفتر پی۔ ڈبلیو۔ ڈی پر پاکستانی جھنڈے نصب کئے[1]

آپ کی خدمات جلیلہ پر احمد ندوی صاحب کی کتاب یادوں کے چراغ کا ایک حصہ نقل کرنا ضروری سمجھتا ہوں، لکھتے ہیں:۔

"انگریز اور اس کی حکومت اس پر قہر و عتاب کی بجلیاں گراتی رہی، بارہا بغاوت کے سنگین مقدمات قائم کر کے اسے جیل کی تنگ و تاریک کوٹھڑی میں بند رکھا، ان کی زبان بندی کی، ان کا اخبار ترجمان ضبط کیا لیکن زین العابدین کا نام اس کی چھاتی کا کابوس اور اس کی چہیتی ہندو جنتا کے لئے ہوّا بنا رہا، ہندو اسے فسادی شاہ کے نام سے پکارتا رہا۔ (ملتان کے احراری لیڈر بھی فسادی شاہ کہتے تھے، روزنامہ کوہستان ملتان ۱۸ اکتوبر ۱۹۵۹ء) انگریز اسے باغی شاہ کہتا رہا

---

[1] اخبار جہاں کراچی ۲۳ اگست ۱۹۶۷ء، روزنامہ کوہستان ملتان ۱۸ اکتوبر ۱۹۵۹ء

اور اپنے طنطنہ واقبال اور جاہ وجلال کے باوجود مرتے دم تک اس سے
خائف وہراساں رہا۔" [1]

باغ عام خاص، شاہ صاحب کا میدانِ جنگ تھا، ہر جمعہ کو نماز کے بعد یہاں ہزاروں لوگ ان کی گھن گرج سے ایمان تازہ کرنے کے لئے جمع ہوتے اور پورا باغ اللہ اکبر کے نعروں سے گونج اٹھتا تھا اور پھر یہاں سے ان کی فوج ظفر موج سینہ تانے، سر اٹھائے حسین آگاہی سے شہر میں داخل ہوتی اور ملتان شہر کے اسٹیشن کے پاس پہنچکر منتشر ہوجاتی۔

اس طویل جدوجہد کے بعد بالآخر شاہ صاحب کو فتح ہوئی، نہ انگریز رہا اور نہ اس کی چہیتی ہندو جنتا! اپنے شہر کو ان دونوں نحوستوں سے پاک کر کے یہ بیباک در نڈر مجاہد ۱۶ ربیع الثانی ۱۳۸۰ھ/۸ اکتوبر ۱۹۶۰ء کو فتح وکامرانی کی چادر تان کر قلبِ شہر میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے میٹھی نیند سو گیا ؎

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا [2]

---

[1] یادوں کے چراغ : ص : ۱۶

[2] تاریخِ ملتان جلد دوم ، ص: ۳۲۹ ، ۳۳۰

مولانا حکیم شمس الاسلام صدیقی

حکیم صاحب ۱۹۰۵ء میں قصبہ مہم شریف ضلع رہتک میں پیدا ہوئے، نویں جماعت پاس کر کے مسجد فتحپوری دہلی میں آٹھ سال تک عربی اور فارسی پڑھی پھر چار سال تک طبیہ کالج دہلی میں پڑھتے رہے اور ۱۹۲۸ء میں سندِ فراغت لی، دس سال تک میونسپل کمیٹی رہتک میں بطور طبیب ملازم رہے اور پھر قیام پاکستان تک رہتک میں طبابت کرتے رہے، انیس سال تک رہتک ضلع کی طبیہ کمیٹی کے صدر رہے، آل انڈیا ایجوکیشنل کانفرنس کی رہتک شاخ کے آٹھ سال تک مجلس عاملہ کے رکن رہے، دس سال مدرسہ خیر المعاد کی کمیٹی کے جنرل سیکریٹری رہے اور تا عرصہ سیرت کمیٹی کے سیکریٹری رہے۔

آپ کو اولیاء اللہ کے عرسوں سے خاص دلچسپی رہی، لوگوں کو عرسوں میں شرکت پر آمادہ کرنے کیلئے آپ نے ایک انجمن خدام الاولیاء قائم کی اور دو سال تک اس کے منتظم رہے، آپ رہتک کی نمائش کمیٹی کے بھی سرگرم کارکن رہے، تاریخ و ادب کا اعلیٰ ذوق پایا۔ رہتک کے میونسپل ہال میں بزم ادب کے زیرِ اہتمام منعقد ہونیوالے مشاعرہ میں پانچ سال تک بحیثیت سیکریٹری کام کیا اور شعر گوئی سے مستفیض کیا۔

تحریک پاکستان کا دور آیا تو آپ نے اپنی تمام تر توجہ اسی میں صرف کر دیں، ضلع رہتک میں مسلم لیگ کی شاخیں قائم کیں، جگہ جگہ دورے کر کے عوام کو تحریک کا حامی بنایا۔ ۴۵-۱۹۳۴ء میں رہتک مسلم لیگ کے سیکریٹری رہے، بحیثیت سیکریٹری آپ نے جو خدمات انجام دیں ان کا احاطہ کرنا ناممکن ہے۔ قیام پاکستان کے بعد ۱۹۴۷ء میں ملتان آ گئے اور تین سال انجمن صدیقیان کے سیکریٹری رہے[1]۔ ۱۲ جنوری ۱۹۷۱ء کو ملتان میں ہی فوت ہوئے[2]۔

---

[1] مآثر الاجداد ، از پروفیسر منظور الحق صدیقی ایم۔ اے ، مطبوعہ لاہور ۱۹۶۴ء ص ۲۷۱، ۳۹۸۔
[2] مکتوب پروفیسر منظور الحق صدیقی بنام راقم ، از حسن ابدال ، محررہ ۱۰ر ستمبر ۱۹۷۵ء

مولانا ظہور الحسن صدیقی درس رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی ولادت باسعادت ۹ فروری ۱۹۰۵ء میں کراچی کے نامور عالم دین حضرت مولانا عبدالکریم درس رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ہوئی۔ حضرت پیر سید ظہور الحسن بٹالوی قدس سرہ نے کان میں اذان کہی اور پھر اپنے ہی نام نامی پر ظہور الحسن نام تجویز فرمایا ـــــــ والد گرامی سے معقولات اور حضرت مولانا صوفی عبداللہ درس سے منقولات کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ ایک جادو بیان مقرر اور خوشنویس محرر کی حیثیت سے پورے ملک میں متعارف ہوئے۔

تحریکِ پاکستان میں آپ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ۱۹۴۰ء سے ۱۹۴۷ء تک آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کے رکن اور پراونشل مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کے ممبر اور اہم عہدوں پر فائز رہے صوبہ سندھ میں مسلم لیگ کو مقبول بنانے میں آپ کے کردار کی شہادت حکومت کے فائل دیں گے۔ کراچی کی تاریخ میں بہت کم ایسے جلسے ہوتے ہوں گے جس میں قائدِ اعظم کے ساتھ آپ نے تقریر نہ کی ہو۔

۱۲ اکتوبر ۱۹۴۶ء کو بزم سنیہ صوبہ سندھ (جس کے آپ جنرل سیکریٹری تھے) کے زیرِ اہتمام بمقام عیدگاہ بندر روڈ کراچی، ایک عظیم الشان آل انڈیا سنی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں مبلغِ اسلام حضرتِ مولانا عبدالعلیم میرٹھی (والدِ ماجد مولانا شاہ احمد نورانی مدظلہ) مجاہدِ ملت مولانا عبدالحامد بدایونی و دیگر معتدر علماء اہلسنت نے شرکت کی۔ اس موقع پر آپ نے بحیثیت جنرل سیکریٹری آل انڈیا سنی کانفرنس، ایک حقیقت افروز خطبہ ارشاد فرمایا، اس کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

"پاکستان کے ہم حامی ہیں لیکن آپ سنیں اور غور سے سنیں دل کے کانوں سے سنیں، ہم وہ پاکستان چاہتے ہیں جہاں قرآنِ حکیم کے

احکام نافذ ہوں، ہم وہ پاکستان چاہتے ہیں جہاں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی واجب العمل ہو اور شریعت مقدسہ کے مطابق فیصلے ہوں۔ ہم وہ پاکستان چاہتے ہیں جہاں پاک لوگ بسیں، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ ارکانِ اسلام کی توہین نہ ہو۔ ہم وہ پاکستان چاہتے ہیں جہاں مقابر و مساجد کی حرمت کو ملحوظ رکھا جائے۔ ہم وہ پاکستان چاہتے ہیں جہاں لامذہبیت اور دہریت کی جڑیں اکھاڑ کر پھینک دی جائیں ایسے پاکستان کو حاصل کرنے کے لئے اگر جان تک بھی کام آئے گی تو ہم دریغ نہیں کریں گے اور انشاء اللہ العزیز لے کر رہیں گے ؎

لب پہ ساقی کے ہے جاری نامِ پاکستان پاک
اب کوئی دم میں ملے گا جامِ پاکستان پاک
میں نے پاکستان کی وہ رٹ لگائی ہے ظہورؔ
لوگ کہتے ہیں مجھے بدنامِ پاکستان پاک

آپ کی زندگی قرونِ اولیٰ کا بہترین نمونہ تھی۔ جرأت و مردانگی، حق گوئی و بے باکی آپ کا طرۂ امتیاز تھا اور اسلامی اصولوں کی دل و جان سے پابندی ان کا شعار تھا۔ قائداعظم ہمیشہ کراچی میں قیام کے دوران آپ ہی کی اقتدار میں نماز ادا فرماتے تھے۔ قیامِ پاکستان کے بعد حسبِ دستور قائدِ اعظم نے آپ سے نمازِ عید کے اوقات منگوائے (یہ وہ زمانہ تھا کہ کراچی شہر میں نماز عید کا مرکزی اجتماع صرف عید گاہ میدان بندر روڈ پر ہوتا تھا اور نمازِ عید آپ ہی پڑھاتے تھے اور یہاں علماء و مشائخ و حفاظ کا اچھا خاصا اجتماع ہوتا تھا) مگر قائدِ اعظم وقت پر عید گاہ نہ پہنچے۔ آپ نے وقت کی پابندی کے ساتھ تقریر ختم کی اور نمازِ عید پڑھانے کے لئے مصلے پر بیٹھ گئے۔ نوابزادہ لیاقت علی خاں، سردار عبدالرب نشتر، محمد ایوب کھوڑو اور دیگر سیاسی اکابرین نے قائدِ اعظم کی آمد تک نماز میں تعطل کے لئے کہا تو آپ نے گرج کر فرمایا "میں ان علمائے کرام و حفاظِ عظام کے علم کا احترام

کروں یا جناح صاحب کا؟ میں نے جناح صاحب کو اوقات سے مطلع کر دیا تھا، میں اپنے وقت کا پابند ہوں، اور دوسرے یہ کہ میں جناح صاحب کی نماز پڑھانے نہیں آیا بلکہ خدائے اعظم جل جلالہ کی نماز پڑھانے آیا ہوں۔"

یہ کہہ کر صفوں کو درست کروا کر تکبیر فرمادی۔ نمازِ عید کے بعد احکامِ عید پر ایک جامع خطبہ ارشاد فرمایا۔ بعد میں قائدِ اعظم جو پچھلی صفوں میں پہنچ چکے تھے، تشریف لائے اور تقریر فرمائی جس میں آپ کی اس جرأتِ ایمانی کی تعریف فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ "ہمارے علماء کو ایسے ہی کردار کا حامل ہونا چاہیئے جس کا مظاہرہ آج مولانا درس نے فرمایا ہے۔"

سیاسی خدمات انجام دینے کے علاوہ آپ نے دینی حلقوں میں بھی پوری تندہی سے کام کیا۔ بحیثیت سیکریٹری جنرل جمعیۃ العلماء پاکستان و جمعیۃ اہلِ سنت و جماعت رجسٹرڈ و بانی جمعیۃ علماء و مشائخ ایک عرصہ تک کام کرتے رہے۔ ۱۹۴۸ء میں جب جمعیۃ علماء پاکستان کی تشکیل ہوئی تو آپ بانی ارکان میں شامل تھے۔

آپ کی تصانیف مندرجہ ذیل ہیں:۔

۱۔ چشمِ تلطفِ پنجتن
۲۔ معاونِ ظہور الحسن
۳۔ خون کے آنسو
۴۔ تحقیق الحق امانی کلمۃ الحق۔

مذہب و ملت کی گرانقدر خدمات انجام دینے کے بعد آپ، شوال المکرم ۱۳۹۲ھ مطابق ۱۴ نومبر ۱۹۷۲ء کو کراچی میں ہمیشہ کے لئے میٹھی نیند سو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

مادۂ تاریخِ وصال خود استخراج کیا: "نگاہ داشت ان اللہ مع الصابرین" [1]
۱۳۹۲ھ

---

[1] ماہنامہ ترجمان اہلِ سنت کراچی، ماہ اپریل ۱۹۷۵ء، ص ۳۹ و اکتوبر ۱۹۷۷ء، ص ۷۰

مولانا شاہ محمد عارف اللہ قادری میرٹھی

حضرت شاہ محمد عارف اللہ صاحب قادری ۱۴ر شوال المکرم ۱۳۲۷ھ مطابق ۲۹ر اکتوبر ۱۹۰۹ء بروز جمعۃ المبارکہ میرٹھ میں پیدا ہوئے۔ یہ وہی میرٹھ ہے جسے جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء میں سب سے پہلے انقلابی شہر ہونے کا شرف حاصل ہے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم مدرسہ امداد الاسلام، مدرسہ قومیہ عربیہ اور انتہائی کتبِ معقولات ومنقولات میرٹھ کی قدیم درس گاہ مدرسہ اسلامیہ عربیہ میں پڑھیں۔ ۲۵ر نومبر ۱۹۳۳ء کو آپ کی دستار بندی ہوئی [1]

بعد ازاں عربی، فارسی اور انگریزی کے امتحانات الٰہ آباد یونیورسٹی سے پاس کئے، فارغ التحصیل ہونے کے بعد خاندانی دستور کے مطابق بحکم والدِ گرامی حضرت حکیم شاہ محمد حبیب اللہ قادری رضوی رحمۃ اللہ علیہ (خلیفہ اعلیٰ حضرت بریلوی) جامع مسجد خیر المساجد میرٹھ میں خطابت جمعہ وعیدین کے فرائض انجام دیئے، پھر تبلیغی دورے کر کے غیر مسلموں کو اپنے مذہب کی طرف راغب کیا۔ اندازِ تقریر مولانا شاہ محمد عبد العلیم میرٹھی علیہ الرحمۃ سے سیکھا اور جلد ہی ایک نامور مقرر کی حیثیت سے معروف ہوگئے۔ کچھ مدت کے بعد شہر کے اداروں اور انجمنوں کے سرپرست اور رکن بن گئے۔

آپ نے شاہ علی حسین اشرفی قدس سرہ، کچھوچھہ شریف ضلع فیض آباد سے ۲۵ر ربیع الاول ۱۳۵۱ھ کو شرفِ بیعت حاصل کیا اور خلافت واجازت سے بہرہ ور ہوئے۔ ۱۹۴۴ء میں آپ کے والدِ ماجد نے بھی اپنے خاندانی سلسلے میں آپ کو بیعت کیا اور خلافت واجازت سے نوازا۔ مسلم لیگ کا شہرہ عام ہوا تو دیگر سُنّی اکابر کی طرح آپ بھی مسلم لیگ کے ہمنوا ہوگئے اور

---

[1] ترجمان اہلسنت کراچی، اکتوبر ۱۹۷۴ء، ص ۳۶

[2] والد گرامی مولانا شاہ احمد نورانی مدظلہ۔

مسلم لیگ کا پیغام گلی گلی کوچہ کوچہ بلکہ گھر گھر پہنچانے کے لئے دورے شروع کر دیئے۔ نواب محمد اسمٰعیل خاں صدر صوبائی مسلم لیگ (یو۔پی) کے زیرِ قیادت شہری مسلم لیگ پولیٹیکل کانفرنس میرٹھ (منعقدہ ۳۱ر دسمبر ۱۹۴۵ء اور یکم و ۲ر جنوری ۱۹۴۶ء) میں مجلسِ استقبالیہ کے صدر کی حیثیت سے شرکت کی اور ۱۸۵۷ء سے لیکر تحریکِ پاکستان تک مسلمانوں کی جدوجہد آزادی پر مختصر صدارتی خطبہ پڑھا۔

آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس (منعقدہ ۳۰ر اپریل ۱۹۴۶ء) کو کامیابی و کامرانی سے ہمکنار کرنے کے لئے صدر الافاضل سید نعیم الدین مراد آبادی اور حضرت محدث کچھوچھوی کی معیت میں ملک کے طول و عرض (یو۔پی، سی پی، بہار، پنجاب، مشرقی و مغربی بنگال) کے دورے کرتے رہے۔ اس کانفرنس نے جدوجہد آزادی کو ایک نئی روح بخشی۔ مجاہدِ ملت مولانا عبد الحامد بدایونی اور مولانا صبغۃ اللہ فرنگی محلی کی رفاقت میں آل انڈیا مسلم لیگ کے جلسوں، کانفرنسوں اور بعض مشاورتی مجلسوں میں بھی شرکت کرتے رہے یہاں تک پاکستان معرضِ وجود میں آگیا۔

۱۹۴۹ء میں آپ پہلی بار حجِ بیت اللہ کی سعادت سے مشرف ہوئے۔ جب واپس پہنچے تو معلوم ہوا کہ تحریکِ پاکستان میں حصہ لینے اور مسلم لیگ کا سرگرم رکن ہونے کے جرم میں گرفتاری کا حکم صادر ہو چکا ہے، اطلاع ملتے ہی آپ صرف جائیداد کے کاغذات لیکر دہلی پہنچے اور بعد میں براستہ بمبئی بذریعہ بحری جہاز ۱۹۵۰ء میں پاکستان پہنچ گئے۔ کچھ عرصہ کراچی اور خوشاب ضلع سرگودھا میں رہنے کے بعد راولپنڈی میں مستقل طور پر رہائش پذیر ہو گئے[۱]

راولپنڈی میں خطابت کا سلسلہ شروع کیا اور ملک کے اندر بھی تبلیغی دورے شروع کر دیئے۔

۱۹۵۱ء میں جمعیۃ علمائے پاکستان راولپنڈی کے صدر منتخب ہو گئے اور تا حال صدارت کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ راولپنڈی میں ہی ایک دار العلوم احسن البرکات قائم کیا۔ مارچ ۱۹۵۳ء میں ماہنامہ سالک جاری کیا جو بارہ سال تک مذہب و ملت کی خدمات سرانجام دیتا رہا[۲]

---

[۱] ماہنامہ ترجمان اہلسنت کراچی، اکتوبر ۱۹۷۴ء

[۲] کاغذ نہ ملنے کی وجہ سے اب بند ہو چکا ہے۔

۱۹۵۳ء میں جب تحریکِ ختم نبوت چلی تو آپ بھی اس میں شریک ہوئے، اسی سلسلے میں قید و بند کی صعوبتیں بھی اٹھاتے رہے۔

۲۴ اگست ۱۹۵۹ء کو پہلے مارشل لاء کے نفاذ پر اس وقت کے ڈپٹی کمشنر جی۔ ایم یزدانی ملک[1] کے نامناسب رویئے پر جامع مسجد مرکزی راولپنڈی کی خطابت سے مستعفی ہو گئے۔ ملک کے طول و عرض سے خطابت کی پیشکشیں شروع ہو گئیں لیکن آپ نے باصرار جامع مسجد واہ فیکٹری میں خطابت منظور فرمالی، جو آج تک جاری ہے۔

غیر ممالک میں بھی آپ نے تبلیغی دورے کیے۔ ۱۹۶۸ء میں بغداد، نجف اشرف، کربلا اور کاظمین سے ہوتے ہوئے انگلستان پہنچے اور آٹھ ماہ تک قیام فرما کر لندن، ڈیوزبری، برمنگھم، کیتھلے، بریڈ فورڈ و دیگر بہت سے شہروں میں خطاب کیا اور لاتعداد عیسائیوں نے آپ کے دستِ حق پر اسلام قبول کیا۔ ۲۱ اپریل ۱۹۷۴ء کو پھر انگلستان میں ورلڈ اسلامک مشن کی کانفرنس میں شرکت فرمائی[2] اور اگست تک مختلف شہروں اور قصبوں میں تبلیغی خدمات سرانجام دیتے رہے۔

آپ جمعیۃ علماء پاکستان کے بااثر رہنما اور قائدِ جمعیت مولانا شاہ احمد نورانی کے معتمد ہیں جمعیۃ کو فعال بنانے میں آپ کی کوششوں کا بڑا دخل ہے۔

---

[1] یزدانی ملک اپنی بداعمالیوں کی بناء پر یحییٰ دور میں تین سو تیرہ افسروں کے گروپ میں بالکل بے عزتی نکالدے گئے۔

[2] اس کانفرنس کی صدارت مولانا شاہ احمد نورانی سینیٹر مدظلہ، صدر جمعیۃ علماء پاکستان نے کی تھی اور آپ ہی ورلڈ اسلامک مشن کے چیئرمین چنے گئے۔ (قصوری)

فخرِ اہلِ سنت مولانا عبدالحامد بدایونی

آپ ۱۴ر جمادی الاخریٰ ۱۳۱۸ھ/۱۸۹۸ء کو یوپی (بھارت) کے مردم خیز قصبے بدایوں میں متولّد ہوئے، ابھی صرف بیس یوم ہی کے تھے کہ والدِ ماجد مولانا حکیم عبدالقیوم قادری بدایونی ایک مذہبی جلسے میں شرکت کے لئے دہلی سے پٹنہ جاتے ہوئے ریل کے حادثے میں شہید ہوگئے، آپ کے بڑے بھائی مولانا عبدالماجد قادری کی عمر اس وقت بارہ تیرہ سال کے قریب تھی۔ والدہ ماجدہ نے بڑی جانفشانی سے پرورش کی، ہوش سنبھالنے پر حافظ محمد صفدر سے قرآنِ کریم پڑھا اور پھر مدرسہ قادریہ اور مدرسہ شمس العلوم بدایوں میں ممتاز علماء سے اکتسابِ فیض کیا جن میں مولانا شاہ مطیع الرسول، مولانا محب احمد قادری، مولانا مفتی محمد ابراہیم قادری، مولوی احمد دین اور امام معقولات مولانا مشتاق احمد کانپوری کے نام شامل ہیں تحصیلِ علوم سے فراغت کے بعد مولانا شاہ مطیع الرسول اور مولانا شاہ عبدالمقتدر قادری بدایونی سے اجازت و خلافت حاصل کر کے دس سال تک مدرسہ شمس العلوم بدایوں میں مدرس و مفتی اور بدایوں کی جامع مسجد میں خطیب رہے۔

جب برطانوی استعمار کے خلاف مسلمانانِ ہند نے علمِ حریت بلند کیا تو مولانا اس تحریک میں شامل ہوگئے۔ جب ہندوؤں نے شدھی تحریک چلائی اور مسلمانوں کو ہندو بنانے کی شرمناک سازش کی تو مولانا سینہ سپر ہو کر میدان میں آگئے اور اپنی شعلہ بار تقاریر سے مسلمانوں کے خوابیدہ جذبات کو بیدار کیا اور اس سازش کا پوری طرح سے سدِباب کیا۔

آپ تحریکِ پاکستان کے شروع ہونے سے قبل ہی دو قومی نظریہ کے حامی اور پُرجوش مبلغ تھے۔ تحریکِ خلافت، تحریکِ پاکستان اور تحریکِ فلسطین میں آپ نے نمایاں حصہ لیا۔ مارچ ۱۹۴۰ء میں جب قراردادِ لاہور پاس کی گئی تو آپ قائدِاعظم کے خاص رفقاء

میں سے تھے، اس موقع پر اور قراردادوں کے علاوہ مسئلۂ فلسطین پر پیش کردہ قرارداد کے حق میں آپ نے ولولہ انگیز تقریر کی۔

آپ نے اپنی سیاسی زندگی کا آغاز ۱۹۱۴ء میں تحریکِ خلافت سے کیا اور ملکی سیاست میں عملی طور پر حصہ لینا شروع کیا۔ آپ نے اس تحریک میں مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی اور نواب محمد اسمٰعیل خاں کے ساتھ کام کیا۔ ہندوستان بھر کا دورہ کرکے مسلمانوں کے خفتہ جذبات کو بیدار کیا۔ لکھنؤ کی جس کانفرنس میں بمبئی کی خلافت کمیٹی کو آل انڈیا بنانے کا فیصلہ کیا گیا، اس میں مولانا بھی شریک تھے۔ آپ کو سیاسی سرگرمیوں کے لئے میدان مل گیا۔ پھر کبھی تنہا اور اکثر اپنے برادرِ اکبر مولانا عبدالماجد بدایونی کے ساتھ خلافت کمیٹی کی شاخیں قائم کرنے کے لئے ملک کے طویل دورے کئے۔ یہ واقعہ ہے کہ کم از کم یوپی کے طول و عرض میں کوئی شہر یا قصبہ ایسا نہیں ہے جہاں خلافت کمیٹی قائم کرنے میں مولانا نے بالواسطہ یا بلاواسطہ حصہ نہ لیا ہو۔[1]

مولانا عبدالباری فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ کی قائم کردہ مجلس مؤیّد اسلام جب سرگرمِ عمل تھی تو اس کی تحریک پر مسلمانانِ ہند کے مطالبات مرتب کرنے کے لئے مختلف مکاتبِ فکر کے علماءِ دین کا پہلا سیاسی جلسہ لکھنؤ میں ہوا جس میں علماء فرنگی محل کے علاوہ صاحبزادۂ اعلیٰ حضرت حضرت مولانا شاہ حامد رضا خاں بریلوی، حضرت مولانا عبدالماجد قادری بدایونی، مولوی ولایت حسین الہ آبادی، مولانا ثناء اللہ امرتسری (اہلحدیث) اور سید آغا حسن مجتہد لکھنوی بھی شریک ہوئے تھے، آپ بھی اس جلسہ میں شریک تھے نیز نہرو رپورٹ کے خلاف اسلامیانِ ہند کی حمایت کرتے ہوئے بڑی بڑی اسلامی کانفرنسوں میں شرکت کرکے اپنی خاندانی روایات کو برقرار رکھا۔ اس تحریک میں مولانا فضل الحسن حسرت موہانی، مولانا عبدالقادر آزاد سبحانی

---

[1] روزنامہ جنگ کراچی ۷ رجون ۱۹۷۴ء ص ۳ - ترجمانِ اہلسنت کراچی، اگست ستمبر ۱۹۷۴ء، ص ۵۸-۵۹۔

اور مولانا عبدالماجد بدایونی کے ساتھ آپ کے طویل دوروں اور پُر جوش تقاریر کو کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ مولانا عبدالماجد بدایونی اور مولانا عبدالحامد بدایونی، دونوں بھائیوں کو اللہ تعالیٰ نے فنِ خطابت میں کمال بخشا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ جب مولانا عبدالماجد تقریر کرتے تو مطالب و معانی کے لحاظ سے اور اپنی اعلیٰ و شستہ زبان اور انوکھے اندازِ بیان سے سامعین کو مسحور کر دیتے تھے، اسی طرح مولانا عبدالحامد بھی اپنے بھائی کے رنگ میں تقریر فرماتے [1]

مولانا عبدالحامد بدایونی آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس میں پہلی مرتبہ دسمبر ۱۹۱۸ء میں شریک ہوئے۔ یہ اجلاس مولوی اے کے فضل الحق کی زیرِ صدارت منعقد ہوا تھا جس میں مولانا بدایونی نے بھی خطاب فرمایا تھا۔ اس کے بعد ۱۹۳۷ء کے لکھنؤ کے سیشن میں مولانا نے باقاعدہ عملی طور پر حصہ لیا تھا اور تقسیمِ ہند تک آل انڈیا مسلم لیگ کے رکن رہے جب قائدِ اعظم نے مسلم لیگ کو مسلمانانِ ہند کی ایک موثر جماعت بنانے کا پروگرام بنایا تو اس میں بھی آپ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اپنی سابقہ روایات کو برقرار رکھتے ہوئے مسلم لیگ کا پورا ساتھ دیا۔

۱۹۴۰ء میں اقبال پارک (منٹو پارک) لاہور میں قراردادِ پاکستان کے سلسلے میں جو اجلاس منعقد ہوا تھا، مولانا عبدالحامد بدایونی نے علماء و مشائخ اہلِ سنت کی نمائندگی کرتے ہوئے اس اجلاس میں شرکت فرمائی، قائدِ اعظم کی زیرِ صدارت قراردادِ پاکستان کی حمایت میں تاریخی اجتماع سے خطاب فرمایا جو ہمیشہ یادگار رہے گا۔

قیامِ پاکستان کی تحریک کو تیز تر کرنے اور نصب العین کے حصول کے لئے فیصلہ کن اقدام کی خاطر ۱۹۴۶ء میں آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس میں منعقد ہوئی اس

---

[1] روزنامہ جنگ کراچی، ۲ جون ۱۹۷۰ء ص ۳۔ ترجمانِ اہلسنت کراچی، اگست ستمبر ۱۹۷۰ء، ص ۵۸۔۵۹۔

عظیم الشان تاریخی اجتماع میں مولانا عبد الحامد بدایونی بھی شریک تھے اور ملک بھر میں رائے عامہ کو ہموار کرنے کے لئے اکابرِ علماءِ اہلسنت کی جو کمیٹی تشکیل دی گئی تھی، مولانا بدایونی اس کے اہم رکن تھے۔

۱۹۴۶ء کے تاریخی انتخابات میں ان کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔ آسام و بنگال کی سرزمین مولانا بھاشانی کے نعروں سے گونج رہی تھی تو سرحد، پنجاب، بلوچستان اور یوپی میں مولانا کی تقاریر ملتِ اسلامیہ کو جہاد کے لئے آمادہ کر رہی تھیں۔ صوبہ سرحد کے ریفرنڈم میں مسلم لیگ کے وفد میں دیگر حضرات کے علاوہ مولانا بدایونی بھی شامل تھے۔ حضرت پیر صاحب مانکی شریف علیہ الرحمہ نے قائدِ اعظم سے خاص طور پر مولانا بدایونی کو سرحد میں بھیجنے کیلئے کہا تھا۔ آپ نے اپنے زورِ خطابت سے سرحد کے مسلمانوں کو مسلم لیگ کی حمایت پر کمربستہ کر لیا۔ اس جرم میں حکومت نے انہیں ناپسندیدہ عناصر کی فہرست میں شامل کر لیا لیکن وہ تمام خطروں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے پاکستان کے لئے کام کرتے رہے۔ قائدِ اعظم نے آپ کی خدماتِ جلیلہ کا اعتراف کرتے ہوئے آپ کو فاتحِ سرحد کا خطاب دیا۔ اسی طرح آپ نے قائدِ اعظم کے ساتھ دورہ فرما کر سیالکوٹ میں احراریوں کا زور توڑا اور احراریوں کی لچھے دار تقریریں آپ کی شعلہ نوائی کے سامنے بے کار ثابت ہوئیں۔ [1]

۱۹۴۶ء میں ہی نوابزادہ لیاقت علی خاں جنرل سیکریٹری آل انڈیا مسلم لیگ نے مولانا بدایونی کو حیدر آباد دکن بھیجا تاکہ وہ کسی طرح نظام دکن اور قائدِ اعظم کی ملاقات کے لئے راہ ہموار کریں کیونکہ ان دونوں راہنماؤں کے اختلافات ملتِ اسلامیہ کی جدوجہد پر اثر انداز ہو رہے تھے۔ میر عثمان علی خاں آخری تاجدارِ دکن علماء کے بہت قدردان تھے اور وہ مولانا بدایونی کی علمیت و خطابت کے بڑے مداح تھے اس لئے مولانا بدایونی کو شرفِ باریابی

---

[1] روزنامہ جنگ کراچی، ۷ رجون ۱۹۶۴ء، ترجمانِ اہلسنت کراچی اگست ستمبر ۱۹۶۴ء، پندرہ روزہ سوادِ اعظم لاہور یکم تا ۱۵ رجولائی ۱۹۷۲ء

حاصل کرنے میں کوئی دقت نہ ہوئی۔ اس ملاقات کے وقت مولانا کے صاحبزادے جناب محمد عابد القادری بدایونی بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ نظام دکن سے مولانا کی کافی بحث ہوئی اور جب مولانا وہاں سے رخصت ہوئے تو نظام دکن قائدِ اعظم سے ملاقات کے لیے راضی ہو چکے تھے۔ [1]

۱۹۴۶ء میں مسلم لیگ کی طرف سے علماء کا ایک وفد حج کے موقع پر سعودی عرب گیا تاکہ اسلامی ملکوں کے راہنماؤں اور مسلمانانِ عالم کو تحریکِ پاکستان کے محرکات سے آگاہ کیا جاسکے۔ یہ وفد مشرقِ وسطیٰ اور عرب ملکوں کے دورے پر بھی گیا اور تحریکِ پاکستان کے سلسلے میں رائے عامہ کو ہموار کرنے میں نہایت اہم کردار ادا کیا۔ اس وفد کے قائد (مولانا شاہ احمد نورانی صدر جمعیت علماء پاکستان کے والدِ ماجد) حضرت مولانا الحاج شاہ محمد عبد العلیم صدیقی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ، اور سیکریٹری مولانا بدایونی تھے۔

تقسیم کے وقت مولانا مسلم لیگ کونسل کے اجلاس میں شرکت کے لیے کراچی تشریف لائے اور پھر یہیں کے ہو گئے۔ کانگریسی نظریات کی حامل جمعیۃ العلماء ہند کے مقابلہ میں مولانا ابوالحسنات نے مرکزی جمعیۃ علماء پاکستان کی بنیاد رکھی تو مولانا بدایونی سندھ و کراچی زون کے صدر چنے گئے جب دستور سازی کیلئے مختلف فرقوں کے علماء نے ۲۲ نکات کی منظوری دی تو اس کنونشن میں مولانا بدایونی بھی موجود تھے۔ مولانا ابوالحسنات کی وفات کے بعد اتفاقِ رائے سے آپ کو جمعیۃ علماء پاکستان کا مرکزی صدر چن لیا گیا اور آپ تاحیات اس عہدہ جلیلہ پر متمکن رہے اور ہر لحاظ سے اپنے فرائض خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہے۔

سعودی حکومت کے ظلم و ستم کی وجہ سے جب حرم شریف اور گنبدِ خضریٰ کو سخت نقصان پہنچا تو عالمِ اسلام میں ہلچل سی مچ گئی، ہر طرف سے صدائے احتجاج بلند ہوئی، مسلمانانِ پاکستان

---

[1] ترجمانِ اہلسنت کراچی، اگست ستمبر ۱۹۷۳ء۔

نے آپ کی قیادت میں ایک وفد سعودی عرب بھیجا تاکہ آپ سعودی حکومت کو اس کے مذموم عزائم سے باز رکھنے کی سعی کریں۔ چنانچہ یہ وفد ۲۳ر اگست ۱۹۵۲ء کو مکہ معظمہ پہنچا اور شیخ محمد سرور الصبان نائب وزیر مالیات، شیخ صالح کزاز انچارج دفتر محکمہ تعمیر مسجد نبوی اور ولی عہد معظم سے تفصیلی گفتگو کر کے مسلمانانِ پاکستان کے جذبات سے آگاہ کیا۔ اس پر ہر سہ حضرات نے وفد کو یقین دلایا کہ سوادِ اعظم کے جذبات کو ٹھیس نہیں پہنچائی جائے گی اور عنقریب ایک اخباری بیان کے ذریعہ عالمِ اسلام کو مطمئن کر دیا جائے گا[1] مگر افسوس کہ سعودی حکومت اپنی مخصوص پالیسی پر ابھی تک گامزن ہے۔

۱۹۵۳ء میں تحریکِ ختمِ نبوت چلی تو مولانا مرحوم نے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ تحریک کی حمایت میں اور مرزائیت کی تردید کی پاداش میں حکومت نے آپ کو گرفتار کر لیا اور آپ ایک سال تک سکھر اور کراچی کی جیلوں میں نظر بند رہے۔ اس سے قبل بھی ۱۹۴۴ء میں مرزائیوں کو مسلم لیگ کا ممبر نہ بنانے کے بارے میں قرارداد پیش کرنا چاہی مگر اس وقت کے سیاسی حالات کی وجہ سے آپ کو اجازت نہ ملی[2] اس وقت بڑی سے بڑی تکلیف بھی آپ کے عزمِ صمیم کو متزلزل نہ کر سکی۔ اسی نظر بندی میں آپ نے دو کتابیں کتاب و سنت غیروں کی نظر میں، اور فلسفہ عباداتِ اسلامی لکھیں جو بہت مقبول ہوئیں۔

آپ نے کراچی میں جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ کے نام سے ایک عظیم الشان ادارہ قائم کیا جس میں علومِ قدیمہ و جدیدہ کے ساتھ ساتھ تمام عالمی زبانوں اور مذاہبِ عالم کے مطالعے کا بندوبست کیا گیا۔ یہ ادارہ منگھوپیر روڈ پر واقع ہے جس میں مختلف ممالک کے طلباء زیرِ تعلیم ہیں۔ آپ نے مصر، ترکی، انگلینڈ، روس، چین، الجیریا، نائیجیریا، تیونس، حجازِ مقدس، کویت، عراق اور ایران کا دورہ فرمایا اور وہاں کے نظامِ تعلیم کا بغور مطالعہ کیا

---

[1] مسجد نبوی اور مآثر مبارکہ کے بقاء و تحفظ کا مطالبہ از مولانا محمد محسن فقیہ شافعی، مطبوعہ کراچی ۱۹۵۲ء

[2] روزنامہ انقلاب لاہور، ۳ر اگست ۱۹۴۴ء۔

تاکہ اس مطالعہ کی روشنی میں جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ کو ترقی کی شاہراہ پر گامزن کیا جاسکے جامعہ میں چھ سو طلباء کی نشستوں کا بندوبست کیا گیا ہے۔

۱۹۶۵ء میں بھارت جیسے بزدل اور عیار دشمن نے بین الاقوامی سرحدوں کا احترام نہ کرتے ہوئے رات کی تاریکی میں پاکستان پر حملہ کر دیا تو جہاں ہمارے بہادر، غیور اور جیالے فوجیوں نے جرأت و بیباکی کا زبردست مظاہرہ کیا، وہاں علماء و مشائخ نے بھی قوم کے جذبۂ حب الوطنی کو بیدار کیا۔ جنگ کے بعد آپ نے آزاد کشمیر کا دورہ کیا۔ آپ کے ساتھ حسب ذیل علماء کا وفد تھا :۔

۱۔ مولانا شاہ محمد عارف اللہ قادری، راولپنڈی۔
۲۔ مولانا محمد شفیع اوکاڑوی۔
۳۔ مولانا جمیل احمد نعیمی۔
۴۔ مولانا محمد حسن فقیہ شافعی۔
۵۔ مولانا سید خلیل احمد قادری۔ وغیرہم۔

آپ نے مہاجرین میں تین لاکھ روپیہ نقد اور دیگر سامانِ خورد و نوش تقسیم کیا۔ گیارہ ہزار روپیہ صدر آزاد کشمیر کو پیش کیا۔

آپ نے بہت سی کتابیں تصنیف فرمائیں، چند ایک کے نام یہ ہیں :۔

۱۔ اسلام کا معاشی نظام اور سوشلزم۔
۲۔ اسلام کا زراعتی نظام عمل[1]
۳۔ تصحیح العقائد
۴۔ فلسفۂ عباداتِ اسلامی
۵۔ کتاب و سنت غیروں کی نظر میں۔
۶۔ تاثراتِ دورۂ چین۔
۷۔ تاثراتِ دورۂ روس
۸۔ رپورٹ دورۂ آزاد کشمیر

---

[1] اس کتاب پر علامہ اقبال نے تحسین آمیز کلمات تحریر کئے تھے، ماہنامہ ترجمانِ اہلسنت کراچی، اگست ستمبر ۱۹۷۴ء ص ۴۰۔

۹۔ حرمتِ سود ۱۱۔ الجواب المشکور فی اسئلۃ القبور

۱۰۔ عائلی قوانین ۱۲۔ مشرقی کا ماضی وحال۔

حضرت مولانا قاضی ضیاء الدین نائب صدر ادارہ دینیہ تاشقند (روس) کی دعوت پر آپ کی زیرِ قیادت جمعیۃ علماء پاکستان کے ایک وفد نے روس کا تاریخی دورہ کیا تھا۔ روس کے علاوہ اس وفد نے لندن، سوئٹزرلینڈ، دمشق، مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کا بھی دورہ کیا۔ اس وفد میں مولانا شاہ احمد نورانی اور مولانا شاہ محمد جیلانی شامل تھے۔ اس دورہ کے بعد آپ نے واپس آکر روس کے مسلمانوں کے متعلق رپورٹ حکومت کو پیش کی مگر وہ کسی مصلحت کی بنا پر چھپ نہ سکی۔

کئی سال کی علالت کی وجہ سے آپ کافی کمزور ہو گئے تھے تاہم دینی و ملی خدمت کا جذبہ سرد نہ پڑا، وفات سے چند روز قبل آپ بظاہر بالکل ٹھیک ٹھاک تھے، ۱۴ر جولائی ۱۹۷۰ء کو اپنی زندگی کی آخری پریس کانفرنس سے خطاب فرمایا۔ ۱۹ر جولائی کو ۸ بجے شب معمول کے مطابق دفترِ جمعیۃ سے گھر تشریف لائے۔ کھانے سے فارغ ہو کر اہلِ خانہ سے محوِ گفتگو تھے کہ آپ پر اچانک فالج کا حملہ ہوا، اسپیشل ہسپتال کراچی میں داخل کئے گئے، زبردست کھانسی سے دماغ کی شریان پھٹ گئی اور یہ محسنِ ملک و ملت، عاشقِ رسول، صوفی اور بے مثل خطیب ۱۴ر جمادی الاولیٰ ۱۳۹۰ھ / ۲۱ر جولائی ۱۹۷۰ء کو راہیِ ملکِ بقا ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

نمازِ جنازہ میں علماء، مشائخ، حکام، غیر ملکی سفراء، سیاسی لیڈر اور دیگر ہزاروں لوگوں نے شرکت کی۔ نمازِ جنازہ حضرت محدث کچھوچھوی مولانا محمد مختار اشرف نے پڑھائی اور آپ کو حسبِ وصیت جامعہ تعلیماتِ اسلامیہ میں سپردِ خاک کر دیا گیا۔

کراچی کے اخبار جنگ نے آپ کے وصال پر اپنے اداریے میں آپ کی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ:

"مولانا عبدالحامد بدایونی کی رحلت اس برصغیر کے مسلمانوں کے لئے ایک انتہائی غم انگیز سانحہ اور ملک و ملت کا ایک ناقابلِ تلافی نقصان ہے جسے پاکستان کے

عوام، علماء، سیاسی راہنما، طلباء اور مرحوم کے ارادت مندوں نے بڑی شدت کے ساتھ محسوس کیا اسلام، پاکستان اور ملت مسلمہ کے لئے انہوں نے جو خدمات انجام دی ہیں وہ کبھی نہیں بھلائی جا سکتیں۔ مولانا کا شمار اُن گنی چنی شخصیتوں میں ہوتا ہے جو مولانا محمد علی اور مولانا شوکت علی کے ساتھ تحریک خلافت میں بھی شریک تھے، پھر تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، قیام پاکستان کے بعد بھی اسے اصل راستے اور منزل کی طرف گامزن رکھنے کیلئے مسلسل جدوجہد کرتے رہے تھے۔ آزادی کی جدوجہد اور تحریک پاکستان کا وہ ایک روشن باب تھے جو ان کی زندگی کے ساتھ ختم ہو گیا۔ قرارداد پاکستان کے حق میں رائے عامہ ہموار کرنے کے لئے مولانا کی خطابت نے جو جوہر دکھلائے تھے آپ کے طویل دوروں اور مسلسل جدوجہد نے برصغیر کے مسلمانوں میں آزادی کی لگن اور ایک علیحدہ وطن کے حصول کی جو تڑپ پیدا کر دی تھی اسے کبھی فراموش نہیں کیا جا سکے گا، پھر جب صوبہ سرحد میں ریفرنڈم کا نازک مرحلہ پیش آیا تو مرحوم نے اپنا سارا وقت، صلاحیتیں اور زورِ بیاں اس کے لئے وقف کر دیا، تحریک پاکستان سے مسلمانان عالم کو متعارف کرانے کے لئے مشرق وسطیٰ کا دورہ کیا —— مولانا بدایونی ایک جید عالم، ایک جادو بیان خطیب، ایک ممتاز سیاستدان، مصنف و ادیب، استاذ و محقق، ہمدرد و مشفق مذہبی رہنما ہونے کے ساتھ تحریک پاکستان کے ایک پُرجوش و سرفروش سپاہی بھی تھے، ان کی زندگی نے اس برصغیر کی تاریخ پر حرکت و عمل اور مسلسل جدوجہد کے گہرے نقوش چھوڑے ہیں جن کی روشنی اور چمک دوسروں کو ہمیشہ ان مقاصد کی خاطر قربانی و ایثار پر آمادہ کرتی رہے گی جن کے لئے پاکستان حاصل کیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنی مغفرت

رحمت سے نوازے اور بلند درجات عطا کرے۔"

(روزنامہ جنگ کراچی ۲۴ جولائی ۱۹۷۰ء)

جناب راغب مراد آبادی نے یہ قطعہ تاریخ لکھا ہے

آہ! ذاکر محمد، مولانا عبد الحامد بدایونی
۱۳ ۹۰

ہو کیوں نہ غم وفاتِ عبد الحامد
اسلام تھا کائنات عبد الحامد
راغب متبسم ہے پس پردہ مرگ
نصرت آئین حیاتِ عبد الحامد
۱۳ ۹۰

پیر عبدالرحیم بھرچونڈی شریف

عزم واستقلال سے روشن پیشانی، تدبر و فراست کی غماز چمکدار آنکھیں گھنی ڈاڑھی، بارعب مونچھیں مجاہدانہ جلال کا حامل دمکتا چہرہ، چوڑا سینہ، بھرا ہوا جسم اور درمیانہ قد، گفتگو کا انداز متین اور ٹھہرا ہوا، مخاطب کی بات تحمل سے سنتے اور اپنی بات حکمت سے کرتے، یہ تھے پیر صاحب عبدالرحیم بھرچونڈی شریف۔

حضرت پیر صاحب نے ۱۹۱۰ء/ ۱۳۳۰ھ میں بھرچونڈی شریف کی روح پرور فضا میں جنم لیا، ان کے چاروں طرف صدائے لا الٰہ کی گونج تھی جو اس درگاہ کا طرہ امتیاز ہے حصول علم کے بعد آپ ہمیشہ والد بزرگوار حضرت پیر عبدالرحمٰن بھرچونڈی شریف کی خدمت ہی میں حاضر رہے اور کئی سیاسی و دینی محاذوں پر دین وملت کی خدمت میں تربیت حاصل کی۔ آپ کی ساری زندگی مسلسل سعی و عمل سے عبارت رہی اور رخصت ہوئے تو ایک شہید سپاہی کی طرح۔

تحریک پاکستان میں پیر عبدالرحیم اور ان کے والد بزرگوار حافظ الاسلام پیر عبدالرحمٰن کی گراں قدر خدمات کو کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ انہوں نے مسلم لیگ کی بھرپور اعانت کی اور قائد اعظم کا عملی طور پر ساتھ دیا۔ آپ کے والد گرامی اور سید مغفور القادری نے سندھ کے مسلمانوں کی تنظیم کے لئے جماعت احیاء الاسلام کی بنیاد رکھی پھر سندھ کے مشائخ کو اکٹھا کر کے جمعیت المشائخ کے نام سے ایک اور تنظیم قائم کی۔ ان دونوں جماعتوں کی پالیسی تمام تر مسلم لیگ کی پالیسی تھی مگر صرف عوام کی نفسیات کا لحاظ کرتے ہوئے ناموں کی تبدیلی عمل میں لائی گئی تھی، دونوں جماعتوں کے پلیٹ فارم سے مسلم لیگ کے لئے فضا ہموار کرتے رہے۔

الجماعۃ کے نام سے ایک اخبار بھی جاری کیا جب دونوں جماعتیں عوام میں مقبول ہوگئیں تو مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ کراچی میں قائد اعظم کی موجودگی میں مع پانچ ممبران اسمبلی

جو احیاء الاسلام کے ٹکٹ پر منتخب ہوئے تھے۔ دونوں جماعتوں کو مسلم لیگ میں ضم کر دیا۔

۱۹۴۶ء میں بنارس کی عظیم الشان سُنی کانفرنس میں حضرت پیر صاحب اور ان کے والدِ ماجد نے شرکت کر کے کانفرنس کو کامیاب بنایا اور پھر تحریکِ پاکستان کی حمایت میں جابجا دورے کئے اور لوگوں کو نظریۂ پاکستان کی حمایت پر آمادہ کیا۔ تحریکِ پاکستان کے دوران ایک موقع ایسا آیا کہ انگریز نے قائدِ اعظم سے مطالبہ کیا کہ وہ مسلم اکثریت والے صوبوں میں سے کسی اسمبلی میں اپنی اکثریت کا ثبوت دیں۔ اس نازک مرحلے پر آپ کے والدِ گرامی پیر عبدالرحمٰن بھرچونڈی شریف کے روحانی و ایمانی جذبہ اور جاہ و جلال نے وہ کام کیا جو تاریخ کے صفحات پر ہمیشہ روشن رہیگا۔

پیر صاحب نے سندھ اسمبلی کے تمام مسلم ممبران سے ملاقات کی، ان میں سے کئی آپ کے مرید تھے لیکن ان کی اکثریت کانگرس کے ساتھ تھی۔ پیر صاحب نے بڑی مجاہدانہ شان سے ایک ایک ممبر سے فرمایا کہ وہ اسمبلی کے اجلاس میں تحریکِ پاکستان کی تائید میں ووٹ دے، چنانچہ انہوں نے بسر و چشم آپ کا فرمان قبول کیا۔ اسمبلی ہال میں تحریکِ پاکستان کو مطلوبہ تائید مل گئی، انگریز اور ہندو کے ہوش اُڑ گئے کیونکہ انہیں ایسی توقع نہ تھی [1]

ایوبی دور میں ایک مرتبہ صدر ایوب سندھ کے دورے پر گئے اور پیر عبدالرحیم صاحب کو ملاقات کرنے کی دعوت دی لیکن آپ نے سلف صالحین کی سنت پر عمل کرتے ہوئے انکار کر دیا، جس کی پاداش میں آپ کو قید و بند کی سختیاں برداشت کرنا پڑیں لیکن ایوبی حکومت کا مقصد پورا نہ ہو سکا اور پیر صاحب نے اپنے عمل سے ثابت کر دیا کہ ؎

قوموں کی تقدیر وہ مردِ درویش
جس نے نہ ڈھونڈی سلطاں کی درگاہ

آپ نے ۱۹۶۰ء میں والدِ گرامی کی وفات کے بعد فرائضِ سجادگی سنبھالے اور ہمیشہ حق کا

---

[1] روزنامہ جاوداں لاہور، ۱۶ نومبر ۱۹۷۱ء۔

ساتھ دیتے رہے، باطل کے سامنے چٹان بن کر ڈٹے رہے، سندھ میں راجہ داہر کی حمایت اور محمد بن قاسم کی مخالفت کا فتنہ کھڑا ہوا تو آپ بڑی جرأت و بے باکی سے میدان میں آئے اور اس فتنے کو فرو کیا۔

۱۹۷۰ء کے الیکشن میں جب علاقائیت، لادینیت اور سوشلزم کے نعروں نے پورے ملک کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تو اس مردِ حق نے پورے سندھ کے دورے کئے اور اُن عناصر کے لئے قدم قدم پر رکاوٹ بنتے رہے۔ اگرچہ مخالف سیاسی عناصر اس وقت بعض ذرائع کی بناء پر کامیاب ہو گئے مگر آپ کے مجاہدانہ کردار کے سامنے ان کی پھر بھی ایک نہ چلتی تھی۔ مخالف سیاسی عناصر اپنی سیاسی دھاندلیوں اور تشدد کی فضاء برقرار رکھنے میں پیر صاحب کو سب سے بڑی رکاوٹ سمجھتے تھے کیونکہ جھکنا اور فروخت ہونا ان کی سرشت میں نہ تھا۔ اور بحیثیت سجادہ نشین اور صدر جمعیۃ علماء پاکستان صوبہ سندھ، ان کے اثر و رسوخ سے مخالفین ہر وقت خائف تھے چنانچہ ۲۹ رجب ۱۳۹۱ھ/۲۱ ستمبر ۱۹۷۱ء ڈھرکی ضلع سکھر کے پٹرول پمپ پر آپ کو گولیوں کا نشانہ بنا دیا گیا، اس سازش میں مخالف سیاسی عناصر نے آپ کے رشتہ داروں کو استعمال کیا تاکہ اسے خاندانی جھگڑے کا نام دیا جاسکے، لاش کو بڑی نہر میں رکھ دیا گیا ہزاروں مریدوں نے دیوانہ وار چھلانگیں لگا کر لاش کو تلاش کرنا شروع کر دیا۔ جب انتظامیہ نے نہر کو بند نہ کیا تو انہوں نے خود ہی نہر کو بند کر دیا جس سے دو نہریں ٹوٹ گئیں، مجبوراً انتظامیہ کو محکمہ نہر سے درخواست کرنا پڑی کہ ان نہروں کا پانی دریا سے بند کر دیا جائے۔ محکمہ انہار نے پانچسو افراد کے خلاف مقدمہ دائر کر دیا۔ ضلعی انتظامیہ اور پولیس نے آپ کے جنازہ کا ایسا منظر دیکھا کہ بھرچونڈی شریف میں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔

آخر میں ہم روزنامہ نوائے وقت لاہور مورخہ ۱۹ نومبر ۱۹۷۱ء کا اداریہ نقل کرتے ہیں جس میں پیر صاحب کو بھرپور خراجِ عقیدت پیش کیا گیا ہے:

"بھرچونڈی (سندھ) کے پیر عبدالرحیم کے بعض مخالفین نے ۲۱ ستمبر

کی شام کو شہید کر دیا تھا۔ اس سانحہ کو وقوع پذیر ہوئے آج پونے دو ماہ ہو چکے ہیں لیکن ابھی تک قاتلوں کا سراغ نہیں لگایا گیا اور نہ ہی اس ضمن میں کوئی مؤثر کارروائی سامنے آئی ہے۔ اس صورتِ حال پر پیر صاحب شہید کے پسماندگان اور ان کے مریدوں کی تشویش ایک فطری چیز ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ صوبائی حکومت اپنے تمام تر وسائل کے باوجود قاتلوں کو گرفتار نہیں کر سکی پیر عبدالرحیم شہید کے مریدوں کا یہ مطالبہ نامناسب نہیں کہ مرکزی حکومت اس ضمن میں کوئی قدم اٹھائے، وہ سندھ کی صوبائی حکومت کو ہدایت کر کے اس معاملے کو حل کر سکتی ہے۔ پیر عبدالرحیم شہید سندھ کے دینی و سیاسی حلقوں میں ایک منفرد اور ممتاز مقام رکھتے تھے، تحریک پاکستان کے دوران انہوں نے سندھ میں مسلم لیگ کو ایک مقبول جماعت بنانے کے لئے دن رات کام کیا۔ اس ضمن میں ان کو سندھ کے ہندو اور کانگریسی مسلمانوں کی ستم رانیوں کا نشانہ بھی بننا پڑا لیکن وہ مسلمانوں اور اسلام کی خاطر ہر وار سہتے رہے اور ستم سہتے رہے۔"

جناب شرافت نوشاہی نے تاریخِ وصال کہی ؎

عالی جناب حضرتِ عبدالرحیم پیر — شانِ مبارکش شدہ دراولیاء کمال
در دورِ خویش حامیٔ اسلام بودہ — در علم وفضل ذاتِ گرامیش بے مثال
در ملکِ سندھ و ہندروان ست فیضِ او — حاجی و ہم مجاہدِ حق بود لازوال
از دستِ ظالماں شدہ مقتولِ بے گناہ — از رتبۂ شہادت باحق شدہ وصال

در سالِ رحلتش چو شرافت خیال کرد
آمد ندائے ہاتف "پیرِ خجستہ فال" [1]
۱۳۹۱ھ

---

[1] انوار التواریخ، ص ۵۴

خواجہ عبدالرشید پانی پتی

آپ ۱۳۰۶ھ/۸ دسمبر ۱۸۸۸ء کو پانی پت میں پیدا ہوئے، تاریخی نام منظور علی ہے، والد گرامی کا اسم گرامی پیر عبدالرحیم تھا، بچپن میں ہی سایۂ پدری سے محروم ہوگئے، دادی صاحبہ اور دادا جان کے بھائی پیر تفضل حسین (سجادہ نشین درگاہِ بوعلی قلندر رحمۃ اللہ علیہ) نے تعلیم و تربیت کا بار اٹھایا۔

آپ نے قرآنِ پاک کی تعلیم حافظ رحمت اللہ سے حاصل کرنے کے بعد پانی پت کے مشہور عالم مولانا حسن رضا رحمۃ اللہ علیہ سے درسِ نظامی کی تکمیل کی۔ پیر تفضل حسین کی نرینہ اولاد نہ ہونے کی وجہ سے آپ ان کی وفات کے بعد سجادہ نشین ہوئے اور علم و فضل کے ساتھ معرفت کے موتی بھی لٹانے لگے۔ آپ صاحبِ حال بزرگ تھے، تصوف کی الجھنوں کو آن کی آن میں حل کر دیتے تھے۔

آپ ہندوؤں اور مسلمانوں میں یکساں مقبول تھے مسلمانوں کے عروج و زوال پر بڑی کڑی نظر رکھتے تھے۔ ۱۹۳۶ء میں جب ابنائے وطن کی چیرہ دستیوں و مسلمانوں کے آپس کے خلفشار نے آپ کو مجروح کیا تو برہنہ تلوار بن کر میدان میں کود پڑے اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا اور مسلم لیگ میں شامل ہو کر تا دم زیست مذہب و ملت کی خدمت کرتے رہے[1]۔ اگرچہ آپ کو گوناگوں آزمائشوں سے دوچار ہونا پڑا مگر اس مردِ قلندر نے ہر آزمائش میں پورا اترنے کے لئے بڑی مردانگی کا مظاہرہ کیا۔

اکتوبر ۱۹۴۵ء میں پیر صاحب مانکی شریف (پیر محمد امین الحسنات) کی دعوت پر پشاور میں سرحد اور پنجاب کے مشائخ کا ایک عظیم الشان اجتماع ہوا جس میں خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے سجادہ نشین (دیوان آلِ رسول اجمیری)، خواجہ حسن نظامی، امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علیپوری، پیر فضل شاہ جلالپوری اور آپ نے اپنے مریدوں کو پاکستان

[1] آپ نے تحریکِ خلافت میں بھی زبردست حصہ لیا۔

کی حمایت کرنے کا حکم دیا ۔[1]

تحریکِ پاکستان سے آپ کی دلچسپی، دلی تعاون اور ہمدردی پر اس دور کے تمام اخبارات شاہد ہیں۔ اس سلسلے میں آپ کا ایک اور اہم بیان جناب رئیس احمد جعفری کی زبانی سنیئے :

"۲۰ جنوری ۱۹۴۶ء کو حضرت شاہ شرف الدین بو علی قلندر قدس سرہ کی درگاہ کے متولی اور سجادہ نشین عبدالرشید نے پانی پت سے حسب ذیل بیان شائع فرمایا :-

" اس وقت مسلمانانِ ہند کی واحد نمائندہ جماعت مسلم لیگ ہے اور پاکستان مسلمانانِ ہند کا بہترین نصب العین ہے ــــ اس کے بعد موصوف نے درگاہ کے متوسلین اور معتقدین سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ صرف مسلم لیگ کے امیدواروں کو ووٹ دیں۔" [2]

برِصغیر کی تقسیم کے بعد جب آپ نے پاکستان کا عزم کیا تو حکومتِ ہند نے آپ کو روکنے کی بڑی کوشش کی نیز درگاہ اور جائیداد کو بحال کرنے کی پیشکش کی مگر آپ نے مالی فائدے پر قومی مفاد کو ترجیح دی اور ماڈل ٹاؤن لاہور میں مستقل سکونت اختیار کی۔

آپ حج و زیارت کے قصد سے کراچی تشریف لے گئے لیکن بعارضۂ قلب ۲۴ اپریل ۱۹۶۲ء کو جہاز پر سوار ہونے سے قبل ہی آپ کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ یہ شعر شاید اسی موقع کے لئے لکھا گیا تھا ؎

مدینہ کا مسافر ہند سے پہنچا مدینے میں　　قدم رکھنے کی نوبت بھی نہ آئی تھی سفینے میں

وصال سے چند روز قبل آپ کی زبان پر یہ الفاظ جاری تھے ؎

ان کی نظر سے دور اب ہم سے رہا نہ جائیگا

آپ کے جسدِ مبارک کو پی سی ای ایچ ایس کراچی میں سپردِ خاک کیا گیا۔ آپ نے دو صاحبزادے

---

[1] تحریکِ پاکستان میں علماء کا حصہ از ممتاز لیاقت (ماہنامہ اردو ڈائجسٹ لاہور، اگست ۱۹۶۹ء) ص ۳۱

[2] قائدِ اعظم اور ان کا عہد، مطبوعہ لاہور ۱۹۶۶ء ص ۴۰۵

یادگار چھوڑے (۱) پیر حمید الدین نعمانی، آپ کے سجادہ نشین ہیں، طبیہ کالج دہلی کے مستند طبیب ہیں اور آجکل زمینداری کرتے ہیں۔ (۲) نظام الدین نعمانی ایم اے، ایل ایل بی، آجکل کوئٹہ میں بحیثیت ڈویژنل سپرنٹنڈنٹ ریلوے متعین ہیں۔

آپ ایک اچھے شاعر بھی تھے، شمیم تخلص کرتے تھے، مختلف زبانوں پر عبور حاصل تھا، اردو، فارسی اور پوربی اور ہندی میں بھی اشعار کہتے تھے لیکن افسوس کہ آپکے کلام کے غیر محفوظ ہونے کی وجہ سے ہمیں زیادہ اشعار نہ مل سکے، اردو اور پوربی کے چند اشعار بطور نمونہ درج ہیں ؎

دنیا کی ہر بلندی و پستی فریب ہے　　میں خود فریب ہوں مری ہستی فریب ہے
اے صبا تو تو چلی اپنی سبکساری سے　　ہم گراں بار اٹھیں گے بڑی دشواری سے
تیرا شمیم بے نوا کہتا ہے ہر صبح و مسا　　بہرِ خدا یا شاہِ دیں میری مدد فرمائیے
آؤ گھیاں کھیلیں ہوری　　سب سکھیں ما جورا جوری
شمیم پیا لم اپنے شرفؔ سو　　آج رچی ہو جورا جوری

جناب سید مسعود حسن مسعود نے آپ کا قطعۂ تاریخ وصال یہ لکھا ؎

نہ رسیدہ بر سرِ زمینِ حجاز　　صبح کعبہ بدیدۂ دل کرد
چشمِ ظاہر نہ سیرِ گلشن دید　　آہ و فریاد چوں عنادل کرد
عازمِ کعبہ شد براہِ حجاز　　بہ کراچی مقام در گل کرد
در سفر چوں وصال شد مسعود　　حج نہ کردہ ثواب حاصل کرد

سالِ رحلت شدہ زروئے الم
حافظ عبد الرشید منزل کرد ۲
۱۹　۶۲

۱ یعنی شاہ شرف الدین بو علی قلندر رحمۃ اللہ علیہ
۲ عندلیبِ تواریخ از سید مسعود حسن مسعود، مطبوعہ الٰہ آباد ۱۹۶۳ء، ص ۲۸۱
نوٹ: ہمیں یہ حالات پیر صاحب کے خواہر زادہ جناب سید ابو طاہر جعفری پانی پتی مظلہٗ نے مہیا کئے جس کے لئے ہم ان کے شکر گزار ہیں۔

ضیغمِ اسلام بطلِ حریت مولانا عبدالستار خاں نیازی

قوموں کی تقدیر وہ مردِ درویش
جس نے نہ ڈھونڈی سلطاں کی درگاہ

مجاہدِ ملت مولانا عبدالستار خاں نیازی یکم اکتوبر ۱۹۱۵ء کو اٹک پنیالہ تحصیل عیسیٰ خیل، ضلع میانوالی کے ممتاز نیازی خاندان میں پیدا ہوئے، والدِ ماجد کا اسمِ گرامی ذوالفقار خاں تھا۔ ۱۹۳۳ء میں عیسیٰ خیل سے میٹرک پاس کیا اور وظیفہ حاصل کیا، اسی سال لاہور تشریف لائے اور حکیم الامت علامہ اقبال کے قائم کردہ اشاعتِ اسلام کالج میں داخل ہوئے۔ یہاں قرآن، حدیث، فقہ، سیرت النبی، تاریخ اسلام، مذاہب کے تقابلی مطالعہ، اسلامی تہذیب و تمدن اور اسلامی تحریکات کے دو سالہ نصاب کی تکمیل کی اور حکیم الامت علامہ اقبال سے سند حاصل کی[1]
سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں حضرت مولانا فقیر قادر بخش رحمۃ اللہ علیہ میبل شریف تحصیل بھکر ضلع میانوالی سے بیعت ہوئے، تقسیم ملک کے بعد حضرت الحاج میاں علی محمد خاں چشتی قدس سرہ سجادہ نشین بسی شریف کی مصاحبت سے فیض یاب ہوئے۔

۳۶-۱۹۳۵ء میں جب تقریباً تمام کاروبار ہندوؤں کے ہاتھ میں تھا اور سیاسی طور پر ہندو متحدہ قومیت کا فتنہ پیدا کر رہے تھے، مولانا نیازی نے ان حالات میں ۱۹۳۶ء میں میانوالی کے اندر مجلسِ اصلاحِ قوم کی بنیاد رکھی اور ملتِ اسلامیہ کی خدمت کے لئے شب و روز کام کیا، ہندوؤں کی سازشوں اور چالوں کو ناکام بنانے کی مقدور بھر کوشش کرتے رہے تجارت میں مسلمانوں کو دخیل کیا اور جداگانہ ملی تشخص کا احساس دلایا نیز اسلامی شریعت کے نفاذ

---

[1] ماہنامہ ضیائے حرم لاہور، اپریل ۱۹۷۳ء، ص ۲۰۔

کی خاطر عوام کو منظم کیا، غریبوں کی امداد کے لئے بیت المال قائم کیا۔ ۱۹۳۷ء میں مزید تعلیم کے لئے اسلامیہ کالج لاہور میں داخل ہوئے اور اپنے چند درد مند ساتھیوں مثلاً میاں محمد شفیع (م۔ش) جسٹس انوار الحق، ابراہیم علی چشتی، حمید نظامی اور ڈاکٹر عبدالسلام خورشید) کے تعاون سے پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کی بنیاد رکھی جس کے پہلے صدر حمید نظامی منتخب ہوئے[1] دوسرے صدر میاں محمد شفیع (م۔ش) اور ۱۹۳۸ء میں تیسرے صدر مولانا نیازی چنے گئے، آپ نے فیڈریشن کا نیا دستور مرتب کرایا جس کا عنوان قرآن کریم کی یہ آیت کریمہ تھی:۔

کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ ؕ

ترجمہ:۔ "تم ان سب امتوں سے بہتر ہو جو لوگوں میں ظاہر کی جا چکی ہیں کیونکہ تم نیکی کی تعلیم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو"۔ (آلِ عمران، ع ۱۱)

۱۹۳۸ء میں مولانا نیازی نے بی۔ اے پاس کیا، ایام تعطیلات میں ضلع میانوالی کے اندر اصلاحی کام میں دوبارہ منہمک ہو گئے۔ انجمن اصلاح القوم کی جنرل کونسل میں ایک مستقل قرارداد کے ذریعے انجمن کا نام تبدیل کر کے اسے اصلاح المسلمین بنا دیا گیا۔ جون ۱۹۳۷ء میں پنڈت جواہر لال نہرو نے بحیثیت صدر نیشنل کانگرس اعلان کیا کہ ہندوستان میں صرف دو طاقتیں موجود ہیں، ایک انگریز اور دوسری کانگرس۔ اس موقع پر قائد اعظم محمد علی جناح نے TIME & TIDE لندن کے اخبار میں ایک مضمون شائع کیا کہ ہندوستان میں ایک تیسری طاقت بھی ہے اور وہ مسلمانوں کی طاقت ہے جس کی نمائندہ جماعت مسلم لیگ ہے۔

انہی ایام میں مولوی حسین احمد دیوبندی نے تقریر کی کہ "قومیں اوطان سے بنتی ہیں" علامہ اقبال نے اس تقریر پر ایک مفصل بیان شائع کیا جو ۸ مارچ ۱۹۳۸ء کو روزنامہ احسان

---

[1] روزنامہ نوائے وقت لاہور ۳ مارچ ۱۹۷۴ء، ص ۴۔ ۱۴ مارچ ۱۹۷۴ء، ص ۴۔ ۲۵ دسمبر ۱۹۷۳ء، ص ۴۔ ۱۲ جنوری ۱۹۷۳ء، ص ۴۔ ۱۴ اگست ۱۹۷۳ء، ص ۴۔
ماہنامہ ضیائے حرم لاہور، اپریل ۱۹۷۳ء، ص ۲۰۔

لاہور میں طبع ہوا، کانگرس اور مسلم لیگ میں زبردست کشمکش شروع ہوگئی اور نیشنلسٹ مسلمان بھی مسلم لیگ کے خلاف ہو گئے۔ ہندو اکثریت کے غلبے سے مسلمانوں کو محفوظ کرنے اور انہیں بحیثیت قوم معزز و باوقار بنانے کے لئے ان کی علیحدہ تنظیم مسلم لیگ کی ضلع میانوالی میں بنیاد ڈالی گئی، اس مقصد کے لئے پہلے انجمن اصلاح المسلمین کی ڈسٹرکٹ جنرل کونسل کا اجلاس بلایا گیا، کونسل میں آل انڈیا پیمانے پر مسلمانوں کے تحفظ و بقاء کی علیحدہ تنظیم میں شمولیت کے سوال کو ایجنڈہ میں رکھا گیا، کافی بحث و تمحیص کے بعد قرار پایا کہ انجمن اصلاح المسلمین کو بحیثیت جماعت مسلم لیگ میں شامل ہونا چاہیئے، اسی وقت ضلع میں مسلم لیگ کی تنظیم کے لئے آرگنائزنگ کمیٹی بنائی گئی جس کے کنوینر مولانا نیازی منتخب ہوئے اور باضابطہ تنظیم کے بعد صدر بنا دیئے گئے۔

۱۹۳۹ء ہی میں مولانا نیازی نے دہلی میں قائدِ اعظم سے ملاقات کے دوران انہیں پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کی جانب سے خلافتِ پاکستان سکیم پیش کی، قائدِ اعظم اس سکیم کو دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا :

"YOUR SCHEME IS VERY HOT."

مولانا نیازی نے جواب دیا :

"BECAUSE IT HAS COME OUT FROM A BOILING HEART."

"یعنی یہ اس لئے گرم ہے کہ یہ لاوا اُبلتے ہوئے دلوں سے نکلی ہے۔"

قائدِ اعظم بہت خوش ہوئے، اس کے بعد سکیم کے مختلف پہلوؤں پر تفصیلی بات چیت ہوئی، بالآخر قائدِ اعظم نے اس تجویز کو مسلم لیگ کی متعلقہ کمیٹی کے سپرد کرنے کا وعدہ فرمایا [۱] اور اس کے بعض اہم نکات کو تسلیم کر لیا۔

---

[۱] مآثر الاجداد، از پروفیسر منظور الحق صدیقی، مطبوعہ لاہور ۱۹۶۴ء ص ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳۔

۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو لاہور میں حصولِ پاکستان ملت کا نصب العین قرار پایا تو مولانا نیازی ایم اے کرنے کے بعد گویا اسی کام کے لئے وقف ہوگئے، آپ قریہ قریہ، بستی بستی، نگر نگر اور شہر شہر گھومے اور پاکستان کا پیغام لوگوں تک پہنچایا۔ [1]

مارچ ۱۹۴۱ء میں مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن نے قائدِ اعظم کی زیرِ صدارت پاکستان کانفرنس منعقد کی تو اجلاس کی مرکزی قرارداد پیش کرنے والے مولانا نیازی ہی تھے۔ اسی اجلاس میں دیہی علاقوں میں تحریکِ پاکستان کو منظم کرنے کے لئے پاکستان رورل پروپیگنڈا کمیٹی مقرر ہوئی تو مولانا نیازی سیکرٹری منتخب ہوئے، اس حیثیت سے مولانا نیازی کو قائدِ اعظم کے ساتھ براہِ راست خط و کتابت کا موقع ملا اور یہیں سے تعلقات کا آغاز ہوا۔ [2]

۱۹۴۲ء میں آپ ضلع میانوالی مسلم لیگ کے صدر منتخب ہوگئے اور ساتھ ہی انہیں صوبائی کونسل اور آل انڈیا مسلم لیگ کا رکن بھی چن لیا گیا۔

مولانا نیازی نے اسلامیہ کالج، لاہور میں تین سال تک تدریسی خدمات انجام دیں، ۱۹۴۳ء میں انجمن نعمانیہ کے ڈپٹی سیکرٹری بنائے گئے، اس سے قبل آپ اقبال ڈے سوسائٹی کے سیکرٹری بنائے جاچکے تھے۔ ستمبر ۱۹۴۳ء میں آپ کو اسلامیہ کالج لاہور میں صدر شعبۂ اسلامیات مقرر کیا گیا اور اس کے چند روز بعد صوبائی مسلم لیگ کے سیکرٹری بنائے گئے۔ [3]

۱۹۴۴ء میں پنجاب مسلم لیگ کی صوبائی کونسل نے آپ کی تجویز پر یہ قرارداد منظور کی:۔

"پاکستان کا آئین شریعتِ اسلامیہ پر مبنی ہوگا۔"

صوبائی کونسل کے بعد آل انڈیا مسلم لیگ نے بھی یہ تجویز منظور کر لی۔

---

[1] ضیائے حرم لاہور، ص ۲۰، اپریل ۱۹۷۳ء۔

[2] روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲۵ دسمبر ۱۹۷۳ء، ص ۴۔

[3] نوائے وقت ۲۵ دسمبر ۱۹۷۳ء، ۲۴ مارچ ۱۹۷۷ء، ضیائے حرم لاہور اپریل ۱۹۷۳ء ص ۲۱، نوائے وقت ۲۴ نومبر ۱۹۷۳ء

[4] ستمبر ۱۹۴۳ء تا مارچ ۱۹۴۶ء

۱۹۴۵ء میں مولانا نیازی نے میاں محمد شفیع کے ساتھ مل کر "پاکستان کیا ہے اور کیسے بنے گا" کے عنوان سے ایک کتاب لکھی جس میں زندگی کے ہر مسئلہ پر نظریۂ خلافت کے نقطۂ نظر سے روشنی ڈالی گئی تھی، یہ وہ زمانہ تھا جب قیام پاکستان کی منزل قریب تر آرہی تھی اور مسلم لیگ میں ابن الوقت قسم کے سیاستدان شامل ہو رہے تھے، کمیونسٹ بھی ایک سازش کے تحت اس میں شامل ہو گئے چنانچہ نیازی صاحب نے اپنے احباب کے تعاون سے پنجاب کونسل کے اجلاس میں کمیونسٹوں کو لیگ سے نکالنے کی قرارداد پیش کی جو منظور کر لی گئی اور مسلم لیگ سے دانیال لطیفی، ڈاکٹر ذاکر مشہدی، شیر محمد بھٹی اور دیگر کمیونسٹوں کو نکال دیا گیا[1]

جنوری ۱۹۴۶ء میں آپ نے اسلامیہ کالج کی صدارتِ شعبۂ اسلامیات کی زیر نگرانی اپنے خاص شاگردوں (سید محمد قاسم رضوی و حکیم آفتاب احمد قریشی وغیرہ) کی سرکردگی میں طلباء کے وفود صوبے کے مختلف مقامات پر بھجوانا شروع کیے تاکہ قائد اعظم کے حکم کے مطابق میدانِ عمل میں طلباء اپنی خدمات سرانجام دیں، اسی سال آپ میانوالی سے مسلم لیگ کے ٹکٹ پر ایم ایل اے منتخب ہوئے لیکن لیگ کی واضح کامیابی کے باوجود فرنگی گورنر نے سر خضر حیات ٹوانہ سے ساز باز کی اور اسے وزارت بنانے کی دعوت دے دی۔ مولانا نے صوبہ سرحد اور پنجاب کا طوفانی دورہ کر کے مسلمانوں کو منظم کیا، خضر حیات جہاں جاتا آپ اس کا تعاقب کرتے، میاں چنوں ضلع ملتان میں تصادم ہوتے ہوتے بچا۔ خضر حیات نے تنگ آکر آپ کو لالچ دینا چاہا، منہ مانگی مراد پانے کی پیشکش کی تو مولانا نے فرمایا :-

"میرے لئے دولتِ ایمان ہی کافی ہے"

زمین دینا چاہی تو فرمایا :-

---

[1] ضیائے حرم لاہور، اپریل ۱۹۷۳ء، ص ۲۱۔

"تم چند ایکڑ زمین کی بات کرتے ہو، ہم چھ صوبوں کا پاکستان مانگتے ہیں۔"

شریکِ اقتدار ہونے کا لالچ دیا تو آپ نے فرمایا :-

"اسلام کی دی ہوئی عزت ہی کافی ہے۔"

جب خدا کا یہ شیر طرح طرح کے دامہائے فریب میں نہ پھنسا تو خضر مجبوراً خاموش ہو گیا اور آپ پاکستان کا علم بلند کرتے ہوئے ملک گیر دورے فرماتے رہے[1]

مولانا نیازی مرکزی انجمن نعمانیہ ہند کے سیکرٹری تھے۔ اس حیثیت سے آپ نے ۴۶-۱۹۴۵ کے سالانہ جلسوں میں پاکستان کی حمایت میں قراردادیں منظور کرائیں۔ مشائخ اہلِ سنت کی حمایت حاصل کرنے کے لئے مسلم لیگ نے ایک مشائخ کمیٹی بنائی تھی جس کے کنوینر مولانا محمد ابراہیم علی چشتی تھے اور اراکین میں مولانا نیازی کا نام نمایاں تھا۔ مولانا نے خضر وزارت کو ناکوں چنے چبائے، دینی نکتۂ نگاہ سے نیشنلسٹ مسلمانوں، جمعیت علماء ہند، مجلسِ احرار، مطالبۂ پاکستان کی مذہبی بنیادوں پر مخالفت کرنے والے گروہوں، جماعت اسلامی، خاکسار، جمعیت انصار وغیرہم کے نظریاتی نعروں، حکومتِ الٰہیہ، نظامِ اسلام کے جواب میں مثبت اور عملی لائحۂ عمل دارالسلام پاکستان کی حقیقتوں سے آشنا کیا اور اس میں نفاذِ شریعت کے ممکنات کو متحدہ ہندوستان میں غلبۂ اسلام کے نظر فریب توہمات پر دلائل و براہین سے واضح کیا[2]

۱۹۴۶ء میں جب کانگرس کی چیرہ دستیوں اور اسلامیانِ ہند کے حق خود ارادیت سے صریح انکار پر قائدِ اعظم نے ڈائریکٹ ایکشن کا فیصلہ کیا تو مولانا نیازی کالج کی مصروفیات کو چھوڑ کر تحریکِ پاکستان کے لئے ہمہ تن وقف ہو گئے اور تا آخر پاکستان بنا کر دم لیا

---

[1] ضیائے حرم اپریل ۱۹۷۳ء ص ۲۱، نوائے وقت ۱۴ جنوری ۱۹۷۴ء، ۳ مارچ ۱۹۷۴ء، ۱۲ نومبر ۱۹۷۳ء۔

[2] نوائے وقت ۱۴ جنوری ۱۹۷۳ء

مسلمانوں کے لئے علیحدہ اسلامی مملکت کے قیام کی خاطر مولانا نیازی کی قائدانہ صلاحیتوں اور بے مثال خدمات کے اعتراف کے طور پر قائداعظم آپ کو اپنا معتمد سمجھتے تھے، اہم قومی معاملات میں آپ کے مشوروں کو اہمیت دیتے تھے اور آپ کی دینی عصبیت کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ قائداعظم نے مولانا کے نام دسیوں خطوط لکھے جن میں سے ۳۰ر جولائی ۱۹۴۱ء کے ایک خط کا عکس ذیل میں شائع کیا جاتا ہے:



MOUNT PLEASANT ROAD,
MALABAR HILL.

Camp State Guest House
Hyderabad Dn

30th July 1941

Dear Sir,

I am in receipt of your letter of the 23rd of July 1941 and the press cutting giving me fuller details of the Lyallpur Conference and I congratulate you on your great success.

I fully appreciate your sentiments and suggestions but as you say they can only be discussed face to face. Let us hope that some of you will meet me soon. You are doing great work and I wish you all success.

Yours truly

M A Jinnah

Mohammad Abdussattar Khan Niazi Esq

پاکستان بننے کے بعد انگریز کے کاسہ لیسوں، سرمایہ داروں اور کمیونسٹوں نے نظریۂ پاکستان کو الجھانے اور ملک میں فکری انتشار و بے دینی پھیلانے کی سازشیں شروع کر دیں تو مولانا نیازی نے مخلص کارکنوں کے تعاون سے مسلم لیگ کے اندر ایک اپوزیشن خلافتِ پاکستان گروپ کی تشکیل کی، یہ گویا پاکستان کی پہلی اپوزیشن تھی جس کے قیام کا سہرا نیازی صاحب کے سر بندھا۔ میاں افتخار الدین نے اسلامی سوشلزم کا نعرہ لگایا تو آپ نے ڈٹ کر مقابلہ کیا، حتیٰ کہ قائدِ اعظم نے واشگاف الفاظ میں اعلان فرمایا کہ :-

"کمیونسٹ، ملک میں انتشار پیدا کر رہے ہیں، یاد رکھئے کہ پاکستان میں اسلامی شریعت ہی نافذ ہو گی" ؎۱

۱۹۵۱ء میں دوسری بار صوبائی اسمبلی کے عمومی انتخابات میں مولانا نیازی میانوالی سے ہی ایم ایل اے منتخب ہوئے اور اپوزیشن کے بنچوں پر بیٹھ کر اسمبلی میں پردہ بل پیش کیا، حرمتِ سود، مسئلہ کشمیر اور زراعت وغیرہ ملی مسائل پر تقاریر کیں۔ ہر قسم کے مصائب و آلام کی پرواہ کئے بغیر اسلام کا جھنڈا بلند رکھا۔ اسمبلی کے باہر حضرت محدث علی پوری اور پیر صاحب مانکی شریف کے ساتھ نظامِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نفاذ اور مقامِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے تحفظ کے لئے ملک گیر دورے کئے ؎۲

۱۹۵۲ء میں جب بنیادی اصولوں کی کمیٹی نے رپورٹ پیش کی (B.P.C. REPORT) اور صدرِ مملکت کے مسلمان قرار دئے جانے کے باوجود مسلمان کی تعریف نہ کی تو مولانا نیازی نے ایک جامع اور مکمل مسودۂ آئین خلافتِ پاکستان پیش کیا جو اس وقت کے انگریزی و اردو اخبارات میں شائع ہوا، دراصل مولانا کی زندگی میں یہی وہ انقلابی کارنامہ ہے جو آپ کو

؎۱ ضیائے حرم لاہور، اپریل ۱۹۷۳ء، ص ۲۲۔
؎۲ فیضانِ امیرِ ملت، مطبوعہ حیدرآباد دکن، ص ۸۵۔

دوسرے علماء وقائدین سے ممتاز کرتا ہے۔ تحریکِ خلافت پاکستان کے صدر کی حیثیت میں انہوں نے (۱) تحریکِ پاکستان کے تعارف کے بعد (۲) آئین کا تعارف اور نظریہ حق (۳) اسلامی نظریہ اور رائج الوقت نظریات میں فرق (۴) آئین سازی کے موٹے موٹے اصول (۵) آئینِ پاکستان کی خصوصیات (۶) قومیت، ریاست، حاکمیت، تشریع قوانین، رائے دہندگی، اقتدارِ اعلیٰ، ملکیت، علم وتحقیق، عدلیہ اور طبقہ واریت (۷) پاکستان کے جدید اسلامی دستور کا مسودہ، مقدمہ اور بنیادی اصول مع مثبت اصول (و) قطعیتِ فرامینِ کتاب، ختمیتِ احکامِ رسالت، توسلِ منہاجِ خلافت، اجماع، اطاعتِ فتویٰ وفیصلہ، تمسک میثاقِ بیعت (ب) تین منفی اصول امتناعِ فرعونیت، امتناعِ قارونیت، امتناعِ یزیدیت (د) بنیادی حقوق (ہ) تقسیم ملکی وانتظامی (و) شہریت (ملتی، سکونتی، حلیف، حربی) (ز) رائے دہندگی (ح) قیامِ سرکار (ط) بنیادی ایوانات خمسہ (ایوانِ سیاست، ایوانِ تشریعت، ایوانِ امانت، ایوانِ فضیلت اور ایوانِ عسکریت) (ی) ضمنی ایوانات (ایوانِ نسائیت، ایوانِ رفاقت) (ک) شتوق دفعاتِ آئین۔ (ل) عدالت (م) دیوانی و فوجداری قوانین (ن) سرکاری ملازمین (س) وفاق اور صوبہ جات کے باہمی روابط (ع) مسودہ آئین کی ابتدائی دفعات خمسہ کی تشریح۔[1]

اس مسودۂ آئین میں مولانا نے نیشنلیٹی (قومیت) کی اساس عقیدۂ خاتمیت پر رکھی تھی اور غیر مسلموں کے لئے ذیلی ایوان تجویز کیا تھا۔ گویا مولانا کا مسودۂ آئین بی پی سی رپورٹ پر زبردست تنقید تھی اور یہی تنقید بالآخر تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوت کی اساس بنی اور برکت علی اسلامیہ ہال میں آل مسلم پارٹیز کنونشن منعقد ہوا۔ اس کنونشن نے کراچی کے مرکزی کنونشن کے لئے مندوبین منتخب کیے۔ ۲۰، ۲۱ جنوری ۱۹۵۳ء کو کراچی میں مرکزی کنونشن منعقد ہوا جس میں مطالبات مرتب کیے گئے، ان سہ گانہ مطالبات (۱۔ وزیرِ خارجہ سر ظفر اللہ کو برخاست کیا جائے۔

---

[1] مسودہ آئین خلافت پاکستان از مولانا عبدالستار خاں نیازی، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۱ء

۲۔قادیانیوں کو کافر اقلیت قرار دیا جائے۔ ۳۔ انہیں کلیدی آسامیوں سے الگ کیا جائے) کو منوانے کے لئے راست اقدام کا فیصلہ کیا گیا۔ مرکزی قائدین مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری صدر مجلس عمل، مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا عبدالحامد بدایونی وغیرہم کو کراچی میں گرفتار کر لیا گیا، لاہور میں تحریک شروع ہو گئی، حکومت نے رضاکاروں کو منزلِ مقصود (کراچی) تک نہ پہنچنے دیا، اس طرح تحریک کو سخت دھچکا لگا، مرکزی قیادت گرفتار تھی، رضاکار منزلِ مقصود سے پہلے ٹرین سے اتار دئیے جاتے تھے، ہر طرف سے رکاوٹیں کھڑی کر دی گئی تھیں۔ ان ناساعد حالات میں مولانا نیازی نے تحریک کا جامع پروگرام مرتب کیا اور مرکزی قیادت سے رابطہ پیدا کر کے لاہور کو مرکز بنا کر یہیں سے گرفتاریاں پیش کرنا شروع کر دیں۔

تحریکِ ختمِ نبوت میں مولانا نے مثالی کردار ادا کیا۔ آپ نے ۳ مارچ ۱۹۵۲ء کو اپنا مرکزی دفتر مسجد وزیر خاں میں قائم کیا۔ ان کی کوشش یہ تھی کہ تحریک تشدد کی راہ اختیار نہ کرے مگر پولیس تشدد کے لئے تلی ہوئی تھی۔ ۴ مارچ کی صبح کو آپ نے سو سو کے تین جتھے مسجد وزیر خاں میں ترتیب دئیے، ان میں سے ایک جتھے کو ضلع کچہری، ایک کو سیکرٹریٹ اور ایک کو گورنر ہاؤس جانا تھا۔ آپ نے انہیں ہدایت کی تھی کہ پُر امن رہیں اور پولیس سے متصادم نہ ہوں، اگر پولیس راستہ میں حائل ہو تو راستہ بدل لیں، مگر گورنر ہاؤس جانے والے جتھے کو پولیس نے چوک دالگراں میں روک لیا، رضاکاروں نے راستہ مڑنے کی بجائے زمین پر لیٹ جانے کا فیصلہ کیا، پولیس نے بے تحاشا لاٹھیاں برسائیں، ایک نوجوان نے گلے میں حمائل شریف لٹکا رکھی تھی فردوس علی شاہ ڈی ایس پی نے اس نوجوان کو ایسی بری ٹھوکر ماری کہ حمائل شریف دور جا گری، نوجوان تڑپ کر حمائل شریف اٹھانے کو اٹھا تو ظالم ڈی ایس پی نے پورے زور سے ڈنڈے برسائے، مختصر یہ کہ اس جتھے سے کچھ لوگ گرفتار ہوئے اور کچھ واپس لوٹ آئے جبکہ دوسرے دونوں جلوس بخیریت منزلِ مقصود تک پہنچے۔

ان دنوں لاہور میں روزانہ دو جلسے ہوا کرتے تھے، ایک جلسہ نمازِ عصر سے پہلے دلی دروازہ کے باہر اور دوسرا بعد از نمازِ عشا مسجد وزیر خاں میں مولانا نیازی دونوں جلسوں میں خطاب کرتے تھے۔ ڈی ایس پی فردوس علی شاہ آپ کو گرفتار کرنے کے لئے آیا تو ایک رضاکار نے چھرا گھونپ کر کیفرِ کردار کو پہنچا دیا، حکومت نے مولانا کے خلاف قتل کا مقدمہ درج کر لیا۔

۶ر مارچ کو نمازِ جمعہ کے وقت خلیفہ شجاع الدین، بیگم سلمیٰ تصدق حسین اور بعض دوسرے اکابرِ شہر ایک وفد کی صورت میں گورنر پنجاب مسٹر چندریگر کا پیغام لائے کہ صوبائی حکومت تحریک کے مطالبات سے اتفاق کرتی ہے اور اس سلسلہ میں ایک وزیر اور ایک اعلیٰ افسر کو مرکزی حکومت سے بات چیت کرنے کے لئے کراچی بھیج دیا ہے نیز صوبائی حکومت قائدینِ تحریک سے بات چیت کرنے کیلئے تیار ہے۔

آپ نے ان تجاویز پر باہم مشورہ کیا اور منظوری کا فیصلہ دیا مگر ملحدوں اور بے دینوں کو یہ بات منظور نہ تھی، وہ علماء کو کچلنا چاہتے تھے اس لئے ادھر یہ بات چیت ہوئی اور ادھر وفد کے واپس لوٹتے ہی ایک سازش کے تحت مارشل لاء لگا دیا گیا۔ مارشل لاء کے نفاذ میں سب سے زیادہ ہاتھ وزیرِ داخلہ سکندر مرزا کا تھا۔ ۷ر اور ۸ر مارچ کو چار چار جتھے بھیجے گئے جو گرفتار ہو گئے۔

۹ر مارچ کو اسمبلی کا اجلاس شروع ہونا تھا، فیصلہ کیا گیا کہ نیازی صاحب ختمِ نبوت کے مسئلہ کو اسمبلی میں پیش کریں مگر ۹ر کی صبح کو ہی اجلاس ملتوی کر دینے کی اطلاع ملی اجلاس کے ملتوی ہونے کی خبر سنکر مولانا پاکپتن شریف تشریف لے گئے، ۲۰ر مارچ کی شام کو پاکپتن سے قصور پہنچ گئے یہاں سے انہیں اگلی صبح بذریعہ کار اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کے لئے پہنچنا تھا مگر مخبری ہونے پر ۲۳ر مارچ کو جب آپ نمازِ فجر کی تیاری کر رہے تھے، پولیس نے مکان میں داخل ہو کر مع آپ کے کارکن بشیر احمد مجاہد گرفتار کر لیا۔ گرفتاری کے بعد آپ کو شاہی قلعہ لاہور لیجایا گیا، ۲۳ر مارچ سے ۹ر اپریل تک ایس پی چوہدری محمد حسین آدھی رات تک پوچھ گچھ

لہ C. I. D

کرتے رہے، دو راتیں مسلسل جگائے رکھا اور مطلقاً سونے نہ دیا۔ آخر آپ پر فردوس شاہ کے قتل کی اعانت کے جرم اور باغیانہ تقاریر کرنے کی پاداش میں مقدماتِ قتل اور بغاوت چلائے گئے۔

فوجی عدالت نے مقدمہ قتل میں آپ کو باعزت طور پر بری کر دیا مگر مبینہ باغیانہ تقاریر پر موت کی سزا کا حکم سنایا۔ فوجی عدالت کے اس فیصلے پر عالمِ اسلام میں سخت اضطراب پیدا ہوا، اندرونِ ملک بھی زبردست احتجاج ہوا جس پر سزائے موت کو عمر قید میں تبدیل کر دیا گیا اور پھر ۲۹ راپریل ۱۹۵۵ء کو دو سال سے زیادہ عرصہ جیل کاٹ کر ضمانت پر رہا ہوئے۔ بعد ازاں آپ نے سزا کو خلافِ قانون ثابت کرنے کے لیے ہائی کورٹ میں دعویٰ دائر کر دیا۔ مئی ۱۹۵۳ء میں عدالت نے سزا کو خلافِ قانون قرار دے کر مولانا کو باعزت طور پر بری کر دیا۔ رہائی کے دو ماہ بعد شیرانوالہ گیٹ لاہور کی مسجد میں آپ نے پھر مسئلۂ ختمِ نبوت پر تقریر کی جس پر بنگال ریگولیشن کے تحت نظم و نسق میں فتور ڈالنے کے الزام میں پھر گرفتار کر لیے گئے اور ۲۶ رجولائی کو جسٹس ایم آر کیانی کے حکم سے رہا کر دیئے گئے۔[1]

ایوبی آمریت کے دور میں جب بڑے بڑے جغادری سیاستدان اور جمہوریت کا نام لے کر بلند بانگ دعوے کرنے والے قائدین گوشۂ خاموشی میں سمٹ کر بیٹھ چکے تھے تو مولانا نیازی نے مردانہ وار مقابلہ کیا اور ۲۳ رستمبر ۱۹۵۹ء کو سہ بارہ مقدمۂ بغاوت میں دھر لیے گئے لیکن مقدمہ جھوٹا ہونے کی بنا پر بری ہو گئے۔ گورنر ملک امیر محمد خاں نے آپ کو طرح طرح کے ظلم و ستم کا نشانہ بنایا، قاتلانہ حملے کرائے مگر آپ کے پائے استقلال میں ذرہ بھر بھی لغزش نہ آنے پائی، اللہ تعالےٰ نے اپنے حبیبِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے آپ کو ہر مرتبہ محفوظ رکھا۔ نواب کالاباغ نے آپ پر پہلا حملہ ۷ رستمبر ۱۹۶۲ء کو میکلوڈ روڈ پر کرایا پھر ۳۰ راکتوبر کو دوسرا حملہ کرایا لیکن آپ بال بال بچ گئے۔ ۱۶ رنومبر ۱۹۶۳ء کو آپ کے خلاف ڈاکہ زنی کا کیس بنا کر ساہیوال سے گرفتار کر لیا گیا، تھانہ سول لائن میں آپ پر بے تحاشا تشدد کیا گیا اور پچپن گھنٹے تک سونے نہ دیا گیا

[1] ترجمانِ اہلسنت کراچی، اگست ستمبر ۱۹۷۲ء، ختمِ نبوت نمبر ص ۸۱ تا ۹۰۔ ضیائے حرم لاہور، اپریل ۱۹۷۳ء، ص ۲۱ تا ۲۴۔ رضائے مصطفےٰ گوجرانوالہ، دسمبر ۱۹۷۲ء، ص ۱۹۔

اور اذیت پہنچائی جاتی رہی بالآخر کوئی جرم ثابت نہ ہونے کی وجہ سے ہائیکورٹ نے آپ کی رہائی کا حکم سنایا اور ۱۹۶۵ء میں یہ مقدمہ واپس لے لیا گیا۔ [1]

۱۹۶۴ء کے الیکشن میں ایوب خاں نے جس قدر دھاندلیاں کیں اور ملک امیر محمد خاں نے ظلم وستم کے بل بوتے پر جمہوریت کی مٹی پلید کی، وہ کسی بھی اہل نظر سے پوشیدہ نہیں ہے۔ قبل ازیں مولانا نیازی نے ۱۹۶۲ء میں ان مایوس کن حالات میں بھی حق وصداقت اور جمہوریت کی شمع روشن کی، میانوالی سے ملک امیر محمد خاں کے لڑکے ملک مظفر خاں کے مقابلہ میں قومی اسمبلی کا الیکشن لڑا مگر حکومتی امیدوار سازشوں، بدعنوانیوں اور دھاندلیوں کی بنا پر جیت گیا۔

اعلانِ تاشقند کے بعد مولانا نے ایوبی آمریت کے خلاف بڑے پیمانے پر تحریک چلائی جگہ جگہ جلسوں اور جلوسوں سے خطاب کیا اور آمریت کے بت کو پاش پاش کیا چنانچہ ۹ جولائی ۱۹۶۸ء کو مولانا ایبٹ آباد سے پھر گرفتار کر لئے گئے مگر قید وبند کی صعوبتیں مولانا کو احقاقِ حق سے باز نہ رکھ سکیں [2]

۱۹۷۰ء میں یحییٰ خاں کی مارشل لاء حکومت نے انتخابات کرائے تو جمعیت علماء پاکستان نے بے سروسامانی کے عالم میں حضرت خواجہ محمد قمرالدین سیالوی مدظلہ کی زیر قیادت الیکشن میں مردانہ وار حصہ لیا، مولانا نیازی بھی جمعیت کے ٹکٹ پر میانوالی سے قومی اسمبلی کے لئے کھڑے ہوئے لیکن سازشی عناصر کی سازشوں کی وجہ سے معمولی ووٹوں سے ناکام ہوئے۔ مارچ ۱۹۷۲ء میں آپ جمعیت علماء پاکستان پنجاب کے کنوینر مقرر کئے گئے [3]

کنوینر بننے کے بعد آپ نے پنجاب کا طوفانی دورہ کیا اور ہر شہر اور قصبہ میں جاکر جمعیت کی

---

[1] ہفت روزہ تعمیرِ وطن لاہور ۲۴ فروری تا ۹ مارچ ۱۹۷۳ء ص ۹ - ضیائے حرم لاہور اپریل ۱۹۷۳ء ص ۲۴ -

[2] ضیائے حرم اپریل ۱۹۷۳ء، ص ۲۴ -

[3] روزنامہ جنگ کراچی ۲۹ مارچ ۱۹۷۲ء ص ۱ - نوائے وقت لاہور ۲ نومبر ۱۹۷۳ء، ص ۴ -

شاخیں قائم کیں، ستمبر ۱۹۷۲ء میں ملتان میں جمعیت کا صوبائی کنونشن منعقد ہوا جس میں آپ کو متفقہ طور پر صوبہ پنجاب کا صدر بنا دیا گیا [1]

۵ نومبر ۱۹۷۲ء کو آپ تحفظ امن عامہ کے آرڈیننس کی دفعہ ۱۶ الف کے تحت گرفتار کر لیے گئے۔ الزام یہ تھا کہ انہوں نے اگست کے مہینے میں خانیوال میں قابلِ اعتراض تقریر کی ہے [2] آپ کی گرفتاری پر مختلف اخباروں نے اداریے لکھے، روزنامہ نوائے وقت لاہور اور روزنامہ جسارت کراچی کے اداریوں کے اقتباسات ملاحظہ ہوں :۔

"حضرت مولانا عبدالستار خاں نیازی کی گرفتاری کی خبر مجھے کل (اتوار) شام ملی تو مجھے اس پر کوئی تعجب نہ ہوا۔ اگر موجودہ حکومت برسرِ اقتدار آنے کے ایک سال کے اندر اندر مولانا کو پابجولاں نہ کرتی تو مجھے اپنے آپ سے یہ سوال کرنا پڑتا کہ آیا بھٹو کی حکومت واقعی اتنی اچھی ہے کہ وہ مولانا کو برداشت کر سکتی ہے یا کہ مولانا کے اپنے موقف میں اس قدر تبدیلی آ چکی ہے کہ اب حکومت کو انہیں گرفتار کرنے کی ضرورت کا احساس نہیں ہوا۔ الحمدللہ کہ مولانا عبدالستار خاں نیازی نے اپنے اس موقف میں کوئی تبدیلی نہیں پیدا کی کہ خلافت علیٰ منہاج النبوت کے بغیر نہ تو حکومت کوئی قابلِ قدر شے ہے اور نہ اس کے بغیر لوگوں کو چین سے بیٹھنا چاہیے۔ اس نے بھٹو کی حکومت نے سابقہ حکومتوں کی طرح مولانا کو گرفتار کر کے انہیں اپنے غیر جمہوری رویّے کا نشانہ بنایا۔

مولانا عبدالستار خاں نیازی نے اس صدی کی چوتھی دہائی میں سیاست

---

[1] روزنامہ مشرق لاہور ۲۲ ستمبر ۱۹۷۲ء، نوائے وقت لاہور ۶ نومبر ۱۹۷۲ء، ص ۴۔

[2] نوائے وقت لاہور، ۶ نومبر ۱۹۷۲ء۔

قدم رکھا۔ الحمدللہ! کہ ربع صدی گزر جانے کے بعد بھی ان کے پائے ثبات میں کبھی لغزش نہیں آئی۔ حضرت مولانا جمال الدین افغانی کی طرح مرد درویش ہیں انہوں نے اپنا ناطہ اسلام اور صرف اسلام سے باندھا ہے اور الحمدللہ کہ ہزاروں مصائب کے باوجود ان کی وفا شعاریوں میں کبھی کمی نہیں آئی، وہ ۱۹۴۶ء میں صوبائی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے، اگر وہ دنیا دار انسان ہوتے، اگر ان کا ایمان بکاؤ مال ہوتا تو وہ جب چاہتے وزارت کی گدی پر متمکن ہو سکتے تھے لیکن انہوں نے اپنے لئے سنگلاخ راستہ اختیار کیا، اس راہ میں قید اور پھانسی کے امتحانوں کا انہوں نے ہمیشہ خندہ پیشانی سے استقبال کیا ہے۔

مولانا عبدالستار خان نیازی کی عمر اس وقت ۵۵ سال سے متجاوز ہے، میں ان کا کالج کے زمانے سے نیازمند ہوں، ان کے ساتھ خلوت و جلوت میں ہفتے نہیں مہینے گزارے ہیں، مجھے یاد نہیں پڑتا کہ میں نے ان کی زبان سے کبھی کوئی فحش بات سنی ہو یا میں نے انہیں کسی غیر شرعی حرکت کا ارتکاب کرتے پایا ہو، وہ ایک ایسے مردِ مجاہد ہیں جن کی راتوں کا بیشتر حصہ نوافل گزاری میں گزرتا ہے، گزشتہ ہفتے کی رات کو جب پولیس ایک بجے ان کے مکان پر انہیں گرفتار کرنے آئی تو وہ نوافل ادا کرنے میں مصروف تھے۔

میں حکومت سے کہتا ہوں کہ ایک عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پابجولاں کر کے اس کی نیک نامی میں اضافہ نہیں ہوگا، اب جبکہ حکومت نے مولانا کو گرفتار کر لیا ہے میں حکومت سے ان کی رہائی کی اپیل نہیں کروں گا کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ یہ بات مولانا کو واقعی ناگوار گزرتی ہے۔"

(م ش کی ڈائری) [1]

روزنامہ جسارت کی رائے بھی ملاحظہ ہو :۔

" جمعیت علمائے پاکستان کے ممتاز رہنما مولانا عبدالستار خاں نیازی عید سے ایک روز قبل ضمانت پر رہا ہوئے اور گھر پر عید منانے سے قبل ہی اسی شب دوبارہ گرفتار کر لئے گئے۔ تازہ الزام یہ ہے کہ انہوں نے جمعتہ الوداع کے موقع پر وہاڑی میں قابلِ اعتراض تقریر کی تھی، اس سے قبل انہیں گزشتہ اتوار کو ضلع ملتان میں ۵ راگست کو قابلِ اعتراض تقریر کرنے کے الزام میں لاہور میں گرفتار کیا گیا تھا۔

مولانا عبدالستار خاں نیازی بنگلہ دیش تسلیم کرنے کے مخالف تھے جمعیت کے پارلیمانی رہنما مولانا شاہ احمد نورانی نے جیسے ہی یہ اعلان کیا کہ جمعیت بنگلہ دیش کی منظوری کے خلاف مہم چلائے گی ویسے ہی حکومت نے مولانا عبدالستار خاں نیازی کو گرفتار کر لیا تاکہ مہم نہ چل سکے۔

اس نوعیت کی کارروائی کی پیشینگوئی ہم ان ہی کالموں میں کر چکے ہیں، یہ ہوگا اور مزید ہوگا مگر اہلِ وطن! جیلیں بھر دیجئے اور حکومت کو بتا دیجئے کہ عوام کی مرضی کو اس نوعیت کی گرفتاریوں سے نہیں کچلا جا سکتا۔ ہم مولانا عبدالستار خاں نیازی کی رہائی کا کوئی مطالبہ نہیں کرتے بلکہ ہم مولانا نیازی اور جمعیت کو مبارک باد دیتے ہیں کہ "بنگلہ دیش نامنظور تحریک" کی پہلی گرفتاری کا شرف انہیں حاصل ہوا۔

اہلِ وطن یاد رکھئے مولانا عبدالستار نیازی پاکستان کے دیوانے اور

---

[1] روزنامہ نوائے وقت لاہور ۱۰ رنومبر ۱۹۷۲ء ص ۲۔

جانثار ہیں اور یحییٰ خاں عدلیہ کا قرار دیا ہوا غاصب اور اہل وطن آنکھیں کھول کر دیکھئے کہ پاکستان کے جانثاروں کو کس نے جیل میں ڈالا اور پاکستان کے غاصب و غدار کو جیل سے بچا کر کس نے بنگلے میں محفوظ کیا"۔[1]

۲۶، ۲۷ مئی ۱۹۷۳ء کو خانیوال ضلع ملتان میں جمعیت کا کل پاکستان کنونشن منعقد ہوا جس میں صوبائی مجالس شوریٰ، صوبائی مجلس منتظمہ، مرکزی مجلس شوریٰ اور مرکزی مجلس عاملہ کے علاوہ خصوصی دعوت پر مندوبین شامل ہوئے جن کی تعداد ڈیڑھ ہزار سے متجاوز تھی۔ اس کنونشن میں مولانا شاہ احمد نورانی کو صدر اور مولانا عبدالستار نیازی کو ناظم اعلیٰ (جنرل سیکریٹری) منتخب کیا گیا۔[2]

مرکزی ناظم اعلیٰ منتخب ہونے کے بعد مولانا نیازی نظام مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نفاذ اور مقام مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے تحفظ کے لئے دن رات کوشاں ہیں، ملک گیر دورے فرما کر جمعیت علماء پاکستان کی تنظیم کو مستحکم بنیادوں پر استوار کر رہے ہیں، دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ آپ کا سایہ تادیر اہلسنت پر قائم رکھے، آمین ثم آمین۔

۱۹۷۴ء میں دوبارہ تحریک ختم نبوت چلی تو آپ ایک بار پھر سربکف ہو کر میدان عمل میں اترے اپوزیشن کی تمام دینی و سیاسی جماعتوں پر مشتمل آل پاکستان مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کی تشکیل ہوئی آپ کو مرکزی نائب صدر منتخب کیا گیا۔ آپ نے ملک گیر دورے فرما کر قادیانی مکر و فریب کے جال کو تار تار کر کے مسلمانوں کے دلوں میں عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شمع روشن کی۔ اس سلسلہ میں آپ کو جن پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا، اخبارات کی فائلیں ان کی شاہد ہیں۔ آپ نے اپنی بیماری، بڑھاپے اور حکومت کی ستم رانیوں کی بالکل پروا نہ کی۔ یکم ستمبر کو بادشاہی مسجد لاہور

---

[1] روزنامہ جسارت کراچی ۱۲ر نومبر ۱۹۷۲ء بحوالہ ماہنامہ رضائے مصطفےٰ گوجرانوالہ دسمبر ۱۹۷۲ء، ص ۲۱، ۲۲۔

[2] روزنامہ نوائے ملت لاہور ۶ر نومبر ۱۹۷۳ء / ۲۸ مئی ۱۹۷۳ء، رضائے مصطفےٰ گوجرانوالہ جون ۱۹۷۳ء ص ۲۳۔

میں مجلس کے زیرِ اہتمام تاریخی جلسے سے خطاب کیا، بالآخر آپ کی کوششیں رنگ لائیں اور ۷ر ستمبر کو قادیانی غیر مسلم اقلیت قرار دے دیئے گئے [1]

۲۰ر دسمبر کو ورلڈ اسلامک مشن کی دعوت پر جمعیت علماءِ پاکستان کا ایک وفد مولانا شاہ احمد نورانی کی قیادت میں عالمی تبلیغی دورہ پر روانہ ہوا جس میں مولانا عبدالستار خاں نیازی اور قائدِ حزبِ اختلاف سندھ اسمبلی شاہ فرید الحق شامل تھے۔ فریضۂ حج کی ادائیگی کے بعد اس وفد نے کینیا، مشرقی افریقہ، ماریشس، آئرلینڈ، انگلستان، جنوبی امریکہ کی ریاستیں ریاستہائے متحدہ امریکہ، ہالینڈ اور دیگر بہت سے ممالک کا دورہ کیا اور قادیانیوں کے بے شمار مراکز بند ہوگئے۔ اس دورے کا کل سفر تقریباً ایک لاکھ میل بنتا ہے اور اس دورے میں چھ سو سے زائد اجتماعات سے خطاب کیا گیا۔ کئی ممالک کے ریڈیو اور ٹی وی سے بھی خطاب کا موقع فراہم ہوا۔ اس کے بعد عمرہ کر کے ۱۳ر اپریل ۱۹۷۵ء کو یہ وفد پاکستان واپس پہنچ گیا [2]

۲۴، ۲۵ر مئی کو ملتان میں جمعیت علمائے پاکستان کا ملک گیر کنونشن منعقد ہو۔ جس میں قائدِ اہلسنت مولانا شاہ احمد نورانی کو دوبارہ بلا مقابلہ صدر منتخب کیا گیا اور آپ جنرل سیکریٹری چنے گئے [3]

جون میں متحدہ جمہوری محاذ کے لاہور میں منعقدہ ملک گیر کنونشن کے مولانا نیازی کنوینر مقرر ہوئے لیکن آپ کنونشن سے قبل ہی ۱۲ر جون کو ساہیوال جیل میں نظر بند کر دیئے گئے [4]

---

[1] روزنامہ نوائے وقت لاہور ۴، ۵، ۱۰، ۱۵، ۱۷، ۲۲، ۲۸ر جون ۱۹۷۴ء، ۹، ۹، ۲۷ر جولائی، ۲۷ اگست، یکم ستمبر، ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء

[2] ایضاً: ۱۴ر اپریل، ۲۶ر اپریل ۱۹۷۵ء۔

[3] روزنامہ نوائے وقت، مشرق، مساوات لاہور ۲۶ر مئی ۱۹۷۵ء

[4] روزنامہ مساوات لاہور ۱۳ر جون ۱۹۷۵ء۔

۷ر اگست کو لاہور جیل سے باعزت طور پر بری کر دئے گئے [1]

مجاہد ملت مولانا عبدالستار خان نیازی کی زندگی کا بیشتر حصہ قید و بند ہی میں گزرا ہے لیکن آپ نے ہمیشہ جرأت و ہمت کا ثبوت دیا اور کبھی — جابر سلطان کے سامنے کلمۂ حق کہنے سے گریز نہیں کیا۔ آپ نے — اپنے آپ کو نظام مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے نفاذ اور مقام مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے تحفظ کے لئے —— وقف کر رکھا ہے۔ آپ کا یہ نعرۂ حق آپ کے کردار کا آئینہ دار ہے ؎

جیتا ہوں نگہبانیٔ اسلام کی خاطر
فاسق ہیں مری تلخ نوائی سے گلہ مند
ہر دور کے شدّاد مرے پاؤں کے نیچے
ساتھی ہیں مرے دینِ پیمبر کے جگر بند

---

[1] روزنامہ نوائے وقت، وفاق لاہور، ۸ر اگست ۱۹۷۵ء۔

مبلغِ اسلام مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی

مبلغِ اسلام مولانا شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ موجودہ صدی کے مبلغِ اسلام اور عظیم مفکر گزرے ہیں۔ آپ کی شبانہ روز کوششوں اور کاوشوں سے برِ اعظم فریقہ، اور یورپ میں شمعِ اسلام روشن ہوئی۔ ستر ہزار سے زائد غیر مسلم حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ آپ ۱۵ رمضان المبارک ۱۳۱۰ھ مطابق ۳ اپریل ۱۸۹۲ء میں مشہور و معروف عالم دین حضرت شاہ محمد عبدالحکیم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں میرٹھ میں پیدا ہوئے، یہی وہ میرٹھ ہے جہاں سے جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء کی ابتداء ہوئی تھی۔ [۱]

آپ ابتدائی کتب اپنے والدِ ماجد سے پڑھنے کے بعد دارالعلوم عربیہ قومیہ میں داخل ہو گئے۔ سولہ برس کی عمر میں درسِ نظامی کا امتحان اول پوزیشن میں پاس کر لیا۔ بعد ازاں علومِ جدیدہ کے حصول کے لیے اٹاوہ ہائی سکول میں میٹرک کرنے کے بعد ڈویژنل کالج میرٹھ میں داخلہ لیا اور ۱۹۱۷ء میں امتیازی حیثیت سے بی اے کیا۔ پھر میرٹھ کے مشہور و معروف حکیم احتشام الدین سے فنِ حکمت سیکھا۔ مختلف قوانین کی کتب کا مطالعہ بھی کیا۔ کالج کی تعطیلات کے دوران بریلی شریف حاضر ہو کر اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ سے علومِ اسلامیہ کے گوہر بھی لوٹتے رہے۔

۱۹۱۹ء میں زیارتِ حرمین شریفین کے لیے حجاز پہنچے اور واپسی پر اعلیٰحضرت قدس سرہ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی۔ اعلیٰ حضرت کے علاوہ آپ نے مولانا عبدالباری فرنگی محلی، شیخ احمد الشمس مغربی مقیم مدینہ منورہ، شیخ السنوسی (لیبیا) سے بھی علم حاصل کیا۔ اپنے بڑے بھائی

۱؎ ماہنامہ رضائے مصطفیٰ گوجرانوالہ جنوری ۱۹۷۲ء ص ۸ ۔ ہفت روزہ المدینہ کراچی ۱۴ فروری ۱۹۷۲ء

مولانا احمد مختار صدیقی سے بھی چاروں سلسلوں میں اجازت حاصل کی، اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے خرقہ خلافت پہنا کر بیرونی ممالک میں تبلیغ کے لئے جانے کا حکم دیا۔

آپ نے تقریباً ۳۵ برس (۱۹۱۹ تا ۱۹۵۴) یورپ، افریقہ اور امریکہ کے متعدد ملکوں میں تبلیغِ اسلام کی۔ ان ممالک کے گوشے گوشے میں مساجد، مکتب، کتب خانے، رسائل، ہسپتال، یتیم خانے اور تبلیغی مراکز قائم کئے۔ آپ کی کوششوں سے نامور وکلاء، فلاسفر، ڈاکٹر، سائنس دان اور کٹر دہریے مشرف بہ اسلام ہوئے۔

۷ راپریل ۱۹۳۵ء کو جنوبی افریقہ میں مشہور انگریز مفکر ڈاکٹر برناڈ شا سے "اسلام اور عیسائیت" کے موضوع پر مناظرہ کیا۔ دورانِ مناظرہ برناڈ شا پر آپ کی شخصیت کا رعب چھایا رہا اور اس نے قرآنِ پاک کی حقانیت کا اعتراف کر لیا۔ دنیا کا مسلم مفکر اپنے آپ کو حضرتِ صدیقی کے سامنے طفلِ مکتب محسوس کر رہا تھا۔ اس نے اقرار کیا کہ آئندہ سو سال بعد دنیا کا مذہب صرف اسلام ہی ہو گا۔ برناڈ شا سے آپ کی گفتگو پر مشتمل کتابچہ بزبان انگریزی A SHAVIAN AND A THEOLOGIAN، شائع کردہ اسلامک سنٹر بی بلاک، نارتھ ناظم آباد کراچی نمبر ۳۳۔ اب اس کا اردو ترجمہ بھی ماہنامہ ترجمانِ اہلسنت کراچی، بابت ماہ مارچ ۱۹۷۲ء میں شائع ہو چکا ہے۔

برناڈ شا نے آخر میں کہا:

"مجھے افسوس ہے کہ مجھے زیادہ دیر تک آپ سے گفتگو کا موقع نہ ملا"

آپ نے تحریکِ پاکستان میں جو خدمات انجام دیں وہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ تحریکِ پاکستان سے قبل آپ نے فلسطین، کشمیر اور دیگر مظلوم قوموں کی حمایت میں آواز بلند کی۔ تحریکِ پاکستان کے خلاف جب کانگریسی لیڈر حشرات الارض کی طرح بیرونی ممالک میں پھیل گئے تو آپ نے انگلینڈ اور مصر میں ان کانگریسی گماشتوں کو اپنی مدلل تقاریر سے ناکوں چنے چبوائے۔ ۱۹۴۶ء میں بنارس کی آل انڈیا سُنی کانفرنس میں شرکت فرما کر تحریکِ پاکستان کی ببانگ دہل حمایت فرمائی، ملک کے طول و عرض میں مسلم لیگ کا پیغام پہنچایا۔ علاوہ ازیں حج

کے موقع پر مسلم لیگ کی طرف سے متعدد عرب ممالک میں دورہ پر تشریف لے گئے اور نظریۂ پاکستان کی وضاحت کی جس کے نتیجے میں عرب علماء و عوام تحریکِ پاکستان کو صحیح طور پر سمجھنے لگے پاکستان بننے کے بعد حضرت قائدِ اعظم نے انہیں اسلامی ممالک میں پاکستان کا نمائندہ بنا کر بھیجا۔ دشمن آپ کو جادوگر اور دوست فرشتہ صفت کہا کرتے تھے۔ آپ نے تحریکِ خلافت میں بھی بھرپور حصہ لیا تھا۔

جیسا کہ اوپر درج کیا جا چکا ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں نے حصولِ آزادی کے لئے جب جدوجہد شروع کی تو آپ نے مختلف اسلامی ملکوں کا دورہ کیا۔ ہندوستانی مسلمانوں کے موقف کو مسلمانانِ عالم کے سامنے پیش کر کے حمایت حاصل کی۔ ہندوستانی مسلمان اپنی جدوجہد میں مصروف تھے، ان کے پاس بیرونی ممالک میں پروپیگنڈہ کرنے کے لئے کوئی مسلمان نہ تھا۔ ہندوؤں کے شدید غلط پروپیگنڈے کی بنا پر عالمِ اسلام کے مسلمان ہندی مسلمانوں کے خلاف تھے دنیا میں ہندوستان کی آزادی حاصل کرنے کو "دیوانے کا خواب" سمجھا جاتا تھا۔ آل انڈیا مسلم لیگ کو ہندوستان ہی میں اتنا کام تھا کہ وہ باہر توجہ ہی نہ دے سکتے تھے۔ دوسری طرف بہت سے نام نہاد علماء اور مشیخت کے دعویدار کانگریس کا ساتھ دے رہے تھے اور ہندوستانی مسلمانوں کے خون بہانے میں پوری طرح شریک تھے حتیٰ کہ بعض علماء کی تنظیموں نے کھل کر قیامِ پاکستان کی مخالفت کی۔ ایسی سنگین حالت میں مولانا عبدالعلیم صدیقی نے اپنے ہم مسلک دوسرے علماء کی طرح تحریکِ پاکستان کا پورا پورا ساتھ دیا۔ بیرونِ ملک مصر، فلسطین، شام، لبنان، اردن اور عراق کا سفر کیا۔ وہاں کے حکام سے ملے، عوامی جلسوں سے خطاب کیا، دانشوروں اور وکلاء کے سامنے تقریریں کیں، معززین کے اجتماعات میں تحریکِ آزادی کے لئے راہ ہموار کی جبکہ درونِ ملک حضرت امیرِ ملت، مولانا ابوالحسنات، صدرالافاضل مولانا عبدالحامد بدیونی اور دیگر علماء یہ محاذ پورے طور پر سنبھالے ہوئے تھے۔

۱۹۴۵ء میں ہندوستان میں زبردست فسادات ہوئے۔ آپ نے پنڈت نہرو سے

ملاقات کے دوران ہندوؤں کی طرف سے مسلمانوں پر ظلم و ستم کے خلاف سخت احتجاج کیا بمبئی اور مدراس میں تقریریں کر کے مسلمانوں کی ڈھارس بندھائی۔ ۱۹۴۶ء میں آل انڈیا مسلم لیگ نے آپ کی قیادت میں سہ رکنی وفد ابن سعود کے پاس بھیجا۔ آپ نے ۱۹۵۰ء میں پوری دنیا کا تبلیغی دورہ کیا۔ سنگاپور میں انٹرنیشنل آرگنائزیشن کی طرف سے آپ کو ہز اگزالٹیڈ ایمنینس کا خطاب دیا گیا۔ برما، ملائشیا، انڈونیشیا، تھائی لینڈ، ویت نام، چائنا، جاپان، فلپائن، سیلون، ماریشس، مڈغاسکر، جنوبی افریقہ، پرتگال، مشرقی افریقہ، کینیا، تنزانیہ، یوگنڈا، بلجیم، کانگو، حجاز، مصر، شام، فلسطین، عراق، فرانس، برطانیہ، جزائر غرائب الہند، گیانا، امریکہ اور کینیڈا وغیرہ میں تبلیغی دورے کئے۔ مدینہ طیبہ کے لوگ آپ کو الطبیب الہندی کے نام سے پکارتے تھے۔

آپ ایک بہترین خطیب ہونے کے ساتھ ساتھ عظیم ادیب بھی تھے۔ ذکرِ حبیب حصہ اول و دوم، کتاب التصوف، احکامِ رمضان اور بہارِ شباب ، اسلام کی ابتدائی تعلیمات، انسانی مسائل کا حل، اسلامی اصول، اشتراکیت کیا ہے؟ آپ کی یادگار تصانیف ہیں۔ انگریزی کتب میں QUEST FOR HAPPINESS کے نام سے جو کتاب لکھی ہے اس میں بتایا گیا ہے کہ انسان حقیقی خوشی کی تلاش میں کیوں سرگرداں رہتا ہے اور اس کے حصول کا صحیح ذریعہ کیا ہے؟ FORGOTTON PATH OF KNOWLEDGE میں مسلمانوں کی بدحالی کے اسباب پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ PRINCIPLES OF ISLAM میں اسلامی اصولوں پر روشنی ڈالی گئی ہے اور ثابت کیا گیا ہے کہ اسلامی اصول، اصولِ فطرت کے عین مطابق ہیں۔ آپ نے قادیانیوں کے خلاف ایک کتاب المرآۃ عربی میں لکھی تھی جس کا جواب قادیانی تاحال نہیں دے سکے۔

پاکستان سے آپ کو جو والہانہ محبت تھی اس کا اظہار آپ کی اس دعا سے ہوتا ہے جو آپ کی کتاب ذکرِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم حصہ دوم مطبوعہ کراچی، ص ۱، پر درج ہے:

"اے غلاموں کے سر پہ تاجِ عزت رکھنے والے! اے بے پناہوں کو

پناہ دینے والے! سُن لے، سُن لے! ہم بیکسوں، بے بسوں کی سُن لے! ہم سیہ کاروں کے سبب اپنے دین کو بدنام نہ ہونے دے! دین کی عزت رکھ لے! علَم کو سرنگوں نہ ہونے دے! ہمیں قوت دے، طاقت دے، عزت دے، حمیت دے، غیرت دے! برِصغیر ہند میں جو چھوٹی سی آزاد خود مختار پاکستانی حکومت تو نے محض اپنے فضل سے عطا فرمائی ہے اس کی حفاظت فرما! اسے قوی سے قوی تر بنا اور صحیح معنیٰ میں اسلامی دولت، اسلامی سلطنت اور الٰہی مملکت بنا! جہاں تیرا قانون، تیرے احکام جاری ہوں، تیرے دین کا علَم بلند ہو اور تیرے نام کا ابدالآباد تک بول بالا رہے۔ مولیٰ! مولیٰ! اے رحم و کرم والے مولیٰ! ہماری دعائیں قبول کر!"

۲۳ ذوالحجہ ۱۳۷۴ھ مطابق ۲۲ اگست ۱۹۵۴ء کو آپ نے مدینہ طیبہ میں وصال فرمایا اور جنت البقیع میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قدموں میں دفن ہوئے[1]

آپ کے بعد تبلیغی مشن کی ذمہ داری آپ کے لائق فرزند حضرت مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی مدظلہ نے سنبھالی جو اس وقت جمعیۃ علمائے پاکستان کے صدر، پارلیمانی لیڈر، متحدہ حزب اختلاف کی رابطہ کمیٹی کے چیئرمین اور سینیٹر ہیں۔ مولانا شاہ احمد نورانی اپنے والدِ گرامی کے نقشِ قدم پر اسمبلی کے اندر اور باہر نظامِ مصطفےٰ کے نفاذ اور مقامِ مصطفےٰ کے تحفظ کے لئے کوشاں ہیں۔

نوٹ: اس مضمون کی تیاری میں ماہنامہ رضائے مصطفےٰ گوجرانوالہ، ہفت روزہ المدینہ کراچی اور ماہنامہ ترجمانِ اہلسنت کراچی کے مختلف شماروں سے مدد لی گئی ہے۔

---

[1] شاہ احمد نورانی، از مولانا ابوداؤد محمد صادق مطبوعہ گوجرانوالہ

شیخ القرآن علامہ عبدالغفور ہزاروی

حضرت علامہ مولانا محمد عبدالغفور ہزاروی ضلع ہزارہ سے ایک دور افتادہ گاؤں موضع چمبہ میں ۹ ذوالحجہ ۱۳۲۷ھ مطابق یکم اپریل ۱۹۱۵ء بروز جمعۃ المبارک پیدا ہوئے۔[1] والد ماجد کا نام مولانا عبدالحمید تھا۔ آپ کا خاندان کئی پشتوں سے علم و فضل کا گہوارہ رہا ہے۔ آپ نے ابتدائی کتب والدِ ماجد سے پڑھیں اور انتہائی کتابیں پڑھنے کے لیے لاہور پہنچے مگر طبیعت سیر نہ ہوئی تو دیوبند کا عزم کیا۔ علمی شوق اس قدر غالب تھا کہ حصولِ تعلیم کے لیے پیدل دیوبند گئے مگر امتحان شروع ہونے کی بنا پر داخلہ نہ مل سکا۔

آپ نے ہمت نہ ہاری اور اسی شوق میں دہلی پہنچ گئے۔ وہاں مختلف مدارس میں تعلیم حاصل کرتے رہے۔ دورانِ تعلیم اکثر و بیشتر فاقہ کشی کی نوبت آتی رہی مگر ہمت و صبر میں ذرہ برابر فرق نہ آیا۔ ایک مرتبہ اچانک محدثِ پاکستان مولانا سردار احمد صاحب لائل پوری سے ملاقات ہوگئی انہوں نے آپ کو بریلی پڑھنے کا مشورہ دیا چنانچہ آپ نے بریلی شریف حاضر ہو کر حضرت حجۃ الاسلام شاہ محمد حامد رضا خاں خلفِ اکبر اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا۔ حضرت حجۃ الاسلام کو فنِ درس و تدریس میں مہارتِ تامہ حاصل تھی چنانچہ اُن کی خصوصی توجہ سے جلد ہی آپ نے تعلیم مکمل کر لی۔

فارغ التحصیل ہونے کے بعد بریلی شریف ہی میں مسندِ درس و تدریس پر فائز کر دیئے گئے۔ لیاقت کا یہ عالم تھا کہ آپ مشکل ترین مسائل کو بھی نہایت آسانی سے حل کر دیا کرتے تھے اسی بنا پر حضرت حجۃ الاسلام نے آپ کو "ابوالحقائق" کا خطاب بخشا۔ بریلی شریف میں کچھ عر

---

[1] [illegible] ۱۹۹۰ء، ص ۲۸۔

تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد آپ گجرات (پنجاب) میں حضرت محدث علی پوری کے خلیفۂ خاص آفتاب ولایت پیر ولایت شاہ کے مدرسہ خدام الصوفیہ میں مدرس مقرر ہو گئے[۱] اور ساتھ ہی ساتھ شیشیانوالہ گیٹ گجرات کی جامع مسجد میں خطابت کا آغاز کیا۔ ۱۹۳۵ء میں وزیر آباد تشریف لیگئے اور جامع مسجد نزد ریلوے اسٹیشن میں خطیب مقرر ہو گئے۔ اس وقت یہ مسجد انجمن اسلامیہ کے تحت تھی جس کے صدر راجہ عبداللہ خاں مرحوم (سابق سفیر برازیل، والد کرنل راجہ جمیل اللہ خاں ایم پی اے) تھے۔ چند سال تک انجمن کی ماتحتی میں کام کیا بعد ازاں غیور طبیعت نے اسے گوارا نہ کیا اور تا دمِ زیست آزادانہ طور پر خطابت کے فرائض سر انجام دیتے رہے۔

حضرت نے بچپن ہی میں حضرت قبلۂ عالم پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی سے بیعت کی تھی علاوہ ازیں حضرت سائیں گوہر دین صاحب جینڈھر شریف سے بھی فیض حاصل کیا تھا، یہاں سے بھی آپ کو اجازت و خلافت حاصل تھی۔ آپ فنافی الشیخ تھے۔ آپ کو آخری دم تک خانقاہ گولڑہ شریف سے والہانہ عقیدت رہی۔ مرشد کا چہرۂ اقدس ہر وقت ان کے سامنے رہتا تھا، جونہی کسی نے حضرت گولڑوی کا نام لیا، آپ دیوانہ وار جھومنے لگے۔ یہ منظر راقم الحروف نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔

حضرت شیخ القرآن ہمہ صفت موصوف بزرگ تھے۔ آپ بیک وقت عالم، فاضل، مولوی، صوفی، خطیب، مناظر، شاعر، مفسر، مدرس اور سیاستدان تھے۔ آپ کی تقریروں کے دوران لوگوں پر وجد طاری ہو جاتا تھا۔ برصغیر کے گوشے گوشے میں آپ کی جادو بیانی کا ڈنکا بجتا رہا۔ جس نے ایک مرتبہ تقریر سن لی، دوسری مرتبہ سننے کی آرزو ہی رہی۔ اوائل عمر سے چوٹی کے مناظر تھے بڑے بڑے صاحبِ جبہ و دستار علماء و فضلاء آپ کا نام سنکر کانپ اٹھتے تھے۔

۱۹۳۶ء میں آپ مسلم لیگ سے وابستہ ہو گئے اور پھر قیام پاکستان تک ہر طرح سے

---

[۱] روزنامہ جاوداں لاہور، ۲۸ ستمبر ۱۹۷۱ء، ص ۲۔
[۲] روزنامہ نوائے وقت لاہور، ۱۷ فروری ۱۹۷۴ء، ص ۴۔

اس کی معاونت فرماتے رہے، علاوہ ازیں تحریکِ شہید گنج، ختمِ نبوت، تحریکِ خلافت، تحریکِ نیلی پوش میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ مولانا ظفر علی خاں کی اتحادِ ملت پارٹی میں بھی شریک رہے اور پھر آپ نے اتحادِ ملت پارٹی کو مسلم لیگ میں مدغم کر دیا۔ مسلم لیگ کے لئے پشاور سے کلکتہ تک پیغامِ حق سنایا، جیلیں کاٹیں مگر پائے استقلال نہ ڈگمگایا، ہر تحریک میں رضائے الٰہی کے لئے حصہ لیا، کبھی بھی روپیہ پیسہ کا لالچ نہیں کیا۔

جن دنوں آپ اپنے شب و روز مسلم لیگ کے لئے وقف کئے ہوئے تھے ان دنوں وزیر آباد میں احرار پارٹی کا بہت زور تھا۔ اس کے سدِ باب کے لئے آپ نے حضرت قائدِ اعظم کو وزیر آباد میں مدعو کیا چنانچہ قائدِ اعظم تشریف لائے اور آپ کی مسجد سے ملحقہ وسیع و عریض گراؤنڈ میں ایک بہت بڑے اجتماع سے خطاب کیا۔ اس جلسہ کے بعد احراریوں میں سراسیمگی پھیل گئی اور ان کا زور ٹوٹ گیا۔

ایک مرتبہ ضلع سیالکوٹ کے ایک گاؤں میں احرار کا معرکۃ الآرا جلسہ ہو رہا تھا جس میں احراری مقررین اپنی لچھے دار تقریروں سے عوام کو نظریۂ پاکستان سے متنفر و برگشتہ کرنے کی پوری کوشش کر رہے تھے، دوسری طرف علماء اہلسنت نے اپنا اسٹیج لگا رکھا تھا۔ جب احراریوں کے اجتماع میں کچھ زیادہ ہی عوام کی کشش نظر آئی تو حضرت شیخ القرآن فوراً مائیک پر آئے اور ایسا فصیح و بلیغ خطبہ دیا کہ لوگ دھڑا دھڑ آپ کے پنڈال میں آنے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے مخالف حضرات کے جلسہ میں اُلّو بولنے لگے۔ یہ منظر دیکھ کر مولانا ظفر علی خاں وفورِ جذبات سے دیوانے ہو گئے اور فوراً فی البدیہہ ایک نظم پڑھی، چند شعر ملاحظہ ہوں ؎

میں آج سے مرید ہوں عبدالغفور کا | چشمہ ابل رہا ہے محمد کے نور کا
بندا اس کے سامنے ہے بخاری کا ناطقہ | کیا اس سے ہو مقابلہ اس بے شعور کا [1]

---

[1] روزنامہ نوائے وقت لاہور، ۳ر نومبر ۱۹۷۲ء، ص ۴، حضرت شیخ القرآن، ص ۳۶۔
[2] یہ ادغام آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ کلکتہ ۱۸ر۱۹ر اپریل ۱۹۳۸ء میں ہوا تھا اس پر قائدِ اعظم حد درجہ خوش ہوئے

۱۹۴۰ء میں جب منٹو پارک (اقبال پارک) لاہور میں قرارداد پاکستان منظور ہوئی تو اس وقت برصغیر کے ممتاز مسلم لیگی لیڈر تشریف فرما تھے۔ اہل سنت کی نمائندگی مولانا عبدالحامد بدایونی و حضرت شیخ القرآن کر رہے تھے۔ اول الذکر نے اس عظیم تاریخی اجتماع سے خطاب بھی کیا تھا حضرت شیخ القرآن، مولانا ظفر علی خاں سے پچھلی سیٹ پر تشریف فرما تھے۔ اس سے حضرت کے سیاسی مقام کا اندازہ بخوبی کیا جا سکتا ہے۔ [1]

جنوری ۱۹۴۷ء میں جب مسلم لیگیوں سے خائف ہو کر گورنر پنجاب مسٹر ڈگلس نے انہیں باغی قرار دے دیا تو مسلم لیگیوں کی دھڑا دھڑ گرفتاریاں عمل میں لائی گئیں۔ ضلع گوجرانوالہ میں تحریک پاکستان کے سلسلے میں گرفتاری کی سعادت سب سے پہلے حضرت شیخ القرآن ہی کے حصہ میں آئی۔ اس کے بعد دیگر کارکن مثلاً مولانا صابر حسین آف گوجرانوالہ، بشیر احمد خاں ایڈووکیٹ، سلیم چشتی، شیخ نسیم احمد ایڈووکیٹ اور کئی کارکن گرفتار ہوئے۔ حضرت شیخ القرآن نے زمانۂ اسیری (ڈسٹرکٹ جیل گوجرانوالہ میں) بڑی ہمت و پامردی اور خندہ پیشانی سے گزارا۔

این سعادت بزورِ بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

۱۹۴۶ء میں بنارس کی آل انڈیا سنی کانفرنس جو حضرت صدر الافاضل مرادآبادی و حضرت محدث کچھوچھوی کی مساعی سے ______ منعقد ہوئی۔ اس میں کم و بیش پانچ چھ ہزار علماء و مشائخ نے شرکت کی۔ دوسرے مقررین کے علاوہ حضرت نے بھی اس تیمثال تاریخی اجتماع سے خطاب کیا۔ آپ نے دورانِ تقریر حضرت محدث کچھوچھوی کے ان الفاظ کی بڑے زور تائید و حمایت کی کہ "پاکستان ایسا ملک ہوگا جس میں کسی خاندان یا کسی خاص شخصیت کی حکومت نہ ہوگی بلکہ اسلام کی حکومت ہوگی اور اسلامی اصولوں کی حکومت ہوگی جس میں کسی کا استحصال نہ ہوگا۔" [3]

[1] روزنامہ نوائے وقت لاہور، ۳۰ نومبر ۱۹۷۲ء، ص ۴۔ حضرت شیخ القرآن، ص ۳۷۔

[2] روزنامہ جاوداں لاہور، ۲۸ ستمبر ۱۹۷۱ء، ص ۲

[3] حضرت شیخ القرآن، طبع ۱۹۸۱ء، ص ۳۷

تحریکِ پاکستان کے دوران ایک مرتبہ مخالفینِ پاکستان نے آپ پر قاتلانہ حملہ بھی کرایا مگر بفضلِ خدا آپ بال بال بچ گئے۔ ہوا یوں کہ ایک دن آپ حسبِ معمول سیر کرتے ہوئے جی ٹی روڈ پہ نالہ پلکھو وزیرآباد کے ساتھ ساتھ مغرب کی طرف جا رہے تھے کہ ایک نامراد خنجر آبدار ہاتھ میں لئے آپ کو للکارنے لگا، جواباً آپ نے بھی کھیتوں سے مٹی کے ڈھیلے اٹھا کر اس کی طرف پھینکے۔ دریں اثناء نواحی گاؤں منسی پورہ کا ایک سکھ اُدھر آنکلا جس کو دیکھ کر وہ شخص بھاگ کھڑا ہوا ؎

فانوس بن کے جس کی حفاظت ہوا کرے
وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

تحریکِ آزادی ۱۹۴۷ء کے دوران کچھ ہندو جن کی فتنہ پردازیوں سے اہلِ وزیرآباد تنگ آئے ہوئے تھے، گوردوارہ وزیرآباد میں چھپ گئے تھے ان میں سے ایک ہندو نے ایک عورت پر گولی چلادی اور وہ وہیں ڈھیر ہوگئی۔ اس واقعہ سے مسلمانوں میں سخت اشتعال پیدا ہوا۔ حضرت نے اس موقع پر بھی عوام کی رہنمائی فرمائی اور ایک پُرجوش تقریر کرکے مسلمانوں کی غیرت کو جھنجوڑا۔ مسلمان!

ع ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

کے مصداق لڑنے مرنے کے لئے تیار ہوگئے چنانچہ آپ کی سرکردگی میں گوردوارہ کا محاصرہ کرلیا گیا ایک سو آٹھ کنستر مٹی کا تیل چھڑک کر آگ لگا دی گئی۔

دریں اثناء مجاہدِ اسلام حضرت امین الحسنات مانکی شریف نے بارہ رائفلیں بھی بھیج دیں، حضرت نے عام حملے کا حکم دیتے ہوئے سب سے پہلے فائر کیا، بس پھر ہر طرف سے گولیوں کی بوچھاڑ ہونے لگی، رات گیارہ بجے تک فائرنگ جاری رہی جس سے کوئی ہندو بھی زندہ نہ بچ سکا۔ اس طرح ہندوؤں کا زور ٹوٹ گیا اور ان کی فتنہ انگیزیاں ختم ہوگئیں، اس دن آپ کی تمام شلوار خون سے تر تھی لیکن افسوس کہ آج قوم ان کے کارناموں سے واقف نہیں ہے [1]

---

[1] حضرت شیخ القرآن، ص ۳۸۔

تقسیمِ ملک کے وقت آپ نے جو کارہائے نمایاں انجام دیئے ان کا تصور بھی ناممکن ہے صرف دو ایک واقعات پیش کرتا ہوں :

مہاجرین کی آمد پر آپ رات دن تحصیلدار اور مقامی تھانیدار کے ساتھ شہر کی گشت کرتے اور خالی مکانات مہاجرین میں تقسیم کرتے۔ آپ کے خلوص کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ نے لاکھوں روپے کا سامان مہاجرین ہی میں تقسیم کر دیا اور خود ایک پائی تک بھی حاصل نہ کی جبکہ بہت سے لوگوں نے اس وقت اپنی تجوریاں بھر لیں اور آج اسی لوٹ مار کے بل بوتے پر رئیس بنے بیٹھے ہیں، مگر آپ نے محض اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کے لئے سب کچھ کیا نہ کہ دنیاوی حرص و ہوا کی خاطر !

پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے کے بعد آپ نے سیاست کو خیرباد کہہ دیا اور اپنی تمام تر توجہ دینِ اسلام کی خدمت پر مرکوز کر دی۔ وزیر آباد میں "جامعہ نظامیہ غوثیہ" کے نام سے ایک عظیم الشان مدرسہ قائم کیا اور ہر سال رمضان المبارک میں دورہ قرآن پڑھانا شروع کر دیا، جس میں تمام ملک کے علماء شرکت کرتے۔ قیام و طعام کا سارا بندوبست حضرت ہی کے ذمے ہوتا تھا۔ آپ قرآنِ حکیم کے رموز و نکات بڑے احسن طریقے سے بیان فرماتے اور سامعین عش عش کرا تھتے۔ سچ تو یہ ہے کہ اب شاید ہی کوئی ایسا پڑھانے والا ملے۔ دورہ قرآن کے سلسلے میں آپ کی خدمات انمٹ ہیں، ہزاروں علماء نے آپ سے استفادہ کیا۔

۱۹۵۲ء میں جب تحریک ختم نبوت چلی تو آپ بھی کفن بردوش مجاہد علماء کے ساتھ میدان میں آگئے۔ جگہ جگہ تحریک کی کامیابی کے لئے تقریریں کیں چنانچہ مجاہد ملت مولانا عبدالحامد بدایونی، مولانا ابوالحسنات اور ضیغم اسلام مولانا عبدالستار خاں نیازی (حال جنرل سیکریٹری جمعیت علمائے پاکستان) کی طرح آپ کو بھی داخلِ زنداں کیا گیا اور چھ سات ماہ کا عرصہ آپ نے راولپنڈی جیل میں بڑے صبر و استقلال کے ساتھ گزارا۔ [1]

---

[1] حضرت شیخ القرآن، ص ۱۱، ماہنامہ ترجمانِ اہلسنت کراچی، اکتوبر ۱۹۷۳ء

قیامِ پاکستان کے بعد جب غزالیٔ دوراں علّامہ سید احمد سعید صاحب کاظمی سابق شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ بہاولپور کی کوششوں سے جمعیۃ علمائے پاکستان کی داغ بیل ڈالی گئی تو آپ کو مرکزی نائب صدر چنا گیا مگر آپ کی توجہ زیادہ تر تبلیغی خدمات کی طرف ہی مبذول رہی۔ جب ایوبی دور میں آمریت حد سے زیادہ تجاوز کر گئی اور جمعیۃ علمائے پاکستان کے بعض رہنماؤں[عہ] نے حکومت کی خوشنودی حاصل کرنے کی خاطر ہر جائز و ناجائز کی حمایت شروع کر دی تو غیور طبیعت نے برداشت نہ کیا اور آپ ایک بار پھر میدانِ عمل میں نکل آئے۔

آپ سچے عاشقِ رسول تھے اور دل میں حبِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، آپ نے نعتیہ اشعار بھی کہے ہیں۔ ہر سال ربیع الاول میں آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ بیکس پناہ میں ہدیۂ عقیدت پیش کرنے کے لئے جلسہ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم بڑی دھوم دھام سے مناتے تھے۔ ملک کے مشاہیر علماء و مشائخ اپنے مؤثر اور دلنواز بیانات سے حاضرین کے دلوں کو گرماتے اور عشقِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام دیتے۔ یہ مقدس محفل حضرت کی زندگی میں ہر سال منعقد ہوتی رہی۔ [1]

آپ شروع ہی سے صبح کے وقت سیر و تفریح کے عادی تھے۔ چنانچہ، رشعبان المعظم ۱۳۹۰ھ مطابق ۹ر اکتوبر ۱۹۷۰ء بروز جمعۃ المبارکہ حسبِ معمول آپ وزیر آباد کے نواحی نالہ پلکھو سے جی ٹی روڈ پر گزر رہے تھے کہ اچانک ایک تیز رفتار ٹرک کی زد میں آ گئے۔ ٹرک نے آپ کو پل کی آہنی سلاخوں میں دھکیل دیا جس سے آپ بری طرح زخمی ہو گئے۔ فوراً ہسپتال پہنچایا گیا۔ آپ کے زخمی ہونے کی خبر آناً فاناً پورے شہر میں پھیل گئی اور لوگ چیختے چلاتے ہسپتال کی طرف بھاگے، شہر میں مکمل ہڑتال کر دی گئی، ہسپتال میں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ ہر طرف لوگ اشکبار آنکھوں سے دست بہ دعا تھے۔ [2]

---

[1] حضرت شیخ القرآن، ص ۳۲۔

[2] ایضاً، ص ۲۳۹، روزنامہ نوائے وقت لاہور، ۳ر نومبر ۱۹۷۲ء، روزنامہ جاوداں لاہور (۲۸ر ستمبر ۱۹۷۱ء)

[عہ] یعنی صاحبزادہ فیض الحسن جو اب بھی ایک نام نہاد جمعیت علمائے پاکستان کے خودساختہ صدر کی حیثیت سے اپنی سابقہ روایات کا اعادہ کرتے رہتے ہیں (قصوری)

حضرت کا ضبط و تحمل دیکھیئے کہ زندگی کے آخری لمحات میں آنکھیں کھول کر فرمایا کہ " میں نے مجرم کو معاف کیا " اور پھر کلمہ طیبہ کا ورد کرتے ہوئے مالکِ حقیقی سے جا ملے، انا للہ وانا الیہ راجعون ، ؎

عمرہا در کعبہ و بتخانہ می نالد حیات
تا ز بزمِ عشق یک دانائے راز آید بروں

حضرت کی وفات کی خبر فوری طور پر پورے ملک میں پھیل گئی۔ دوسرے دن بارہ بجے تک وزیرآباد میں ہزاروں کی تعداد میں عقیدت مند پہنچ چکے تھے۔ حضرت مولانا محب النبی گولڑوی مدظلہ نے ہزاروں لوگوں کی آہوں اور سسکیوں میں نمازِ جنازہ پڑھائی اور حضرت قبلہ بابو خواجہ غلام محی الدین صاحب گولڑہ شریف رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت کے بڑے صاحبزادے مفتی عبدالشکور ہزاروی مدظلہ کی دستاربندی فرمائی اور آپ کو وزیرآباد کے قریب ہی آپ کی اپنی اراضی میں سپردِ خاک کر دیا گیا جہاں اب ایک عالیشان روضہ بن چکا ہے اور ہر سال ۷ شعبان المعظم کو بڑے تزک و احتشام سے آپ کا عرس منایا جاتا ہے۔

حضرت مولانا سید شریف احمد شرافت نوشاہی مدظلہ (ساہن پال شریف، گجرات) نے قطعہ تاریخِ وصال لکھا ؎

زہے ذاتِ ملّائے عبدالغفور
کہ روشن بُد از چہرہ اش لمعہ نور
زمعقول و منقول فردِ زماں
فیوضاتِ او مشتہر در جہاں
ہزاراں خلائق نمودہ ہجوم
شدہ فارغ از وے ز درسِ علوم
بہ علم و عمل کاملِ وقت بود
بہ توحید اہلِ وجود و شہود
ز دنیا رواں سوئے فردوس شد
ورا جملہ افلاک پابوس شد

شرافت بہ سالِ مسیحی منزور
بخوانی "کرم پیشہ عبدالغفور"
۱۹ ۷ ۰

حضرت شیخ القرآن کے وصال پر نوائے وقت نے یہ اداریہ لکھا :-

" جمعیت علمائے پاکستان کے ایک سابق صدر اور تحریک پاکستان کے ایک سرگرم کارکن مولانا عبدالغفور ہزاروی کی اچانک وفات ایک دردناک حادثہ ہے وہ علماء کے اس طبقے سے تعلق رکھتے تھے جو سیاسی شعور کی دولت سے بھی مالا مال ہے اور اپنے معتقدات اور نظریات کے مطابق ملکی مسائل اور قومی تحریکوں میں بھرپور حصہ لیتا ہے،

مولانا ہزاروی چونکہ طویل عرصہ تک مذہب وسیاست کے میدان میں سرگرم عمل رہے اس لئے لامحالہ طور پر ان کے حامی اور مخالف دونوں پائے جاتے تھے۔ انہوں نے گذشتہ سال کی تحریک جمہوریت میں نمایاں کردار ادا کیا اور ملک میں نمائندہ حکومت کے قیام کی جدوجہد میں پیش پیش رہے۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور ان کے پسماندگان کو صبر عطا فرمائے "

(روزنامہ نوائے وقت، لاہور : ۱۱ر اکتوبر ۱۹۷۰ء)

مولانا عبدالماجد بدایونی

مولانا عبدالماجد بدایونی رحمۃ اللہ علیہ ۱۴ شعبان المعظم ۱۳۰۴ھ/۲۸ اپریل ۱۸۸۷ء بروز جمعرات متولد ہوئے۔ والد گرامی کا نام نامی مولانا حکیم عبدالقیوم علیہ الرحمہ تھا، بچپن ہی میں والد ماجد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ جد امجد حضرت تاج الفحول محب رسول مولانا عبدالقادر بدایونی رحمۃ اللہ علیہ کے زیر سایہ تربیت پائی۔ حضرت مولانا شاہ عبدالمجید قادری مقتدری اور مولانا مفتی محمد ابراہیم قادری بدایونی سے ابتدائی کتب پڑھیں اور شاہ محب احمد بدایونی قدس سرہ سے تکمیل کر کے ۱۳۲۰ھ میں سند فراغت حاصل کی۔ ۲۲-۱۳۲۱ھ میں دہلی میں رہ کر حکیم غلام رضا خاں اور حکیم عبدالرشید سے علم طب حاصل کیا۔ ۱۳۲۲ھ میں حکیم غلام رضا خاں نے سند طب دی اور اس پر حکیم محمد اجمل خاں نے تصدیقی مہر ثبت کی[1]

آپ جادو بیان مقرر تھے۔ آپ کی تقریر سنکر بڑے بڑے مخالفین بھی گرویدہ ہو جاتے تھے۔ آپ کے چھوٹے بھائی مولانا عبدالحامد بدایونی رحمۃ اللہ علیہ بھی آپ کی طرح مشہور مقرر تھے تحریک آزادی اور انگریز دشمنی میں آپ نے نمایاں کردار ادا کیا۔ تحریک خلافت، مسجد کانپور، مجلس خدام کعبہ، فتنۂ ارتداد وغیرہ میں مذہب و ملت کی بھرپور خدمت کی۔ جب انگریزی حکومت نے پہلی جنگ عظیم کے بعد جشن صلح منانے کا اعلان کیا تو مولانا نے نہایت جسارت کے ساتھ اعلان فرمایا کہ جشن صلح دراصل صلح کا نہیں بلکہ ترکوں پر فتح پانے کی خوشی ہے، یہی نہیں بلکہ حکومت برطانیہ نے اپنے سابقہ عہد و مواعید کے باوجود مقامات مقدسہ پر ناجائز قبضہ کر رکھا ہے، ان حالات میں مسلمانوں کو اجتماع مذکور میں شریک ہونا حرام ہے۔

---

[1] تذکرہ علمائے اہلسنت از شاہ محمود احمد قادری، مطبوعہ کانپور (انڈیا) ۱۳۹۱ھ۔

یہ اعلان ہونا تھا کہ گرد و نواح میں ایک تہلکہ مچ گیا اور برطانوی حکومت کو مولانا سے سخت برخاش ہوگئی جو آخر تک باقی رہی ؎

تحریکِ خلافت کے بعد ترکِ موالات اور ہندو مسلم اتحاد کی ـــــ تحریک شروع ہوئی تو مولانا نہ صرف اس کے حامیوں بلکہ ممتاز رہنماؤں میں سے تھے اور مولانا عبدالباری فرنگی محلی اور علی برادران نیز دوسرے اکابرِ ملت کے دوش بدوش ہندوستان کے ایک کونے سے لیکر دوسرے کونے تک اس کی حمایت کی لیکن ۱۹۲۳ء میں شدھی اور سنگھٹن جیسی دل آزار تحریکوں کے معرضِ وجود میں آنے پر مجبورًا نام نہاد نیشنل تحریک کو خیرباد کہہ دیا۔ مسلم کش نہرو رپورٹ شائع ہونے کے بعد کانگرس سے بھی علیحدگی اختیار کر لی۔ آپ کے ساتھ علی برادران، مولانا عبدالحامد بدایونی، مولانا حسرت موہانی، مولانا قطب میاں، شاہ محمد سلیمان پھلواروی، مولانا مظہرالدین اور مولانا عنایت اللہ فرنگی محلی وغیرہم بھی شامل تھے۔ پھر جمعیۃ علمائے ہند کے مقابلے میں جمعیت علماءِ اسلام کلکتہ کی بنیاد رکھ کر اس کی توسیع و اشاعت میں لگے رہے اور تا زیست مجلسِ عاملہ کے رکن رہے ؎

آپ ۳ شعبان المعظم ۱۳۵۰ھ/۱۴ دسمبر ۱۹۳۱ء شبِ دوشنبہ ۳ بجے یا غفور یا رحمٰن کہتے ہوئے واصل بحق ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ شکیل بدایونی مرحوم کے والدِ ماجد مولانا جمیل احمد سوختہ نے یہ قطعۂ تاریخِ وفات کہا ؎

شیخِ کل حضرتِ عبدالماجد — مقتدر عالمِ دیں، نیک مزاج
یک بیک ہوگئے واصل بخدا — ہوگئی علم کی دنیا تاراج
رہبرِ دیں، شہِ دیں تھے حضور — آپ تھے ملتِ حق کے سرتاج
کہئے یہ آپ کی تاریخِ جمیل — گل ہوا ہائے چراغِ دین آج

ملہ ماہنامہ سرحد کراچی، جولائی ۱۹۷۴ء، ص ۲۲ (بتغیر قلیل)

سیّد علی احمد شاہ گیلانی کیتھلی

آپ ۱۸۹۸ء میں کیتھل شریف ضلع کرنال میں پیدا ہوئے۔

تحریکِ پاکستان میں آپ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور مسلم لیگ کی بھرپور حمایت کی۔ جب قائدِ اعظم نے قومیت کی بنا پر جداگانہ حکومت کا نظریہ منوانے میں کامیابی حاصل کی تو آپ نے بذریعہ تار مبارکباد بھیجی اور اس شاندار فتح پر مسرّت کا اظہار فرماتے ہوئے عامتہ المسلمین سے اپیل کی کہ وہ وطن کی آزادی کے لئے اپنا سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہو جائیں کیونکہ جب تک مسلمانوں میں رشتۂ محبت مستحکم نہیں ہوگا اس وقت تک بقائے دوام کی صورت پیدا نہ ہوگی۔ مجھے یقین ہے کہ قائدِ اعظم کی رہنمائی میں قوم کو بے پناہ توانائی حاصل ہوگی جس کی اشد ضرورت ہے۔ قومی اتحاد کی آرزو کا تقاضا بھی ہے کہ ہم دشمن کے عزائم کو سمجھیں اور ہندو ذہنیت کی ہر چال پر نظر رکھیں۔

۱۹۴۶ء کے انتخابات کے موقع پر نواب سجاد علی خاں آف کرنال اور نوابزادہ ولائت علی خاں (فرزندِ اکبر قائدِ ملت لیاقت علی خاں) قائدِ ملت کے فرمان پر قطب الاقطاب حضرت شاہ سکندر کیتھلی رحمۃ اللہ علیہ کے عرس مبارک پر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مسلم لیگ کی کامیابی کے لئے درخواست کی۔ اس سے قبل ۲ نومبر ۱۹۴۵ء کے نوائے وقت لاہور میں بھی مسلم لیگ کی حمایت میں آپ کا حسبِ ذیل بیان شائع ہوا تھا:۔

برادرانِ ملت!

السلام علیکم: آپ کو معلوم ہے کہ موجودہ نازک دور میں ملتِ اسلامیہ کی شیرازہ بندی کس قدر اہم ہے اور تمام برادرانِ اسلام کا اخوتِ اسلامی کی بناپر اتفاق اور اتحاد کے ساتھ ایک جھنڈے تلے جمع ہونا کس قدر ضروری ہے

آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ اسلامی شیرازہ کو منتشر کرنے کے لیے کتنی مخالف قوتیں کام کر رہی ہیں، آپ جانتے ہیں کہ قومی اور ملّی حقوق کی حفاظت کے لئے ایک منظم اور قوی جماعت مسلم لیگ ہے جس کا نصب العین ہندوستان میں ایک آزاد اسلامی حکومت قائم کرنا ہے جس کا نام پاکستان ہے جو اسلامی علوم و فنون، تمدن، معاشرت اور اسلامی، دینی و دنیوی حقوق کی محافظ ہو گی، اسلامی اصولوں پر چلائی جائے گی اور مسلمانوں کے قلوب میں ایک اسلامی روح پھونک کر قوم کو زندہ و تابندہ کرے گی۔ بس ہوشیار اور بیدار ہو جائیں، شب و روز اپنی تحریروں، تقریروں اور دعاؤں سے، محبت اور اخلاص سے مسلم لیگ کو مضبوط بنائیں اور اس کی آواز پر لبیک کہیں، اس کی امداد کریں اور پاکستانی حکومت قائم کرنے کا پختہ ارادہ اپنے دل میں کر لیں، اللہ تعالےٰ آپ کی امداد فرمائے اور کامیابی نصیب کرے، آمین۔" [1]

قیامِ پاکستان کے بعد ہجرت فرما کر ڈیرہ غازی خان تشریف لے آئے اور ۲۱ ر دسمبر ۱۹۶۲ء کو وہیں وصال فرمایا، مزارِ مقدس دربارِ قادریہ کے نام سے مرجعِ خلائق ہے۔

تاریخِ وصال یہ ہے:

"جلیل المراتب مرشدِ کامل"

۱۳ھ ۸۲

---

[1] تذکرہ کریمیہ از پروفیسر کرم شاہ قادری مجددی، سابق پروفیسر اسلامیہ کالج ملتان، ماہنامہ گنج بخش لاہور، مئی ۱۹۵۶ء۔ (مطبوعہ ملتان ۱۹۸۶ء)

حضرت میاں علی محمّد خاں

حضرت الحاج میاں علی محمد خاں رحمۃ اللہ علیہ ۱۲۹۹ھ/۸۱-۱۸۸۰ء میں بمقام بسی عمر خاں منصل ہریانہ ضلع ہوشیار پور، حضرت محمد عمر خاں (المتوفی ۱۳۳۵ھ) کے ہاں پیدا ہوئے۔ اپنے نانا حضرت میاں محمد خاں المعروف بہ میاں محمد شاہ چشتی فخری نظامی کی زیرِ نگرانی درسِ نظامی، طب اور فنونِ سپہ گری کی تربیت حاصل کی اور نانا جان سے بیعت کر کے اجازت و خلافت سے مشرف ہوئے۔

۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء میں حضرت خواجہ میاں محمد شاہ نے وصال فرمایا تو مسندِ سجادگی آپ کے سپرد ہوئی اور سچ تو یہ ہے کہ انہوں نے جانشینی کا حق ادا کر دیا اور اپنے روحانی فیضان سے لاکھوں انسانوں کو مستفیض فرمایا۔ ملک الشعراء مولانا غلام قادر گرامی نے آپ سے متعلق کیا خوب کہا ہے؎

محرمِ نکتۂ خفی و جلی جانشینِ محمد است علی
آفتاب آفتاب است دلیل درخورِ مسندِ دلی است ولی

تحریکِ پاکستان میں آپ نے بے پناہ کام کیا لیکن نام و نمود کی خواہش نہ تھی لہٰذا اخبارات میں بیان دینا پسند نہ فرماتے تھے۔ اس سلسلے میں حضرت کے مرید باصفا اور راقم الحروف کے استادِ گرامی حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ کے ذریعہ چند واقعات معلوم ہوئے جو درجِ ذیل ہیں:۔

"حضرت میاں صاحب قبلہ خاموشی سے کام کرنے کے عادی تھے۔ اخبارات میں بیان وغیرہ چھپوانے کو ناپسند فرماتے لہٰذا تحریکِ پاکستان میں اپنے نمائندوں کے ذریعے اپنے مریدین کو تحریکِ پاکستان کی مکمل حمایت کے احکام بھیجتے رہے۔ حضرت پیر صاحب مانکی شریف ۱۹۴۵ء میں حضرت گنجشکر رحمۃ اللہ علیہ کے عرس پر حاضر ہو کر مشائخِ کرام سے علماء و تحریکِ پاکستان کی کامیابی کے لئے مشورے کر رہے تھے۔ حضرت پیر صاحب مانکی شریف نے حضرت میاں صاحب سے بھی ملاقات زبانی اور تقریباً

ایک گھنٹہ سے زائد عرصہ تک یہ دونوں بزرگ آپس میں باتیں کرتے رہے۔ اس کے کچھ عرصہ بعد پیر صاحب مانکی شریف کا ایک معتمد نمائندہ بستی لو پہنچا اور علیحدگی میں بات کرکے فوراً روانہ ہو گیا۔ گفتگو کیا ہوئی؟ اس کا کسی کو علم نہیں، انتخابات بالکل قریب آ گئے تو عقیدتمندوں اور تحریک کے قائدین نے اصرار کیا کہ آپ ایک بیان دیں کہ ووٹ مسلم لیگ کو دیئے جائیں، چنانچہ حضرت میاں صاحب کا وہ بیان روزنامہ نوائے وقت لاہور میں چھپا تھا۔ مختصر یہ کہ میاں صاحب نے اپنے اصول کے مطابق تحریکِ پاکستان کی پُرزور مدد فرمائی۔ میں اپنی ذاتی معلومات کی بنا پر پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ امرتسر کے حلقۂ دیہات (تحصیل امرتسر) سے چوہدری نصراللہ خاں صاحب محض حضرت صاحب قبلہ کی وجہ سے منتخب ہوئے اور ہوشیارپور سے منتخب ہونے والے ہریانہ کے رانا نصراللہ خاں صاحب تو ان کے مخلص عقیدتمند تھے۔ لدھیانہ سے حضرت کے ایک تعلقدار یونی نسٹ پارٹی کی طرف سے کھڑے ہو گئے اور انہوں نے ہر چند کوشش کی کہ میاں صاحب حمایت فرمائیں مگر ایسا نہ ہوا اور مسلم لیگی امیدوار بھاری اکثریت سے کامیاب ہو گیا[1]

انبالہ سے پنجاب اسمبلی کے منتخب ہونے والے خواجہ غلام صمد انبالوی مرحوم و مغفور بھی آپ کے مخلصین اور معتقدین میں سے تھے۔"

جناب غلام صمد کی خدمات بجائے خود بڑی وقیع ہیں جن کا تذکرہ کتاب کے دوسرے حصے میں آئے گا۔

گوناگوں مصروفیات کے باوجود آپ نے تین علمی رسائل بھی لکھے جو آپ کے تبحرِ علمی کی منہ بولتی تصویر ہیں :-

---

[1] ہفت روزہ الہام بہاولپور ۱۲ر فروری ۱۹۷۵ء (مشائخ نمبر) ص ۳۱۔ [2] روزنامہ وفاق لاہور ۱۶ر مارچ ۱۹۷۵ء، ص ۲۔

۱۔ راہِ فردا (فارسی)

۲۔ میلاد نامہ ملقب بہ شرح آن و نقلم

۳۔ مکتوب در مسئلۂ وحدۃ الوجود و الشہود

علاوہ ازیں بعض مخطوطات عربیہ کی تصحیح بھی کروائی۔

تقسیمِ ملک کے بعد آپ لاہور تشریف لے آئے، ڈیڑھ دو ماہ بعد پاکپتن شریف تشریف لے گئے اور پھر وہیں کے ہو کے رہ گئے۔

آپ کی نرینہ اولاد نہ تھی۔ صرف دو صاحبزادیاں تھیں جو صاحبِ اولاد ہیں۔ ایک صاحبزادی سے صاحبزادہ میاں تنویر احمد خاں صاحب ہیں اور دوسری کے دو صاحبزادے ہیں جناب میاں محمود احمد خاں اور جناب الحاج میاں مسعود احمد خاں ایم اے۔

۲۸ جنوری ۱۹۷۵ء / ۱۵ محرم الحرام ۱۳۹۵ھ بروز منگل بوقتِ مغرب آپ نے لاہور میں وصال فرمایا اور درگاہ حضرت گنج شکر قدس سرہ میں دفن ہوئے۔ استاذی حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ نے تاریخ وصال کہی:

آہ گل ہوا چراغ چشت	سلطانِ کشورِ طریقت
۱۹۷۵ء	۱۳۹۵ھ

حضرت سید شریف احمد شرافت نوشاہی مدظلہ نے طویل قطعۂ تاریخ لکھا جس میں سے چند اشعار درج ذیل ہیں ؎

ظہیرِ دین و فخرِ فخریاں بود — علیِ بامحمد خان مشہور
درخشاں آفتابِ ملکِ وحدت — کہ در اقطارِ عالم بود مذکور
بسجادہ نشینی شہرۂ او — لبی بود از ظہورش جلوۂ طور
زبانش کاشفِ علمِ شریعت — دلش ز اسرارِ عرفاں بود معمور
طریقت ہم حقیقت زینِ حالش — ز نصرِ حق ھما بود منصور

خدا رحمت کند بر جانِ پاکش — بشربِ آبِ کوثر باد مخمور

شرافت جست سالِ ارتحالش

خرد گفتا "ولیِ پاک مغفور" [۱]

۱۳ ۹۵

اہلِ سنت کے عظیم الشان دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور ضلع ساہیوال میں فقیہِ اعظم مولانا الحاج ابو الخیر محمد نور اللہ نعیمی مدظلہ (مہتمم و شیخ الحدیث) نے چالیس دن تک بیسیوں علماء و حفاظ سے آپ کے ایصالِ ثواب کے لئے قرآن خوانی کرائی۔

جناب میاں محمد شفیع (م ش) نے حضرت میاں صاحب کی رحلت پر نوائے وقت کے اپنے خصوصی کالم "لاہور کی ڈائری" میں ان الفاظ میں خراجِ عقیدت پیش کیا ہے :-

"حضرت میاں علی محمد صاحب بستی شریف جن کا اگلے روز لاہور میں ۹۰ سال کی عمر میں وصال ہوا اور جن کی پاک پتن شریف میں تجہیز و تکفین عمل میں لائی گئی، لاکھوں انسانوں کے مرشد اور رہبر تھے، انہوں نے اپنی تمام زندگی سلسلہ چشتیہ نظامیہ کی خدمت کے لئے وقف کئے رکھی اور بزرگانِ چشت کی کتابیں اپنے خرچ سے چھپوا کر لاکھوں کی تعداد میں مفت تقسیم کیں۔ وہ عابد شب زندہ دار تھے اور ان کی زندگی کا ایک ایک لحظہ یا تو لاہور میں داتا صاحب کے قدموں میں بسر ہوتا تھا یا پاکپتن شریف میں پنجاب میں سلسلۂ چشتیہ کے مورثِ اعلیٰ حضرت بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے آستانہ پر گزرتا تھا، حضرت کی کوئی نرینہ اولاد نہیں تھی، ان کی جدی جائداد کی آمدنی کا کثیر حصہ خدمتِ خلق کے لئے وقف تھا، ان کو ایک نظر دیکھ لینے سے انسان کو

[۱] ماہنامہ ضیائے حرم، لاہور : اپریل ۱۹۷۵ء و اعجاز التواریخ، ص ۵۸

خدا یاد آجاتا تھا۔ ایسے عظیم روحانی انسان کا انتقال اہلِ دل لوگوں کیلئے ایک بہت بڑا حادثہ ہے۔ اللہ تعالےٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنے انتہائی رحم سے حضرت میاں علی محمد رحمۃ اللہ علیہ کے روحانی درجات عرشِ بریں پر بلند فرمادیں اور ان کے روحانی فیوض کو تاابد جاری فرمادیں۔ آمین ثم آمین" [1]

علامہ محمد حسین عرشی نے آپ کے وصال پر یہ قطعۂ تاریخ کہا ؎

آں پیر علی محمد ما — رخ از نظرِ زمانہ بنہفت
ہاتف در سالِ رحلتِ او — "مخفی شد صاحبِ کرم" گفت

۱۳۹۵ھ

دیگر

جمالِ کوکبِ اسلامیاں بود — ز دنیا رفت و در فردوس آسود
چو سالِ فوتش از ہاتف بجستم — "دریغا کوکبِ اسلام" فرمود

۱۳۹۵ھ

---

[1] روزنامہ نوائے وقت لاہور: ۲ فروری ۱۹۷۵ء ص ۸

میاں غلام اللہ ثانی لاثانی شرقپوری

حضرت ثانی لاثانی میاں غلام اللہ صاحب ۱۸۹۱ء میں شرقپور شریف ضلع شیخوپورہ میں پیدا ہوئے۔ آپ حضرت میاں شیر محمد صاحب شرقپوری قدس سرہ العزیز کے چھوٹے بھائی تھے۔ چار پانچ سال کی عمر میں والد گرامی حضرت میاں عزیز الدین کا انتقال ہو گیا تو حضرت میاں شیر محمد صاحب نے آپ کی تربیت اپنے ذمہ لے لی ۱۹۰۶ء میں حضرت ثانی صاحب نے مڈل پاس کیا اور پھر میٹرک کرنے کے بعد حکیم حاذق کا امتحان طبیہ کالج لاہور سے پاس کیا۔

سولہ سال کی عمر میں آپ کی شادی کر دی گئی۔ ایک سال تک طبابت کی لیکن حضرت میاں صاحب نے اسے پسند نہ کیا۔ پھر میونسپل کمیٹی میں بطور سیکرٹری ملازم ہو گئے مگر میاں صاحب نے اس سے بھی منع فرما دیا۔

حضرت میاں صاحب قدس سرہ کو آپ کا ہر وقت خیال رہتا تھا۔ ایک مرتبہ عرس مبارک پر حکیم بابا اکرم خاں صاحب (جو حضرت خواجہ امیر الدین نور اللہ مرقدہ کے بھتیجے تھے اور اس وقت عارفوالہ میں مقیم ہیں) نے عرض کی کہ آپ کے بعد آپ کی مسند کون سنبھالے گا؟ تو حضرت میاں صاحب نے فرمایا "غلام اللہ جو ہے وہی مسند کو سنبھالے گا" اس پر حکیم صاحب نے کہا کہ وہ تو اس طرف آتے نہیں! میاں صاحب نے جوش میں آکر فرمایا "اسی کو دونگا، گوڈا مار کر دونگا"، یعنی اس کے حوالے کرونگا۔ اس کے بعد حضرت میاں صاحب نے ثانی صاحب پر خصوصی توجہ فرمائی اور ترقی درجات سے نوازا، پھر آپ کو خلافت و اجازت سے نوازا۔ وفات کے وقت حاجی عبدالرحمٰن صاحب سے فرمایا کہ ہمارا قلمدان کون استعمال کرے گا؟ پھر خود ہی فرمایا ہمارا بھائی استعمال کرے گا! پھر فرمایا کہ ہماری جگہ جمعہ کون پڑھائے گا؟ پھر خود ہی ارشاد فرمایا کہ ہمارا بھائی پڑھائے گا! پھر ارشاد ہوا کہ ہماری جگہ کون بیٹھے گا؟ خود ہی جواب دیا کہ ہمارا بھائی بیٹھے گا!"

حضرت ثانی صاحب کو اشاعتِ دین کا بے حد شوق تھا چنانچہ ۱۹۴۴ء میں جامعہ میاں صاحب کی بنیاد رکھی۔ حضرت میاں صاحب نے جو کچی مساجد تعمیر کرائی تھیں ان سب کو پختہ کرایا۔ تین مرتبہ حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی۔ تمام زندگی حضرت میاں صاحب کے نقشِ قدم پر چل کر گزاری اور صحیح معنوں میں میاں صاحب کا ثانی بن کر دکھایا۔[1]

تحریک پاکستان شروع ہوئی تو دیگر مشائخِ اہل سنت کی طرح آپ نے بھی سر دھڑ کی بازی لگا کر تحریک کا ہر طرح سے ساتھ دیا۔ آپ کے صاحبزادے حضرت میاں جمیل احمد صاحب شرقپوری راوی ہیں کہ :

"شرقپور شریف کے علاقہ میں یونینسٹوں کا زور تھا، ان کے خوف کی وجہ سے مسلم لیگ کے کارکن ادھر کا رُخ نہیں کرتے تھے چنانچہ شرقپور شریف میں مسلم لیگ کا سب سے پہلا جلسہ حضرت ثانی صاحب ہی نے کرایا تھا۔ آپ نے ایک شخص کو جلسہ کے لئے جگہ دینے کو کہا تو وہ یونینسٹوں کے ڈر سے انکار کرنے لگا۔ آپ نے اسے فرمایا کہ ڈرو نہیں، زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ یونینسٹ تمہیں شہید کر دیں گے، اگر تمہیں شہید کر دیا گیا تو اس سے بڑھ کر تمہاری خوش بختی کیا ہوگی؟ چنانچہ وہ جگہ دینے پر رضامند ہو گیا اور مسلم لیگ کا جلسہ نہایت تزک و احتشام سے منعقد ہوا اور یونینسٹوں کا زور ٹوٹ گیا اور مسلم لیگ کی مقبولیت عام ہو گئی۔ اس جلسہ کا تمام خرچ بمعہ خورد و نوش حضرت ثانی صاحب ہی نے برداشت کیا تھا اس کے بعد مسلم لیگ کا ہر جلسہ حضرت ہی کی صدارت میں ہوتا رہا اور تا قیام پاکستان حضرت ہر طرح سے مسلم لیگ کی حمایت کرتے رہے"[2]

---

[1] شجرہ طیبہ مطبوعہ لاہور ۱۹۷۲ء، ص ۱۰۵۔

[2] یہ باتیں میاں جمیل احمد صاحب مدظلہ نے ۹ ستمبر ۱۹۷۲ء کو مکرمی حکیم محمد موسیٰ صاحب کے مطب پر بتائیں۔ (قصوری)

وفات سے پندرہ بیس برس پہلے ہی حضرت ثانی نے خوراک بہت کم کر دی تھی بلکہ ایک وقت کھانا کھاتے تھے۔ زیادہ تر وقت زہد و عبادت میں گزرتا تھا۔ شریعت کی پابندی میں پوری احتیاط برتتے تھے۔ تیس برس تک حضرت میاں صاحب قبلہ کی سجادگی اور خلافت کی ذمہ داریاں انجام دیکر ۷ ربیع الاول ۱۳۷۷ھ/۲ اکتوبر ۱۹۵۷ء بروز بدھ بوقت ۳ بجے بعد دوپہر ۷۶ برس کی عمر پاکر داعئ اجل کو لبیک کہہ گئے ، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کو حضرت میاں صاحب کے پہلو میں سپردِ خاک کیا گیا۔ اس وقت حضرت میاں غلام احمد اور میاں جمیل احمد صاحب شرقپوری آپ کی یادگار ہیں۔

مولانا میر غلام بھیک نیرنگ انبالوی

حضرت مولانا غلام بھیک نیرنگ ۷۶-۱۸۷۵ء میں موضع دورانہ ضلع انبالہ میں پیدا ہوئے پرورش نہایت دیندارانہ ماحول میں ہوئی۔ ذرا ہوش سنبھالنے پر سکول داخل کروا دیئے گئے "ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات" کے مصداق آپ بہت جلد اپنی خداداد ذہانت کی بدولت سکول میں ہر ایک کی نگاہِ محبت کا مرکز اور استادوں کی آنکھ کا تارا بن گئے سکول میں آپ کی شرافت، ذہانت اور قابلیت کا سکہ بیٹھ گیا۔ ۱۸۹۰ء میں انبالہ میں میٹرک کا امتحان اول پوزیشن میں پاس کیا آپ کی اس نمایاں کامیابی نے اہلِ خاندان کو باور کرادیا کہ یہ بچہ مستقبل کا بہت بڑا انسان ہوگا چنانچہ مزید تعلیم کے لیے گورنمنٹ کالج لاہور میں داخل کرا دیئے گئے۔

اسی سال حکیم الامت علامہ اقبال بھی مرے کالج سیالکوٹ سے آکر یہاں تھرڈ ایئر میں داخل ہوئے۔ سر فضل حسین، میاں عبدالعزیز فلک پیما، بخشی سر ٹیک چند اور مرزا اعجاز حسین اعجاز دہلوی بھی یہیں زیرِ تعلیم تھے۔ نیرنگ کا ان سب حضرات سے تعلقات کا سلسلہ شروع ہوا۔ اقبال سے بھی تعلقات کی ابتدا یہیں سے ہوئی۔

گورنمنٹ کالج لاہور سے بی اے کا امتحان اعلیٰ پوزیشن میں پاس کرنے کے بعد وکالت کا امتحان پاس کیا اور پھر انبالہ میں پریکٹس شروع کر دی۔ حکومت نے آپ کی محنت، ذہانت اور قابلیت کو دیکھ کر سرکاری وکیل کا عہدہ پیش کیا چنانچہ آپ چند سال تک بحیثیت سرکاری وکیل فرائض سرانجام دیتے رہے مگر غیور طبیعت نے زیادہ دیر تک یہ پابندیاں برداشت نہ کیں اور استعفےٰ دیکر آپ نے پھر پریکٹس شروع کر دی [1]

---

[1] چند یادیں چند تاثرات، از ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی، مطبوعہ لاہور ۱۹۶۹ء

نیرنگ شاعر بھی تھے اور نواب مرزا داغ دہلوی سے شرفِ تلمذ حاصل تھا۔ اقبال بھی آپ کی شاعری سے بہت متاثر تھے چنانچہ اقبال نے ایک دفعہ آپ کی خدمت میں اپنا نمونہ کلام ارسال کیا تھا ؎

بر سرِ زینت جو شمعِ محفلِ جانانہ ہے | شانہ اس کی زلفِ پیچاں کا پرِ پروانہ ہے
پائے ساقی پر گرایا، جب گرایا ہے مجھے | چال سے خالی کہاں یہ لغزشِ مستانہ ہے

جواباً آپ نے جو نمونہ کلام حضرت حکیم الامت کی خدمت میں ارسال کیا تھا اس کا ایک شعر ملاحظہ ہو ؎

حرم کو جانا جنابِ زاہد یہ ساری ظاہر پرستیاں ہیں
میں اسکی رندی کو مانتا ہوں جو کام لے دَیر سے حرم کا

حضرتِ نیرنگ کا یوں تو بہت سا کلام ہے مگر ہمیں صرف ایک غزل ہی دستیاب ہو سکی ہے جو پیشِ خدمت ہے ؎

اب ہجومِ غم و کلفت ہے خدا خیر کرے | جان پر نت نئی آفت ہے خدا خیر کرے
جائے ماندن ہمیں حاصل ہے نہ پائے رفتن | کچھ مصیبت سی مصیبت ہے خدا خیر کرے
آچلا اس بتِ عیّار کی باتوں کا یقین | سادگی اپنی قیامت ہے خدا خیر کرے
دل گیا جانے دو، کافر کی ہے ایماں پہ نظر | آنکھ میں اپنی مروّت ہے خدا خیر کرے۔
ابھی تشخیصِ مرض میں ہے طبیبوں کو کلام | جاں اِدھر دَرپئے رخصت ہے خدا خیر کرے
رہنماؤں کو پتہ خود بھی نہیں رستے کا | راہرو پیکرِ حیرت ہے خدا خیر کرے

مولانا نیرنگ کو حکیم الامت اقبال سے بہت محبت تھی، اکثر و بیشتر اقبال کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، چنانچہ ۱۹۰۵ء میں جب اعلیٰ تعلیم کے لئے اقبال انگلستان گئے تو نیرنگ نے انبالے سے دلّی تک علامہ کی مشایعت کی۔ خواجہ حسن نظامی، ملّا واحدی دہلوی اور نیرنگ کی موجودگی میں اقبال نے "التجائے مسافر" کے عنوان سے ایک نظم حضرت سلطان المشائخ

خواجہ نظام الدین اولیاء دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار شریف پر پڑھی۔

اقبال کا عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایک مسلّم چیز ہے، نیرنگ نے بھی عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی چاشنی بارگاہِ اقبال سے حاصل کی۔ نیرنگ اقبال کے عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق رقمطراز ہیں :

"اقبال کا قلبی تعلق حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات قدسی صفات سے اس قدر زیادہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آتے ہی انکی حالت دگرگوں ہو جاتی ...... چونکہ میں بارہا ان کی یہ کیفیت دیکھ چکا تھا اس لئے میں نے ان کے سامنے تو نہیں کہا مگر خاص لوگوں سے بطور راز ضرور کہا کہ اگر یہ حضور کے مرقد پاک پر حاضر ہوں گے تو زندہ واپس نہیں آئیں گے، وہیں جاں بحق ہو جائیں گے۔" [1]

۱۹۰۸ء میں جب اقبال یورپ سے واپس تشریف لائے تو نیرنگ کی اقبال سے پہلی ملاقات کا حال خود نیرنگ ہی کی زبانی سنیئے :

"یورپ سے ان کی واپسی کے بعد ان سے میری پہلی ملاقات لاہور میں ہوئی، محرم کی تعطیل تھی، میں انہیں سے ملنے کی غرض سے لاہور گیا تھا۔ انہوں نے اپنے قیام کے لئے چنگڑ محلہ میں مکان لیا تھا۔ میں دن کے وقت لاہور پہنچا اور سیدھا ان کے ہاں گیا، ملازموں نے میری پذیرائی کی مگر معلوم ہوا کہ اقبال کہیں گھومنے گئے ہیں۔ میں نے کہا خدا کا شکر ہے کہ اقبال نے بھی گھر سے نکلنا سیکھا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ آئے تو میں نے دیکھا کہ وہ نہایت نستعلیق سوٹ پہنے ہوئے ہیں۔ میں نے دوسرا شکر ادا کیا کہ اقبال نے

---

[1] مجلہ اقبال ماہ اکتوبر، ۱۹۵۰ء، ص ۳۰ بحوالہ ماہنامہ ضیائے حرم لاہور، سیرت النبی نمبر، مئی ۱۹۷۳ء، ص ۱۸۳۔

لباس پہننا سیکھا (اس سے پہلے وہ لباس کے بارے میں صرف سادہ ہی نہیں بلکہ لاپروا تھے) خیر گلے ملے، مزاج پرسی ہوئی، اس کے بعد سوٹ اُتر گیا، وہی ہمیشہ کا تہبند بندھ گیا، وہی بنیان بدن پر رہ گیا، وہی کمبل شانوں پر سوار ہو گیا، ہم نفس (حقہ) حاضر ہو گیا۔ میں اور اقبال پہلے کی طرح فرش پر بیٹھ گئے، دنیا بھر کی باتیں چھڑ گئیں اور ہوتی رہیں، میرے قیام کے تین دن اسی ہیئت کذائی میں گزر گئے، کہاں اقبال اور کہاں گھر سے نکلنا اور کس کا سوٹ، یورپ ہو آئے، دماغ گوناگوں فضائلِ علمی سے مالا مال کر لائے، سینے کو طرح طرح کی امنگوں اور آرزوؤں سے بھر لائے مگر رندی اور قلندری میں فرق نہ آیا۔ تین دن کی شبانہ روز صحبت کے بعد رخصت ہو کر انبالے چلا آیا۔" [1]

نیرنگ کو ادب سے بھی خاصی دلچسپی تھی۔ ۱۹۰۱ء میں جب شیخ سر عبدالقادر نے رسالہ مخزن جاری کیا تو اس میں نیرنگ لکھنے والوں میں سرِ فہرست تھے۔ آپ کے مضامین نہایت شستہ، زوردار اور پُراثر ہوا کرتے تھے، چنانچہ آپ جلد ہی ادبی دنیا میں جانے پہچانے گئے۔ ۱۹۰۴ء میں جب شیخ سر عبدالقادر بیرسٹری کرنے کے لئے انگلستان گئے تو مخزن کی تمام تر ذمہ داری نیرنگ نے سنبھال لی اور شیخ صاحب کی واپسی تک پرچے میں کسی قسم کی کمی نہ آنے دی بلکہ اس کا حلقۂ خریداری بہت وسیع ہو گیا۔

آپ ادبی تحریکوں اور جلسوں میں بھی برابر حصہ لیتے رہتے تھے۔ ۱۹۰۳ء میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس منعقدہ دہلی میں جو سر آغا خاں کی زیرِ صدارت ہوا، دیگر مسلم اکابر راجہ صاحب محمود آباد، مولانا محمد علی جوہر، سر شیخ عبدالقادر، حکیم اجمل خاں، مولوی نذیر احمد

---

[1] چند یادیں چند تاثرات۔

دہلوی، خواجہ غلام الثقلین، مولانا ظفر علی خاں، بابائے اردو مولوی عبدالحق، شبلی نعمانی وغیرہ کے ساتھ نیرنگ نے بھی نمایاں حصہ لیا[1]

وکالت، شاعری اور ادبی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ مذہبی، قومی اور سیاسی تحریکوں میں بھی نمایاں حصہ لیا۔ مذہب و ملت کا بہت زیادہ درد رکھتے تھے۔ ۱۹۲۳-۲۴ء میں جب شدھی تحریک آگرہ، متھرا اور بھرت پور وغیرہ میں شروع ہوئی تو مولانا نیرنگ نے اس میں نمایاں کردار ادا کیا، چنانچہ یہ تحریک صفحۂ ہستی سے مٹ گئی۔ آپ نے انبالہ میں انجمن دعوت تبلیغ اسلام قائم کر کے مبلغین کی ایک بڑی جماعت تیار کی۔

انجمن حمایت اسلام لاہور کے تاریخی جلسوں میں ملک کے مشاہیر شریک ہو کر لوگوں کے دلوں کو گرمایا کرتے تھے، ان مشاہیر میں حضرت محدث علی پوری و پیر سید ظہور الحسن بٹالوی جیسے اہل دل مشائخ و اصفیاء کے علاوہ حالی، آزاد، اقبال، مرزا ارشد گورگانی اور آغا حشر کاشمیری جیسے جادو اثر کلام سنانے والے شعراء بھی شامل ہوتے تھے چنانچہ مولانا نیرنگ بھی ان جلسوں میں تشریف لا کر اپنی شعلہ نوائیوں سے حاضرین کو تڑپاتے، رُلاتے اور ہنساتے تھے۔ آپ کی نظموں کو بھی ان جلسوں میں نہایت غور اور خصوصیت سے سنا جاتا تھا۔

گوناگوں مصروفیتوں کے باوجود آپ نے سیاست میں بھی حصہ لیا اور ہمیشہ مسلمانوں کے حقوق کی خاطر لڑتے رہے۔ جب جمعیۃ علمائے ہند کی بنیاد پڑی تو اس سے وابستہ ہو گئے مگر نہرو رپورٹ کے مسئلہ پر جمعیۃ نے کانگرس کا ساتھ دیا تو آپ بھی مولانا محمد علی جوہر، شاہ محمد سلیمان پھلواروی، شاہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی (والد گرامی مولانا شاہ احمد نورانی مدظلہ) اور دیگر اکابر کے ساتھ جمعیۃ سے مستعفی ہو گئے اور مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔ انبالہ میں مسلم لیگ کا قیام آپ ہی کی وجہ سے ہوا۔ مسلم لیگ کی کامیابی کے لئے ہر طرح کی سعی کی۔ متحدہ ہندوستان کی لیجسلیٹو اسمبلی کے ممبر بھی منتخب ہوئے۔

۱۹۳۸ء میں قائد اعظم نے مرکزی اسمبلی میں مسلم لیگ پارٹی قائم کی تو نیرنگ اس کے ڈپٹی لیڈر بنے جبکہ

[1] چند محسن چند دوست، از سید الطاف علی بریلوی، مطبوعہ کراچی ۱۹۶۹ء ص ۱۲۳-۱۲۴

خود قائدِ اعظم لیڈر تھے۔ اس طرح آپ نے قائدِ اعظم کے قریب رہ کر کام کیا اور قائدِ اعظم آپ کی کارگزاریوں سے بہت متأثر ہوئے۔ اس زمانے میں آپ نے ایک مسودۂ قانون پیش کیا جسے عرفِ عام میں "شریعت بل" کہا جاتا ہے۔ اس بل کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں میں وراثت اسلامی اصولوں کے مطابق تقسیم ہونی چاہیے۔

تحریکِ پاکستان شروع ہونے پر جا بجا دورے کر کے عوام کو نظریۂ پاکستان سے آگاہ کیا۔ قیامِ پاکستان کے بعد پاکستان آ گئے اور مجلس دستور ساز کے قیام پر اس کے رکن بنے۔ اسمبلی کے اندر اور باہر ملی مفادات کے لئے کوشاں رہے۔

آخر ۱۶ اکتوبر ۱۹۵۲ء کو لاہور میں انتقال فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ کو میانی صاحب کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔

آپ کا مجموعۂ کلام کلامِ نیرنگ اور غبارِ افق آپ کی یادگار ہے۔ [1]

آپ شیخ المشائخ حضرت سید علی حسین شاہ اشرفی کچھوچھوی سے بیعت تھے [2] اور ان کا مجموعۂ کلام تحائفِ اشرفی آپ ہی نے مرتب کر کے طبع کرایا تھا۔ اس مجموعہ کو دیکھنے سے نیرنگ کی اپنے پیر و مرشد سے عقیدت عیاں ہوتی ہے۔ حضرتِ اشرفی علیہ الرحمۃ نے آپ کو اجازت و خلافت سے بھی نوازا تھا۔

---

[1] نقوش لاہور نمبر

[2] اولیائے چشت لاہور، مطبوعہ لاہور ۱۹۶۸ء، ص ۱۴۲

خواجہ حافظ غلام سدید الدّین تونسوی

آپ کا اسم گرامی غلام سدید الدین اور تخلص رضا تھا۔ والدِ گرامی کا اسم مبارک خواجہ محمد حامد بن خواجہ محمد موسیٰ بن خواجہ اللہ بخش تونسوی ہے۔ آپ ۸ رمضان المبارک ۱۳۲۷ھ / ۱۹۰۹ء بروز جمعہ اپنے نانا نواب نظام الدین والیٔ ریاست ممدوٹ کے ہاں جلال آباد ضلع فیروز پور (انڈیا) میں متولد ہوئے۔ قاری عبدالحکیم ملتانی سے حفظِ قرآن کے بعد شیخ غلام رسول صاحب شیخ الجامعہ سلیمانیہ سے درسِ نظامی کی تکمیل کی۔ الشیخ الفاضل کی دستاربندی اپنے والد حضرت خواجہ محمد حامد رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ اقدس سے ہوئی۔ بعد ازاں جامعہ ازہر (مصر) سے نصاب منگوا کر تکمیلِ امتحان کے بعد سند حاصل کی۔ پھر اپنے والدِ ماجد سے بیعت ہوگئے۔ پھر اپنے والدِ گرامی ہی کے حکم سے حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مزارِ اقدس پر عرصہ تک مجاہدات، چلہ کشی اور ریاضتیں کرکے تزکیۂ نفس کرتے رہے اور اپنے شیخ سے اجازت و خلافت حاصل کی۔[1]

۱۳۵۰ھ میں والدِ گرامی کی وفات کے بعد مسندِ سجادگی پر متمکن ہوئے۔ آپ نے تحریک پاکستان میں فعّال کردار ادا کیا۔ ۱۹۴۵ء میں مسلم لیگ کے باقاعدہ رکن بنے۔ کسی عہدہ کی لالچ کے بغیر شب و روز مسلم لیگ کے لئے کام کرنے میں ہمہ تن مصروف رہے۔ اپنے ماموں زاد بھائی نواب افتخار حسین ممدوٹ، حضرت دیوان آلِ رسول سجادہ نشین اجمیر شریف، حضرت خواجہ محمد قمر الدین سیالوی مدظلہ اور حضرت پیر مانکی شریف کے شانہ بشانہ تحریک پاکستان میں ایک مجاہد کی حیثیت سے حصہ لیا[2] اور صوبہ سرحد میں ریفرنڈم کے دوران دورے کرکے اہم کردار ادا کیا۔[3]

---

[1] آئینۂ دوئیت مطبوعہ لاہور، ۱۳۹۳ھ، ص ۹۹

[2] مکتوب گرامی خواجہ محمد یوسف تونسوی برادر سجادہ نشین حضرت خواجہ بنام راقم مورخہ ۲۵ فروری ۱۹۷۶ء ... ص ...

[3] مکتوب گرامی بنجم آفتاب احمد قریشی محررہ ۹ مارچ ۱۹۷۶ء

۱۹۴۶ء کے ضمنی الیکشن میں سردار عطا محمد خاں بزدار کو مسلم لیگ کے ٹکٹ پر بلامقابلہ منتخب کروا کر خضر وزارت کے تابوت میں آخری کیل ٹھونکی۔ خضر وزارت میں آپ کو مختلف پریشانیوں اور تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑا مگر آپ ملک و ملت کی خاطر خندہ پیشانی سے یہ سب کچھ برداشت کرتے رہے کئی ہندو والیانِ ریاست اور مسلمان جاگیردار آپ کے مرید تھے۔ اجمیر شریف میں آپ کی ذاتی جاگیر بھی تھی مگر حصولِ آزادی کی خاطر آپ نے کسی چیز کی پروا نہ کی اور اپنے مقصد سے ایک حقیقی مسلمان کی طرح وابستہ رہے۔ ؎۱

پاکستان کے ممتاز صحافی اور تحریکِ پاکستان کے عظیم مجاہد میاں محمد شفیع (م۔ش) تحریکِ پاکستان کے سلسلے میں آپ کو یوں خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں :۔

"یہ ایک عجیب حقیقت ہے کہ جب اس صدی کی پانچویں دہائی میں برِصغیر میں معرکۂ حق و باطل بپا ہوا اور مسلمانوں نے مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے اسلام کی سربلندی کے لئے حقِ خود ارادیت کا علم بلند کیا تو پنجاب کے جن مشائخ نے تن من دھن سے قائدِ اعظم کا ساتھ دیا ان میں تونسہ شریف (خواجہ سدیدالدین صاحب) سیال شریف (خواجہ قمرالدین صاحب مدظلہٗ) جلال پور شریف (پیر فضل شاہ صاحب) اور گولڑہ شریف (خواجہ سید غلام محی الدین شاہ صاحب) پیش پیش تھے۔ انہوں نے اپنے لاکھوں مریدوں کو عام انتخابات کے موقع پر یونی نسٹ پارٹی کے مقابلے میں مسلم لیگ کے امیدواروں کو کامیاب بنانے کی اپیل کی" ؎۲

تحریکِ پاکستان کے دوران اور بعد میں آپ کے برادرِ خورد (حال سجادہ نشین) خواجہ

؎۱ ایضاً۔

؎۲ روزنامہ نوائے وقت لاہور (لاہور کی ڈائری) مورخہ ۲۶ جون ۱۹۷۴ء، ص ۲۔

محمد یوسف صاحب مدظلہ آپ کے ساتھ مسلم لیگ کی تائید و حمایت میں برابر کے شریک رہے[1] آپ نے تحریکِ آزادیٔ کشمیر میں بھی حصہ لیا اور نجم الہند کا خطاب حاصل کیا۔ قائدِ اعظم کی رحلت کے بعد جب مسلم لیگ اپنے نظریات سے منحرف ہوگئی تو آپ ۱۹۵۰ء میں جناح عوامی مسلم لیگ میں شامل ہوگئے اور عام انتخابات میں ڈیرہ غازی خاں سے پنجاب اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ پھر قیامِ وحدت مغربی پاکستان کے بعد دوبارہ رکن اسمبلی منتخب ہوئے۔ اس دوران میں آپ نے لادینی سیاست کے خلاف جہاد جاری رکھا اور پاکستان میں اسلامی اقدار کے تحفظ او احیاء کے لئے مسلسل کام کیا اور اپنے علاقہ کی ترقی کے لئے کوشش کرتے رہے۔

آپ بہت بڑے عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور محبِ اہلِ بیت تھے۔ اعلائے کلمۃ الحق ان کی رگ و پے میں سمایا ہوا تھا۔ شرعی احکام و امور میں کسی مصلحت کے قائل نہ تھے۔ ایک دفعہ عرس حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکر کے موقع پر سردار عبدالرب نشتر گورنر پنجاب سے نماز کے وقت میں اختلاف کرتے ہوئے ٹھیک وقت پر علیحدہ جماعت کروائی[2] آپ نے چند ایک کتابیں بھی تحریر فرمائیں جو شائع نہ ہوسکیں۔

آپ ۱۳ شوال المکرم ۱۳۷۹ھ / ۱۰ اپریل ۱۹۶۰ء بروز یکشنبہ گیارہ بجے دن دورانِ سفر رحلت فرما گئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حضرت شاہ محمد سلیمان تونسوی کے گنبدِ مزار کے اندر اپنے جدِ امجد حضرت خواجہ اللہ بخش کے پہلو میں سپردِ خاک کر دیے گئے[3]

حضرت حافظ صاحب علیہ الرحمۃ کے حالات ان کے برادر اصغر خواجہ محمد یوسف صاحب پیر سلیمانی مدظلہ، نے بہم پہنچائے جس کے لئے ہم ان کے شکر گزار ہیں

---

[1] ڈیرہ غازیخاں کی شخصیات حصہ دوم، مطبوعہ ملتان ۱۹۰۳ء، ص ،

[2] آئینۂ ولایت، مطبوعہ لاہور ۱۳۹۳ھ، ص ۲۸

[3] ایضاً ص ۲-۲۸، ڈیرہ غازی خان کی شخصیات حصہ دوم ص ،

مولانا غلام قادر اشرفی آف لالہ موسےٰ

مولانا غلام قادر اشرفی مدظلہ ۱۴ر محرم الحرام ۱۳۲۴ھ مطابق ۱۰ر مارچ ۱۹۰۶ء میں فرید کوٹ (بھارت) میں پیدا ہوئے۔ والدِ ماجد کا اسم گرامی میاں بارخ علی چشتی تھا اور انہیں حضرت میاں محمد شاہ صاحب چشتی، بستی نَو ضلع ہوشیارپور سے شرفِ بیعت حاصل تھا۔ مولانا ابھی صغر سن تھے کہ والدین کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ ۱۹۱۱ء میں سکول میں داخل ہوئے اور ۱۹۲۲ء میں امتیازی حیثیت سے میٹرک کرنے کے بعد کالج میں داخلہ لیا مگر طبیعت مائل نہ ہوئی تو کالج کو خیرباد کہہ کر مذہبی تعلیم حاصل کرنا شروع کردی اور درج ذیل اساتذہ سے اکتسابِ علم کیا :

۱۔ حضرت مولانا محمد سعید صاحب شبلی فرید کوٹی۔
۲۔ حضرت مفتی اعظم محمد مظہر اللہ صاحب امام و خطیب جامع مسجد فتحپوری دہلی (والد گرامی جناب پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب مدظلہ)
۳۔ حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب چڑیا کوٹی۔
۴۔ حضرت مولانا سید غلام قطب الدین صاحب برہمچاری اشرفی سہسوانی۔
۵۔ حضرت بابا خلیل داس صاحب ایم اے (سنسکرت) چترویدی۔
۶۔ حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب فتحپوری
۷۔ حضرت صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین صاحب مراد آبادی۔

سندِ فراغت جامعہ نعیمیہ مراد آباد (یو۔پی) سے حاصل کی اور اسی دوران مدرسہ حلقۂ اشاعۃ الحق گشتی مراد آباد کا تبلیغی کورس بھی مکمل کر لیا جس میں ہندی، بھاشا اور سنسکرت کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے علاوہ گورمکھی اور گیانی پر بھی عبور حاصل کیا۔

حضرت شیخ المشائخ سید علی حسین اشرفی کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ حق پرست پر

بیعت کرکے اجازت وخلافت حاصل کی علاوہ ازیں حضرت میاں شاہ محبوب قادری فیروزپوری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا شیخ ضیاء الدین احمد قادری رضوی مدظلہ (مدینہ منورہ) سے بھی اجازت وخلافت حاصل کی۔

دوران طالب علمی مراد آباد کی سنی کانفرنس میں ایک رضاکار کی حیثیت سے حصہ لیا۔ یہ کانفرنس مارچ ۱۹۲۵ء میں ہوئی تھی۔ اس وقت ہندو اسلام کے خلاف طرح طرح کی سازشیں کر رہے تھے۔ کہیں فتنۂ ارتداد برپا تھا تو کہیں قتل وغارت کا بازار گرم تھا۔ ان فتنوں کے سدباب کے لئے یہ کانفرنس منعقد ہوئی تھی اس میں مشاہیر مشائخ اور علماء نے شرکت کی تھی۔ آپ نے رضاکاروں کی ٹیم کے ساتھ کانفرنس کے انتظام وانصرام میں بہت دلچسپی اور شوق کا مظاہرہ کیا۔

تحصیلِ علم کے بعد ۲۸-۱۹۲۶ء (تین سال) تک مکھنسر ضلع فیروزپور میں تدریس وخطابت کے فرائض سرانجام دئیے اور ساتھ ہی نواب شاہنواز ممدوٹ کی ہدایت پر سیاسی تحریکوں میں بھی حصہ لیتے رہے۔ ۱۹۳۰ء میں لالہ موسیٰ ضلع گجرات کے اسلامیہ ہائی سکول میں مدرس مقرر ہو گئے اور پھر مستقل طور پر یہیں رہائش اختیار کر لی اور اب تک مذہب وملت کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

شدھی تحریک میں بھی آپ نے اپنے استاذِ محترم حضرت مولانا بریجاری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بھرپور حصہ لیا اور مختلف بھیس بدل کر مثلاً معالجِ حیوانات، وید حکیم، گانے والی پارٹی اور سادھوؤں کی پارٹی وغیرہ بنا کر شدھی تحریک کو کیفرِ کردار تک پہنچایا اور اس طرح آپ نے لاکھوں مسلمانوں کو مرتد ہونے سے بچا لیا۔

۱۹۲۵ء میں آپ نے سیاست میں مکمل طور پر دلچسپی لینا شروع کر دی۔ ضلع فیروزپور میں خطابت کے دوران نواب شاہنواز ممدوٹ کی نگرانی میں مسلم لیگ کے نصب العین اور سائمن کمیشن کے بائیکاٹ کے سلسلے میں کام کرتے رہے، شاردا ایکٹ کو ناکام بنانے کے لئے بھی علماء ومشائخ کے شانہ بشانہ کام کیا۔

۱۹۲۹ء میں مولانا نے عملی طور پر سیاست میں حصہ لیا، مغلپورہ ایجی ٹیشن میں بھرپور کام کیا۔ ۱۹۳۱ء میں تحریک کشمیر اور ۱۹۳۲ء میں مسلمانان ریاست الور، جب ریاستی مظالم کی تاب نہ لاکر اجمیر شریف، بھرت پور، گوڑگانواں اور دہلی کی طرف ہجرت پر مجبور ہوئے تو آپ حضرت سید غلام بھیک نیرنگ انبالوی رحمۃ اللہ علیہ (آپ کے پیر بھائی) سیکرٹری جنرل انجمن تبلیغ الاسلام انبالہ کے زیر کمان کام کرتے رہے۔ ۱۹۳۳ء میں تحریک قادیان اور ۱۹۳۵ء میں تحریک شہید گنج میں بھرپور حصہ لیا اور ۱۹۳۵ء میں ملک برکت علی بیرسٹر لاہور (مشہور مسلم لیگی لیڈر) کے حلقۂ انتخاب قصور میں کام کرتے رہے اور ملک صاحب بفضل خدا کامیاب ہوئے۔ ۳۷-۱۹۳۶ء میں لاہور میں خان غلام رسول ایڈووکیٹ جنرل سیکرٹری صوبائی مسلم لیگ اور ملک برکت علی کے ایماء پر مسلم لیگ کے لئے کام کیا اور لاہور کے مضافات میں گلی گلی کوچہ کوچہ مسلم لیگ کا پیغام پہنچایا۔

۱۹۳۸ء میں تحریک آریہ سماج جو نظام حیدر آباد کے خلاف جتھہ بندی کی صورت میں چلائی گئی تھی، کے انسداد کے لئے کافی خدمات سرانجام دیں اور یوم نظام منایا۔ ۱۹۳۹ء میں قائد اعظم کی ہدایت پر یوم نجات منایا گیا تو مولانا نے بھی مجلس تبلیغ الاسلام لالہ موسیٰ کے زیر اہتمام یہ دن منایا بھرپور کوشش کرکے ضلع بھر میں مسلم لیگ کا قیام عمل میں لائے اور جابجا اس کی شاخیں قائم کیں۔

جنوری ۱۹۴۷ء میں خضر وزارت میں مسلم لیگ کی سول نافرمانی کی تحریک میں حصہ لیا اور قیام پاکستان کے بعد مسلم لیگ کی پبلسٹی کے لئے زندگی وقف کردی۔ حکیم سردار خاں حال ممبر قومی اسمبلی (پیپلز پارٹی) اس وقت ضلع مسلم لیگ کے جنرل سیکرٹری تھے، ان کے ساتھ مولانا ضلع بھر کا دورہ فرماتے رہے اور انتخابات کے دوران سر فیروز خاں نون اور سردار شوکت حیات خاں کی معیت میں ضلع بھر کے اہم مقامات کا دورہ کیا مسلم لیگ کا سبز پرچم لہراتے ہوئے گلی کوچوں میں گاتے پھرتے تھے:

"سبز جھنڈے کی کون سُنے گا ؟ !"

پھر جواب دیتے " اللہ پاک سنے گا " بڑی بوڑھیاں مکانوں پر کھڑی ہو کر یوں دعائیں دیتیں

" ماں قربان جاوے پُترو! سدا جیو! اللہ ساوے جھنڈے دی لاج رکھے،
کملی والی سرکار داناں اُچّا ہووے " وغیرہ وغیرہ۔

یوں یہ سلسلہ صبح سے لے کر رات گئے تک جاری رہتا۔

۱۹۴۵ء میں ملک فیروز خان نون اور سردار شوکت حیات کے ساتھ مسلم لیگی امیدواروں کے لئے شب و روز کام کیا اور اسی سال مولانا نے لالہ موسےٰ کے مسلم لیگیوں کی طرف سے قائدِ اعظم کو مسلم لیگ کے لئے تھیلی پیش کی، اس کی دلچسپ تفصیل مولانا ہی کی زبانی سنئے :

" قائدِ اعظم بذریعہ کار کشمیر سے واپس لاہور تشریف لا رہے تھے اور راستہ میں انہیں جابجا جلسوں سے خطاب کرنا تھا۔ ہم نے بھی لالہ موسےٰ میں استقبال کی تیاریاں شروع کر دیں اور نذرانہ کی تھیلی کا بھی بندوبست کیا۔ جی ٹی روڈ پر میل ڈیڑھ میل تک جھنڈیاں اور محرابیں بنوائیں، مسلم لیگ کے جھنڈے لگائے اور تمام علاقہ میں آدمی دوڑا کر صبح تک ہزاروں آدمی جمع کر لئے، پنڈال میں میلے کا سا سماں تھا، ہر طرف چہل پہل تھی۔ سٹیج تیار ہو چکا تھا، شامیانے نصب تھے لیکن لطف کی بات یہ کہ نہ تو قائدِ اعظم کو اس کی اطلاع تھی اور نہ ہی ان کے پروگرام میں لالہ موسےٰ ٹھہرنے کا اندراج تھا۔

دوپہر کو قائدِ اعظم تشریف لائے تو فضا نعرۂ تکبیر، اللہ اکبر، مسلم لیگ زندہ باد، قائدِ اعظم زندہ باد، لے کے رہیں گے پاکستان، آنکھوں کا نور پاکستان، دل کا سرور پاکستان، سے گونج اٹھی۔ لالہ موسیٰ کی فضاء میں انتہائی جوش و خروش تھا۔ قائدِ اعظم نے پوچھا یہ کونسی جگہ ہے؟ عرض کیا گیا لالہ موسیٰ، فرمایا ہمارے پروگرام میں شامل نہیں ہم نہیں ٹھہریں گے۔

سڑک پر استقبال کے لئے چوہدری غلام احمد قادری جنرل سیکریٹری مسلم لیگ لالہ موسٰی مع رفقاء موجود تھے۔ میری ڈیوٹی اسٹیج پر تھی۔ جب قائدِ اعظم نے ٹھہرنے سے انکار کر دیا اور کار سے نہ اترے تو چوہدری صاحب نے مجھے آواز دی " وہ جا رہے ہیں، یہیں آ کر مل لو " میں نے فوراً آ کر سلام عرض کر کے ہاتھ ملایا اور عرض کیا " ذرا باہر آ کر کھڑے ہو جائیں تاکہ لیگ کے کارکن جو دور دراز سے رات بھر پیدل سفر کر کے یہاں پہنچے ہیں، اپنے محبوب قائد کو ایک نظر دیکھ تو لیں "۔

یہ سنکر قائدِ اعظم موٹر کے پائیدان پر کھڑے ہو گئے۔ میں نے پھر عرض کیا " آپ زمین سے فٹ ڈیڑھ فٹ بلندی پر کھڑے ہیں، اگر چھ سات فٹ اونچے کھڑے ہوں تو زیادہ لوگ دیکھ سکیں گے۔" فرمانے لگے کیوں؟ میں نے عرض کیا " اس لئے کہ میں مسلم لیگ کا جنم ساتھی ہوں اور آپ اس کے صدر ہیں "۔ فرمایا کیسے؟ میں نے کہا کہ میری پیدائش ۱۹۰۶ء میں ہوئی اور مسلم لیگ کا قیام بھی ۱۹۰۶ء میں ہوا، چونکہ میں اور مسلم لیگ اکٹھے پیدا ہوئے لہٰذا میں اس کا جنم ساتھی ہوں۔

اس پر قائدِ اعظم نے وفورِ جذبات سے مجھے گلے لگا لیا اور میرا ہاتھ پکڑ کر اسٹیج پر تشریف لائے اور فرمایا " حضرات! میرا مولانا سے لڑائی ہوا تو وہ لڑائی پیار اور محبت کا تھا، یہ سامنے انڈیا کا نقشہ ہے، میں اس پر پاکستان کو ابھرتا ہوا دیکھ رہا ہوں، منزل بالکل قریب ہے، آپ مسلم لیگ کے جھنڈے تلے جمع ہو کر میرے ہاتھ مضبوط کریں، اللہ ہمارا حامی و ناصر ہو۔" اس دلکش اور وجد آور خطاب کے بعد مسلم لیگ زندہ باد اور قائدِ اعظم زندہ باد کے نعروں کی گونج میں میں نے نذرانہ کی تفصیلی

پیش کی اور ان کا قافلہ شاداں و فرحاں عازم گجرات ہوا۔"

ان مجاہدانہ سرگرمیوں کی بنا پر آپ نے مختلف اوقات میں قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔ مجموعی طور پر آپ نے ملک و ملّت کے لئے تقریباً چار سال کا عرصہ جیلوں کی نذر کیا، مگر آپ کے عزم و ولولے میں ذرہ بھر بھی کمی نہ ہوئی اور آپ پوری دلجمعی کے ساتھ اپنے نصب العین کے حصول میں منہمک رہے ۔

ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مردِ درویش حق نے جسکو دیئے ہیں اندازِ خسروانہ

۱۹۴۶ء میں بنارس کی آل انڈیا سنی کانفرنس میں مولانا اپنے بہت سے ساتھی لے کر شریک ہوئے۔ جب پاکستان معرضِ وجود میں آگیا تو آپ نے زیادہ تر مذہبی امور کی طرف توجہ دینا شروع کی مگر سیاسی تحریکات سے دلچسپی میں فرق نہ آیا۔ ۱۹۵۳ء میں تحریکِ ختمِ نبوت میں حصہ لیا۔ ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں جمعیۃ علمائے پاکستان کے لئے بھرپور کام کیا۔ ۱۹۷۴ء میں جب دوبارہ تحریکِ ختمِ نبوت چلی تو علمائے اہلسنت کے شانہ بشانہ کام کیا۔

آپ کی خدمات کی بناء پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ ملک و ملت کے سچے خادم، اسلام و مسلمانوں کے شیدائی اور تحریکِ پاکستان کے معماروں میں شامل ہیں۔

حضرت مولانا کے تفصیلی حالات کے لئے کتابچہ مولانا غلام قادر اشرفی سے ایک ملاقات مرتبہ محمد صادق قصوری، شائع کردہ مرکزی مجلسِ رضا لاہور ملاحظہ فرمائیں۔

پیر غلام مجدّد سرہندی

داماںِ نگہ تنگ و گلِ حسن تو بسیار
گلچینِ تو از تنگیٔ داماں گلہ دارد

آپ کا اسمِ گرامی غلام مجدّد لقب پیرزادہ (عطا شدہ از جدِّ امجد) تھا۔ آپ کی ولادت باسعادت ۶ رجب المرجب ۱۳۰۰ھ بروز سوموار علی الصبح درگاہ شریف مجددیہ سرہندیہ ٹنڈو سائینداد (ٹیاری شریف) ضلع حیدرآباد (سندھ) میں ہوئی۔ والدِ ماجد کا اسمِ گرامی حضرت خواجہ پیر الحاج عبدالحلیم بن حضرت خواجہ عبدالرحیم بن خواجہ شاہ محمد ضیاء الحق شہید بن خواجہ شاہ غلام نبی بن خواجہ شاہ غلام حسن بن خواجہ شاہ غلام محمد بن خواجہ شاہ غلام معصوم بن شاہ محمد اسمٰعیل بن خواجہ محمد صبغۃ اللہ بن شاہ محمد معصوم المعروف معصوم اول بن امامِ ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی تھا (علیہم الرضوان)

چار سال کی عمر میں قرآن پاک پڑھنے کے لئے بٹھائے گئے تو بسم اللہ شریف جدِّ امجد نے پڑھائی۔ قرآنِ پاک قاری عبدالرحمٰن منگلوی رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھا فارسی تعلیم جناب عزیز اللہ خان سلیمان خیل قندھاری اور عربی تعلیم علامہ الحاج محمد حسن اللہ پاٹائی صدیقی رحمۃ اللہ علیہ سے درگاہ شریف ہی میں حاصل کی۔ دورانِ تعلیم ہی حضرت جدِ امجد کے دستِ اقدس پر بیعت کی۔ سترہ سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہو گئے۔ والدِ گرامی نے تین سو علماء کی موجودگی میں دستارِ فضیلت عطا فرمائی اور آپ نے ہزاروں کے اجتماع میں پہلی دفعہ تقریر فرمائی جس سے تمام حاضرین بہت متاثر ہوئے۔

اکیس سال کی عمر میں آپ نے حج بیت اللہ کا فریضہ ادا کیا۔ اسی دوران حضرت سید علی قرنی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا عبدالحق مہاجرِ مکی رحمۃ اللہ علیہ سے کتبِ حدیث پڑھیں اور سندیں حاصل کیں۔ مدینہ منورہ سے آپ نے اسّی ہزار روپے کی کتب خریدیں۔ والد ماجد نے آپ کی واپسی

اجازت وخلافت سے نوازا۔

آپ کو انگریزی حکومت سے سخت نفرت تھی۔ سوائے کسی اہم مجبوری کے کبھی کسی انگریز افسر کو نہ ملے۔ انگریز نے آپ کو رام کرنے کے لئے بڑے بڑے جتن کئے مگر یہ شاہین زیر دام نہ آیا حکومت نے آپ کو شمس العلماء کا خطاب دینا چاہا مگر آپ نے انکار کر دیا۔ اہم عہدہ دینا چاہا تو ٹھکرا دیا۔ لنڈو ریلوے اسٹیشن کو آپ کے خاندان کے نام پر سرہندی آباد رکھنا چاہا تو آپ نے اس تجویز کو رد کر دیا قندھار کی لڑائیوں میں آپ کے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے چھ سو ساتھیوں کے ساتھ بھرپور حصہ لیا تھا اس لئے انگریز آپ کے درپئے آزار تھے۔

آپ نے تحریک ہجرت، تحریک خلافت، انجمن ہلالِ احمر، تحریک مسجد منزل گاہ، ترک موالات اور تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ تحریک ہجرت میں علماء و مشائخ کا بھرپور تعاون کیا انجمن ہلال احمر کے لئے بے شمار چندہ جمع کر کے بھجوایا، صرف ٹنڈو مٹیاری قصبہ سے بارہ ہزار روپے چندہ جمع ہوا۔ ترکِ موالات کے زمانہ میں آپ نے پورے جوش فاروقی کا مظاہرہ کیا اور سندھ کے اکناف واطراف میں جلسے کر کے انگریزوں کے خلاف عوام کو خوب ابھارا۔ آپ نے جوشیلی تقاریر کر کے انگریزوں کی عیاریوں کا پردہ چاک کیا اور ان کے دام فریب کو تار تار کر دیا کراچی کی عظیم کانفرنس جس میں انگریزوں کے خلاف فتوے صادر کیا گیا تھا اس میں علی برادران مولانا نثار احمد کانپوری وغیرہم کے علاوہ چھپے دستخط آپ کے تھے اسی بنا پر خالق دینا ہال کراچی والا مشہور زمانہ کیس معرض وجود میں آیا۔

اس کیس کی کاروائی میں آپ کی دو باتیں یاد رکھنے کے قابل ہیں اور ہماری نئی نسل کے لئے خضرِ راہ ہیں۔ آپ نے فرمایا:۔

"قید میرا تو ورثہ ہے کیونکہ میں غلام مجدد اور اولاد مجدد الف ثانی ہوں جن کو جہانگیر بادشاہ نے قلعہ گوالیار میں نظر بند کر دیا تھا۔"

پھر ارشاد فرمایا:۔

"کاش آج مجھ پر یہ مقدمہ ہوتا کہ میں نے وقت کے انگریز بادشاہ جارج پنجم کو قتل کیا ہے اور اس کے خون سے میرے ہاتھ رنگے ہوتے"

اس مقدمہ میں آپ کو دو سال کی سزا ہوئی جو آپ نے کمال تحمل و بردباری سے کاٹی اور اسی دوران قرآن کریم حفظ کر لیا۔

سزا کے دوران ایک انگریز جیلر نے آپ کے اس بقچہ کو جس میں قرآن مجید تھا، ٹھوکر ماری تو آپ نے طیش میں آکر اس جیلر کو زوردار تھپڑ رسید کیا، قریب تھا کہ فساد ہو جاتا اور جیل میں ہی ہنگامہ ہو جاتا، آخر کار گورنر بمبئی خود آیا اور آپ کی تکالیف سنیں، آپ نے بتایا کہ "سردی کی راتوں میں جیل والے میری کوٹھڑی میں پانی چھوڑ دیتے ہیں تاکہ تمام رات کھڑا ہو کر گزاروں اور نماز نہ پڑھ سکوں، روشنی گل کر دیتے ہیں تاکہ قرآن کریم نہ پڑھ سکوں"

گورنر نے یہ سن کر جیل کے عملہ کو ——— تنبیہ کر دی کہ آئندہ ایسی حرکت نہ کی جائے اور پھر آپ کو نماز باجماعت و دیگر مسلمان قیدیوں سے ملاقات کرنے کی اجازت بھی دے دی گئی۔

اسی قید کے دوران لاڑکانہ کے ایک پیر جو خود اسی جیل میں قید تھے۔ ایک مرتبہ آدھی رات کے وقت آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ اگر آپ نے معافی نہ مانگی تو حکومت آپ کو گولی مار دے گی۔ آپ نے فرمایا :-

"معلوم ہوتا ہے کہ تم نے معافی مانگ لی ہے اور اب مجھے بے ایمان بنانے آئے ہو"

دوسرے دن معلوم ہوا کہ اس بناوٹی پیر صاحب نے معافی مانگ کر رہائی حاصل کر لی ہے۔

آپ نے بڑے استقلال سے دو سال کا عرصہ گزارا اور رہائی پر بڑی شان و شوکت سے آپ کو جلوس کی شکل میں لیجایا گیا۔

تحریک خلافت میں آپ نے جو کام کیا تاریخ اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے، سنہ

میں اگر علی برادران کی ہم پلہ کوئی شخصیت تھی تو حضرت کی ہی تھی۔

تحریکِ خلافت ہی کے دوران آپ بذریعہ ٹرین دورے پر جا رہے تھے کہ انگریز کلکٹر مسٹر گبسن نے (جو بعد میں کمشنر سندھ بنا) آپ کو دیکھ کر شربت منگوایا، آپ نے یہ کہتے ہوئے وہ شربت پینے سے انکار کر دیا کہ اگر اس گلاس میں شربت کی جگہ تمہارا خون ہوتا تو میں پی جاتا۔ اس لئے کہ تم ہمارے ترک بھائیوں کا خون بہا رہے ہو! یہ سن کر انگریز کلکٹر بھونچکا سا رہ گیا اور کہنے لگا کہ پیر صاحب کو کیا ہو گیا ہے، شاید ان پر مذہبی جنون غالب آ گیا ہے۔

فرنگی ٹولے سے نفرت کی بناء پر آپ نے وہ تمام زمینیں واپس کر دیں جو ٹنڈو ضلع نواب شاہ اور سدادہ نہر پر لنگر خانہ کے لیے ملی ہوئی تھیں۔ اسی طرح چوبیس بندوقوں کا آل انڈیا لائسنس بھی واپس کر دیا مگر بندوقیں واپس کرنے کے بجائے زیر زمین دفن کر دیں۔ آپ کے اس فعل سے گھبرا کر انگریز حکومت نے دو مرتبہ چھاپہ مار کر آپ کے کتب خانہ کو خراب کر دیا۔ الزام یہ تھا کہ آپ کے پاس کابل سے خط وغیرہ آتے ہیں اور وہاں کی حکومت کے ساتھ آپ کا گٹھ جوڑ ہے، حالانکہ آپ کے پاس نہ کوئی کاغذ تھا نہ گٹھ جوڑ کا کوئی سلسلہ، البتہ یہ ضرور تھا کہ آپ کے خاندان کے اکثر افراد افغانستان میں رہتے تھے۔

علی برادران نے انجمن خدامِ کعبہ کی تحریک شروع کی تو آپ نے اس کا پورا پورا ساتھ دیا اور تمام سندھ سے چندہ جمع کر کے بمبئی بھجوایا۔ مسجد کانپور کا جھگڑا ہوا تو مولانا محمد علی جوہر نے تار دے کر آپ کو بلایا۔ آپ فوراً کانپور پہنچے اور فیصلہ ہونے تک وہیں رہے اور ڈٹ کر انگریز حکومت کی مخالفت کی۔

اسی طرح جب بھریا روڈ (سندھ) میں ــــــــ نہر کی کھدائی کے وقت مسجد شریف نہر کے پیٹ میں آ رہی تھی اور بڑی دوڑ دھوپ کے باوجود انگریز حکومت نے نہر کا رُخ موڑنے سے انکار کر دیا تو آپ کو اطلاع دی گئی۔ آپ فوراً وہاں پہنچے اور تن تنہا چارپائی ڈال کر قرآن خوانی میں مشغول ہو گئے۔ آپ کو مجبور کیا گیا کہ آپ یہاں سے اٹھ جائیں ورنہ ابھی مشین

آپ کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔ آپ نے فرمایا کہ "جب مسجد ختم ہوجائے گی تو پھر ہمارے ختم ہونے کا سوال غلط ہے، ہم یہاں سے نہیں اٹھیں گے بلکہ قربانی پیش کریں گے۔" چنانچہ آپ ڈٹ کر بیٹھے رہے اور حکومت کو نہر کا رُخ موڑنا پڑا۔

۱۹۳۹ء میں مسجد منزل گاہ کا جھگڑا ہوا تو سب سے پہلے آپ تین سو تیرہ افراد کا لشکر لیکر جھنڈا اٹھائے ہوئے پہنچے اور ایک ہفتہ تک قیام فرمایا اور اس وعدہ پر کہ یہ مسجد مسلمانوں کے حوالے کی جائے گی، آپ واپس حیدرآباد تشریف لے آئے۔

آپ کی ان سرگرمیوں سے تنگ آکر حکومت نے آپ کے جلسوں پر پابندی عائد کردی، رہائش گاہ پر پولیس کا پہرہ بٹھا دیا اور کراچی جانے سے روک دیا مگر آپ بڑی جرأت و مردانگی کے ساتھ کراچی پہنچے اور کراچی کی قدیمی عیدگاہ میں بہت بڑے جلسۂ عام سے بڑی گھن گرج کے ساتھ خطاب فرمایا، بعدازاں تمام پابندیوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے سیلاوٹ محلہ حیدرآباد میں جلسہ منعقد کیا۔ انگریز ایس پی مع ہندو کلکٹر مُکھر چند حیدرآبادی جلسہ گاہ میں پہنچا اور زبان بندی کا نوٹس دیا اور ایس پی نے ریوالور دکھا کر نوٹس کی تعمیل کے لئے کہا، رگِ فاروقی پھڑک اٹھی، آپ نے ایس پی کی طرف نظر اٹھا کر فرمایا :-

"او لنگورے! تم مجھے تقریر کرنے سے روکتے ہو؟"

اتنا سنتے ہی ایس پی اور کلکٹر دم سادھے چلے گئے، آپ نے پُرجوش تقریر کی، عوام میں حکومت کے خلاف نفرت کا جذبہ پیدا ہوا اور پھر روز بروز جلسے ہوتے رہے۔

آپ جمعیۃ علماءِ ہند کے سرکردہ رہنما بھی رہے مگر جب نہرو رپورٹ پر حضرت شاہ محمد سلیمان پھلواروی، میر غلام بھیک نیرنگ انبالوی، مولانا عبدالماجد بدایونی، مولانا محمد علی جوہر اور دیگر علمائے اہلسنت نے جمعیت سے استعفٰے دے دیا تو آپ نے مستعفی ہوکر ان کا پورا پورا ساتھ دیا اور ہندوؤں سے بائیکاٹ کا اعلان کردیا۔ اگرچہ ہندوؤں نے آپ کو طرح طرح کے لالچ دیئے، دھمکیاں دیں مگر آپ مرعوب نہ ہوئے۔ ہندوؤں کے کچھ قرضے آپ کے

ذمے تھے، انہوں نے کہا کہ اگر آپ کانگرس میں شامل ہو جائیں تو ہم تمام قرضے معاف کر دیں گے ورنہ ڈگری جاری کروائیں گے۔ اس کے جواب میں آپ نے اپنی زمین فروخت کر کے تمام قرضے ادا کر دیئے مگر اپنے ایمان کا سودا نہ کیا۔

مسلم لیگ کا غلغلہ بلند ہوا تو آپ نے اس کی دامے، درمے، قدمے، قلمے اور سخنے مدد کی۔ آپ کے ساتھ حضرت پیر صاحب بھرچونڈی شریف پیر عبدالرحمٰن صاحب اور ان کے صاحبزادے پیر عبدالرحیم شہید نے بھرپور تعاون کیا بلکہ پورے سندھ کا دورہ بھی کیا۔ پیر صاحب بھرچونڈی شریف کے ساتھ علماء کی ایک جماعت دورہ کرتی تھی جس میں سے سید صدرالدین شاہ ایڈیٹر اخبار نقیب خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

جب مولانا عبدالقادر آزاد سبحانی نے جمعیت علماء ہند کے مقابلہ پر جمعیت علماء اسلام کی بنیاد رکھی تو آپ نے حیدرآباد میں اس کی شاخ قائم کی اور اس کے زیر اہتمام منعقد جلسے منعقد کرائے۔

ایک دفعہ آپ سے کسی نے پوچھا کہ آپ مسٹر جناح کے پیچھے کیوں لگے ہوئے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ "ہمارے مقصد کو بروئے کار لانے والا یہی شخص ہوا ہے۔ اگر کوئی اور ہوتا تو ہم اس کے پیچھے لگ جاتے، جناح تو ایک مسلمان وکیل ہے جو بغیر پیسے اور فیس کے مسلمانوں کی وکالت کر رہا ہے کیا کافر کو وکیل نہیں بنایا جاتا، بلکہ فیس بھی دی جاتی ہے۔"

جمعیت علماء ہند کے اشاروں پر سندھ کے رئیسوں اور امیروں نے آپ کو پریشان کرنے کی کوشش کی، سندھی اخبارات بھی آپ کی مخالفت کرتے رہے مگر آپ انہیں خاطر میں نہ لائے بلکہ ہر مرتبہ نئے عزم اور ولولے سے آگے بڑھے۔ قاضی محمد اکبر و دیگر مسلم لیگی کارکنوں کی کامیابی بھی آپ ہی کی مرہون منت تھی۔

آپ کی زندگی بہت سادہ تھی عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کوٹ کوٹ کر آپ میں بھرا ہوا تھا

وفات سے کچھ عرصہ قبل اپنے جدِ امجد حضرت خواجہ شاہ ضیاء الحق شہید کے ایک قصیدہ کے یہ اشعار وردِ زبان رہتے تھے ؎

بصدّیقیت خریدارم عمر را دوست میدارم — فدا سازم دل وجان را لعثماں یا رسول اللہ
چہارم حیدرِ صفدر کہ باشد ساقیٔ کوثر — اماماں را شوم چاکر بایقاں یا رسول اللہ

آپ کی وفات حسرت آیات ۱۶ رجمادی الثانیہ ۱۳۷۷ھ / ۸ رجنوری ۱۹۵۸ء بروز منگل صبح نو بجے حیدرآباد میں ہوئی۔ پہلی نمازِ جنازہ حیدرآباد میں ہوئی اور دوسری ملٹیاری میں، آپ کو حسبِ وصیت گنبد کے شرقی دروازہ کے باہر ——— جنوبی جانب سپردِ خاک کیا گیا، انا للہ وانا الیہ راجعون [۱]

اس وقت آپ کے صاحبزادے پیر غلام رسول سرہندی مدظلہ سجادہ نشین ہیں، موصوف ہر لحاظ سے اپنے والدِ ماجد کے مظہرِ اتم ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کا سایہ تادیر سلامت رکھے، آمین۔

---

[۱] حضرت پیر صاحب کے حالات آپ کے صاحبزادے و جانشین پیر غلام رسول سرہندی مدظلہ نے ہم پہنچائے جس کے لئے ہم ان کے تہِ دل سے مشکور ہیں۔ (قصوری)

مولانا غلام محمد ترنم امرتسری

آپ کی پیدائش ۱۳۲۰ھ/۱۹۰۰ء میں امرتسر کے ایک غریب کشمیری گھرانے میں ہوئی۔ والدِ ماجد کا نام جناب عبدالعزیز تھا۔ ابتدائی دینی تعلیم اپنے بہنوئی مولانا پروفیسر عبدالرحیم پروفیسر عربی خالصہ کالج امرتسر (۱۹۱۷ء) اور حضرت مولانا عبدالصمد خاں کاشمیری (المتوفی ۱۹۱۸ء) سے حاصل کی۔ قالین بافی و شال بافی کا فن بھی سیکھا۔ پھر حکیم فیروزالدین طغرائی (المتوفی ۱۹۳۱ء) سے منشی فاضل کا نصاب پڑھکر امتحان دیا اور نمایاں کامیابی حاصل کی۔ اگلے سال ادیب فاضل کا امتحان بھی پاس کر لیا۔ شاعری میں طغرائی سے اصلاح لیتے رہے۔

بعد ازاں عربی کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے مختلف اساتذہ سے اکتساب کے بعد حضرت مولانا محمد عالم آسی (م ۱۹۴۴ء) سے عربی کی کتابیں پڑھیں اور مولوی فاضل کا امتحان بھی پاس کر لیا۔ پھر علمِ طب کے لئے حکیم علی محمد مستند طبیہ کالج دہلی، حکیم محبوب عالم مرحوم، حکیم فتح چند اور لاہور کے نامور حکیم شہزادہ غلام محمد (م ۱۹۵۰ء) سے استفادہ کیا۔ بعد ازاں انگریزی میں بھی اچھی خاصی استعداد پیدا کر لی پھر روحانی تربیت کے لئے پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی اور سید علی حسین کچھوچھوی سے بھی اکتسابِ فیض کیا۔

فارغ التحصیل ہونے کے بعد امرتسر میں خطبۂ جمعہ دیتے رہے اور اپنی اظہار بیان کی صلاحیتوں کی بدولت اطراف و اکنافِ ملک میں جلد ہی مشہور ہو گئے۔ مولانا ظفر علی خاں امرتسر گئے تو آپ کی مقبولیت دیکھ کر یہ شعر کہا ؎

ترنم چاند ہے اس شہر میں علم اور حکمت کا
درخشاں اس کے ہالے میں ہیں مسلمانان امرتسر

مسلمانوں کی تعلیمی ترقی کے لئے آپ نے امرتسر میں جامعہ اسلامیہ کے نام سے ایک

مدرسہ قائم کیا جہاں پر منشی فاضل کا کورس پڑھایا جانے لگا۔ مسلمانوں میں مذہبی بیداری کے لئے انجمن تبلیغ الاحناف سے معاونت کرتے رہے جس کے زیرِ اہتمام حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کا عرس ہر سال بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا تھا۔ عرس میں ہندوستان کے مشاہیر علماء و مشائخ شرکت کرتے تھے اور علم و عرفان کے دریا بہاتے تھے۔ ان تمام مصروفیتوں کے باوجود طبابت کا سلسلہ بھی جاری رکھا، علاج تقریباً مفت ہی کرتے تھے۔

آپ نے تحریکِ پاکستان میں مثالی کردار ادا کیا۔ اپنی جادو بیانی کے ذریعے دو قومی نظریہ مسلمانوں کے ذہنوں میں جاگزیں کیا۔ ملک گیر دورے کر کے مسلم لیگ کا پیغام گھر گھر پہنچایا۔ ہر سال انجمن تبلیغ الاحناف کے جلسوں میں تحریکِ پاکستان کے موضوع پر تقاریر کی جاتیں۔ ۴۶-۱۹۴۵ء میں حضرت صدر الافاضل مراد آبادی، حضرت محدث علی پوری اور حضرت محدث کچھوچھوی نے تحریکِ پاکستان کے حق میں ایسی مدلل اور پُر مغز تقاریر کیں کہ امرت سر میں کانگرسی اور احراری مولویوں کا طلسم ٹوٹ گیا۔

قیامِ پاکستان کے بعد لاہور تشریف لے آئے اور پھر طبابت شروع کر دی اور ساتھ ہی جامع مسجد سول سیکرٹریٹ میں خطابت شروع کر دی۔ آپ نے ہر تبلیغی کام فی سبیل اللہ کیا اور ہمیشہ حق گوئی و بیباکی کا مظاہرہ کرتے رہے۔ جہادِ کشمیر میں مولانا ابوالحسنات قادری کے شانہ بشانہ کام کیا۔ مجاہدین کے لئے نقدی اور سامان کے علاوہ خود بہ نفسِ نفیس کشمیر کے محاذوں پر تشریف لیجا کر اگلے مورچوں پر تقاریر کر کے مجاہدین کے حوصلے بڑھائے۔

پاکستان بننے کے فوراً بعد پنجاب یونیورسٹی کے فیلو اور بورڈ آف سنڈیکیٹ کے رکن مقرر ہوگئے تھے۔ آپ نے یونیورسٹی میں اسلامی تعلیم کے لئے جو مساعی انجام دیں وہ کسی سے ڈھکی چھپی نہیں۔ جمعیت علماءِ پاکستان معرضِ وجود میں آئی تو آپ صوبہ پنجاب کے نائب صدر منتخب ہوئے اور پھر مرکزی نائب صدر چن لئے گئے۔ آپ نے جمعیت کو مقبول بنانے میں اہم کردار ادا کیا، دستوری خاکہ مرتب کیا، تنظیم کو فعال بنایا۔ مولانا ابوالحسنات آپ کی خدماتِ جلیلہ کے بڑے معترف تھے۔

۱۹۵۳ء میں ختمِ نبوت کے سلسلے میں اہم کردار ادا کیا اور ملک بھر میں قادیانیت کے خلاف

علماء کے شانہ بہ شانہ سرگرمِ عمل رہے اور دیگر قائدین کے ساتھ قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کرتے رہے۔ جذبۂ حبِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی رگ و پے میں سرایت کئے ہوئے تھا، آپ کی شاعری کا اکثر حصہ نعتیہ ہے۔

وفات سے اڑھائی تین سال قبل آپ ذیابیطس کے مریض ہو گئے تھے اور بالآخر ۷ا محرم الحرام ۱۳۷۹ھ/۲۴ جولائی ۱۹۵۹ء کو راہیٔ ملکِ بقا ہو گئے۔ قبرستان میانی صاحب میں آپ کو دفن کیا گیا۔ نمازِ جنازہ حضرت مفتیٔ اعظم پاکستان سید ابوالبرکات مدظلہ نے پڑھائی۔

پیر غلام دستگیر نامیؔ نے تاریخِ وفات یوں کہی ؎

غلام محمد ہوئے آہ فوت ‏ وفات ان کی ہے ایک عالم کی موت
جو تاریخ مطلوب نامیؔ ہے تو ‏ "ہوا فوت عذب البیان ہے" کہو
‏ ۱۹۵۹ء

نوٹ :۔ اس مضمون کی تیاری میں مکرمی حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ کے کتابچہ "مولانا غلام محمد ترنم" اور مختلف روزناموں سے استفادہ کیا گیا ہے۔

پیر سیّد غلام محی الدّین گولڑوی

حضرت قبلۂ عالم پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ کو کون نہیں جانتا، آپ اپنے وقت کے مجدد عالم، ممتاز روحانی رہنما اور بلند پایہ مصنف تھے آپ نے مرزا غلام احمد قادیانی کو ہر میدان میں شکست فاش دی، حضرت سید غلام محی الدین گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت قبلۂ عالم ہی کے اکلوتے فرزند تھے۔

حضرت خواجہ غلام محی الدین المعروف بابوجی دسمبر ۱۸۹۱ء میں پیدا ہوئے۔ اعلیٰ حضرت قبلۂ عالم پیر مہر علی شاہ گولڑوی کو جب آپ کی ولادت باسعادت کی خبر لفظ "مبارک" سے دی گئی تو آپ نے فرمایا "مبارک کے لفظ سے میں یہ سمجھا کہ شاید مجھے خدا مل گیا ہے۔ پھر فرمایا کہ ہر شخص کو نرینہ اولاد کے پیدا ہونے سے خوشی ہوتی ہے لیکن مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ ہمارے گھر میں ایک اللہ اللہ کرنے والی روح کا ورود ہوا ہے[1]

حضرت قبلۂ عالم آپ کو پیار سے بابوجی کہا کرتے تھے۔ بابوجی کی تعلیم و تربیت قبلۂ عالم نے اپنی خاص نگرانی میں فرمائی اور قابل ترین اساتذہ ان کے لئے مقرر کئے۔ زمانۂ تعلیم میں قبلۂ عالم نے انہیں چھ نصیحتیں فرمائیں:

۱۔ شغلِ سبق میں بحفظِ اوقات ساعی رہو۔

۲۔ رات کا سونا حسبِ ہدایت مکان پر میری آرام گاہ میں مع رفقار بالتزام ماوجب آپکا لم کرنا۔

۳۔ ختمِ معہود کو بدستور قائم رکھو۔

۴۔ بعد فراغت ہر روز ضرور گھر میں جایا کرو۔

---

[1] ماہنامہ ضیائے حرم لاہور، جولائی ۱۹۷۴ء، ص ۲۱۔

۵۔ نماز باجماعت کو اہم المہمات سمجھو۔

۶۔ سب طلباء کے ہر طرح خبر گیر رہو۔ [1]

حضرت بابوجی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریکِ پاکستان میں بھرپور حصہ لیا۔ ملک کے نامور صحافی اور تحریکِ پاکستان کے مجاہد جناب میاں محمد شفیع (م۔ش) آپ کی تحریکِ پاکستان کے بارے میں خدمات کے متعلق رقمطراز ہیں:۔

"یہ ایک عجیب حقیقت ہے کہ جب اس صدی کی پانچویں دہائی میں برِ صغیر میں معرکۂ حق و باطل بپا ہوا اور مسلمانوں نے مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے اسلام کی سربلندی کے لئے حقِ خود ارادیت کا علَم بلند کیا تو پنجاب کے جن سجادوں نے تن من دھن سے قائدِ اعظم کا ساتھ دیا ان میں تونسہ شریف (خواجہ سدیدالدین صاحب)، سیال شریف (خواجہ قمرالدین صاحب مدظلہ) جلال پور شریف (پیر فضل شاہ صاحب) اور گولڑہ شریف (خواجہ سید غلام محی الدین شاہ صاحب) پیش پیش تھے، انہوں نے اپنے لاکھوں مریدوں کو عام انتخابات کے موقع پر یونی نسٹ پارٹی کے مقابلہ پر مسلم لیگ کے امیدواروں کو کامیاب بنانے کی اپیل کی۔ ان لوگوں کے عظیم کردار کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اگرچہ یونی نسٹ پارٹی کے اس وقت کے لیڈر ملک سر خضر حیات خاں ٹوانہ اور ان کے دستِ راست نواب سر اللہ بخش، گولڑہ شریف اور سیال شریف سے ارادت رکھتے تھے لیکن عظیم تر ملّی مقاصد کے پیشِ نظر خواجہ قمرالدین صاحب مدظلہ اور خواجہ سید غلام محی الدین شاہ صاحب نے پوری ہمت سے مسلم لیگ کے لئے کام کیا۔" [2]

---

[1] مہر منیر مطبوعہ لاہور، ۱۹۷۳ء

[2] ماہنامہ ترجمان اہلسنت کراچی جولائی ۱۹۷۴ء، ص ۲۔ ہفت روزہ خدام الدین لاہور جولائی ۱۹۷۴ء، ص ۲۳؛ نوائے وقت لاہور ۲۶ جون ۱۹۷۴ء، ص ۲؛ ۱۳ مارچ ۱۹۷۵ء، ص ۲۔

[3] روزنامہ نوائے وقت لاہور، ۲۶ جون ۱۹۷۴ء، ص ۲

خواجہ سید غلام محی الدین شاہ صاحب ایک عظیم انسان تھے۔ آپ مسلم لیگ کے ساتھ پوری طرح حصول پاکستان کی تحریک میں شامل تھے۔ جب پاکستان معرض وجود میں آگیا تو انہوں نے پاکستان کو دارالسلام قرار دے کر غیر مسلموں کی جان و مال کی حفاظت کے لئے ہر ممکن کوشش کی یہ انہی کی مساعی کا نتیجہ تھا کہ قسمت "راولپنڈی" کے لاکھوں غیر مسلموں کو بہ حفاظت تمام رفیوجی کیمپوں میں پہنچایا گیا۔

پاکستان بننے پر خواجہ صاحب نے جہادِ کشمیر اور تحریکِ ختم نبوت میں بھی پوری سرگرمی سے حصہ لیا اور پھر بقیہ تمام عمر سیاست سے الگ رہ کر یادِ الٰہی اور مسلمانوں کی روحانی تربیت میں صرف کر دی۔ اپنے والدِ محترم حضرت قبلۂ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے مشن کو پوری تن دہی سے جاری رکھا اور طویل علالت کے بعد ۲۲ رجون ۱۹۷۴ء / یکم جمادی الثانیہ ۱۳۹۴ھ بروز ہفتہ کمبائینڈ ملٹری ہسپتال راولپنڈی میں انتقال فرما گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

دوسرے دن گولڑہ شریف میں اپنے والدِ محترم کے پہلو میں سپردِ خاک کر دیئے گئے۔ آپ کی وفات پر ملک کے تمام اخباروں اور رسالوں نے تعزیتی اداریے لکھے جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں :-

جناب شورش کاشمیری لکھتے ہیں :-

"۲۲ رجون کی شب کو گیارہ بجے کمبائنڈ ملٹری ہسپتال راولپنڈی میں سیدنا ومرشدنا حضرت پیر مہر علی شاہ کے فرزند ارجمند حضرت سید محی الدین شاہ ۸۵ برس کی عمر میں اس جہانِ فانی سے رخصت ہو گئے۔ وہ کیا تھے؟ حقیقت یہ ہے کہ زبانِ قلم ان کے اوصاف و محامد اور کمالات و محاسن کا احاطہ نہیں کر سکتی۔ راقم نے اپنی لگ بھگ ساٹھ برس کی عمر میں بہت سے عظیم انسان دیکھے، قومی جدوجہد، دینی سعر، سیاسی جہاد، غرضیکہ ہر موڑ پر اپنے دور کی عظمتوں سے فیض حاصل کیا، ان کے ساتھ رہا اور وہ ساتھ لے کر چلے، ان میں علم و نظر کے

ہمالہ بھی تھے اور عظمت و رفعت کے پہاڑ بھی ع
طبعِ حسرتؔ نے اٹھایا ہے ہر استاد سے فیض

لیکن حضرت سید محی الدین شاہ صاحب (گولڑہ شریف) رحمۃ اللہ علیہ قرنِ اول کا اجالا تھے اور ان تذکروں کا انسانی ورق تھے جو صحبت یافتگانِ رسالتمآب کی روداد ہیں۔ بسا اوقات فقر و استغنار کی داستانیں پڑھ کر طبیعت باور کرتے ہوئے استفہامیہ ہو جاتی کہ اس قسم کے لوگ کہاں پیدا ہوتے ہیں — گویا یہ محض داستان سرائی ہے یا الفاظ کی ندرت، مطالب کا بانکپن اور عبارت کا مینا بازار! سید محی الدین شاہ رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا تو مشاہدہ و مطالعہ کی بدولت یہ احساس روز بروز پختہ ہوتا گیا کہ وہ فقر و استغنار کا پیکر، قدرت کا معجزہ اور عطیۂ الٰہی ہیں۔ وہ محض فقر و استغنار کی تصویر ہی نہ تھے، جود و سخا کا آبشار تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے وجود کو اپنے انعامات سے اس طرح نوازا تھا کہ الفاظ کی فراوانی بھی بیان کرتے ہوئے عجز محسوس کرتی ہے۔ ان الفاظ پر نہ جائیے، ان کے معانی پر غور کیجیے اور ان میں ڈوب جائیے۔ سید محی الدین شاہ کا وجود انہی کے آب و گل سے تیار ہوا تھا، الفاظ ہیں، عظمت، رفعت، تقوٰے، دیانت، نگاہ، دین، معرفت، علم، سخاوت، فقر، استغنار، زہد، ورع، طریقت، شریعت، بے نفسی، غیرت، محبت، عشق، غرض فنائی اللہ ہو کر سرورِ کونین (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ہر لحظہ فدا ہونے کا نام سید محی الدین شاہ تھا ع
ہائے او موت تجھے موت ہی آئی ہوتی [1]

---

[1] ہفت روزہ چٹان لاہور ۶ جون ۱۹۷۴ء ، ص ۶

روزنامہ نوائے وقت کا اداریہ بھی ملاحظہ ہو :۔

"پیر صاحب گولڑہ شریف سید غلام محی الدین ۸۴ برس کی عمر پاکر معنیتہ کے روز واصل بحق ہو گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون، انہیں گزشتہ روز ان کے والد اور برصغیر کے ممتاز اہل اللہ بزرگ پیر سید مہر علی شاہ کے پہلو میں دفن کر دیا گیا۔ پیر سید غلام محی الدین اپنے فکر و عمل میں ایک عظیم انسان تھے۔ دینی حلقوں میں ان کا تبحر علمی مسلّمہ تھا، وہ ایک خدا رسیدہ بزرگ تھے جن کی زندگی رشد و ہدایت کے لئے وقف رہی۔ ان کے والد پیر مہر علی شاہ کی زندگی بھی اس عظیم مقصد کے لئے وقف رہی۔ جب مرزا غلام احمد نے نبوت کا دعویٰ کیا تو اسی فقیر نے اس کا ابطال کیا ------ اپنے والد کی تقلید میں سید غلام محی الدین نے بھی دینِ اسلام کی سربلندی کیلئے فکر و عمل کی شمع روشن کئے رکھی ------ "[1]

علامہ محمد حسین عرشی امرتسری نے قطعۂ تاریخ وصال کہا ؎

عالی گوہر نیکو سیرت پیر غلام محی الدین — سوی بقا از منزل فانی رفت و سلام رخصت گفت
فکر سخن در گوشۂ خلوت جانب ہاتف راجع شد — سالِ غم آں نیکو سیرت "رحلت نیکو سیرت" گفت [2]
۱۳۹۴ھ

---

[1] روزنامہ نوائے وقت لاہور، ۲۵/۶/۷۴، ص ۳۔
[2] نقش ہائے رنگ رنگ از علامہ عرشی، مطبوعہ راولپنڈی ۱۹۷۵ء، ص ۱۵۸

مولانا مفتی سید غلام معین الدین نعیمی

آپ ۲۲ر دسمبر ۱۹۲۲ء کو مراد آباد (انڈیا) میں پیدا ہوئے۔ والدِ گرامی کا نام صوفی سید صابر اللہ شاہ چشتی نظامی اشرفی نعیمی ہے۔ آپ حضرت سید خدا بخش صاحب مجددی چشتی فخری علیہ الرحمۃ کی اولادِ امجاد سے ہیں جو کاکاخیل سادات کے مشہور و معروف اور صاحبِ کشف و کرامت بزرگ ہوئے ہیں۔

والدِ گرامی کو حضرت صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی قدس سرہ سے بے پناہ عقیدت و محبت تھی۔ اپنے دینی و دنیاوی تمام امور کے لئے آپ صدر الافاضل ہی کی طرف رجوع کرتے تھے[۱] چنانچہ آپ کی باقاعدہ تعلیم دس سال کی عمر میں (۱۹۳۳ء) میں حضرت صدر الافاضل ہی کے زیرِ سایہ جامعہ نعیمیہ مراد آباد میں شروع کی گئی۔

تین سال میں آپ نے اردو اور فارسی کی تعلیم مکمل کرلی۔ ۱۹۳۶ء میں عربی تعلیم کا آغاز ہوا۔ آپ کی ہونہاری اور قابلیت دیکھ کر تاج العلماء حضرت مولانا مفتی محمد عمر نعیمی رحمۃ اللہ علیہ آپ کی تعریف فرماتے اور نہایت شفقت سے پیش آتے۔ مفتی صاحب اس وقت جامعہ نعیمیہ کے مہتمم اور شیخ الحدیث تھے۔

۱۹۴۰ء میں حضرت صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر خزائن العرفان کو دوبارہ چھپوانے کا ارادہ کیا تو ترجمہ و تفسیر کے اصل مسودات کی تصحیح کا کام مولانا غلام معین الدین کے سپرد فرمایا۔ اس اہم ذمہ داری سے آپ کی لیاقت و قابلیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے حضرت صدر الافاضل کو ۱۹۴۱ء میں جب دوبارہ حبسِ بول کا عارضہ ہوا اور کافی علاج و معالجہ کے باوجود

---

[۱] حیاتِ صدر الافاضل مطبوعہ لاہور ص ۲۳۷

پورے تین دن افاقہ نہ ہوا تو شدتِ مرض کے دوران آپ نے حضرت تاج العلماء اور اپنے تمام متعلقین کی موجودگی میں اپنے بڑے صاحبزادے حکیم سید ظفر الدین احمد صاحب سے فرمایا :-

"مولانا میاں! قرآن کریم کی طباعت مکمل نہیں ہوئی ہے تصحیح کا کام شاہ جی (مولانا غلام معین الدین) سے ہی مکمل کرانا۔ چونکہ یہ میری طرزِ تحریر اور رسم الخط سے خوب واقف ہوگئے ہیں، میں تو جوان کو دیتا تھا یہ اپنی سعادت مندی سے لے لیتے تھے، تم ان کو ہر حال میں راضی رکھنے کی کوشش کرنا اور شاہ صاحب کے ساتھ گجرات (پنجاب) سے مفتی احمد یار خاں کو بلا لینا، یہ دونوں تفسیر کی طباعت کی تصحیح کر لیں گے۔" [1]

دورانِ تعلیم آپ نے حضرت صدر الافاضل کے حکم سے علمِ طب بھی حاصل کیا اور ۱۹۴۲ء میں طبیہ واجبیہ کالج لکھنؤ سے الحکیم الفاضل کی سند حاصل کر لی۔ اس کے ساتھ ہی درسِ نظامی کی تکمیل بھی ہوگئی تھی۔ اس کے بعد آپ سخت بیمار ہوگئے، مونی جیرہ اور فالج کا شدید حملہ ہوا۔ دو سال صاحبِ فراش رہنے کے بعد غسلِ صحت فرمایا اور ۱۹۴۵ء میں آپ کی دستار بندی ہوئی۔

ان دنوں متحدہ ہندوستان میں تحریکِ پاکستان زوروں پر تھی۔ حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمۃ جو اس نظریہ کے بہت بڑے مؤید اور سُنی کانفرنس کے روحِ رواں تھے انہوں نے اپنی مساعی کو ان کی تقلید میں تیز تر کر دیا۔ مفتی غلام معین الدین مرحوم سے اس سلسلے میں کیا کام لیا خود موصوف کی زبانی سنیئے :-

"اسی دوران تحریکِ پاکستان شروع ہوگئی، آپ نے سُنی کانفرنس کی تنظیم تیز سے تیز تر فرمائی اور ملک میں دورے شروع کر دیئے لہٰذا اس

---

[1] حیاتِ صدر الافاضل، ص ۲۳۷، پندرہ روزہ سوادِ اعظم لاہور یکم تا پندرہ جولائی ۱۹۷۲ء، ص ۱۵، ۱۶۔

خادم کو مرکزی دفتر آل انڈیا سُنّی کانفرنس کا منصرم مقرر کیا۔ تمام مراسلات و مواصلات، تحصیل و ترسیلِ زر اس خادم کے سپرد ہوئی اور جب ملک میں حضرت کے دورے، قیامِ پاکستان کے سلسلے میں شروع ہوئے تو اس خادم کو اپنی خدمت میں ساتھ رکھا۔" ؎۱

۱۹۴۴ء سے ۱۹۴۸ء تک آپ آل انڈیا سُنّی کانفرنس کے منصرم رہے۔

۱۹۵۰ء میں آپ پاکستان تشریف لے آئے اور لاہور میں قیام پذیر ہوئے۔ مولٰنا ابوالحسنات قادری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو جمعیت علماءِ پاکستان کا نائب ناظم مقرر کیا۔ اسی دوران جمعیت علماءِ پاکستان کے ترجمان اخبار ہفت روزہ الجمیعۃ کی اشاعت کی ذمہ داری بھی آپ کے سپرد تھی۔ کچھ عرصہ بعد جب بعض مفاد پرست عناصر بھی جمعیت میں شامل ہو گئے تو آپ نے جمعیت سے علیٰحدگی اختیار کر لی اور حضرت صدر الافاضل کی یاد میں ہفت روزہ سوادِ اعظم جاری فرمایا جو آج تک جاری و ساری ہے۔

آپ سچے عاشقِ رسول، بیباک و نڈر راہنما اور باعمل عالمِ دین تھے مگر افسوس کہ قوم نے ان کی قدر نہ کی۔ مذہبی خدمات کے ساتھ ساتھ آپ نے سلسلہ طبابت بھی جاری رکھا، غرباء کا علاج مفت کرتے تھے۔ آپ کا وصال ۱۲ جمادی الاخریٰ ۱۳۹۱ھ/۴ اگست ۱۹۷۱ء بروز بدھ دن کے تین بجکر تیس منٹ پر ہوا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کے چھوٹے بھائی غلام قطب الدین صاحب نے تاریخِ وصال یہ لکھی:

منعمِ زمانہ حکیم سید غلام معین الدین نعیمی ۱۹۷۱ء — ضیاءِ نعیمیت ۱۳۹۱ھ

آپ کے والد ماجد نے تاریخِ وصال یوں کہی ہے

ایں ندا از غیب آمد صابرِ محزوں بگو — قصرِ فردوسی بیابد آں معین الدین شاہ ۱۳۹۱ھ

؎۱ حیات صدر الافاضل، ص ۲۳۹ ، پندرہ روزہ سوادِ اعظم لاہور یکم تا پندرہ جولائی ۱۹۷۲ء، ص ۱۶۔

شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالوی

حضرت شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالوی مدظلہ ۱۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۴ھ کو سیال شریف ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے۔ والدِ ماجد کا اسمِ گرامی خواجہ محمد ضیاء الدین بن خواجہ محمد الدین بن خواجہ شمس العارفین شمس الدین (رحمہم اللہ تعالیٰ) ہے۔ ابتدائی تعلیم خانقاہ کے مدرسہ ضیاء شمس العلوم کے اساتذہ اور والدِ گرامی سے حاصل کی، اس کے بعد ۱۳۴۶ھ میں اجمیر شریف پہنچے۔ دارالعلوم صوفیہ میں داخل ہو کر مولانا معین الدین اجمیری سے تلمذ حاصل کیا۔ ۱۳۴۶ھ ہی میں چند ماہ کے لئے والدِ ماجد نے مولانا اجمیری کو سیال شریف بلا لیا تو آپ بھی ساتھ آ گئے اور پوری توجہ سے تعلیم حاصل کرنے لگے۔ ۱۳۵۱ھ میں تکمیلِ درسیات و دورۂ صحاح ستّہ کے بعد سندِ فراغت پائی۔

۱۳۵۶ھ میں حج بیت اللہ کے موقع پر علمائے حرمین سے بھی سندات حاصل کیں[1]

خواجہ صاحب نے مسلمانوں کی روحانی تربیت کے علاوہ سیاسی رہنمائی بھی فرمائی۔ آپ نے علماءِ حق کے ساتھ مل کر آزادئ وطن کے لئے تن من دھن کی بازی لگا دی۔ ۱۹۴۶ء میں بنارس کی آل انڈیا سنّی کانفرنس میں شرکت کے بعد حصولِ آزادی کی منزل کو قریب تر لانے میں مصروف ہو گئے۔

انگریز نے آپ کو طرح طرح کے لالچ دے کر کلمۂ حق سے باز رکھنے کی کوشش کی مگر خواجہ صاحب ان کے دامِ تزویر میں نہ آ سکے۔ حکومتِ پنجاب کی سفارش پر ملکِ معظم نے خواجہ صاحب کو ہز ہائی نس کا اعلیٰ خطاب پیش کیا مگر آپ نے اس چٹھی ہی کو نذرِ آتش کر دیا جس میں یہ پیشکش کی گئی تھی[2]

---

[1] تذکرہ علمائے اہلسنت، مطبوعہ کانپور (انڈیا) ۱۳۹۱ھ، ص ۲۱۸۔

[2] ماہنامہ آئینہ لاہور، نومبر ۱۹۷۰ء، ص ۹، دارالعلوم ضیاء شمس الاسلام سیال شریف کی سوا سو سالہ خدمات از ڈاکٹر تسنیم احمد، طبع اول۔

جب انگریز حکومت لالچ دے کر خواجہ صاحب کا ایمان نہ خرید سکی تو پھر آپ کو گرفتار کر کے گوبر اور گندے پانی سے بھری ہوئی کوٹھڑی میں بند کر دیا جس میں نہ بیٹھا جا سکتا تھا اور نہ ہی نماز پڑھی جا سکتی تھی، پھر آپ کی ساڑھے گیارہ مربع اراضی ضبط کر لی گئی۔ جب اس پر بھی مردِ حق نے سر نہ جھکایا تو طرح طرح سے اذیتیں دی گئیں تاکہ آپ تحریکِ پاکستان کی حمایت سے دستبردار ہو جائیں لیکن آپ نے انگریز کی ساری کوششوں پر پانی پھیرتے ہوئے فرمایا :

"عزت صرف اللہ کے اختیار میں ہے۔ اگر میں نے ایک لمحہ کے لئے بھی یہ سوچا کہ مجھے اللہ کے سوا کوئی مٹا سکتا ہے تو میں مشرک ہو جاؤں گا۔"[1]

سرگودھا کے ٹوانوں کے ساتھ آپ کے مراسم بہت اچھے تھے مگر ۱۹۴۶ء کے الیکشن میں آپ نے مسلم لیگ کا ساتھ دے کر انہیں ورطۂ حیرت میں ڈال دیا، چنانچہ حکیم آفتاب احمد قرشی رقمطراز ہیں :

"مشائخ میں سیال شریف (سرگودھا) کے سجادہ نشین حضرت خواجہ قمر الدین صاحب سیالوی مدظلہ العالی نے تحریکِ پاکستان کی بڑی سرگرم حمایت کی سیال شریف سرگودھا کی مشہور گدی ہے جس کے عقیدت مند تمام ملک میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اس خاندان کا سرگودھا میں بڑا اثر تھا، ٹوانے تو کئی پشتوں سے اس خاندان کے مرید چلے آ رہے تھے اور ان کے خواجہ صاحب سے بڑے گہرے روابط ہیں۔ تحریکِ پاکستان کا دور آیا تو ٹوانے مسلم لیگ کے شدید مخالف تھے، یونینسٹ پارٹی میں شریک تھے۔ ۱۹۴۶ء کے انتخابات میں ٹوانے یونینسٹ پارٹی کے ٹکٹ پر الیکشن لڑ رہے تھے۔ خواجہ قمر الدین صاحب سیالوی مدظلہ العالی کے ٹوانوں

---

[1] ماہنامہ ضیائے حرم لاہور، دسمبر ۱۹۷۴ء، ختمِ نبوت نمبر، ص ۵۹۔

سے ذاتی مراسم تھے مگر خواجہ صاحب نے ان ذاتی مراسم کی کوئی پروا نہ کی انہوں نے انتخابات میں مسلم لیگی امیدواروں کی پرزور حمایت کی اور صوبہ بھر کا دورہ کیا۔ انہوں نے اپنے مریدوں کو ہدایت کی کہ وہ مسلم لیگی امیدواروں کو ووٹ دیں۔ خواجہ صاحب کا یہ ایثار محض قومی جذبہ اور اسلام دوستی کا رہین منت تھا۔"[1]

پاکستان بنا تو حضرتِ خواجہ صاحب نے قائدِ اعظم کو لکھا کہ پاکستان میں فی الفور اسلامی قوانین نافذ ہونے چاہئیں، اس پر قائدِ اعظم نے جواب میں تحریر فرمایا کہ:

"پاکستان کی تحریک میں مشائخ عظام کی خدمات بڑی عظیم اور قابلِ قدر ہیں، آپ اطمینان رکھیں پاکستان میں یقینی طور پر اسلامی قانون ہی نافذ ہوگا"[2]

شہیدِ ملت خان لیاقت علی خان جب آپ سے ملنے سرگودھا تشریف لائے تو خواجہ صاحب نے دو گھنٹے تک ان سے اسلامی آئین کے بارے میں گفتگو کی اور اپنی بات چیت کے دوران ان سے استفسار کیا کہ اسلامی آئین کے نفاذ میں تاخیر کیوں ہو رہی ہے؟ اس پر لیاقت علی خاں مرحوم نے فرمایا:

"مشرقی اور مغربی پاکستان میں رابطہ اور تعلق اسلام ہی سے ہے، دنیا کے تمام مسلمان ایک لڑی میں منسلک ہیں، ہم نے یہ ملک اسلام کے نام پر ہی حاصل کیا ہے اس لئے ہم اسلامی آئین یہاں نافذ کر کے ہی دم لیں گے"[3]

لیکن افسوس قائدِ اعظم اور شہیدِ ملت لیاقت علی خاں یہ حسرت دل ہی میں لئے اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔

---

[1] روزنامہ امروز لاہور ۲۳ مارچ ۱۹۷۴ء، ص ۵ بعنوان "تحریکِ آزادی کے روشن چراغ"

[2] ماہنامہ ضیائے حرم لاہور، دسمبر ۱۹۷۴ء ص ۵۹۔

[3] ماہنامہ آئینہ لاہور، نومبر ۱۹۷۰ء۔ ص ۱۰

جمعیۃ علماءِ پاکستان نے آپ کی لیاقتِ بے پایاں کے پیشِ نظر آپ کو شیخ الاسلام مقرر کئے جانے کی سفارش کی مگر حکومت نے یہ عہدہ ہی ختم کر دیا مگر علّامہ ابوالحسنات حضرت خواجہ صاحب کو شیخ الاسلام ہی لکھتے رہے اور آپ کے لئے یہ خطاب نہایت ہی موزوں ہے۔

جون ۱۹۷۰ء میں آل پاکستان سنی کانفرنس، ٹوبہ ٹیک سنگھ (دارالسلام) میں منعقد ہوئی اس تاریخی کانفرنس میں آپ کو جمعیت علماءِ پاکستان کا مرکزی صدر چنا گیا۔ آپ کی قیادت میں جمعیت شاہراہِ ترقی پر گامزن ہو گئی۔ آپ نے ملک میں طویل دورے کئے چنانچہ جمعیت اپنی بے سروسامانی کے باوجود مرکزی اسمبلی میں سات اور پنجاب اور سندھ اسمبلی میں بالترتیب چار اور سات نشستیں حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ ۱۹۷۳ء میں آپ ناگزیر وجوہ کی بناء پر صدارت سے مستعفی ہو گئے اور آپ کی جگہ مبلغِ اسلام مولانا شاہ احمد نورانی صدر ورلڈ اسلامک مشن، جمعیت علمائے پاکستان کے صدر منتخب ہو گئے جبکہ ضیغمِ اسلام مجاہدِ ملت مولانا عبدالستار خاں نیازی ایم۔ اے مدظلہ جنرل سیکریٹری چنے گئے۔ خواجہ صاحب جمعیت کے سرگرم رکن اور سرپرست ہیں، مولانا شاہ احمد نورانی کو آپ کی مکمل تائید و حمایت حاصل ہے۔[۱]

تحریکِ ختمِ نبوت ۱۹۵۳ء کی طرح خواجہ صاحب نے ۱۹۷۴ء کی تحریک میں بھی پیرانہ سالی کے باوجود نمایاں حصہ لیا، جگہ جگہ دورے کئے، یکم ستمبر ۱۹۷۴ء کو بادشاہی مسجد لاہور میں کل پاکستان مجلسِ عملِ تحفظِ ختمِ نبوت کے عظیم الشان اجتماع میں ایمان افروز تقریر فرمائی۔[۲]

نوٹ: تحریکِ پاکستان میں خواجہ صاحب کی خدمات بہت زیادہ ہیں لیکن ہمیں فی الحال سعیِ بلیغ کے باوجود مواد نہیں مل سکا۔ انشاء اللہ آئندہ ایڈیشن میں اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

---

[۱] تذکرہ علمائے اہلسنت، مطبوعہ کانپور، ص ۱۱۹ ـ ماہنامہ آئینہ لاہور، نومبر ۱۹۷۰ء، ص ۷۔

[۲] ماہنامہ ضیائے حرم لاہور، دسمبر ۱۹۷۴ء (ختمِ نبوت نمبر) ص ۴۸

مولانا حافظ کرم علی ملیح آبادی

حضرت مولانا حافظ کرم علی ولد حکیم محمد حامد علی بن محمد نثار علی، ملیح آباد ضلع لکھنؤ (انڈیا) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے بہنوئی علامہ مفتی محمد وصی علی مرحوم (سابق ناظم دینیات مسلم یونیورسٹی علیگڑھ) سے حاصل کرنے کے بعد قرآنِ کریم حفظ کیا۔ پھر کانپور کی مشہور دینی درس گاہ مدرسہ جامع العلوم سے تعلیم مکمل کی۔ زمانہ خلافت میں آپ کی تعلیم آخری مراحل میں تھی۔ آپ نے حالات سے متاثر ہو کر سیاست میں حصہ لینا شروع کر دیا۔ فنِ تقریر پر دسترس حاصل تھی لہٰذا بہت جلد مقبول ہو گئے آپ کی تقریر انتہائی مؤثر دلنشیں اور دلچسپ ہوتی تھی۔

تحریکِ خلافت میں آپ نے اپنی سیاسی زندگی کا آغاز فرمایا۔ مسلم کانفرنس، جمعیت علماءِ ہند (کانپور) کی ورکنگ کمیٹیوں کے رکن رہے۔ مولانا عبدالحامد بدایونی کے گہرے دوستوں میں سے تھے لہٰذا ان کے ساتھ ہی مسلم لیگ میں شامل ہو گئے اور تقسیم ہند تک آل انڈیا مسلم لیگ کونسل اور یو۔پی مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی کے ممبر رہے۔ مولانا نے کانگریس کی تردید اور مسلم لیگ کی حمایت میں بھرپور دورے کئے، ہندوستان بھر میں مسلم لیگ کی رکن سازی اور تنظیم کے سلسلے میں مثالی کام کیا اور اس راہ میں جو بھی مشکلات آئیں انہیں خندہ پیشانی سے برداشت کیا، پریس کے ذریعے خاص طور پر آپ نے مسلم لیگ کی نشر و اشاعت کا کام کیا۔

آپ کی ان خدمات کا اعتراف حضرت قائدِ اعظم نے خود دو مرتبہ مسلم لیگ کے جلسوں میں کیا اور چوہدری خلیق الزماں مرحوم نے بھی اپنی کتاب شاہراہِ پاکستان میں آپ کو زبردست خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔

تقسیم ہند کے بعد آپ پاکستان آنا چاہتے تھے مگر چچازاد بھائی، بہنوئی اور استاد علامہ محمد وصی علی مرحوم نے اجازت نہ دی۔ بعد ازاں حکومتِ ہند نے پریشان کرنا شروع کر دیا

تو آپ حجازِ مقدس روانہ ہو گئے اور تقریباً دس سال تک وہیں مقیم رہے اور اس عرصے میں ہندو پاک کے حجاج کے لیے حکومتِ سعودیہ سے سہولتیں فراہم کراتے رہے۔

آپ نہایت وجیہ، خوش لباس اور خوش اخلاق تھے، ہمیشہ لکھنوی لباس زیبِ تن فرماتے، صوم وصلوٰۃ کے پابند اور متبعِ شریعت تھے۔ آپ نے تقریباً ۳۰ حج کیے۔ اور آخر کار اسّی سال کی عمر پاکر ۳ جنوری ۱۹۷۲ء مطابق ۱۵ ذی قعدہ ۱۳۹۱ھ بروز چہار شنبہ کانپور ریلوے اسٹیشن پر حرکتِ قلب بند ہو جانے سے انتقال فرما گئے۔ چنانچہ اپنے وطن مالوف ملیح آباد ضلع لکھنؤ میں سپردِ خاک کر دیئے گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ انتقال کے وقت یو پی حج کمیٹی کے صدر اور سُنّی وقف بورڈ کے ممبر تھے ؎

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

آپ کے والدِ ماجد ملیح آباد کے مشہور حکیم و بزرگ تھے اور حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادی کے مرید تھے آپ بھی بچپن ہی میں حضرت سے بیعت ہو گئے تھے۔ جدی پیشہ زمینداری اور مشغلہ علم دوستی اور علم پروری رہا [1]

---

[1] مکتوب جناب پروفیسر محمد ایوب قادری بنام راقم الحروف، محررہ ۲۶ اکتوبر ۱۹۷۴ء کراچی۔ و مکتوب جناب حاجی محمد اشرف علی (خواہر زادہ حضرت مولانا حافظ کرم علی) بنام راقم محررہ ۴ دسمبر ۱۹۷۴ء کراچی و ۲۰ اپریل ۱۹۷۵ء۔

نوٹ :۔ آپ نے قائدِ اعظم کے حکم پر مولانا سید حامد بدایونی کے ساتھ سرحد کا دورہ کرکے سرخپوشوں کا زور توڑا۔

(بہ روایت قاضی حبیب الحق آف پرمولی ضلع مردان)

سیّد کیقباد شاہ المعروف پیر کوہاٹی

آپ ۱۹۱۵ء میں صوبہ سرحد کے شہر کوہاٹ میں پیدا ہوئے۔ والدہ کی طرف سے حسنی اور والد کی طرف سے حسینی سیّد ہیں۔ آپ کا شجرہ ۲۸ واسطوں سے حضرت سید جلال الدین بخاری اُچوّی سے جاملتا ہے۔ آپ کے آباء و اجداد تیموری عہد میں بغداد سے ماوراءالنہر کے راستے کوہاٹ میں وارد ہوئے تھے جن کے مزارات کوہاٹ کی شمالی جانب پہاڑ کی چوٹی پر مرجع عقیدتمنداں ہیں آپ نے تیرہ برس کی عمر میں ابتدائی کتب کوہاٹ کے معروف عالم دین مولانا شبقدر علیہ الرحمۃ سے پڑھیں۔ ابتدائی تعلیم کی تکمیل کے بعد دارالعلوم دیوبند سے سندِ فراغت حاصل کی۔ اس کے علاوہ حدیث، ریاضی اور معقولات کی مزید تعلیم کے لئے میرٹھ، بلخ اور قندھار کا سفر بھی کیا۔ علوم کی تحصیل کے بعد آپ سلوک و تصوف کی طرف مائل ہوئے اور مسلسل ریاضات و مجاہدات میں مشغول ہو گئے۔ شیخ کامل کی تلاش میں طویل سفر کئے۔ بالآخر آپ کو روحانی طور پر کوڑہ خٹک پشاور کے حضرت سید مہربان علی شاہ کی خدمت میں جانے کا اشارہ ہوا۔ آپ مذکورہ مقام پر پہنچے اور سید مہربان علی شاہ علیہ الرحمۃ سے بیعت ہو گئے۔ انہوں نے کچھ عرصہ اپنے پاس رکھ کر تربیت کی اور خرقہ خلافت عطا کر کے میانوالی میں تلقین و ارشاد کے مقام پر فائز کیا۔ شیخ کے حکم پر آپ نے اپنے آبائی شہر کوہاٹ میں تمام جائداد، کاروبار اور متعلقین کو خیرباد کہا اور میانوالی شہر کی مغربی جانب آستانہ غوثیہ قادریہ قائم کیا جہاں آپ کے فیوضات سے عوام و خواص مستفیض ہوتے ہیں۔

آپ کا حلقہ ارادت خاصا وسیع ہے۔ پورے برِ صغیر میں لاکھوں کی تعداد میں آپ کے مریدین موجود ہیں۔ ہر سال آستانہ پر حضرت غوث اعظم سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کا عرس مبارک بڑی شان و شوکت سے منایا جاتا ہے۔

حضرت پیر صاحب کوہاٹی نے جنگ آزادی میں جو کردار انجام دیا اسے صوبہ سرحد

کبھی فراموش نہیں کر سکتا جب ملک میں انگریزی استعمار کے خلاف علماء و مشائخ میدانِ عمل میں آئے تو آپ بھی ان میں پیش پیش تھے۔ جب تک کانگرس کا مقصد فقط انگریزوں کو ملک سے باہر نکالنا تھا اس وقت تک آپ کانگرس میں شامل رہے اور پورے سرحد میں انگریزوں کو ناکوں چنے چبوائے مگر جب کانگرس کے عزائم متحدہ ہندوستان بنانے کے ہو گئے تو آپ نے کانگرس سے فوری طور پر علیحدگی اختیار کی اور مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔

فرنگی راج کے زمانے میں جب انگریزی حکومت نے صوبہ سرحد کے مجاہدینِ آزادی پر ہر قسم کا ظلم روا رکھا اور لاتعداد پٹھانوں کو جیل میں ڈال دیا تو آپ راتوں رات قبائل کا دورہ کرتے اور اپنی ایمان افروز تقاریر سے ہزاروں مجاہدینِ آزادی کو انگریز کے خلاف لا کھڑا کرتے یہاں تک کہ کوہاٹ، مردان اور پشاور کی جیلوں کا نظام اس طرح درہم برہم ہو گیا کہ آپ نے تمام پٹھانوں کو گرفتاریاں پیش کرنے کا حکم دیا۔ الغرض صوبہ سرحد میں جن فدائینِ آزادی نے انگریزی استعمار کو تنگ اور ناکام کر رکھا تھا ان میں آپ کا نام سرِفہرست ہے۔

جب انگریزوں نے یہ دیکھا کہ آپ کسی طرح بھی اپنی کوششوں سے باز نہیں آتے تو انہوں نے پہلے آپ کو جاگیروں، دولت اور عمارات کا لالچ دیا مگر جب آپ نے دولتِ آزادی کے مقابلے میں سیم و زر کے ڈھیروں کو لات ماری تو آپ کا مکان جلا دیا گیا، صوبہ بدر کیا گیا مگر آپ نے جس کشتی کا جستجو تھاما تھا اسے ساحلِ مراد تک لے ہی گئے۔

آج کل آپ گوشہ نشین ہیں اور میانوالی میں آستانہ غوثیہ پر اپنے فیوضات سے عوام و خواص کو مستفیض فرما رہے ہیں۔ آپ اہلِ سنت وجماعت کے مایہ ناز بزرگ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے عاشق اور اسلاف کا حقیقی نمونہ ہیں۔

پیر سیّد محمّد محدث کچھوچھوی

اسمِ گرامی آپ کا سیّد محمد تھا۔ والدِ ماجد کا نام نامی حکیم سیّد نذر اشرف تھا۔ آپ کی ولادت ۱۵ ذی قعدہ ۱۳۱۱ھ کو قبل از نمازِ فجر موضع جائس ضلع رائے بریلی میں ہوئی ؎۱۔ تربیت و پرورش نانا جان حضرت شیخ المشائخ سیّد علی حسین اشرفی کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ نے کی۔ والدِ گرامی سے فارسی پڑھنے کے بعد حضرت مولانا عبد الباری فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ سے مدرسہ نظامیہ فرنگی محل سے علومِ عربیہ کی تحصیل کی۔ مولانا عبد الباری قدس سرہ آپ کے سیّد زادے ہونے کی بنا پر آپ کا بہت احترام کرتے تھے۔ بعد ازاں آٹھ سال تک حضرت مفتی لطف اللہ علی گڑھی رحمۃ اللہ علیہ سے شرح تجرید اور افق المبین کا درس لیا۔ مفتی صاحب نے سندِ فراغت کے ساتھ علامہ کا لفظ لکھا۔ پیلی بھیت میں مولانا شاہ مطیع الرسول عبد المقتدر بدایونی رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث شریف پڑھ کر سند حاصل کی۔

فارغ التحصیل ہونے کے بعد دہلی میں مدرسۃ الحدیث قائم کر کے درس حدیث دینا شروع کیا اور اپنے نانا جان حضرت شیخ المشائخ سیّد علی حسین اشرفی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی اور خلقِ خدا کی روحانی تربیت فرمانے لگے۔ آپ نے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ سے بھی تلمذ حاصل کیا تھا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ بھی آپ کو سیّد ہونے کی وجہ سے بہت محترم جانتے تھے اور بڑے ادب سے پیش آتے تھے یہاں تک کہ ہاتھ چوما کرتے تھے ؎۲

اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے آپ کو اجازت و خلافت سے بھی نوازا تھا۔ آپ کو بھی اعلیٰحضرت

؎۱ تذکرہ علمائے اہلسنت از شاہ محمود احمد قادری مطبوعہ کانپور ص ۲۳۵

؎۲ ماہنامہ پاسبان الٰہ آباد مئی جون ۱۹۶۲ء ص ۲۳

نوراللہ مرقدہ سے عقیدت و محبت تھی۔ عرس رضوی بریلی شریف میں ہر سال حاضر ہوتے تھے اور اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی قائم کردہ جماعت رضائے مصطفےٰ کے تاحیات صدر رہے۔

آپ بیک وقت عالم، فاضل، ادیب، خطیب، صوفی، شاعر، پیرِ طریقت اور محدث تھے۔ تمام سال تبلیغی دوروں میں صرف ہوتا تھا۔ پانچ ہزار سے زائد غیر مسلموں نے آپ کے دستِ حق پرست پر اسلام قبول کیا تھا اور کئی لاکھ مسلمان شرفِ بیعت سے مشرف ہوئے تھے۔ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تو آپ کی رگ و پے میں سمایا ہوا تھا۔ آپ کا مجموعۂ کلام فرش پر عرش میرے دعویٰ کی تصدیق کے لئے کافی ہے۔ آپ چار مرتبہ زیارتِ حرمین در روضۂ انور سرکارِ دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوئے[1]

مذہبی، تبلیغی اور سماجی کاموں کے علاوہ آپ نے سیاسی تحریکوں میں بھی بھرپور حصہ لیا۔ تحریکِ پاکستان میں آپ کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔ آپ نے دیگر مشائخِ اہلسنت کے شانہ بشانہ مگر قائدانہ حیثیت سے کام کیا، تحریکِ پاکستان کی حمایت میں ملک گیر دورے کئے اور عوام کو مسلم لیگ کے منشور سے آگاہ کر کے نظریۂ پاکستان کا ہمنوا بنایا۔ بنارس کی آل انڈیا سنی کانفرنس اور اجمیری کانفرنس میں آپ کے خطبے تحریکِ پاکستان کی حمایت کے جیتے جاگتے ثبوت ہیں بنارس کی آل انڈیا سنی کانفرنس میں آپ کے خطبۂ صدارت سے ایک اقتباس پیشِ خدمت ہے:۔

"میرے دینی رہنماؤ! میں نے عرضداشت میں ابھی ابھی پاکستان کا لفظ استعمال کیا ہے اور پہلے بھی کئی جگہ پاکستان کا لفظ آچکا ہے، ملک میں اس لفظ کا استعمال روزمرہ بن گیا ہے۔ در و دیوار پر "پاکستان زندہ باد"، تجاویز کی زبان میں "پاکستان ہمارا حق ہے"۔ نعروں کی گونج میں "پاکستان لے کے رہیں گے"، مسجدوں میں، خانقاہوں میں، بازاروں میں، ویرانوں میں لفظِ

[1] تذکرہ علمائے اہلسنت مطبوعہ کانپور، ص ۲۳۶

"پاکستان" لہرا رہا ہے۔ اس لفظ کو پنجاب کا یونی نسٹ لیڈر بھی استعمال کرتا ہے اور ملک بھر میں ہر مسلم لیگی لیڈر بھی بولتا ہے اور ہم سنیوں کا بھی یہی محاورہ ہو گیا، اور جو لفظ مختلف ذہنیتوں کے استعمال میں ہو اس کے معنے مشکوک ہو جاتے ہیں جب تک بولنے والا اس کو واضح طور پر نہ بتا دے یونی نسٹ کا پاکستان وہ ہو گا جس کی مشینری سردار جوگندر سنگھ کے ہاتھ میں ہو گی۔ لیگ کے پاکستان کے متعلق دوسری قومیں چیختی ہیں کہ اب تک اس نے پاکستان کے معنیٰ نہ بتائے اور جو بتائے وہ الٹے پلٹے ایک دوسرے سے لڑتے بتائے۔ اگر یہ صحیح ہے تو لیگ کا ہائی کمانڈ اس کا ذمہ دار ہے لیکن جن سنیوں نے لیگ کے اس پیغام کو قبول کیا ہے اور جس یقین پر اس مسئلہ میں لیگ کی تائید کرتے پھرتے ہیں۔ وہ صرف اس قدر ہے کہ ہندوستان کے ایک حصہ پر اسلام کی، قرآن کی آزاد حکومت ہو، جس میں غیر مسلم ذمیوں کے جان و مال، عزت و آبرو کو حسب حکم شرع امان دی جائے، ان کو ان کے معاملات کو ان کے دین پر چھوڑ دیا جائے۔ اگر سنیوں کی اس سمجھی ہوئی تعریف کے سوا لیگ نے کوئی دوسرا راستہ اختیار کیا تو کوئی سنی قبول نہیں کرے گا۔

آل انڈیا سنی کانفرنس کا پاکستان ایک ایسی خود مختار آزاد حکومت ہے جس میں شریعت اسلامیہ کے مطابق فقہی اصول پر کسی قوم کی نہیں بلکہ اسلام کی حکومت ہو، جس کو مختصر طور پر یوں کہئے کہ خلافتِ راشدہ کا نمونہ ہو، ہماری آرزو ہے کہ اس وقت ساری زمین پاکستان ہو جائے۔" [1]

۵ / ۶ رجب المرجب ۱۳۶۵ھ کو سنی کانفرنس اجمیر شریف میں آپ کے خطبہ صدارت

[1] خطبہ صدارت بنارس سنی کانفرنس مطبوعہ لاہور، ص ۲۳۔

سے بھی اقتباسات ملاحظہ ہوں :-

"اے سُنی بھائیو! اے مصطفےٰ کے لشکریو! اے خواجہ کے مستو! اب تم کیوں سوچ جو کہ سوچنے والے مہربان آ گئے، اور تم کیوں رکو کہ چلانے والی طاقت خود آ گئی، اب بحث کی لعنت چھوڑ دو، اب غفلت کے جرم سے باز آؤ، اٹھ پڑو، کھڑے ہو جاؤ، چلے چلو، ایک منٹ بھی نہ رکو، پاکستان بنا لو تو جا کر دم لو کہ یہ کام اے سُنیو! سن لو کہ صرف تمہارا ہے۔

حضرات ہیں نے بار بار پاکستان کا نام لیا ہے اور آخر میں صاف کہہ دیا ہے کہ پاکستان بنانا صرف سنیوں کا کام ہے، اور پاکستان کی تعمیر آل انڈیا سنی کانفرنس ہی کرے گی۔ اس میں سے کوئی بات بھی نہ مبالغہ ہے نہ شاعری ہے اور نہ سنی کانفرنس سے غلو کی بنا پر ہے، پاکستان کا نام بار بار لینا جس قدر ناپاکوں کو چڑ ہے، اسی قدر پاکوں کا وظیفہ ہے، اور اپنا وظیفہ کون سوتے جاگتے، اٹھتے بیٹھتے، کھاتے پیتے پورا نہیں کرتا؟ اب رہا پاکستان کا سُنیاں است! یہ ملک کی کسی سیاسی جماعت سے تصادم کے لئے نہیں کہا ہے بلکہ ایک حقیقت ہے جس کا اظہار بلاخوف لومۃ لائم کر دیا ہے۔" [1]

آپ نے درجنوں کتابیں تصنیف کیں، ہمیں جن چند ایک کے نام معلوم ہو سکے ان کا ذکر کیا جاتا ہے :-

۱۔ ترجمہ قرآن پاک آپ نے اردو میں بامحاورہ اور شستہ ترجمہ کیا تھا جس کے ابتدائی حصے کو دیکھ کر اعلیحضرت نے فرمایا تھا کہ شہزادے! اردو میں قرآن لکھ رہے ہو [2]

---

[1] خطبہ اجمیر سنی کانفرنس، مطبوعہ لاہور، ص ۳۸۔

[2] تذکرہ علماء اہلسنت، ۲۳۶

۲۔ تفسیرِ قرآنِ پاک — آپ نے ترجمہ کے بعد تفسیر کا کام شروع کیا تھا مگر تین پارے اور چند رکوع کی تفسیر لکھنے کے بعد آپ کا انتقال ہو جانے کی وجہ سے یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔

۳۔ فرش پر عرش — یہ آپ کا منظوم مجموعۂ کلام ہے اور آپ کی فصاحت و بلاغت اور تبحرِ علمی کی منہ بولتی تصویر ہے۔

۴۔ حیاتِ غوث العالم — حضرت کے مورثِ اعلیٰ سید اشرف جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح حیات ہے۔

۵۔ اتمامِ حجت — یہ کتاب وہابیہ اور دیوبندیہ کے رد میں لکھی گئی ہے۔

۶۔ تقوی القلوب — یہ وہ عظیم الشان تصنیف ہے جو حضرت مولانا غلام بھیک نیرنگ انبالوی (ایڈووکیٹ) رحمۃ اللہ علیہ کے ایک طویل سوال کے جواب میں لکھی گئی ہے۔ سعودی حکومت نے جب حجازِ مقدس پر قبضہ کر کے آثار و برکات کے علاوہ تاریخی مساجد اور مزاراتِ صحابہ کو اپنے ظلم و تشدد کا نشانہ بنایا تو ہندوستان میں سعودی حکومت کے اس غلط کردار کو صحیح ثابت کرنے کے لئے سید سلیمان ندوی، عبدالحی دہلوی اور مفتی کفایت اللہ دہلوی نے جب اپنی تاریخ، حدیث، اور فقہ دانی کے بزعمِ خویش جوہر دکھائے تو حضرت محدثِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں آڑے ہاتھوں لیا اور ایسی گرفت فرمائی کہ مخالفین کے دانت کھٹے کر دئے، چنانچہ آج تک کسی کو اس کا جواب لکھنے کی جرأت نہیں ہو سکی۔

آپ کے شاگردوں میں سید محمد مدنی فرزند ثالث اور مولانا محمد سلیمان بھاگلپوری مشہور ہیں۔

آخر طویل علالت کے بعد آپ نے ۱۶ رجب المرجب ۱۳۸۱ھ / ۲۵ دسمبر ۱۹۶۱ء بروز دوشنبہ ساڑھے بارہ بجے دن لکھنؤ میں وفات پائی اور کچھوچھہ شریف میں دفن ہوئے [1] نماز جنازہ سید مختار اشرف سجادہ نشین سرکار کچھوچھہ شریف نے پڑھائی۔ مادۂ تاریخ وفات یہ ہے ع

آہ الحق موت العالم موت العالَم

۱۳ ھ ۸۱

---

[1] ماہنامہ پاسبان الہ آباد (محدث اعظم نمبر)، مئی جون ۱۹۶۲ء، ص ۸، ۱۴، ۱۹، ۲۰، ۵۱، ۵۷، ۸۹

نوٹ :- حضرت محدث کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ نے آل انڈیا سنی کانفرنس منعقدہ اجمیر شریف (۵-۶ رجب المرجب ۱۳۶۵ھ) میں جو خطبہ صدارت (الخطبۃ الاشرفیہ للجمہوریۃ الاسلامیہ) ارشاد فرمایا تھا، آئندہ صفحات میں اس تاریخی خطبے کا عکس پیش کیا جا رہا ہے، اور حضرت کا وہ تاریخی خطبہ (خطبۂ صدارت جمہوریہ اسلامیہ) جو انہوں نے بنارس سنی کانفرنس میں ارشاد فرمایا تھا اس کا عکس (ان شاء اللہ تعالیٰ) اکابر تحریک پاکستان کے حصہ دوم کے آخر میں شامل کر دیا جائے گا۔

اِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لَسِحْرًا

خطبۃ الاشرفیۃ للجمہوریۃ الاسلامیۃ

بعونہٖ تعالیٰ وکرمہٖ

امسال ۵- اور ۶- رجب المرجب ۱۳۶۵ھ کو آل انڈیا سُنّی کانفرنس کے اسپیشل اجلاس، مسجد شاہجہانی واقع درگاہ معلیٰ اجمیر شریف میں حضرت عالی درجت سراپا برکت مرجع المشائخ والکبراء مامن شاہ وگدا دیوان سید شاہ آلِ رسول علی خاں صاحب (دامت برکاتہم) سجادہ نشین درگاہ عالم پناہ خواجہ غریب نواز قدس سرہٗ کی دعوت اور ہدایت کے ماتحت ہوئے جنکی ایک نشست میں خود حضرت ممدوح مدظلہٗ نے مسند صدارت کو عزت بخشی، اُسی اجلاس میں فرزند رسول جگر گوشۂ بتول عالم نبیل فاضل جلیل رئیس المتکلمین حضرت مولانا الحاج المولوی السید الشاہ سید محمد صاحب محدث کچھوچھوی مدظلہٗ صدر آل انڈیا سُنّی کانفرنس نے یہ نفیس خطبہ ارشاد فرمایا اور لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ اپنے مخصوص انداز میں سُنایا

حسب فرمائش اراکین آل انڈیا سُنّی کانفرنس

(جناب مولانا مولوی ظفر الدین احمد صاحب دام مجدہم) نے اپنے

اہلسنت برقی پریس شیش محل مراد آباد میں چھاپ کر شائع فرمایا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی من علینا اذ بعث فینا رسولا و جمعنا علی کلمۃ واحدۃ و کعبۃ واحدۃ و قرآن واحد و دین واحد و جعل النا سعیا مشکورا و عملا مقبولا و الصلوۃ والسلام علی من ھو حبل اللہ المتین و العروۃ الوثقیٰ بالیقین و ھو الذی الف بین قلوبنا اذ کنا اعداء فاصبحنا بنعمتہ اخوانا و باللہ مؤمنین و علی آلہ و اصحابہ و ازواجہ الطیبین الطاہرین و علی الائمۃ المجتہدین و علماء امتہ و اولیاء ملتہ و شہداء محبتہ و جمیع المتمسکین بسنتہ والمعتصمین و علینا معھم و بھم و لھم - اما بعد

مشائخ کرام، علمائے اعلام و برادرانِ اسلام! اللہ اللہ کیسی مبارک گھڑی، اور کیسا مقدس مقام، اور کسقدر بلند مقصد آج اور اسوقت میسر ہے کہ اگر اس ساعتِ حیات کی برکتیں تمام زندگی کے لمحات کو تقسیم کردی جائیں، تو انشاء اللہ تعالیٰ ہم سب کا بیڑا پار ہو جائے۔ یہ شاہجہانی مسجد ہے جسکی بنیاد سے لیکر چوٹی تک جدھر نظر کیجیے تو اس عقیدتمندی کی صاف شفاف و سفید جھلک موجود ہے، جو ہمارے تخت و تاج والے حکمرانوں کو دلق و گلیم والے فرمانرواؤں سے تھی۔ لال قلعہ دہلی کے تخت طاؤسی پر جو سرسب سے اونچا نظر آتا تھا، وہ سب سے زیادہ جھکنے والا، اور جھکانے والا خاک پاکِ اجمیر میں دکھائی پڑتا تھا۔ سلطان السلاطین و شہنشاہ کا لقب خواجۂ خواجگاں کی جاروب کشی نے بخشا تھا۔ خزانۂ عامرہ والے لعل و جواہر گدڑی والوں سے مانگ لیجاتے تھے۔ نبرد آزماؤں کی تلواریں گوشہ نشینوں کی چوکھٹ پر تیز کیجاتی تھیں، کلغی والوں کی کلغیاں ننگے تلوے والوں کے تلوے چوما کرتی تھیں۔ آنکھ والوں کے لئے سرمۂ سعادت بصیرت والوں کی خاکِ پا ہوتی تھی۔ تدبیر والوں کی تقدیریں، دعا والوں کی دعاؤں سے سنورتی جاتی تھیں۔ جاں بازوں اور خطرات کی توپوں کے دہانوں پر سینہ رکھدینے والوں کی زرہیں نصرٌ مِّنَ اللہِ وَ فَتْحٌ قَرِیْبٌ پڑھکر مژدۂ نصرت و فتح دینے والی بشارتوں سے بنتی تھیں۔ عزم والوں کو آہنی عزائم، ذکرِ حدادی والے عطا فرماتے تھے۔ سرکوبیوں کے طریقے ذکرِ ارّہ والوں سے سیکھے جاتے تھے۔ پینترے والوں کے پینترے نظر بر قدم اور قدم بر نظر والوں کے کنٹرول میں تھے۔

ہوشیاری و باخبری کی تعلیم، پاس انفاس والوں کے سپرد تھی۔ ہمت و استقلال کی بھیک دِل والوں سے مانگی جاتی تھی۔ عواقب و نتائج کی باگ ملدار بابِ کشف و شہود کے ہاتھوں میں رہتی تھی۔ جہانگیری تزک اور عالمگیری تہوّر کا دار و مدار بوریا نشینوں پر تھا۔ اکبری آئین آئینِ ربّانی والوں کی دربانی کرتے تھے، اور شاہجہانی حوصلہ کی تعمیر، شاہ گرد درویشوں کے ہاتھ میں تھی۔ مرہٹہ کے رسوائے عالم ڈاکو کے سر کرنیوالے ہاتھ میں خرقہ پوشوں کا دامن رات، دن رہتا تھا۔ فقیروں کی خانقاہوں میں راعی اور رعایا ایک ہی پوزیشن رکھتے تھے۔ اخوت و مساوات حرّیت و مودّت کا آخری فیصلہ مُرشدِ برحق کا ارشادِ حق تھا۔ آنکھوں میں دیکھنے کی صلاحیت تھی کانوں میں سُننے کی اہلیت تھی، گداؤں کو شاہوں کی معرفت تھی، محتاجوں نے حاجت روائی کے دروازوں کو پہچان لیا تھا۔ شبر و شبیر کی تجنیسِ خطی سے دھوکا نہیں ہوتا تھا۔ اولیاء کی ہمسری کا خواب بھی جرمِ عظیم تھا۔ دہلی و اجمیر کی درمیانی دراز مسافت اور راجپوتانہ کی سنگلاخ زمین اور پُر پیچ پہاڑیاں بھی حقیقت کو پردہ میں چھپا نہیں سکتی تھیں، اور دہلی کا قطب الاقطاب جہاں سے اپنے بخت کی یاوری، اور عالمِ غیب کے رُوحانی "کاک" حاصل کر چکا تھا، وہیں سے مغل تاجداری، اپنی حکمرانیوں اور جہاں بانیوں کی سند پاتی تھی۔ اِس شاہجہانی مسجد کے سنگِ مرمر سے پُوچھو کہ شاہجہاں نے کسطرح مرمر کر یہ سعادت حاصل کی کہ اُسکی اِس تعمیر پر شبانہ روز سُلطان الاولیاء کی نظر ہے، جسکی بدولت اَن گِنت عارفوں نے معبودِ برحق کے یہاں تعبدی سجدے کیے اور بیشمار ملائکہ کی یہ ہر وقت گزر گاہ ہے۔ اِنچ اِنچ پر یادِ الٰہی کی یادگاریں ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ مقام کے تقدیس کا خیال کر کے یہاں پاؤں رکھتے ہوئے کلیجہ تھراتا ہے، اور سر کے بل چلنے کو دل تڑپتا رہتا ہے۔ یہ تو خانۂ خدا، اور سجدگاہِ اولیاء کا حال ہے ا۔

اور وہ سامنے سُلطان السلاطین کا دربار، اور خواجۂ خواجگاں کی سرکار ہے، آفتابِ ولایت کی ضیاء باریاں ہیں، اور ماہتابِ کرامت کی نُور پاشیاں ہیں، فیض و کرم کا چشمہ اُبلا پڑتا ہے۔ اور غریب نوازیوں کا سمندر موجیں مار رہا ہے۔ قسمیانِ چرخ اگر آنکھوں سے اوجھل ہیں، تو سرستانِ زمین ہی کا میلا دیکھ لیجیے۔ سُبحان اللہ کیسی شمعِ ولایت ہے کہ دنیا پروانہ وار فدا ہو رہی ہے۔ کیسا مالکِ تخت و تاج ہے کہ ایک زمانہ جس کا محتاج ہے، جسکو ہم امیر کہتے ہیں وہ

یہاں کا فقیر ہے، اور جسکو تم فقیر جانتے تھے وہ یہیں کا دامنگیر ہے۔ سلطان کا سلطان بادشاہوں کا بادشاہ، غریب نوازوں کا غریب نواز۔ خواجوں کا خواجہ۔ ساقیوں کا ساقی۔ یاروں کا یار۔ پیوں کا پیا۔ محبوبوں کا محبوب۔ دیکھئے دیکھئے سنہری کلس ہے کہ نور کا بکا۔ قبۂ بیضا ہے کہ نور ظہور کا تڑکا ہے۔ تجلیوں کے خواجہ تیری ایسی تجلیاں۔ اے قدرت نمائیوں کے داتا تیری یہ کارفرمائیاں۔ آنکھوں میں چکاچوند ہے، دل سرشار ہے، دماغ خدا جانے کہاں پہنچا ہوا ہے، آسمان کا تارا تارا، چمنستانِ دہر کا پتہ پتہ زمین کا ذرہ ذرہ، حاضرین کا ہر چھوٹا بڑا۔ میری روح کی گہرائیوں کا گوشہ گوشہ۔ میرے جسم کا رونگٹا رونگٹا کس مزے میں زبانِ حال سے گویا ہے کہ ؎

معینا دستگیرا بادشاہا مرشدا خواجہ ؛ طفیلِ رحمۃ للعالمین چشمِ کرم برما

آج رجب شریف کی چھٹی شب ہے ہندوستان بھر میں چشتی عید ہے، یارِ حقیقی سے وصالِ خواجہ کی تاریخ ہے، عرس شریف کا دن ہے، خواجہ بزرگ کی یادگار ہے، قرآن کریم کی زبان میں اَیَّامُ اللہ میں سے ایک ممتاز یوم ہے، وحیِ الٰہی کی شہادت ہے کہ خاصانِ حق و مقبولانِ درگاہِ مطلق کا یومِ ولادت و یومِ وصال و یومِ حشر بتعین تاریخ کے ساتھ اولٰی سلامتیوں اور ربانی رحمتوں کی بارش لایا کرتے ہیں۔ ان تاریخوں میں انکے وابستگانِ دامن کی بن آتی ہے، بگڑیاں بنادی جاتی ہیں، بیمار صحت پاتے ہیں، اسیرانِ نفس و معصیت کو رہائی [illegible] اپنے رب سے مانگنے والے بے حساب پاتے ہیں اور بے تحاشا بانٹتے ہیں۔ کمانے والے دونے زیادہ اجر حاصل کیے اور اپنے وابستوں کو عطا فرماتے رہتے ہیں۔ ان بیشمار نعمتوں میں سے یہ ایک کیا کم ہے کہ آنکھیں ملتی ہیں، آنکھوں کو بینائی ملتی ہے، بینائی کو تیزی بخشی جاتی ہے، مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی کا صدقہ ملتا ہے، اسلام کی بخشی ہوئی تیز نگاہی کی حفاظت کا سرمہ ملتا ہے۔ دنیا کی تاریخ ہمارے سامنے ہے۔ قوموں نے اپنے گرد و پیش آگ پانی مٹی ہوا دیکھا تو آنکھیں تھک گئیں اور حقیقت تک باریاب نہ ہوسکیں، عقلیں سوختہ ہوگئیں۔ ہوشمندی ہوتے مرگئی، انسانی شرافت خاک میں مل گئی، اور فہم و فراست ہوا ہوگئی۔ آسمان کی طرف آنکھیں اٹھائیں تو چاند سورج اور ستاروں سے آگے نہ بڑھیں، اور چکاچوند ہوکر رہ گئیں۔ یہ آتش پرستی اور گنگا پوجا یہ بت پرستی یہ ہوائی اوہام تنگ بینوں کی کمزوریاں نہیں تو کیا بلا ہیں؟ چندرما پوجا، سورج پوجا

گرہن پوجا، اور ستاروں کی پرستش اندھاپن نہیں تو اور کونسی لعنت ہے۔ لیکن اسلام کی تیز نگاہی
اللہ اکبر آثار کو دیکھا اور مؤثر کا یقین آیا۔ افعال سامنے آئے اور فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ کی قدریں
نظر آنے لگیں، صفات کی تجلیات نے ذات کی طلب پیدا کر دی، اجرام فلکیت کے پردے چاک کر دیے
استحالہ خرق والتیام کے نظریہ کا استحانہ کر دیا۔ اور جاتے جاتے نگاہیں حقیقت تک پہنچ گئیں شیدائے
جمال کعبہ جسکے پتھر ہیں آج تک سیہ پوش ہے، اور عرش اعظم کی پہنائیاں جسکی اب بھی جویاں ہیں،
اسلامی آنکھ نے لذت دید میں سرشار ہو کر اُسکو اپنے دل میں رکھ لیا۔

یہ اُس اسلامی تیز نگاہی کی کرامت ہے کہ خواجہ خلوت کدۂ قبر میں، پردہ نشیں ہوئے، قبر کو تعویذ قبر نے چھپایا، تعویذ قبر نے غلاف کی چوندر اوڑھ لی، ان سب پر گنبد آکر چھا گیا، لیکن اسلامی آنکھ کیلیے کسی چھپانے والے نے خواجہ کو چھپا لینے میں کامیابی حاصل کی۔ تعویذ قبر پر خسار رکھدینے والو اور غلاف قبر کو سر پر رکھنے والے آنکھ والوں سے پوچھو کہ ان سب کا لالہ ، اور قبر کا مقبور کس کو پایا؟ اور اگر میتِ نظر نہیں تو لباس میں کیا رکھا ہے، اور اگر مقبور پر نگاہ نہیں تو قبر میں کیا دھرا ہے۔ یہ وہابیت کا اندھاپن ہے کہ ٹٹولتے ٹٹولتے قبر تک پہنچی تو خاک پتھر کے سوا کچھ ہاتھ نہ لگا، اور محروم ازلی ہو کر رہ گئی۔ اور یہ اسلام کی تیز نگاہی ہے کہ قبر کو مقبور سے نسبت بخشی۔ کفار کی قبروں کو اکھاڑ دینے کی اجازت دی کہ کفر و کفار کو کسی احترام کا حق نہیں۔ مومن کی قبر پر اُس آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے قدم پاک رکھنا گوارا نہ فرمایا، جسکے تلووں کے نیچے ایمان والوں کی جنتیں ہیں، تو پھر مقبولان بارگاہ کی قبروں کا کتنا بڑا رتبہ ہوا، یعنی وہابیت کہتی ہے کہ قبر کو دیکھو، اور اسلام کہتا ہے کہ مقبور کو دیکھو۔

یہ تو ہم مسلمانوں کا روز مرّہ ہے کہ قرآن شریف کو تلاوت کے لیے لیا اور پہلے جزدان کو چوم لیا پھر جلد کو چوما اور پھر کھولکر تلاوت میں لگ گئے۔ یہ جزدان کے کپڑے کو نہیں چوما، یہ جلد کے چمڑے کو نہیں چوما، بلکہ جزدان کے اندر جلد میں چومنے کے قابل چیز ہمکو پہلے ہی سے نظر آگئی، اُسکو چوم لیا، دال کو نہیں چوما مدلول کو چوما، یا مدلول سے دال کی جو نسبت ہے اُسکو چوما۔ ہاں ہاں غلاف قبر کو کوئی نہیں چومتا، اُسکی اُس نسبت کو چومتا ہے جو مقبور سے اُسکو حاصل ہے۔

ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ یہیں کتنا مقدس مقام اور کسقدر اہم ایوان اور کتنی خاص تاریخ میسر ہے زمان و مکان کی شرافت پوری پوری موجود ہے، اور بعونہ تعالیٰ اخوان کی شرط بھی موجود ہے۔ ہم ہیں

نہیں کہتے کہ ہم گنہگار نہیں، سیہ کار نہیں، خطا شعار نہیں۔ لیکن ہاں ڈنکے کی چوٹ کہتے ہیں کہ ہم باغی نہیں ہم غدار نہیں۔

زمانہ میں روشنی کے نام پر الحاد کی تاریک آندھیاں چلیں، دین فروشوں نے دین کے نام کو پیٹ کا دھندا بنایا، کھلے بازار میں ملت فروشی کی جا رہی ہے، ضمیر فروشی، قوم فروشی کا بلیک مارکیٹ قانون کی زد سے بھی آزاد ہے۔ نام دار العلوم رکھا اور کام ودیا مندر کا کیا۔ نام پوچھو تو احرار بتائیں، اور کام دیکھو تو غلاموں کی غلامی پر اترائیں۔ یا رسول اللہ سُن کر گھبرائیں اور بندے ماترم کا ترانہ گائیں۔ نعرۂ تکبیر سے اُلجھیں اور اپنے باپو کی جے منائیں۔ مسلمانوں سے بیزار اور مشرکوں کے علمبردار اتو تہنّد کا رنگ ایسا چڑھا ہے کہ پہچاننا دشوار ہے کہ مولوی جی ہیں یا مالوی جی ہیں۔ سب کچھ ہے مگر اے خواجہ تیری خواجگی کے قربان کہ تیرے مست تیرے ہی رہے، تیری تعلیم، تیرے پیغام سے ایک اِنچ نہ ہٹے، چودہ سو برس کی پرانی لکیر کے فقیر بنے رہے، مشرک کے پاؤں پر توحید کو کھڑا نہیں کیا اور کسی قیمت پر اپنے دین کو نہیں بیچا، نہ یورپ کی چال ان پر چلی، نہ اکثریت کی سرمایہ داری کا جال اُنکو پھانس سکا، یہ خواجہ کی دُہائی دینے والے، یہ عُرس وفاتحہ والے، یہ میلاد وقیام والے، یہ نعرۂ تکبیر و نعرۂ رسالت والے اُسی مقام پر رہے جہاں خواجہ کی کرامت نے اُن کو کھڑا کر دیا ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ کیسے اچھے سُتھرے خواجہ والے، غوث والے اخوان میرے سامنے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہمارا مقصد بھی نہایت بلند پایہ ہے۔ آج ہمارا اجمیر میں وہی مقصد ہے جو چشت کے راجہ کو صدیوں پہلے اجمیر ہی لا چکا ہے، جس نے جیلان والے غوث کو بغداد پہنچایا ہے، جسکے لیے اللہ کا حبیب مکّہ سے مدینہ اور پھر مدینہ سے فاتحانہ شان کے ساتھ مکّہ پہونچا جس مقصد کا مختصر اور صاف نام خدا کے دین کے پیغام اور اُس دینداری کی آزادی ہے۔ ذرہ ذرہ کو مسلم بنانا اور اسلام کے پرچم کو آزاد رکھنا ہے، انسان کو پاک کرنا اور انسانی آبادی کو پاکستان بنانا ہے ہمیں اپنے خواجہ سے یہی کہنا ہے کہ زمانہ اب روشنی کی اہلیت واستعداد کو نہیں، بلکہ کیڑے مکوڑوں کی کثرتِ تعداد کو دیکھتا ہے۔ گوبر، پیشاب والوں کو پوتر اور اللہ کے پاک بندوں کو ملچھ کہا جاتا ہے جن غداروں کو زمین پر قدم رکھنے کا حق نہیں، اُنکو دیسی، اور جنکے لیے زمین پیدا کی گئی اُنکو بدیسی کا لقب دیا جاتا ہے۔ فلسطین میں ذلّت کے ماروں اور بے مسکن آواروں کو مسلمانوں کے سینہ پر بسایا جا رہا ہے

کعبہ میں فریضۂ حج پر ایک ہزار کا ٹیکس لگایا جارہا ہے۔ انڈونیشیا کے مسلمانوں پر بے رحمی آزمائی جارہی ہے، اور بڑا غضب یہ ہے خواجہ! کہ آپ کا پڑھایا ہوا کلمہ پڑھتے ہوئے کچھ ملت فروش دستار کے شملوں کو چوٹیوں پر، شلواروں کو دھوتیوں پر، صرف چند ٹکوں کیلیے نچھاور کر چکے ہیں نہروانیوں نے دوبارہ اپنا ایک نہرو بنالیا ہے۔ اب ایک جیپال نہیں، بلکہ جیپالوں کی پلٹن ہوگئی ہے، اور ان سب کا مقصد یہ ہے کہ خواجہ والے مسلمان یعنی سُنی مسلمان کو زندہ نہ چھوڑا جائے۔

اے میرے خواجہ! آپ کے وفاداروں نے آپ کے اللہ اور آپ کے رسول اور آپ کے اخوان اولیاء کے خلاف آوازے سُنے تو نہ گستاخوں کے جبّہ ودستار سے ڈرے، اور نہ ریش کی آرائش سے مرعوب ہوئے اور صرف اسلیے انکو چھوڑ دیا کہ بے انکے چھوڑے اے خواجہ آپ کا دامن چھوٹا جاتا تھا، جو کسی طرح قابلِ برداشت نہ تھا، شاید ہماری یہی ایک نیکی کام آئی اور اسی وفاداری پر خواجہ کو رحم آگیا، کیونکہ بلاشبہ ہندوستان میں یہ ولی الہند ہی کی کرامت ہے کہ ہمارے اُن رہنماؤں کو بیداری بخشی جنکو رہنمائی کی سند زبانِ وحی سے ملی ہے، اب اُنکی نظر ہماری کمزوریوں پر نہیں، بلکہ اپنے بازوؤں کی قوت پر پڑنے لگی۔ وہ رہنما کون ہیں؟ یہی ہمارے پیر ہمارے علماءِ اہلسنت وجماعت۔ سارے پیر خانقاہ کی چہار دیواری سے نکل پڑے اور میدان میں ڈٹ گئے۔ سارے علماء مدرسوں سے باہر بھی آکر کھڑے ہوگئے اور ارادہ کرلیا کہ تُوکر و سُنیوں میں رَد ملے ہوؤں کو منایا جائے، اُنکو مبلغ بناکر ذمہ داری دیجائے کہ مرنے سے پہلے فی کس دس نہیں تو ایک غیر مُسلم کو مسلمان کرنا ہے، اُنکو تعلیم دین سے آراستہ کرکے، اُنکے علم کو اُنکے عمل کو اُنکے اخلاق کو پاک کر دینا ہے، تاکہ جہاں وہ قدم رکھیں پاکستان ہوجائے۔ اب ایسے مدارس ناقابلِ برداشت ہیں جو سُنیوں کی جیب پر ڈاکے ڈالیں اور سُنیوں کے مفاد سے لڑتے رہیں، اور سُنیوں میں انتشار پیدا کریں۔ اب تمام سُنی مدارس کو ایک نظام میں لاکر اُن میں تعلیم وتربیت کی یکسانیت پیدا کرنی ہے۔ دار القضاء ودار الافتاء سب کو مرکزی شان سے چلانا ہے، خانقاہوں کو آراستہ کرنا ہے اور انمیں تبلیغ وتعلیم کی رُوح پھونکنی ہے المشائخ کلھم کنفسٍ واحدۃ کرکے دکھانا ہے۔ ان پاکوں کا پاک عزم یہ ہے کہ رفتہ رفتہ ہندوستان کو پاکستان بناکر دکھادینا ہے۔

یہی علماء ومشائخ اور انکے برگزیدہ عزائم اور ارادے ہیں جنکا نام آل انڈیا سُنی کانفرنس یا جمہوریت اسلامیہ ہے

اور جسمیں اسوقت تک صرف علماء و مشائخ کی تعداد بیس ہزار سے زیادہ ہے، اور اسی سُنّی کانفرنس کا آج خواجہ کی چوکھٹ پر جلسہ صرف اپنے خواجہ کے حضور حلف وفاداری اُٹھانے کا ہے۔

میرے سُنّی بھائیو! اب ہم پر حجتِ الٰہیہ ختم ہو چکی اور اگر ہم ان رہنماؤں سے بچھڑ گئے تو میدانِ حشر میں ہمارے پاس کوئی جواب نہ ہوگا۔ ہمارے جگانیوالے پکار رہے ہیں کہ سُنّیو جاگو جاگو۔ ہمارے ہوشیار کرنے والے آواز دے رہے ہیں کہ سُنّیو ہوشیار، خبردار۔ ہمیں ترقی دینے والے بلا رہے ہیں کہ آؤ بڑھے چلے آؤ۔

اے سُنّی بھائیو! اے مصطفےٰ کے لشکریو! اے خواجہ کے مستو! اب تم کیوں سوچو، سوچنے والے مہربان آگئے اور تم کیوں رکو کہ چلانے والی طاقت خود آگئی۔ اب بحث کی لعنت چھوڑو۔ اب غفلت کے جرم سے باز آؤ۔ اُٹھو بڑھو، کمر کسے چلو چلو۔ ایک منٹ بھی نہ رکو۔ پاکستان بناؤ تو جاکر دم لو۔ کہ یہ کام اے سُنّیو، سُن لو کہ صرف تمہارا ہے۔

حضرات! میں نے بار بار پاکستان کا نام لیا ہے اور آخر میں صاف کہدیا ہے کہ پاکستان بنانا صرف سُنّیوں کا کام ہے اور پاکستان کی تعمیر آل انڈیا سُنّی کانفرنس ہی کریگی۔ اس میں سے کوئی بات بھی نہ مبالغہ ہے نہ شاعری ہے اور نہ سُنّی کانفرنس کے غلو کی بناء پر ہے۔ پاکستان کا نام بار بار لینا جس قدر ناپاکوں کو چڑ ہے اسی قدر پاکوں کا وظیفہ ہے۔ اور اپنا اپنا وظیفہ کون سوتے جاگتے اٹھتے بیٹھتے کھاتے پیتے پورا نہیں کرتا۔ اب رہا پاکستان کا رِ سُنّیاں است، یہ ملک کی کسی سیاسی جماعت سے تصادم کیلئے نہیں کہا ہے بلکہ ایک حقیقت ہے، جسکا اظہار بلا خوف لومۃ لائم کر دیا ہے۔ اول تو مسلم لیگ کے سوا کوئی ٹولی ایسی نہیں جو پاکستان کے ساتھ لفظی موافقت بھی رکھتی ہو، الکفر ملۃ واحدۃ تو سارے ناپاکوں نے اپنے اندرونی اختلافات رکھتے ہوئے پاکستان کے خلاف صف آرائی کرلی ہے اور مسلم لیگ میں پاکستان کا پیغام کس سے پہنچا، اور کن لوگوں نے مسلم لیگ کا عقیدہ اسکو بنایا؟ اگر تاریخی طور پر دیکھا جائیگا تو وہ صرف سُنّی ہیں۔ پاکستان کے معنی اسلامی قرآنی آزاد حکومت ہے۔ مسلم لیگ سے ہمارے سُنّی کانفرنس کی مجلس عاملہ کے رکن حضرت سید شاہ زین الحسنات صاحب سجادہ نشین مانکی شریف (سرحد) نے لکھوا لیا ہے۔ اگر ایک دم سارے سُنّی مسلم لیگ سے نکل جائیں تو کوئی مجھے بتائے کہ مسلم لیگ کسکو کہا جائیگا۔ اُس کا دفتر کہاں رہیگا، اور اس کا جھنڈا سارے ملک میں کون اُٹھائے گا؟ ان حقائق میں کیا اس دعوے کی روشنی موجود نہیں کہ پاکستان صرف سُنّیوں کو بنانا ہے۔

(اسکے بعد حضرت محدث اعظم قبلہ صدر آل انڈیا سُنّی کانفرنس نے حسب فرمائش علماء کرام و حاضرین اُس معرکۃ الآرا خطبہ صدارت کے چند انتخابات سُنائے جو آل انڈیا سُنّی کانفرنس کے اجلاس بنارس میں مقبول خاص و عام ہو چکا تھا اور فرمایا کہ)

میں اپنے سُنّی بھائیوں کو آخر میں پُر زور دعوت دیتا ہوں کہ زندگی کی پوری فرصت میں سُنّی جھنڈے کے نیچے آجائیں، جسکا سبز رنگ قبۂ خضراء کی سرسبزی سے ماخوذ ہے، وہ جسکا ہلال بدر کامل ہونے کی تڑپ رکھتا ہے اور جسکی چمک اپنے آغوش میں اس سبز گنبد کو لئے ہے جسکے سایہ میں دین و دنیا کی بھلائی قدرت نے رکھی ہے۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

فقیر ابو المحامد سید محمد غفر لہ اشرفی جیلانی (صدر آل انڈیا سُنّی کانفرنس)

مولانا محمد اسمٰعیل روشن، پیر سرہندی

آپ کا اسمِ گرامی محمد اسمٰعیل اور تخلص روشن تھا، والدِ گرامی کا نام مبارک حضرت مولانا محمد حسین سرہندی ابن حضرت خواجہ عبدالرحمٰن سرہندی تھا۔ آپ نسبًا فاروقی مجددی، مسلکاً حنفی اور مشربًا نقشبندی مجددی تھے۔ آپ کی ولادت باسعادت ۵ ذی قعدہ ۱۳۰۷ھ مطابق ۲۳ جون ۱۸۹۰ء ٹکھڑ تحصیل ٹنڈو محمد خاں ضلع حیدرآباد (سندھ) میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اپنے دادا جان قدس سرہ سے حاصل کرنے کے بعد استاذالوقت حافظ یوسف اور ان کے صاحبزادے حافظ ہارون المتخلص بہ دستگیر و دیگر مشاہیرِ عصر سے استفادہ کیا۔

حصولِ تعلیم کے بعد مسندِ علم و فضل و تلقین پر فائز ہوئے۔ بچپن ہی میں حضرت دادا جان قدس سرہ سے بیعت کر لی تھی چنانچہ تبلیغِ دین کا فریضہ انجام دینے لگے۔ پرہیزگاری کا یہ عالم تھا کہ بغیر اجازت والدِ گرامی کے باغ سے کوئی پھل توڑنا گوارا نہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ اخبار "مسیح" لکھنؤ میں یہ فتویٰ شائع ہوا کہ ولایتی چینی میں ہڈیوں کی آمیزش اور دیگر ناپاک اشیاء کی ملاوٹ ہوتی ہے کیونکہ ان کے بغیر صفائی نہیں آتی تھی، آپ نے جب یہ سنا تو تین سال تک چینی کا استعمال نہ کیا حتیٰ کہ اخبار میں یہ خبر شائع ہوئی کہ چینی پاک چیزوں سے صاف کی جاتی ہے۔ سات سال کی عمر سے لیکر تادمِ واپسیں نمازِ تہجد سمیت کوئی نماز قضاء نہ ہوئی جس کا ثبوت یہ ہے کہ وصال کے دن بھی فجر، ظہر، عصر اور مغرب کی نمازیں باقاعدگی سے ادا کیں اور ابھی عشاء کا وقت نہیں ہوا تھا کہ روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔

آپ کی سخاوت کا بھی بڑا شہرہ تھا، گھر میں جو کچھ ہوتا، حاجت مندوں کے حوالے کر دیتے تھے۔ مولانا پیر محمد اسحاق جان سرہندی (آپ کے صاحبزادے) راوی ہیں کہ:-

"سخاوت شیوۂ ایشاں بود گاہے در خانہ ہرچہ بود بکدام مستحق

دادے۔ ما اصرار می کردیم کہ بابا جان شما چرا دادید، بعد از تحسّر می گفتند لیکن او از من زیادہ محتاج بود۔ (السخی حبیب اللہ) [1]

مزارعوں سے حساب کتاب میں بہت احتیاط فرماتے تاکہ کوئی منشی عمداً و سہواً مزارع کی حق تلفی نہ کرے۔ لوگ اپنے جھگڑے نپٹانے کے لئے آپ کو ثالث چن لیتے۔ آپ دقیق سے دقیق مسائل کو بھی آن کی آن میں حل فرما دیتے اور لوگ انگشت بدنداں رہ جاتے اور کسی کو بھی آپ کے سامنے دم مارنے کی جرأت نہ ہوتی۔

مذہبی خدمات انجام دینے کے ساتھ ساتھ آپ نے سیاست میں بھی بھرپور حصہ لیا، جہاد مسجد منزل گاہ سکھر [2] میں مردانہ وار حصہ لیا، تحریکِ خلافت میں شاندار خدمات انجام دیں۔ ۱۳۴۵ھ (۱۹۲۶ء) میں علی برادران کے ہمراہ موتمر عالم اسلامی کی کانفرنس میں شرکت کے لئے حجازِ مقدس گئے ترکِ موالات کے دور میں ولائتی کپڑے کے استعمال کو نہ صرف یہ کہ ترک کر دیا بلکہ اپنے گھر میں یک دھاگہ تک بھی نہ رہنے دیا۔ کئی سال تک سنی جمعیۃ العلماء ضلع تھرپارکر کے صدر رہے۔ سندھ مسلم لیگ کے آپ بانی رکن تھے اور سندھ مسلم لیگ کے صدر بھی رہے۔ [3]

۱۹۲۱ء میں جب برطانوی شہزادہ ویلز ہندوستان کے دورے پر آیا اور ۱۷ر نومبر کو بمبئی پہنچا تو تحریکِ خلافت اور کانگریس کے رہنماؤں نے شہزادے کی آمد سے بیزاری و لاتعلقی کا اظہار کیا جس کی پاداش میں ان رہنماؤں کو گرفتار کر لیا گیا، اس موقع پر آپ نے فرمایا ؎

شعلۂ جورِ ستمگر چوں بہ ایقاد آمد — حرفِ جاں بازی پروانہ مرا یاد آمد
آنچناں در سرم افتاد جنونِ اسلام — گر رود سر نرود آنچہ بہ یاد آمد
آتشِ ہمت چوں تیز کند صرصرِ جور — چہ شود ظالم اگر بر سر بیداد آمد

---

[1] دیوانِ روشن مطبوعہ ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء ص یا۔

[2] مزید تفصیل کے لئے دیکھئے ذکر مغفور، از حکیم محمد موسیٰ امرتسری مطبوعہ لاہور ۱۳۹۲ھ، عباد الرحمٰن (تذکرہ مشائخ بھرچونڈی شریف) مطبوعہ لاہور ۱۹۶۹ء، از سید مغفور القادری مرحوم۔

[3] دیوان روشن مطبوعہ حیدرآباد ۱۹۶۱ء۔

بے گناہی ست دریں وقت گناہ ویلز | ہست افسانہ کہ ویلز زپئے امداد آمد
لرڈ[1] نوہست بہ پندارم سرکش ز قدیم | رفت نمرود کنوں نوبت شدّاد آمد
اے عروس ستم برٹش اینک وقت است | حجلۂ حبس سیاہ است کہ داماد آمد
حبس اگر نیست کنوں منزل مقصود خواص | چوں پئے زہنت آں شوکت آزاد آمد
گرچہ بنیاد گورنمنٹ قوی ہست ولے | حبس سیلے ست کہ آں بر سر بنیاد آمد
گاہ از بیکسی دین رسول عربی | اشک یک قطرہ نہ در دیدۂ زہاد آمد
گردش سبحۂ صوفی بہ قرار و حال است | غم دیں او نخورد دیں چو بہ فریاد آمد
غرض از درس چو مال است مدرس نکند | رحم بر خرمن اسلام کہ برباد آمد

اے خوش آں روز کہ گویند حریفاں یکسر
روشن امروز بزنداں چہ عجب شاد آمد[2]

انگریزی حکومت نے جب ہر طرح سے ظلم و تشدد کا بازار گرم کیا اور نشانۂ ستم بنایا تو آپ بیقرار ہو کر پکار اُٹھے ؎

تا بکے ظالم پئے آزار ما بندی کمر | بر سر عشاق بے جرماں چرا داری ضرر
عشق ما ہرگز بہ چشم کم مبیں کیں قوّاست | چیست جائے تو کہ آں مغلوب نتواند بشر
مہرۂ احوال مسلم گر بہ صد ششدر فتد | خم نہ خواہد کرد پشت از پئے تسلیم سر[3]

۱۳۴۵ھ/۱۹۲۶ء میں جب آپ علامہ سید سلیمان ندوی (م ۱۹۵۳ء) کی سرکردگی میں علی برادران کے ہمراہ موتمر عالم اسلامی میں شرکت کے لئے حجاز گئے تو اس سال ابن سعود

---

[1] لارڈ

[2] دیوان روشن، ص ۴۲

[3] ایضاً: ص ۴۸

نجدی نے جنت البقیع کے مزاراتِ مقدسہ کو منہدم کرا دیا تھا، اس پر حضرت مولانا نے ابنِ سعود کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ؎

بے جرم و بے گناہ وہابی تو در بقیع — آزردہ کردۂ چہ اولادِ مصطفیٰ

بار دگر بسان یزید اے یزید نجد — کردی بہ اہلِ بیت رسول این قدر جفا

در سرزمینِ یثرب گوئی ز ظلمِ تو — آمد بجوش خونِ شہیدان کربلا

اہلِ زمیں چہ بلکہ ملائک بر آسمان — ہستند از جفائے تو در نوحہ و عزا

بے غم مشو ز کیفرِ کردارِ خود چو ہست — رنجِ رسول باعثِ رنجیدنِ خدا

ایمن مشو کہ دستِ مکافاتِ آسمان — ہموارہ از شفق نہ بود دست در حنا [1]

گوناگوں مصروفیتوں کے باوجود آپ نے بہت سی کتابیں بھی تصنیف فرمائیں۔ جن کتابوں کے نام ہمیں دستیاب ہو سکے ان کی تفصیل یہ ہے :

۱۔ دیوانِ روشن : (فارسی) اس میں حمد و نعت، سیاسیات اور قطعات تواریخ شامل ہیں۔ ہمارے پیشِ نظر پہلا ایڈیشن ہے۔

۲۔ انشائے روشن و خطبہائے منظومہ و منثورہ (فارسی)

۳۔ نسیم چمن (فارسی) یہ کتاب نفحۃ الیمن کے تتبع میں لکھی گئی ہے۔ حکایات کے آخر میں ضرب الامثال یا ایک دو اشعار اپنی طرف سے لکھے گئے ہیں، ضخامت دو صد صفحات ہیں۔

۴۔ جواہرِ نفیسہ (فارسی) صفحات ۳۰۰۔ یہ کتاب تصوف اور کراماتِ اولیاء پر مشتمل ہے اور حضرت نے وصال سے ہفتہ عشرہ پہلے مکمل کی تھی۔

۵۔ دیوانِ روشن (سندھی) فارسی دیوان سے زیادہ ضخیم ہے، غزلیات و مناجات پر مشتمل ہے۔

---

[1] دیوانِ روشن، ص : ۳

۶۔ خطباتِ سندھی (منظوم) جمعہ اور عیدین کے خطاب پر مشتمل ہے۔

علاوہ ازیں فارسی، سندھی، پشتو، اردو، عربی، ملتانی (سرائیکی) زبانوں میں حضرت کی بہت سی مکمل و نامکمل کتابیں موجود ہیں۔

۱۳۶۱ھ/۱۹۴۲ء میں آپ نے کراچی میں وفات پائی اور جسد مبارک کراچی سے تابوت میں لیجا کر ٹنڈو سائیں داد میں آپ کے جدامجد قدس سرہ کے پہلو میں دفن کر دیا گیا۔

آپ کے بعد آپ کے صاحبزادے حضرت مولانا پیر محمد اسحاق جان مجددی سرہندی سجادہ نشین ہوئے جو اپنے دور میں علم و عمل کا ایک ایسا مینار تھے جس سے ہزاروں لوگ کسبِ فیض کرتے رہے ؎

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو
یدِ بیضا لئے پھرتے ہیں اپنی آستینوں میں

پیر محمد حسن جان سرہندی

آپ کی ولادت ۹ شوال المکرم ۱۲۷۸ھ میں قندھار (افغانستان) میں ہوئی۔ والد گرامی کا اسم مبارک حضرت خواجہ عبدالرحمٰن بن خواجہ عبدالقیوم بن شاہ فضل اللہ (رحمہم اللہ تعالیٰ) تھا۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت خواجہ محمد معصوم بن حضرت مجدد الف ثانی تک پہنچتا ہے۔ ۱۲۹۷ھ میں حضرت خواجہ عبدالرحمن افغانستان سے ہجرت فرما کر صوبہ سندھ میں آباد ہو گئے۔[1]

آپ نے علوم عقلیہ و نقلیہ والدِ ماجد سے حاصل کئے، مشاہیر علماء سے بھی استفادہ کیا۔ جب آپ کے والدِ ماجد حج کے لیے گئے تو آپ بھی ساتھ گئے۔ وہاں جا کر حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسہ صولتیہ میں داخل ہوئے اسی دوران آپ نے شیخ احمد دحلان اور شیخ الحدیث محمد ابو نصر دمشقی سے اسنادِ حدیث حاصل کیں اور اپنے والدِ ماجد کے دستِ اقدس پر بیعت کی، پھر اپنے وطن واپس آ کر مذہب و ملت کی خدمت میں مصروف ہو گئے۔[2]

تحریکِ آزادی میں آپ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ۱۲۹۶ھ میں جب افغانستان کے عوام نے انگریزوں کے خلاف جہاد کیا تو آپ کے والدِ ماجد نے انگریزوں کا ناطقہ بند کر دیا۔ آپ کی عمر اس وقت صرف سترہ برس تھی، اس کم سنی کے باوجود آپ نے کارہائے نمایاں انجام دئے۔ جنگِ طرابلس میں مجاہدین کی بھرپور مالی امداد کی۔ تحریکِ خلافت میں سرگرمی سے حصہ لیا مگر ہندوؤں سے اتحاد کی سختی سے مخالفت کی۔ تحریکِ ہجرت کے مسئلہ پر آپ نے عوام کو اس کے نقصانات سے آگاہ کیا۔

---

[1] تذکرہ مظہر مسعود از پروفیسر محمد مسعود احمد، مطبوعہ کراچی ۱۹۶۹ء، ص ۴۴۰۔

[2] مونس المخلصین از خواجہ عبداللہ جان المعروف شاہ آغا، مطبوعہ کراچی ۱۳۶۶ھ، ص ۶۰۔ ۶۱۔

تحریکِ پاکستان شروع ہوئی تو صوبہ سندھ میں مسلم لیگ کی ڈٹ کر حمایت کی اور اپنے متوسلین کو بھی مسلم لیگ کی حمایت کا حکم دیا، سندھ اسمبلی کے الیکشن میں جب مسلم لیگ کے امیدواروں کے مقابلہ پہ کانگرسی مسلمانوں نے انتخاب لڑا تو حضرت نے شب و روز دورے کر کے کانگریسی لیڈروں کی ریشہ دوانیوں کو خاک میں ملا دیا، اس دوران آپ نے اپنے مخلصین کو خطوط لکھے ایک خط بطورِ نمونہ درج ذیل ہے :

مخلصین مکرمین وڈیرہ محمد قاسم وڈیرہ عبداللہ و قاضی جان محمد سلمہم ربہم

بعد از دعائے خیر شمایان مخلصان را بطریق نصیحت تحریر می شود کہ در قصۂ الیکشن مددگارِ اسلام شوید و از رفاقتِ ہندواں کفار دور شوید کہ ایں قصۂ خاص مقابلۂ ہندوان است با مسلمانان و سید علی اکبر شاہ را ٹکٹ مسلم لیگ دادہ شدہ است، بنا برآں بر شمایان لازم کہ از مخالفتِ او دستبردار شوید و ہر قدر کہ توانید امداد بکنید۔ والسلام

۶ ماہ صفر ۶۵ھ فقیر محمد حسن عفی عنہ [1]

گوناگوں مصروفیات کے باوجود آپ نے مندرجہ ذیل علمی تصانیف یادگار چھوڑیں :-

۱۔ شفاء الامراض
۲۔ انیس المریدین
۳۔ انساب الانجاب
۴۔ الاصول الاربعہ فی تردید الوہابیہ [2]
۵۔ طریق النجاۃ مع رسالہ التنویر فی اثبات التقدیر
۶۔ العقائد الصحیحہ فی بیان مذہب اہل السنۃ والجماعۃ

---

[1] مونس المخلصین ، ص ۱۹۸ تا ۲۰۳
[2] اب یہ کتاب ترکی کے مبلغِ اسلام حسین حلمی ایشیق مدظلہ نے مکتبہ ایشیق، استانبول سے شائع کر دی ہے۔ (قصوری)

۷۔ رسالہ تہلیلیہ

۸۔ تذکرۃ الصلحاء فی بیان الاتقیاء

۹۔ شرح حکم شیخ عطاء اللہ سکندری

۱۰۔ پنج گنج

۱۱۔ سفرنامۂ بستان

۱۲۔ الاشارہ الی البشارہ

۱۳۔ رسالہ فی باب صحۃ الجمعۃ فی القریٰ

۱۴۔ لغات القرآن

۱۵۔ رسالہ در قواعدِ تجوید

آپ کی وفات حسرت آیات ۱۳۶۵ھ ٹنڈو سائیں داد (سندھ) میں ہوئی۔ مزار مقدس مرجعِ خواص و عوام ہے، مولانا رشید احمد مجیدی رامپوری رحمۃ اللہ علیہ نے قطعۂ تاریخِ وفات کہا[1]

عارفِ کامل اٹھا دنیا سے کیسا ہائے ہائے — طالبانِ دیں کا غم سے دل ہوا جاتا ہے شق
جس کے اِک ادنیٰ اشارے سے ہوا کرتے تھے حل — مسئلے علمِ طریقت کے ادق سے بھی ادق
ہو رہی ہے اہلِ عرفاں میں یہ باہم گفتگو — ہو گیا کم اب کتابِ معرفت سے اِک ورق
فکر ہے تاریخِ رحلت کی تو کہہ دو اے رشید — مرشدِ کامل امیرِ ملکِ معنیٰ قطبِ حق
۱۳۶۵ھ

پسماندگان میں چار صاحبزادے آپ کی یادگار تھے۔

۱۔ خواجہ پیر عبداللہ جان عرف شاہ آغا مرحوم، مونس المخلصین آپ کی یادگار تصنیف ہے۔

۲۔ حضرت پیر محمد ہاشم جان سرہندی رح،

۳۔ خواجہ عبدالستار رح

۴۔ خواجہ محمد حنیف جان رح

[1] مونس المخلصین، ص ۲۳۱۔

پیرزادہ محمد حسین عارف صدیقی

پیرزادہ محمد حسین بن ابوالحسن مولوی سیف الرحمٰن شہید ۱۰ محرم الحرام ۱۲۷۳ھ / ۱۱ ستمبر ۱۸۵۶ء کو قصبہ مہم شریف ضلع رہتک میں متولد ہوئے۔ دہلی سے میٹرک کرنے کے بعد گورنمنٹ کالج لاہور سے بی اے کیا۔ بعدازاں ہائی پروفیشنسی اِن آرٹس اور آنرز اِن آرٹس کے امتحانات اعلیٰ پوزیشن میں پاس کئے۔ اس شاندار کامیابی پر آپ کو مالیرکوٹلہ میکلوڈ میڈل ملنے کے علاوہ میکلوڈ پنجاب عربک فیلو بھی بنا دیا گیا اور آپ اورینٹل کالج لاہور میں اسسٹنٹ پروفیسر مقرر ہو گئے۔

اورنٹیل کالج لاہور میں آپ ۱۸۸۰ء سے ۱۸۸۵ء تک معلّم رہے۔ پنجاب یونیورسٹی ۱۸۸۲ء میں قائم ہوئی تو ۱۸۸۳ء میں آپ نے پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے فارسی فرسٹ ڈویژن میں پاس کیا۔ ایم اے کرنے کے بعد آپ کالج میں ریاضی اور فلسفہ بھی پڑھانے لگے۔ آپ پنجاب کی جماعت قانونی کے رکن اور اخبار انجمن پنجاب کے ایڈیٹر بھی تھے۔ نیز آپ دارالترجمہ کے بھی انچارج تھے۔ اس حیثیت سے آپ نے خود بھی کئی کتابوں کا ترجمہ کیا۔

۱۸۸۵ء میں ای اے سی کے امتحان میں امتیازی حیثیت سے کامیابی حاصل کرکے آپ سول سروس میں آگئے۔ ۱۸۹۰ء میں ڈسٹرکٹ جج بنا دئے گئے۔ ۱۹۰۶ء میں ڈیپوٹیشن پر کشمیر چلے گئے اور وہاں نئے ہائیکورٹ کا اجراء کیا جس کے آپ واحد جج تھے۔ ۱۹۱۰ء میں آپ ڈویژنل اینڈ سیشنز جج بنا کر حصار بھیجدئے گئے۔ جہاں سے ۱۹۱۲ء میں ریٹائر ہو کر اپنے وطن آگئے اور پھر کچھ مدت بعد دہلی میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔

دہلی میں مقیم ہونے کے بعد آپ نے تعلیمی، علمی و ادبی، اصلاحی و تبلیغی اور سیاسی و انتظامی کاموں میں بھرپور حصہ لیا۔ بلدیہ دہلی کے نائب صدر رہے۔ جامع مسجد فتحپوری اور اینگلو کالج کی کمیٹیاں مسلمانانِ دہلی

کی دینی اور دنیوی تعلیم کی ذمہ دار تھیں، آپ ان تینوں کمیٹیوں کے سیکریٹری رہے۔ دہلی یونیورسٹی ۱۹۲۳ء میں قائم ہوئی تو آپ اس کے محرکین میں سے تھے اور یونیورسٹی کورٹ، ایگزیکٹو کونسل، اکیڈمک کونسل اور فیکلٹی آف لاء کے ممبر تھے۔ تا زیست دہلی یونیورسٹی لائبریری کے آنریری لائبریرین بھی رہے۔ اس یونیورسٹی نے آپ کو ایم اے کی اعزازی ڈگری بھی دی۔

طبیہ کالج دہلی کے قیام کے دوران آپ نے بہت خدمات انجام دیں۔ طبیہ کالج کمیٹی قائم ہوئی تو آپ جائنٹ سیکریٹری منتخب ہوئے جبکہ سیکریٹری مسیح الملک حکیم اجمل خاں چُنے گئے تھے۔ کالج کی عمارات آپ کی نگرانی میں پایۂ تکمیل کو پہنچیں۔ کالج جاری ہونے پر تمام انتظام آپ کے ہاتھ میں تھا۔

شدھی تحریک میں بھی آپ نے مولانا غلام بھیک نیرنگ انبالوی رحمۃ اللہ علیہ کی مرکزی جمعیت تبلیغ الاسلام کے ساتھ بڑھ چڑھ کر کام کیا۔ ۱۹۲۷ء میں جمعیت کے زیر اہتمام وہ یادگار جلسہ ہوا جس کی صدارت نومسلم انگریز الحاج لارڈ ہیڈلے فاروق نے کی تھی۔ اس جلسہ کی مجلس استقبالیہ کے صدر پیرزادہ صاحب تھے۔ اس موقع پر آپ نے جو خطبۂ صدارت پڑھا وہ آپ کے جذبۂ حبِ اسلام کی منہ بولتی تصویر تھا۔

مسلم لیگ نے جب منظم ہو کر پاکستان کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنے کی تحریک چلائی تو پیرزادہ صاحب مسلم لیگ میں شریک ہو گئے۔ آپ کی قابلیت، خدمات اور جرأت کے پیشِ نظر دہلی مسلم لیگ (صوبائی) کا صدر چن لیا گیا۔ آپ نے تمام صوبہ کا دورہ کر کے لوگوں کو تحریک کا ہمنوا بنانے کے علاوہ جماعت کو مضبوط بنیادوں پر استوار بھی کیا۔ آل انڈیا مسلم لیگ کے ایک سالانہ اجلاس کے صدر مجلس استقبالیہ ہونے کا شرف بھی آپ کو حاصل ہوا۔

آپ نے بہت سی کتابیں لکھیں اور کافی کتابوں کے ترجمے بھی کئے۔ جن کتب کا علم ہو سکا وہ درج ذیل ہیں :-

۱۔ رسالہ علم سکون سیالات

۲۔ مفتاح الافلاک یا علم ہیئت ، ۱۸۸۳ء میں انجمن پنجاب نے شائع کیا۔

۳۔ تشریحات قوانینِ انگلستان ، ۱۸۸۲ء میں مطبع گلزار محمدی لاہور میں چھپی۔

۴۔ اصولِ قانون ، یہ ترجمہ بھی مطبع گلزار محمدی لاہور میں طبع ہوا۔

۵۔ منطق استقرائی ، یہ کتاب ۱۸۸۲ء میں انجمن پنجاب نے شائع کی۔

۶۔ علم اصول قانون ، ۱۸۸۴ء میں مطبع انجمن پنجاب لاہور میں طبع ہوئی۔

۷۔ رسالہ سیاست مدن

۸۔ سر ولیم ہملٹن صاحب کے فلسفہ کا خلاصہ

۹۔ رسالہ علم سیارات

۱۰۔ رسالہ اقسام حقیقت اراضی و طریقہائے مالگذاری مروجہ ہند

۱۱۔ سفرنامہ ابن بطوطہ ، عجائب الاسفار کے اس حصہ کا ترجمہ جو ہندوستان سے متعلق ہے۔ پہلی مرتبہ ۱۸۹۸ء میں دارالاشاعت پنجاب لاہور اور دوسری مرتبہ ۱۹۱۸ء میں شیخ نذیر حسین شریف حسین تاجر کتب جامع مسجد دہلی نے شائع کیا۔ تیسری مرتبہ ۱۹۶۴ء میں کراچی میں طبع ہوا۔

۱۲۔ خزینۂ معارف یعنی مجموعۂ نظم عارف ، شیخ نذیر حسین شریف حسین تاجر کتب دہلی نے رحمانی پریس دہلی سے طبع کرا کر شائع کی۔

آپ کی وفات حسرت آیات ، ۷ شوال المکرم ۱۳۴۶ھ / ۳۰ مارچ ۱۹۲۸ء کو ہوئی اور طبیہ کالج دہلی کے احاطہ میں دفن ہوئے [1]

نوٹ :- آپ کے علاوہ صدیقی خاندان کے مندرجہ ذیل حضرات نے بھی تحریک پاکستان

---

[1] مآثر الاجداد از منظور الحق صدیقی مطبوعہ لاہور ۱۹۶۴ء ص ۱۳۰ ، ۲۹۸۔

میں حصہ لیا تھا [1]

۱۔ الحاج ظہور اللہ شہید

۲۔ پیرزادہ صدیق احمد

۳۔ پیرزادہ مفتاح الدین

۴۔ الطاف الرحمٰن

---

[1] مآثرالاجداد — از منظور الحق صدیقی مطبوعہ لاہور

مولانا محمد ذاکر

مولانا محمد ذاکر صاحب ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۴ء میں ضلع جھنگ کے معروف قصبہ محمدی شریف میں پیدا ہوئے۔ والدِ ماجد کا اسمِ گرامی حضرت مولانا عبدالغفور تھا جو اپنے علاقہ کے پیرانِ طریقت میں شمار ہوتے تھے۔ آپ محمدی شریف کی مشہور روحانی شخصیت حضرت مولانا امام الدین المعروف میاں محمدی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں جو سلسلہ سہروردیہ کے مشہور بزرگ تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے قصبہ میں حاصل کرنے کے بعد دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہوئے۔ پھر حضرت شیخ المشائخ ضیاء الملۃ والدین پیر خواجہ محمد ضیاء الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہو گئے۔

۱۸ محرم الحرام ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۲ء میں چنیوٹ سے اٹھارہ میل دور جامعہ محمدی شریف کی بنیاد رکھی اور دینی تعلیم کی خدمات سرانجام دینے لگے۔ تحریکِ خلافت چلی تو ہندوستان کے علماء و مشائخ اس میں پوری طرح شامل رہے چنانچہ آپ نے بھی اپنے شیخِ طریقت کے ساتھ اس تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، انگریزی حکومت کی کھل کر مخالفت کی اپنی اس جرأت و بے باکی کی پاداش میں آپ کو داخلِ زنداں ہونا پڑا لیکن آپ کے استقلال میں ذرہ بھر فرق نہ آیا۔ جب بھی رہا ہوتے، انگریز حکومت کی مخالفت پر کمر بستہ ہو جاتے۔

مسلم لیگ کا غلغلہ بلند ہوا تو اس میں شامل ہو گئے اور ڈٹ کر قائدِ اعظم اور تحریکِ پاکستان کی حمایت کی۔ اپنے سود و زیاں کی پروا کئے بغیر مسلم لیگ کے جھنڈے تلے شب و روز کام کیا۔ اس دوران آپ کو جس قدر مشکلات و مصائب کا سامنا کرنا پڑا اس کا بیان یہاں ممکن نہیں مگر آفریں اس مردِ قلندر کے کہ ہر مصیبت کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتے رہے۔

پاکستان بننے کے بعد اپنی تمام تر توجہ اپنے دارالعلوم جامعہ محمدی شریف پر مرکوز کر دی۔ ۱۹۴۸ء میں اسے رجسٹرڈ کرایا۔

جمعیت علمائے پاکستان سے آپ کا تعلق شروع ہی سے رہا۔ ۱۹۶۲ء میں صوبائی اسمبلی

مغربی پاکستان کے رکن منتخب ہوئے اور ۱۹۷۰ء میں جب جمعیت علمائے پاکستان نے سیاست میں حصہ لیا تو آپ جمعیت کے ٹکٹ پر بھاری اکثریت سے قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ آپ نے کبھی بھی کسی سے جا کر ووٹ نہیں مانگے بلکہ اپنے جھونپڑے ہی میں بیٹھے رہے۔ عوام چونکہ آپ کے خلوص، زہد و تقویٰ اور جذبۂ خدمت سے واقف ہیں اس لئے انہیں ہر بار بغیر کسی حیل و حجت سے کامیاب کیا۔

آپ نے اسمبلی کے اندر اور باہر مقام مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے تحفظ کے لئے کوششیں کیں۔ جامعہ محمدی شریف، پاکستان کی عظیم دینی درس گاہوں میں سے ایک ہے جہاں طلباء کو مذہبی تعلیم دینے کے ساتھ ساتھ ایم اے تک انگریزی تعلیم دینے کا بھی انتظام ہے۔ علاوہ ازیں ایک ماہنامہ الجامعہ بھی محمدی شریف سے نکلتا ہے جس میں عالم اسلام کے مسائل پر سیر حاصل تبصرہ ہوتا ہے۔

طویل علالت کے بعد ۲۵ نومبر ۱۹۷۶ء / ۳ ذوالحجہ ۱۳۹۶ھ بروز جمعرات ۹ بجے صبح آپ کی رحلت ہوئی۔ ۴ بجے سہ پہر آبائی قبرستان میں دفن کئے گئے۔

فانا للہ و انا الیہ راجعون [1]

---

[1] تحریک جامعہ محمدی شریف از سید محمد متین ہاشمی ایم اے، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۳ء
روزنامہ نوائے وقت، لاہور، ۲۶ نومبر ۱۹۷۶ء۔

مخدوم سیّد محمد رضا شاہ گیلانی

حضرت مخدوم محمد رضا شاہ گیلانی رحمۃ اللہ علیہ ۱۸۹۶ء میں ملتان کے مشہور روحانی پیشوا حضرت سید صدر الدین گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں متولّد ہوئے[1] آپ اپنے والد ماجد کے سب سے چھوٹے صاحبزادے تھے۔ آپ کے تین بڑے بھائیوں کے نام یہ ہیں:

۱۔ مخدوم زادہ سید مختار حسین شاہ

۲۔ مخدوم زادہ سید غلام یٰسین شاہ

۳۔ مخدوم زادہ سید غلام مصطفٰے شاہ

ابتدائی تعلیم ملتان میں حاصل کرنے کے بعد چیفس کالج لاہور میں داخل ہوئے اور تھوڑے ہی دنوں میں کالج میں نمایاں حیثیت سے ابھر آئے۔ دورانِ تعلیم اس جرم کی پاداش میں کہ آپ مسجد میں جا کر طلباء کو ترکوں کی حمایت پر اکساتے ہیں، کالج سے خارج کر دئے گئے لیکن جب سر ایڈوائر کو علم ہوا تو اس نے آپ کو دوبارہ داخل کرا دیا لیکن اب آپ کا دل کالج سے اکتا چکا تھا، لہٰذا لوئر ڈپلوما حاصل کرنے کے بعد تعلیم چھوڑ دی اور ریونیو کی ٹریننگ لینا شروع کر دی[2]

۱۹۲۱ء میں آپ صوبائی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے اور آنریری مجسٹریٹ مقرر ہوئے۔ ۱۹۲۲ء میں ڈسٹرکٹ بورڈ کے ممبر منتخب ہوئے۔ ۱۹۲۴ء میں والدِ ماجد کے ہمراہ فریضۂ حج ادا کیا۔ ۱۹۳۴ء میں ڈسٹرکٹ بورڈ ملتان کے چیئرمین کے عہدہ کے لئے پہلی بار سرکاری اور غیر سرکاری امیدوار کا مقابلہ کیا اور مسٹر ای پی مون ڈپٹی کمشنر ملتان کو شکستِ فاش دیکر چیئرمینی کا اعزاز حاصل کیا۔

---

[1] آئینۂ ملتان از منشی عبدالرحمٰن خان مطبوعہ لاہور ۱۹۷۲ء، ص ۳۶۰۔

[2] تاریخ ملتان جلد دوم از مولانا نور احمد فریدی مطبوعہ ملتان ۱۹۷۳ء، ص ۳۱۰ ۔ غوث الاعظم ثانی از حکیم برخوردار ملتانی مطبوعہ ملتان ۱۹۱۵ء، ص ۳۹۷

اس طرح آپ پورے ہندوستان میں پہلے غیر سرکاری چیئرمین منتخب ہوئے اور تازیست اس منصب پر فائز رہے، جس طنطنہ اور شوکت وجلال سے آپ نے اس عہدہ کو نبھایا اس کی مثال پنجاب بھر میں نہیں مل سکتی [1]

آپ دینی تعلیم پر خصوصی زور دیتے رہے، اکثر مساجد میں مکاتب قائم کئے، ضلع بھر کے رفاہی کام کرائے، سڑکیں بنوائیں، سکول بنوائے، عوام کے مفاد کی خاطر اپنے آرام وآسائش کو بھی خیرباد کہہ دیا کرتے تھے۔ آپ اکثر رفاہی اور مذہبی انجمنوں کے صدر تھے۔ قدرت نے آپ میں حسن اخلاق، انکسار، مروت، تواضع اور ہمدردی کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھر دیا تھا، گفتگو شائستہ ہوتی تھی اور مزاج شرافت کے سانچے میں ڈھلا ہوا تھا، غریبوں کی امداد کرنا فرضِ اولین سمجھتے تھے، ان کے دل میں یہی تمنا تھی کہ خلق خدا کی خدمت بڑھ چڑھ کر کریں۔

آپ ملتان میں مسلم لیگ کے بانیوں میں سے ہیں۔ آپ نے اپنے اثر ورسوخ کے باعث مسلم لیگ کو عوام کے دلوں کی دھڑکن بنا دیا۔ ۱۹۳۷ء میں آپ نے مسلم لیگ سے جو تعاون کیا وہ مثالی حیثیت رکھتا ہے پنجاب اسمبلی میں صرف ایک رکن ملک برکت علی مسلم لیگی تھے اور بقیہ دو، آپ اور آپ کے بھتیجے مخدوم زادہ سید محمد ولایت حسین گیلانی تھے۔ خضر وزارت میں آپ کو وزارت کی پیشکش کی گئی لیکن آپ نے اسے پائے حقارت سے ٹھکرا دیا۔ آپ کے پائے ثبات میں کبھی لغزش نہ آئی۔ آپ آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کے رکن اور صوبائی مسلم لیگ کونسل کے رکن ہونے کے علاوہ پنجاب لیگ کی مجلس عاملہ کے ممبر رہے۔ انگریزوں کے خلاف نفرت کا جذبہ تمام عمر غالب رہا۔ تحریکِ شہید گنج میں آپ نے فعال کردار ادا کیا اور حکومتِ وقت کی مخالفت کی بالکل پروا نہ کی۔

۱۹۳۸ء میں ملتان کے مسلم عوام کے بے تاج بادشاہ حضرت سید زین العابدین گیلانی

---

[1] روزنامہ سنگِ میل ملتان ۸ مارچ ۱۹۷۵ء، ص ۲ ، تاریخِ ملتان جلد دوم، ص ۳۱۱۔

(صدر انجمن فدایانِ اسلام و ڈسٹرکٹ مسلم لیگ) کو مہاسبھائیوں کے گٹھ جوڑ کے نتیجہ میں گرفتار کر کے ڈسٹرکٹ جیل بھیج دیا گیا تو شہر کے تمام مسلمانوں نے مکمل ہڑتال کی۔ احتجاجی جلسے منعقد کئے جلوس نکال کر دفعہ ۱۴۴ کو توڑ دیا اور حالات انتہائی نازک صورت اختیار کر گئے۔ اس وقت آپ نے گورنمنٹ کو متنبہ کیا کہ اگر پیر زین العابدین شاہ کو ۲۴ گھنٹے کے اندر رہا نہ کیا گیا تو وہ تحریک کی قیادت کے لئے میدان میں نکل آئیں گے اور اگر حالات زیادہ بگڑ گئے تو اس کی تمام تر ذمہ داری گورنمنٹ پر عائد ہوگی۔ اس پر انگریزی حکام کی اکڑی ہوئی گردنیں سامنے جھک گئیں اور دوسرے روز شاہ صاحب کو باعزت طور پر رہا کر دیا [1]

سکندر حیات خاں کے دورِ اقتدار میں آپ کی اس سے ٹھن گئی اور وہ کافی عرصہ تک آپ کے درپئے آزار رہا۔ آپ کے سیاسی مخالفین کو کان بھرنے اور جلتی پر تیل ڈالنے کا موقع مل گیا مگر تملق، چاپلوسی اور ریاکاری سے نفرت کرنے والے اس بطلِ جلیل اور صرف خدائے قدوس پر بھروسہ کرنے والے عظیم انسان کی جبین پر شکن تک نمودار نہ ہوئی اور اپنے نقطۂ نظر پر ڈٹے رہے، علامہ اقبال نے ایسے ہی مردانِ حر کے متعلق کہا ہے ؎

آئینِ جوانمرداں حق گوئی و بے باکی!
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

آخر سکندر خود حاضر ہو کر صلح کا طالب ہوا [2]

تحریکِ پاکستان میں آپ نے بے مثال کردار ادا کیا۔ آپ نواب افتخار حسین خاں ممدوٹ کے بے لوث ساتھیوں میں شمار ہوتے تھے۔ آپ نے صوبہ بھر میں اپنے ذاتی اور خاندانی اثر و رسوخ کو استعمال کرتے ہوئے مسلم لیگ کو ایک فعال اور عوامی جماعت بنانے

---

[1] روزنامہ سنگ میل ملتان، ۸ مارچ ۱۹۷۵ء

[2] ایضاً

اور تحریکِ پاکستان کی جدوجہد کو کامیاب بنانے کے لئے عوام کو ہر قسم کی قربانی دینے پر تیار کیا اور مسلم لیگ کے رہنماؤں کے دلوں میں گھر کر لیا [1]

۶ر جمادی الاولیٰ ۱۳۶۸ھ / ۷ر مارچ ۱۹۴۹ء کو آپ نے طویل علالت کے بعد سفرِ آخرت اختیار فرمالیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ہر سال درگاہ پیرانِ پیر میں آپ کا عرس مبارک بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔

آپ نے ایک صاحبزادے یادگار چھوڑے جن کا نام حامد رضا گیلانی ہے۔

(آپ دو مرتبہ قومی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے، کچھ عرصہ کینیا میں پاکستان کے سفیر کی حیثیت سے وطنِ عزیز کی خدمت کرنے کے بعد واپس آکر ملکی سیاست میں سرگرمِ عمل ہیں۔)

روزنامہ نوائے وقت لاہور نے آپ کی وفات پر درجِ ذیل الفاظ میں آپ کی ملی و سیاسی خدمات کو سراہا:

"سید رضا شاہ گیلانی انتقال کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون،"

"کل مخدوم پیر الحاج سید محمد رضا گیلانی کی وفات پر یہاں (ملتان) تمام سرکاری دفاتر اور عوامی ادارے بند رہے، قریباً ۳۰ ہزار لوگوں نے نمازِ جنازہ میں شرکت کی، ان میں سرکاری حکام، لیگ کے عہدیدار اور دوسرے معزز اصحاب بھی شامل تھے ۔۔۔۔۔۔ مرحوم کو اپنے چچا مخدوم پیر راجن بخش شاہ گیلانی کی طرح دربار حضرت پیر میراں میں دفن کیا گیا، مخدوم محمد رضا شاہ مرحوم پنجاب اسمبلی کے باپ کہلاتے تھے کیونکہ وہ مدت سے متواتر اسمبلی کے ممبر چلے آرہے تھے۔ ۱۹۲۴ء میں آپ ملتان ڈسٹرکٹ بورڈ کے وائس چیرمین منتخب ہوئے۔ ۱۹۳۴ء میں آپ

---

[1] روزنامہ سنگِ میل ملتان ۱۰ر مارچ ۱۹۸۰ء

[2] تاریخِ ملتان جلد دوم ص ۳۰۰

پہلے غیر سرکاری چیئرمین چنے گئے۔ آپ نے اپنے لئے کبھی وزارت کا عہدہ قبول نہیں کیا تھا بلکہ آپ "وزیر ساز" تھے۔ آپ کی زندگی سادہ تھی، سردیوں میں بھی ململ کا ہی کرتہ پہنتے تھے۔ آپ نے اپنے مریدوں میں تبلیغ کے ذریعے مسلم لیگ کو بہت مدد دی۔ آپ کے مرید صرف ملتان ڈویژن ہی میں نہیں تھے بلکہ افغانستان تک پھیلے ہوئے تھے۔" [1]

---

[1] روزنامہ نوائے وقت لاہور، ۱۰ مارچ ۱۹۴۹ء، ص ۲

پیر محمد شاہ بھیروی

آپ کا اسمِ گرامی محمد شاہ، والدِ محترم کا نام حضرت پیر امیر شاہ قدس سرہ تھا۔ آپ ۱۸۹۰ء میں بھیرہ ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے۔ سلسلۂ نسب حضرت شیخ الاسلام بہاء الحق زکریا سہروردی ملتانی رحمۃ اللہ علیہ سے ملتا ہے۔ سنِ شعور کو پہنچے تو حفظِ قرآن کے لیے مکتب میں بٹھائے گئے۔ حفظِ قرآن کے بعد مسائلِ ضروریہ سیکھے اور تراویح میں ہر سال قرآن پاک سنانا شروع کر دیا۔ پروردگارِ عالم نے آپ کو لحنِ داؤدی عطا فرمایا تھا۔

والدِ گرامی نے بڑی محنت اور توجہ سے آپ کی تربیت کی۔ در وقتِ مناسب آپ نے پیر حضرت خواجہ ضیاء الملۃ والدین محمد ضیاء الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کرا دیا۔ حضرت خواجہ نے آپ کو مختلف ریاضتیں کرانے کے بعد آپ کو خرقۂ خلافت عطا فرما دیا اور خلقِ خدا کی رہنمائی کا کام سپرد فرمایا۔

علومِ دینیہ کی ترویج و اشاعت کے لیے آپ نے مدرسہ تدریس القرآن جاری کیا۔ اس کے علاوہ آپ نے ایک پرائمری سکول جاری کیا۔ ۱۹۲۵ء میں علومِ دینیہ کی بہت بڑی درس گاہ دارالعلوم محمدیہ غوثیہ کے نام سے جاری فرمائی اور اپنے دور کے مقتدر علماء کو تدریس کے لیے مقرر کیا۔ ۱۹۵۷ء میں اس دارالعلوم کو آپ کے فرزندِ ارجمند پیر محمد کرم شاہ ایم اے [illegible] جامعہ ازہر [illegible] مدیرِ اعلیٰ ماہنامہ ضیائے حرم نے جدید بنیادوں پر استوار کیا اور اسے پاکستان کی ایک منفرد دینی درس گاہ بنا دیا۔

تحریکِ پاکستان میں آپ نے بیش بہا خدمات انجام دیں۔ تحریکِ خلافت میں اپنے پیر و مرشد کے ساتھ شب و روز کام کیا۔ قائدِ اعظم کے [illegible] تحریک [illegible] شروع ہوئی تو آپ بھی اس میں [illegible] ہوئے اور قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ مسلم لیگ کی [illegible] حمایت کی [illegible] حلقۂ اثر میں بکثرت [illegible]

ہموار کی مسلم لیگ کی حمایت میں اس قدر شدت اختیار کی کہ اگر کسی مرید نے مسلم لیگ کو ووٹ دینے میں لیس وپیش کی تو اس سے تعلقات منقطع کر لیئے۔

قیام پاکستان کے بعد جب آزادیٔ کشمیر کی جنگ شروع ہوئی تو آپ نے اپنے پچاس مریدین کے ساتھ جو سابق فوجی تھے، مردانہ وار میدانِ کارزار میں حصہ لیا۔ بوبے وینس ضلع سیالکوٹ کے محاذ پر دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ اسی مقام پر آپ کے حکم سے آپ کے ایک مرید غلام حیدر نے راکفل کا فائر کر کے بھارتی جہاز مار گرایا۔ کچھ دنوں بعد آپ کو باجرہ گڑھی (آزاد کشمیر) کے محاذ پر مقرر کیا گیا۔ وہاں آپ نے تین ماہ رہ کر قابلِ قدر خدمات سرانجام دیں۔ چنانچہ کرنل آئی جے کیانی نے آپ کی خدمات سے خوش ہو کر ایک سرٹیفکیٹ لکھ دیا جس کا اردو ترجمہ پیشِ خدمت ہے:

> "میں پیر محمد شاہ صاحب کا تعارف کراتے ہوئے بڑی خوشی محسوس کر رہا ہوں۔ آپ نے اپنے پچاس مریدین کے ساتھ تقریباً تین ماہ میرے سیکٹر میں کام کیا۔ پیرانہ سالی کے باوجود میدانِ کارزار میں بنفسِ نفیس اپنے مجاہدین کی قیادت کی۔ آپ سچے محبِ وطن اور سب کے لئے مشعلِ راہ ہیں۔ میری تمنا ہے کہ آپ جیسے مزید سپاہی ہماری میراث بنیں۔"
>
> آئی۔ جے کیانی (آزاد کشمیر فورسز)[1]

۴ ۲ر شعبان ۱۳۷۶ھ / ۲۶ر مارچ ۱۹۵۷ء کو رات کے وقت آپ کا وصال ہوا۔ عجیب اتفاق ہے کہ ۲۶ر مارچ منگل کی صبح کو حضرت خواجہ محمد قمر الدین سیالوی مدظلہ تشریف لائے، خود دعا فرمائی اور حضرت سے دعا کرائی۔ ہر سال بھیرہ شریف میں آپ کا عرس شریف منایا جاتا ہے۔

---

[1] ماہ نامہ ضیائے حرم لاہور، نومبر ۱۹۷۳ء ص ۵۰

مفتیٔ اعظم شاہ محمد مظہر اللہ دہلوی

حضرت مفتیٔ اعظم شاہ محمد مظہر اللہ صاحب ۱۵ رجب المرجب ۱۳۰۳ھ/۲۱/اپریل ۱۸۸۶ء بروز چہار شنبہ دہلی میں پیدا ہوئے[1]۔ والدِ ماجد کا اسمِ گرامی حضرت مولانا محمد سعید (م ۱۳۰۷ھ/۱۸۸۹ء) اور جدِ امجد کا اسمِ گرامی حضرت شاہ محمد مسعود (م ۱۳۰۹ھ/۱۸۹۲ء) تھا[2]۔ سن مبارک ابھی چار سال کا ہوا تھا کہ والدِ مرحوم داغِ مفارقت دے گئے۔ جدِ امجد نے پرورش فرمائی۔ دو سال بعد وہ بھی داعیٔ اجل کو لبیک کہہ گئے تو جدّہ ماجدہ اور عمِ محترم حضرت مولانا عبد المجید (م ۱۳۶۴ھ/۱۹۴۴ء) نے تعلیم و تربیت کا بار اٹھایا۔

آپ نے قاری حافظ حبیب اللہ سے قرآنِ کریم حفظ کرنے کے بعد وقت کے معروف علماء سے علومِ عقلیہ و نقلیہ حاصل کئے اور چودہ برس کی عمر میں مشرقی پنجاب (بھارت) کے معروف روحانی پیشوا حضرت سید امام علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۵ء) کے صاحبزادے حضرت سید صادق علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۱۷ھ/۱۸۹۹ء) سے سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں بیعت کی۔ حضرت سید صاحب موصوف مکان شریف (رتڑ چھتڑ ضلع گورداسپور، مشرقی پنجاب، انڈیا) کے رہنے والے تھے۔ بیعت کے ایک سال بعد مرشدِ کامل کا وصال ہو گیا تو آپ کی روحانی تربیت جدِ امجد کے خلیفہ حضرت شاہ رکن الدین (م ۱۳۵۵ھ/۱۹۳۶ء) مصنف رسالہ رکن دین نے فرمائی اور تمام سلاسل میں اجازت و خلافت سے نوازا[3]۔

---

[1] تذکرہ علماء اہلسنت مطبوعہ کانپور انڈیا ۱۳۹۱ھ ص ۲۴۲۔ تذکرہ مظہر مسعود مطبوعہ کراچی ۱۳۸۸ھ ص ۱۴۹۔

[2] تذکرہ مظہر مسعود، ماہنامہ المعارف لاہور نومبر ۱۹۶۰ء

[3] خزینۂ معرفت از ولی محمد ابراہیم قصوری، موذی نقشبند از سید امین الدین احمد، اولیاء نقشبند از محمد ناصر شرقپوری۔ تذکرہ مظہر مسعود

شریعت و طریقت کے منازل طے کرنے کے بعد آپ نے جامع مسجد فتحپوری میں امامت و خطابت کا سلسلہ شروع کیا اور تا زیست جاری رکھا[1] جامع مسجد فتحپوری عشق و محبت کا منبع بنی رہی۔ یہاں علم و عرفان کا فیضان جاری ہوا اور لوگ اپنے اپنے دامن حبِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سرمایہ سے بھرتے رہے۔ بغرض آپ نے اس مسجد سے جو روحانی، اخلاقی اور مذہبی تحریک شروع کی تھی اس کے بیان کو کئی دفتر درکار ہیں مگر ہم یہاں صرف ان کے سیاسی کارناموں کا ذکر کریں گے۔

آپ نے تحریک خلافت میں بھرپور حصہ لیا اور چھ ماہ تک تحریک کے سیکریٹری بھی رہے پھر علیحدہ ہو گئے[2] آپ نے ترکِ موالات کے خلاف فتویٰ دیا[3] اعلیٰ حضرت بریلوی بھی ترکِ موالات کے خلاف تھے[4]

حصول آزادی کے لئے بعض مسلم زعماء مثلاً علی برادران اور حکیم اجمل خاں وغیرہ نے ہندوؤں کا تعاون حاصل کرنے کی خاطر بعض اسلامی حدود کو توڑا، جامع مسجد دہلی کے منبر پر ہندو لیڈروں کو بٹھا دیا اور غیر اسلامی نعرے لگوائے مگر حضرت مفتی اعظم نے کمال جرأت سے کام لیتے ہوئے جامع مسجد فتحپوری کے اندر کسی کو نہ آنے دیا۔ یوں تو مسجد فتحپوری میں تقریباً تمام مسلم سیاسی جماعتوں کے اجلاس ہوتے تھے (مثلاً مسلم لیگ، جمعیت علماءِ ہند، خاکسار، احرار، تحریکِ خلافت وغیرہ وغیرہ) مگر زیادہ تر اجلاس مسلم لیگ ہی کے ہوتے تھے۔ آپ نے کانگرس اور جمعیۃ علمائے ہند کے سیاسی طرزِ عمل کی شدید مخالفت

---

[1] تذکرہ مظہر مسعود، مطبوعہ کراچی

[2] ایضاً ص: ۲۴۵

[3] فتاویٰ مظہری مطبوعہ کراچی ۱۹۷۰ء ص: ۳۲۹، ۳۳۴ - اوراقِ گم گشتہ از رئیس احمد جعفری، کراچی ۳۲۶، ۳۳۱-

[4] فاضل بریلوی اور ترکِ موالات از پروفیسر محمد مسعود احمد۔ لاہور

فرمائی چنانچہ جب جمعیت علمائے ہند نے یہ فیصلہ کیا کہ مسلمان ہندوؤں کے ساتھ مل کر تحریک آزادی میں حصہ لیں اور بدیسی کپڑے کی جگہ کھدر پہنیں تو مفتی صاحب نے اس کی سختی سے مزاحمت فرمائی۔

حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے تحریک پاکستان میں بھی حصہ لیا اور مسلم لیگ کے موقف کی مکمل حمایت کی۔ شریعت اسلامیہ میں اصل چیز نظریاتی حدود ہیں جغرافیائی حدود نہیں جغرافیائی حدود کی حفاظت بھی محض اس لئے ہے کہ نظریاتی حدود کی حفاظت ہو۔ پاکستان کی اساس چونکہ قرآن و سنت قرار دی گئی ہے اس لئے آپ نے اس اساس کی حمایت کی جو دوسرے لفظوں میں پاکستان کی حمایت کہی جا سکتی ہے لیکن آپ مسلم لیگ کے ممبر نہ بنے غالباً اس لئے کہ اس صورت میں قائد کی پیروی لازم ہو جاتی خواہ شریعت کے خلاف ہی کیوں نہ ہو اور ایک عالم دین کے لئے شریعت کی پابندی مقدم ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ شرعی معاملات میں مسلمان سیاسی قائدین کی رہنمائی کرنا بھی اس کا ایک اہم فریضہ ہے۔ مسلمانوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ایک عظیم قیادت دے دی گئی۔ ——— اب قیادتیں اسی ایک قیادت کے ماتحت ہوں گی اور وہ قیادت ہے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ یہی وجہ ہے کہ جب قائد اعظم حضرت مفتی اعظم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے بڑی دلسوزی سے فرمایا :

"آپ قرآن و سنت کے نام سے مسلمانوں کو مسلم لیگ کی طرف بلاتے ہیں مگر افسوس کہ آپ خود قرآن و سنت سے واقف نہیں ہیں"

یہ سنکر قائد اعظم نے کہا : "دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے قرآن و سنت کے علوم سے آگاہ کر دے" چنانچہ آپ نے دعا فرمائی [1]

[1] مکتوب مولانا سیف الاسلام بنام پروفیسر محمد مسعود احمد، محررہ ۷ مئی ۱۹۷۴ء لاہور

مسلم لیگ کی حمایت کی وجہ سے بعض مخالفین آپ کے جانی دشمن ہو گئے مگر خدا کے فضل سے آپ کو کوئی گزند نہ پہنچا سکے۔ ایک مرتبہ جمعۃ المبارکہ کے روز جب تقریباً بیس ہزار مسلمان نمازِ جمعہ ادا کرنے کے لئے جامع مسجد فتحپوری میں موجود تھے، ایک ہتھیار بند سکھ بھیس بدل کر محرابِ مسجد میں مصلّے کے بالکل سامنے بیٹھنے میں کامیاب ہو گیا۔ خطبہ کا وقت قریب تھا۔ پچھلی صف میں بیٹھے ہوئے ایک صاحب کو شبہ گزرا چنانچہ اسی وقت تلاشی لینے پر اس سے کرپان و خنجر برآمد ہوا۔ تفتیش پر معلوم ہوا کہ اس کا ارادہ یہ تھا کہ جب آپ سجدے میں جائیں تو شہید کر دے۔

فسادات کے زمانے میں حضرت کے دو لنگدے میں بم رکھا گیا لیکن اللہ تعالےٰ نے آپ کو محفوظ رکھا۔ ایک اور سکھ نے شہید کرنے کا ارادہ کیا تو اس سے تلوار نہ اٹھائی جا سکی۔

دہلی میں علماءِ اہلسنت مثلاً حضرت مولانا ناصر جلالی، مولانا حامد جلالی، مولانا محمد شفیع، مولانا عبدالغفار، مولانا مسعود احمد بن حضرت شاہ کرامت اللہ، مولانا طاہر اشرف، قاری عطاء الرحمٰن اور سیف الاسلام مولانا منور حسین صاحب نے مسلم لیگ کی حمایت میں جو کام کیا، تاریخ اسے کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ اس ٹیم کو ہر قسم کی مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا مگر انہوں نے دشمن کے ہر وار کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ اس گروہِ سرفروشاں کے سالارِ اعلیٰ حضرت مفتیٔ اعظم ہی تھے۔

تحریکِ پاکستان کے دوران قائدِ اعظم اور لیاقت علی خاں آپ کے بہت قریب رہے اور انتہائی ادب و احترام سے پیش آتے رہے مگر یہ تعلقات حق گوئی میں سدِ راہ نہ بن سکے۔ مولانا ظفر احمد انصاری جو قائدِ ملت کے پرسنل سیکریٹری رہے ہیں، راوی ہیں کہ ایک دفعہ

عہ آپ آج کل لاہور میں قیام پذیر ہیں۔

آپ نے قائدِ ملت لیاقت علی خاں کو نماز کی تلقین کی جس سے قائدِ ملت بہت متاثر ہوئے اور نماز کی پابندی کا وعدہ کیا۔[1]

حضرت کے بڑے صاحبزادے حضرت علامہ مفتی محمد مظفر احمد علیہ الرحمۃ (م ۱۹۷۱ء) نے مسلم لیگ میں عملی طور پر حصہ لیا تھا اور لیگ کے جلسوں سے خطاب فرماتے رہے۔ اسی طرح حضرت کے ایک جاں نثار عقیدت مند سیٹھ احمد میمن نے مسلم لیگ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ موصوف حضرت ہی کے پروردہ تھے جو پاکستان بننے سے بہت پہلے پاکستانی بن گئے تھے۔ ان کی کار پر ایک بہت بڑا بورڈ لگا ہوا تھا جس پر "پاکستانی کا جج" لکھا ہوا تھا۔ قائدِ اعظم مرحوم سیٹھ موصوف کی بہت قدر کرتے تھے اور محبت سے ان کو چاچا کہہ کر پکارتے تھے۔[2]

تحریکِ پاکستان کے دیگر مؤیدین علماء و مشائخِ اہلسنت حضرت مفتیٔ اعظم سے خاص محبت و تعلق رکھتے تھے اور قدم قدم پر انہیں حضرت مفتیٔ اعظم کی رفاقت حاصل رہی۔ مولانا مظہر الدین شہید (مدیر الامان، وحدت دہلی) حضرت مفتیٔ اعظم ہند مصطفےٰ رضا خاں، صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی، مولانا ابو الحسنات سید محمد احمد قادری، میرِ ملت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری، ملا شور بازار کابلی، مبلغِ اسلام مولانا شاہ محمد عبد العلیم صدیقی میرٹھی، مولانا ابو البرکات سید احمد قادری اور مولانا شاہ عارف اللہ قادری میرٹھی وغیرہم سے حضرت کے خاص تعلقات تھے۔ یہ سب آزادی حاصل کرنے کے لئے شریکِ سفر تھے اور حضرت محدث علی پوری قدس سرہ تو اوائل میں کہ جامع مسجد فتحپوری میں قرآنِ کریم بھی سنایا کرتے تھے۔[3]

---

[1] مکتوب گرامی پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب بنام مؤلف۔ محررہ ۱۶ اپریل ۱۹۷۴ء، ٹنڈو محمد خاں (سندھ)

[2] ایضاً

[3] ایضاً

[4] حیات مظہری از پروفیسر محمد مسعود احمد، مطبوعہ کراچی ۱۹۷۵ء، ص ۲۲

تقسیم ملک کے بعد حضرت نے دہلی ہی میں رہنا پسند فرمایا۔ جب احباب اور عقیدت مندوں نے پاکستان تشریف لانے کے لئے اصرار کیا تو آپ نے فرمایا "آپ حضرات کو اجازت ہے جہاں چاہیں جا سکتے ہیں فقیر کو یہیں رہنے دیں۔ کل قیامت کے دن اگر مولا تعالےٰ نے فرمایا کہ ہم نے اپنا گھر تیرے سپرد کیا تھا۔ تو اس کو کس کے رحم و کرم پر چھوڑ کر چلا گیا تو فقیر کیا جواب دے گا؟" [1]

چنانچہ دہلی میں رہ کر ہی آپ مسلمانوں کی اخلاقی و روحانی تربیت فرماتے رہے۔ دو مرتبہ آپ پاکستان بھی تشریف لائے اور پاکستانی علماء و مشائخ نے آپ کی بے حد قدر کی۔ آپ نے پورے پاکستان کا دورہ کیا اور ایمان افروز خطبے دئیے۔

۱۴ر شعبان المعظم ۱۳۸۶ھ/۲۸ نومبر ۱۹۶۶ء بروز پیر بوقت پانچ بجکر بیس منٹ اس نابغۂ روزگار کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ کو جامع مسجد فتحپوری کے احاطہ میں سپردِ خاک کیا گیا جہاں آپ کا مزار شایانِ شان طریقے سے تعمیر ہوا۔

تاریخِ وصال یہ نکالی گئی:

ہائے شمعِ تصوّف اب ہے خاموش

۱۹ ء ۶۶

ہمارے مخدوم و محترم پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب مدظلہ، پرنسپل گورنمنٹ کالج سکرنڈ ضلع نواب شاہ (سندھ) آپ ہی کے صاحبزادے ہیں جو پاکستان میں آپ کی جانشینی کے فرائض انجام دے رہے ہیں، موصوف ملک کے نامور ماہرِ تعلیم، مؤرخ اور ادیب ہیں۔

---

[1] فاضل بریلوی اور ترکِ موالات از پروفیسر محمد مسعود احمد، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۱ء ص: ۶۹

سیّد محمود شاہ گجراتی

آفتابِ ولایت حضرت پیر سید ولایت شاہ گجراتی رحمۃ اللہ علیہ خلیفۂ اعظم حضرت محدث علی پوری نور اللہ مرقدہ کے نامِ نامی سے کون واقف نہیں ہے، صاحبزادہ سید محمود شاہ انہیں کے فرزندِ اکبر اور خلیفۂ اول ہیں حضرت صاحبزادہ صاحب ۱۹۲۳/۱۹۲۴ء میں پیدا ہوئے۔ والدِ گرامی چونکہ حافظِ قرآن تھے اور ان کی زیرِ نگرانی مدرسہ تجوید و قراءت مسجد حاجی پیر بخش میں جاری تھا اس لئے آپ نے قرآن پاک حفظ کیا اور ساڑھے گیارہ سال کی عمر میں پہلی بار نمازِ تراویح میں قرآنِ پاک سنایا [1]

بعد ازاں دینی تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا۔ علامہ عبدالغفور ہزاروی نے آپ کو بڑی محنت و کاوش سے پڑھانا شروع کیا [2] علامہ صاحب کی وزیر آباد آمد کے بعد آپ نے دارالعلوم حزب الاحناف لاہور میں داخلہ لے لیا اور سید ابو البرکات مدظلہ اور مفتی مہر الدین مدظلہ سے اکتسابِ علم کیا۔

حضرت محدث علی پوری سے آپ کو حد درجہ عقیدت ہے۔ سترہ برس کی عمر میں آپ نے حضرت کے دستِ حق پرست پر بیعت کی اور انہی کے ہو گئے۔ پھر تحریکِ پاکستان میں حصہ لیا اور حصولِ پاکستان کے لئے مسلم لیگ کے کارکن کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ ۱۹۴۶ء میں تحریک سول نافرمانی میں سب سے پہلے جیل گئے [3] یہ وہ دور تھا جب گجرات کے بڑے بڑے سیاسی لیڈر یونینسٹ اور بڑے بڑے علماء احرار اور کانگرس میں شامل تھے۔ آپ جیل میں بھی تحریکِ پاکستان کے لئے کام کرتے رہے۔

---

[1] ماہنامہ رضائے حبیب گجرات فروری ۱۹۷۱ء ص ، چشمۂ ہدایت حیات شاہ ولایت مطبوعہ گجرات ۱۳۹۲ھ ص ۴۵۔

[2] علامہ ہزاروی ان دنوں مدرسہ خدام الصوفیہ گجرات میں مدرس تھے۔

[3] حیات شاہ ولایت مطبوعہ گجرات ص ۴۵، رضائے حبیب گجرات جنوری فروری ۱۹۷۱ء ص ۷، روزنامہ نوائے وقت لاہور ۳۳ مارچ ۱۹۷۴ء۔

بائیس برس کی عمر میں آپ پنجاب مسلم لیگ کے ممبر منتخب ہوئے، شب و روز تحریک پاکستان کے لئے سرگرم عمل رہے، طویل دورے کر کے ہر جگہ نظریۂ پاکستان کا پرچار کیا اور لوگوں تک مسلم لیگ کا پیغام پہنچایا۔ ۱۹۵۸ء تک مارشل لاء دور میں آپ پنجاب مسلم لیگ اور آل پاکستان مسلم لیگ کے ممبر رہے، بعد میں مسلم لیگ میں انتشار اور دھڑے بندی کی بنا پر الگ ہو گئے اور جمعیت علماءِ پاکستان میں شمولیت اختیار کر لی۔[1]

ستائیس برس کی عمر میں آنریری ریکروٹنگ آفیسر مقرر ہوئے۔ جہادِ کشمیر میں پیر صاحب مانکی شریف، حضرت امین الحسنات کی قیادت میں مجاہدانہ کردار کا مظاہرہ کیا۔ ایوبی مارشل لاء سے قبل گجرات میں خان عبدالقیوم خاں صدر آل پاکستان مسلم لیگ کے بتیس میل لمبے جلوس کی رہنمائی کرنے والوں میں آپ بھی شامل تھے۔[2]

آپ بہت نڈر، حق گو اور بیباک عالمِ دین اور مقرر ہیں۔ ۱۹۶۲ء کے صدارتی الیکشن میں آپ نے محترمہ فاطمہ جناح کی ڈٹ کر حمایت کی اور الیکشن ایجنٹ بنے۔ اس سلسلے میں بے پناہ دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا مگر آپ نے ہمت نہ ہاری۔ ۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت کے سلسلے میں گرفتار ہوئے اور پھر ۱۹۷۴ء کی ختم نبوت تحریک میں بھی گرفتار ہوئے اور گجرات و میانوالی جیلوں میں تقریباً دو ماہ تک رہنے کے بعد ۹ راگست ۱۹۷۴ء کو ہائی کورٹ لاہور سے ضمانت پر رہا ہوئے[3] اور عملی طور پر رہائی ستمبر کو عمل میں آئی۔

جمعیت علماءِ پاکستان میں آپ ہمیشہ ممتاز عہدوں پر فائز رہے۔ آجکل جمعیت کے مرکزی نائب صدر ہیں جبکہ قائدِ اہلسنت مولانا شاہ احمد نورانی مدظلہ صدر اور مجاہدِ ملت مولانا عبدالستار خاں نیازی مدظلہ جنرل سیکریٹری ہیں۔

[1،2] حیاتِ شاہ ولایت، ص ۴۶، رضائے حبیب گجرات جنوری فروری ۱۹۷۱ء ص ۷۔

[3] نوائے وقت لاہور ۱۰ راگست ۱۹۷۴ء۔

مولانا مرتضیٰ احمد خاں میکش

آپ کا اسمِ گرامی مرتضیٰ احمد خاں اور تخلص میکش تھا۔ والد صاحب کا نام محمد مرید احمد خاں تھا آپ کے جدِ امجد گل محمد خاں کا تعلق افغان قوم کے قبیلہ محمد زئی دُرّانی سے تھا۔ گل محمد خاں افغانستان سے ہجرت کر کے جالندھر کے مضافات میں بھدم یا پردم نامی قصبہ میں رہائش پذیر ہوئے۔ یہیں سے اس خاندان نے علمی خدمات کا آغاز کیا۔

مولانا میکش ۱۳۱۷ھ/۱۸۹۹ء بروایت دیگر ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم والد صاحب سے حاصل کرنے کے بعد جالندھر سے میٹرک پاس کیا اور پھر لاہور آ کر کالج میں ایف اے کے لئے داخلہ لیا۔ ۱۹۲۰ء میں ابھی سالِ دوم میں پڑھ رہے تھے کہ تحریکِ ہجرت کے سلسلے میں کالج کو خیرباد کہہ کر کابل چلے گئے اور ایک برس کی مسلسل تکالیف برداشت کرنے کے بعد لاہور آئے۔ ۱۹۲۲ء سے لے کر ۱۹۵۵ء تک مختلف روزناموں میں ایڈیٹر کی حیثیت سے کام کرتے رہے علمی ادبی دینی کی تحریکوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے زمیندار اور انقلاب میں کام کرنے کے بعد ہندی اخبار ہفت روزہ افغانستان نکالا جو فارسی زبان میں شائع ہوتا تھا۔ اس میں انگریزوں کے خلاف مضامین لکھنے پر ۱۹۳۰ء میں ایک سال کے لئے پابندِ سلاسل کر دئے گئے۔

قید سے رہائی پر احسان اور شہباز جیسے مؤقر روزناموں میں کام کیا۔ پھر خود روزنامہ انصاف نکالا پھر اسے بند کر کے نوائے پاکستان اور مغربی پاکستان میں رئیس التحریر کی حیثیت سے کام کیا۔ اپنے زمانے میں لاہور کی دنیائے صحافت میں انہیں اہم مقام حاصل تھا صحافتی فرائض کی ادائیگی ہی میں سنگاپور، ملایا اور برما کا سفر کیا پاکستان بنانے کے خیال کا اظہار ۱۹۲۸ء کے اداریے میں سب سے پہلے آپ ہی نے کیا تھا۔ پاکستان بننے کے بعد ریڈیو پاکستان سے "ندائے حق" کے عنوان سے حق کی آواز بھی بلند کرتے رہے۔[1]

[1] روزنامہ نوائے وقت لاہور ۱۸ جولائی ۱۹۷۴ء

تحریکِ پاکستان میں علماءِ اہلسنّت کے ساتھ مل کر خدمات سرانجام دیں۔ مولانا ابوالحسنات قادری آپ کے رفیقِ خاص تھے چنانچہ ۱۹۴۶ء میں بنارس کی آل انڈیا سنی کانفرنس میں مولانا ابوالحسنات آپ کو خصوصی طور پر لے گئے تھے۔ آپ نے وہاں متعدد قرادادیں پیش کیں جو متفقہ طور پر پاس کر لی گئیں۔

پاکستان کے معرضِ وجود میں آنے کے بعد جب جمعیت علمائے پاکستان کی تشکیل ہوئی تو آپ جمعیت کے قانونی مشیر مقرر ہوئے تحریکِ ختمِ نبوت چلی تو مولانا ابوالحسنات قادری کے ساتھ تحفظِ ناموسِ رسالت کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔

آپ کا وصال لاہور میں، ۲۷ جولائی ۱۹۵۹ء کو حرکتِ قلب بند ہو جانے سے ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ گارڈن ٹاؤن لاہور کے قبرستان میں مدفون ہیں۔

نمازِ جنازہ میں جن اصحاب نے شرکت کی ان میں مرحوم کے مداح چودھری محمد علی سابق وزیرِ اعظم پاکستان بھی شامل تھے۔

انتقال کے وقت آپ اردو اسلامی انسائیکلوپیڈیا کے ایڈیٹوریل بورڈ کے رکن کی حیثیت سے کام کرتے تھے اور پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ صحافت میں لیکچرار تھے[۱]

آپ قادر الکلام شاعر اور بلند پایہ ادیب تھے۔ مادری زبان فارسی ہونے کی وجہ سے اکثر کلام فارسی میں ہے۔ مندرجہ ذیل کتب یادگار ہیں:۔

۱۔ الہامی افسانے
۲۔ الیرز شکن گرز عرف مرزائی نامہ
۳۔ اخراجِ اسلام از ہند
۴۔ تقدیر و تدبیر
۵۔ تاریخِ اقوامِ عالم (۲ جلد)
۶۔ اسلام اور معاشی اصلاحات
۷۔ تاریخِ اسلام (۴ جلدیں)
۸۔ دورِ دل مجموعہ اردو کلام
۹۔ مجموعہ کلام فارسی
۱۰۔ غیر مطبوعہ کتب وغیرہ

(ماہنامہ نقوش لاہور نمبر)

[۱] روزنامہ نوائے وقت لاہور، ۲۹ جولائی ۱۹۵۹ء

آپ کے انتقال پر روزنامہ نوائے وقت لے یہ اداریہ قلمبند کیا :۔

" مولانا مرتضیٰ احمد خاں میکش کا انتقال اردو صحافت کا ناقابلِ تلافی نقصان ہے۔ مرحوم ایک پرانے اخبار نویس تھے اور زمیندار، احسان، شہباز، نوائے پاکستان، مغربی پاکستان وغیرہ اخبارات میں ایڈیٹر کی حیثیت سے مدتوں کام کرتے رہے تھے۔ احسان اور شہباز کو تو کامیاب ہی انہوں نے کیا تھا۔ ایک زمانہ لاہوری صحافت میں ان کا طوطی بولتا تھا۔

مرحوم ایک دیندار اور صوفی منش آدمی تھے اور گو تخلص میکش تھا مگر شراب کو کبھی چھوا تک نہیں، اسلام اور پاکستان کے لئے دل میں پُر درد تھا، ان کے آخری چند سال بڑی عُسرت اور تکلیف میں گزرے مگر چونکہ انتہائی خوددار، غیور اور درویش قسم کے آدمی تھے اس لئے کبھی کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلایا۔ وہ اپنی قومی خدمات اور اپنی ضروریات کے اعتبار سے اور صحافت میں اپنے مقام کے باعث پنشن اور وظیفہ کے صحیح معنوں میں حقدار تھے مگر چونکہ دربار رس ہونے کی بجائے گوشہ نشین تھے اس لئے آخر وقت تک محنت مزدوری کر کے گزارہ کیا اور اس طرح خوددارانہ زندگی کی ایک شاندار مثال قائم کر گئے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دیں "

(روزنامہ نوائے وقت مجریہ ۲۵ جولائی ۱۹۵۹ء)

سیّد مغفور القادری

سندھ کے مشہور پیر پگارو[1] خاندان نے تحریک پاکستان میں جو نمایاں خدمات انجام دی ہیں ان کے ذکر کے بغیر پاکستان کی تاریخ نامکمل رہ جاتی ہے۔ اسی خاندان کے پیروکاروں میں بھرچونڈی شریف ضلع سکھر کی خانقاہ بھی ہے۔ اس خانقاہ کے ہر فرد نے ملّی، مذہبی و سیاسی خدمات میں پیر پگارو خاندان کی ہر طرح سے پیروی کی۔ بھرچونڈی شریف کی خانقاہ کے شیخ ثالث حضرت پیر عبدالرحمٰن کے خلیفہ خاص سید مغفور القادری نے (جن کا ذکر مطلوب ہے) اپنے مرشد کی معیت میں جو نمایاں خدمات سرانجام دیں ان سے اغماض کسی طرح بھی ممکن نہیں۔

حضرت سید مغفور القادری ۱۳۲۶ھ میں گڑھی اختیار خاں ضلع رحیم یار خاں میں پیدا ہوئے۔ والدِ گرامی کا اسمِ مبارک حضرت سید سردار احمد قادری اور جدِ امجد کا نام حضرت سید محمد جعفر شاہ رحمۃ اللہ علیہ تھا۔ سلسلۂ نسب حضرت شیخ الشیوخ سید عثمان مروندی المعروف بہ لعل شہباز قلندر سیہون شریف (سندھ) تک پہنچتا ہے۔ مادری سلسلۂ نسب اُوچ شریف کے مشہورِ زمانہ بخاری خاندان سے ملتا ہے۔ آپ کے والدِ گرامی اپنے وقت کے مشہور ولی اللہ، مرجعِ خواص و عوام اور مستجاب الدعوات بزرگ تھے۔ متعدد زبانوں کے ماہر، جید عالمِ دین، اعلیٰ درجہ کے خطاط، سندھی و سرائیکی، عربی اور فارسی زبان کے عمدہ شاعر تھے، عشقِ رسول کا جذبہ آپ میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔

حضرت کے آباء و اجداد شکارپور سندھ سے نقل مکانی کر کے ریاست بہاولپور

---

[1] یہ لفظ پاگارا ہے جس کے معنی سندھی زبان میں صاحبِ دستار (پگ والا) کے ہوتے ہیں۔ قبلۂ عالم سید محمد راشد علیہ الرحمۃ نے ایک صاحبزادہ کو جھنڈا (علَم) عطا فرمایا اور دوسرے کو دستار عنایت کی۔ جھنڈے والے کو صاحبُ العلَم یا پیر جھنڈا کہا جاتا ہے اور دستار والے کو پاگارہ۔ پگاڑو یا پگارو غلط تلفظ ہے۔

میں وارد ہوئے اور بعد میں آپ کے جدِ امجد نوابین گڑھی کے اصرار پر یہاں آباد ہو گئے تھے اور حکومتِ بہاولپور کے ایک قاضی کی ایک دختر سے آپ کی نسبت طے ہو گئی، اس وقت سے لیکر آج تک یہ گھرانہ گڑھی اختیار خاں ضلع رحیم یار خاں ہی میں سکونت پذیر ہے اور یہاں کے لوگوں کی عقیدت کا مرکز ہے۔

حضرت کا تاریخی نام مغفور رکھا گیا تھا۔ ابھی بمشکل چلنے پھرنے کے قابل ہوئے تھے کہ والدہ ماجدہ وفات پاگئیں، ذرا ہوش سنبھالا تو والدِ ماجد نے آپ کو قرآنِ مجید کی تعلیم کے لئے مکتب میں داخل کیا اور خود سفرِ حجاز پر روانہ ہو گئے۔ نو برس کی عمر میں آپ نے قرآنِ مجید حفظ کر لیا اور پھر دینی تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا۔ کتبِ فارسی مولانا محمد حیات گڑھی والے اور جامع معقول و منقول مولانا عبدالکریم ہزاروی ثم بھرچونڈوی سے پڑھ کر ریاست بہاولپور کی مشہور علمی درس گاہ مدرسہ شمس العلوم میں اور پھر سراج الفقہا مولانا سراج احمد مکھن بیلوی سے تکمیلِ علوم فرمائی۔ تقریباً بائیس برس کی عمر میں تمام علوم عقلیہ و نقلیہ سے فارغ ہو کر حضرت بھرچونڈوی رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی۔ حضرت بھرچونڈوی نے آپ کی پرورش و تربیت اپنے صاحبزادے کے ساتھ بالکل اسی طرح کی اور تھوڑی ہی مدت میں فقر و سلوک کی منزلیں طے کرا دیں۔

اپنے مرشد کے حکم کے مطابق بھرچونڈی شریف کی درس گاہ میں تدریس و افتاء کی مسند سنبھالی اور اس طرح سندھ اور بیرونِ سندھ کے ہزاروں طلباء ان سے فیض یاب ہوئے بھرچونڈی شریف کے چوتھے سجادہ نشین حضرت پیر عبدالرحیم شہید نے بھی آپ ہی سے تکمیلِ علوم فرمائی۔ علاوہ ازیں آپ پیر عبدالرحمٰن بھرچونڈوی کے ساتھ سندھ میں تبلیغی دوروں کے سلسلے میں ان کے رفیقِ سفر رہے۔

حضرت مغفور القادری نہ صرف ماہرِ تعلیم ہی تھے بلکہ بہت بڑے انشاء پرداز اور بلند پایہ شاعر بھی تھے۔ آپ نے جب ابوالمحامد پیر سید محمد شاہ صاحب کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ کو فارسی زبان میں خطوط لکھے تو حضرت محدث کچھوچھوی بہت متاثر ہوئے اور بھرچونڈی شریف آتے

ہی حضرت سے ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا اور فرمایا "حضرت! آپ کی ادبی تحریروں اور خوش نویسی کے بلند پایہ معیار نے تو متقدمین کی یاد تازہ کر دی ہے، میں نے آپ کے دو خطوط فریم کروا کر اپنی لائبریری میں آویزاں کر رکھے ہیں۔"

اسی دوران آپ کو ایک سال تک سکھر میں مقیم رہ کر راشدی خاندان (خانوادہ پیر پگارہ) کے ایک صاحبزادے سید رحم شاہ کی تعلیم و تربیت کرنا پڑی۔ یہ انتظام حکومت کی طرف سے کیا گیا تھا اور کوئی مناسب آدمی نہ ملنے کی وجہ سے آپ کو بصد منت و سماجت رضامند کیا گیا تھا۔ ایک سال بعد آپ دوبارہ بھرچونڈی شریف واپس تشریف لے آئے۔

آپ کی زندگی بہت فعال اور مجاہدانہ تھی۔ آپ کی سرشت میں مجاہدانہ زندگی کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، آپ حکیم الامت علامہ اقبال کے اس ارشاد کی عملی تصویر تھے کہ ؎

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیری
کہ فقر خانقاہی ہے فقط اندوہ و دلگیری

تحریک پاکستان کا غلغلہ بلند ہوا تو کانگریسی علماء (حسین احمد اور ابوالکلام وغیرہ) "ملت از وطن است" کا نغمہ الاپ رہے تھے ادھر علماء اہلسنت دو قومی نظریہ کی تبلیغ و حمایت میں کمربستہ ہو کر سر دھڑ کی بازی لگانے پر آمادہ تھے۔ آپ نے اپنے مرشد پیر عبدالرحمٰن بھرچونڈوی کو آمادہ کیا کہ سندھ میں کانگرس کا زور توڑنے کے لئے مسلمانوں کی تنظیم کی جائے چنانچہ سندھ کے دردمند اصحاب کی میٹنگ بلا کر جماعت احیاء الاسلام کا اعلان کر دیا گیا دستور کو مستقل قومی حیثیت دے کر اسلامی ریاست کے حصول پر ساری مساعی کا دارومدار رکھا گیا۔ جماعت کے پروگرام اور تعارف کے لئے دھڑا دھڑ لٹریچر چھاپ کر تقسیم کیا گیا۔ اسی سلسلے میں سندھی پرنٹنگ پریس خریدا اور جماعت کا اخبار "الجماعۃ" کے نام سے شکارپور سے جاری کیا جس میں نہایت حکیمانہ انداز میں مضامین لکھ کر رائے عامہ کو اندرونی طور پر

مسلم لیگ کے حق میں ہموار کرنا شروع کر دیا، پھر باقاعدہ پروگرام کے تحت جماعتی سطح پر کانفرنسوں کے انعقاد اور وفود کے ذریعہ نشرو اشاعت کا اہتمام کیا. جیکب آباد سندھ میں ایک تاریخی کانفرنس ہوئی جس کی صدائے بازگشت اب بھی جیکب آباد کے گلی کوچوں میں سنی جاتی ہے سکھر، لاڑکانہ، شکارپور ایسے مرکزی مقامات پر تاریخی جلسے کئے، ہزاروں کی تعداد میں پمفلٹ اور ہینڈ بل تقسیم کئے. آپ کی ان کاوشوں اور سیاسی بصیرت نے سندھ کے عوام کو آپ کی جماعت کا گرویدہ بنا دیا، ابھی تک جماعت کے ریکارڈ میں ایسے پمفلٹ وغیرہ موجود ہیں جو آپ کی حکمت عملی اور سیاسی سوجھ بوجھ کی منہ بولتی تصویر ہیں۔

سندھ میں لوگ ابھی تک مسلم لیگ سے پوری طرح متعارف نہیں ہوئے تھے کہ محمد ایوب کھوڑو، الحاج عبداللہ ہارون اور مولانا عبدالحامد بدایونی نے مسلم لیگ کی طرف سے کراچی میں ایک عظیم الشان جلسہ کا انعقاد کیا جس میں قائدِ اعظم. قائدِ ملت لیاقت علی خاں اور نواب اسمٰعیل خاں مرحوم کے علاوہ بہت سے اکابرینِ ملت شریک ہوئے. احیاء الاسلام کے نائب صدر کی حیثیت سے آپ کو بھی مدعو کیا گیا. آپ نے اعلان فرمایا کہ :

"مسلم لیگ برصغیر میں مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے لہٰذا ہم اپنی تمام قوت وطاقت اور جماعت احیاء الاسلام کو مسلم لیگ میں مدغم کرتے ہیں اور احیاء الاسلام کے ٹکٹ پہ منتخب ہونے والے پانچ ممبرانِ اسمبلی بھی مسلم لیگ میں شامل ہوتے ہیں؛"

یہ اعلان آپ نے قائدِ اعظم کی اس یقین دہانی اور گفت و شنید کے بعد کیا تھا کہ ہمارا یہ پاکستان ایک صحیح اسلامی ریاست ہوگا جہاں صرف کتاب و سنت کی حکمرانی ہوگی۔

مسلم لیگ میں شمولیت کے بعد آپ عملی طور پر مسلم لیگ کی کامیابی کے لئے دامے درمے قدمے، قلمے اور سخنے میدان میں نکل آئے. آپ نے حیدر آباد کو اپنا مسکن بنایا اور تنظیم المشائخ کے نام سے مشائخ کی ایک جماعت بنائی تاکہ سندھ کے مشائخ کو اکٹھا کر کے مسلم لیگ کے

جھنڈے تلے لایا جا سکے۔ آخر کار ایک کونشن میں سندھ کے تمام سجادہ نشین حضرات کو بلایا اور مسلم لیگ کا منشور پیش کیا چنانچہ آپ کی کوششوں سے اکثر سجادہ نشین مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔

۱۹۴۶ء میں حضرت صدر الافاضل اور محدث کچھوچھوی کی کوششوں سے ۲۷ تا ۳۰ اپریل بنارس میں حضرت محدث علی پوری کی زیر صدارت آل انڈیا سُنّی کانفرنس منعقد ہوئی جس کا مقصد دو قومی نظریے اور مطالبۂ پاکستان کی حمایت تھا۔ آپ حضرت پیر عبد الرحمٰن بھرچونڈوی کے ساتھ ایک سَو افراد کا وفد لے کر سندھ کی نمائندگی کے لئے کانفرنس میں شریک ہوئے، خصوصی میٹنگوں اور ضروری مشوروں میں شرکت فرمائی اور مفید تجاویز پیش کیں، بعد ازاں ہندوستان کے مختلف علاقوں کا دورہ فرمایا اور اسی دوران بریلی شریف میں اعلیٰ حضرت بریلوی کے آستانۂ مبارکہ پر حاضری دی۔

قیام پاکستان سے قبل سکھر میں دریائے سندھ کے کنارے پر واقع مسجد منزل گاہ پر ہندوؤں نے قبضہ کرنا چاہا تو یہ مسئلہ آگ کی طرح پھیل گیا اور سیاسی کشیدگی نے فضا مزید خراب کر دی، حکومت نے ہندوؤں کی حمایت میں مداخلت کرنا چاہی تو مجاہدینِ اسلام کے صفِ اول کے رہنما جن میں پیر عبد الرحمٰن بھرچونڈوی اور سید مغفور القادری شامل تھے، نے میدان میں آکر مردانہ وار انگریزی حکومت کا مقابلہ کیا، حکومت نے ہر طرح سختی سے کام لیا مگر حق پرستوں نے بھی سر نہ جھکایا اور بالآخر تنگ آکر حکومت نے ایک تحقیقاتی بورڈ قائم کیا جس نے رپورٹ دی کہ یہ مسجد ہے اور مسلمانوں کو ملنی چاہیے چنانچہ یہ مسجد مسلمانوں کے قبضے میں آ گئی۔ یہ آپ کی دلیری، شجاعت اور فہم و فراست کی ایک اعلیٰ مثال ہے۔

انتہائی مصروفیات کے باوجود آپ نے بہت سی کتابیں بھی لکھیں، ان میں سے چند ایک کا تعارف پیش ہے:

۱۔ عباد الرحمٰن (تذکرہ مشائخ بھرچونڈی شریف) یہ خانقاہ بھرچونڈی شریف کے مشائخ پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں جہاں علمی و ادبی شہ پارہ موجود ہے وہاں تصوف کی تاریخ میں ایک قابلِ قدر اضافہ ہے۔ حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ نے

اس کا دیباچہ لکھا ہے۔

۲۔ تنویر العینین فی تقبیل الابہامین (غیر مطبوعہ) سندھی زبان میں احادیث اور اقوال سلف سے ثابت کیا گیا ہے کہ اذان میں انگوٹھے چومنا مستحب اور سنت صدیقی ہے۔ آپ نے مذکورہ مسئلے کے ثبوت میں قوی استدلالات کے ذریعہ مخالفین کو لاجواب کر دیا ہے۔

۳۔ الرسول (صلی اللہ علیہ وسلم) (غیر مطبوعہ) حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام رسالت اور عظمتِ رسول پر ایک مجمل مگر مکمل رسالہ ہے۔

۴۔ کلامِ مغفور (غیر مطبوعہ) اس میں عربی۔ فارسی، اردو اور سرائیکی زبانوں میں آپ کا منظوم کلام ہے۔

۵۔ اس کے علاوہ مختلف مضامین، بعض کتب پر حواشی، پسندیدہ شعراء کا منتخب کلام غیر مطبوعہ صورت میں آپ کے صاحبزادے کے پاس محفوظ ہے۔

آپ ایک جادو بیان خطیب بھی تھے۔ آپ کی تقاریر کا موضوع عشق مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہوتا تھا۔ مثنوی مولانا روم کے حافظ تھے اور مثنوی شریف پڑھتے وقت آپ پر یک کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ تقریر میں ایسا سوز و گداز ہوتا تھا کہ سخت سے سخت دل انسان بھی اپنے آنسو ضبط نہ کر سکتا تھا۔ ہر سال عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم بڑے تزک و احتشام سے مناتے تھے۔ زمانۂ طالبعلمی ہی سے شعر کہتے تھے۔ نعت گوئی کے لئے نہایت موزون طبع پائی تھی ابتدائی دور میں تخلص ساغر تھا پھر مغفور اور غفیر تخلص فرماتے تھے۔

آپ کو اللہ تعالےٰ نے چار فرزند عطا فرمائے جو سب کے سب باصلاحیت اور علوم دینیہ سے بہرہ ور ہیں :۔

۱۔ علامہ سید کاظمی القادری مدظلہ

۲۔ سید فاروق القادری ایم اے عربی، اسلامیات (گولڈ میڈلسٹ)

(موجودہ سجادہ نشین گڑھی اختیار خاں)

۳۔ سید سرمد منصور واجبی تعلیم یافتہ، زمیندارہ کرتے ہیں۔

۴۔ سید بو علی شبلی حفظِ قرآن کے بعد علوم عربیہ حاصل کر رہے ہیں۔

حضرت کو وصال سے دس سال قبل ذیابیطس الیسا موذی مرض لاحق ہو گیا، علاج جاری رہا مگر آپ کی صحت بحال نہ ہو سکی اور بالآخر اسی مرض میں ۵ صفر المظفر ۱۳۹۰ھ مطابق ۱۲ اپریل ۱۹۷۰ء بروز اتوار پانچ بجکر سترہ منٹ پر آپ نے اپنی جان جاں آفرین کے سپرد کر دی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آخری وقت چہرۂ اقدس پر خاص قسم کی نورانیت تھی، تمام ضروری وصیتیں پہلے ہی فرما دی تھیں، زبان پر کلمۂ طیبہ اور قرآنی آیات کا ورد تھا اور چہرۂ اقدس پھول کی طرح کھلا ہوا تھا ؎

نشانِ مردِ مومن با تو گویم
چو مرگ آید تبسم برلبِ اوست

آپ کی نماز جنازہ حضرت پیر عبد الرحیم شہید بھرچونڈوی علیہ الرحمۃ نے ——— پڑھائی اور آپ کو آپ کے والد گرامی سید سردار احمد قادری علیہ الرحمۃ کے پہلو میں دفن کر دیا گیا۔ ۷ صفر المظفر ۱۳۹۰ھ/۱۴ اپریل ۱۹۷۰ء کو بروز منگل رسم قل خوانی ہوئی اور اسی موقع پر حضرت کے صاحبزادے سید محمد فاروق القادری مدظلہ کی دستار بندی کی گئی رسم دستار بندی حضرت پیر عبد الرحیم شہید بھرچونڈوی نے فرمائی۔

بہت سے شعراء نے تاریخہائے وصال کہیں، حضرت پیر سید شریف احمد شرافت نوشاہی قادری مدظلہ سجادہ نشین ساہن پال شریف ضلع گجرات نے حضرت کی تاریخِ وصال یوں نکالی ؎

شرافت چوں پرسند سالِ وصال
بگو، ہادیٔ عصر مستور شد
۹۰ ۱۳

جناب ابوطاہر فدا حسین فدا نے بھی تاریخِ وصال کہی ؎

سنِ رحلت پہ ان کے بولا رضوان
رقم کرا ے فدا محبوب و منور
۱۳ ۹۰

نوٹ : اس مضمون کی تیاری میں "ذکرِ مغفور" از مخدومی حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ، مطبوعہ لاہور (۱۹۷۰ء) سے استفادہ کیا گیا ہے۔

پیر محمد فضل شاہ جلالپوری

آپ ضلع جہلم کے معروف گاؤں جلالپور میں ۴ رجمادی الاولیٰ ۱۳۱۲ھ/نومبر ۱۸۹۴ء کو پیدا ہوئے۔ نام نامی محمد فضل شاہ بن مظفر علی شاہ بن حضرت خواجہ سید حیدر علی شاہ تھا (رحمہم اللہ تعالیٰ) یہی وہ پیر محمد فضل شاہ ہیں، جو بعد میں امیر حزب اللہ کے نام سے مشہور ہوئے۔

ہوش سنبھالنے پر پیر حیدر علی شاہ نے آپ کی تعلیم و تربیت کا نہایت اعلیٰ طریقے سے بندوبست کیا۔ مولوی محمد عبدالرحیم ساکن کڑی سے درسی کتب، صرف و نحو اور فقہ وغیرہ پڑھیں۔ اکثر اوقات حضرت جد امجد خود بھی پڑھاتے تھے۔ منطق، فلسفہ، ادب، عقائد، کلام اور علوم نقلیہ کی تعلیم مولوی فیض الحسن صاحب مولوی فاضل ساکن بھیں تحصیل چکوال ضلع جہلم سے حاصل کی۔ صحاح ستہ، فقہ اور باقی علوم نقلیہ مولوی قادر بخش ملتانی، حافظ جلال الدین ساکن کوٹ مومن ضلع سرگودھا اور مولوی محمد سعید سے پڑھیں۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد حضرت جدِ امجد کی صحبت میں رہنے لگے۔ ایک مرتبہ حضرت کے ساتھ سیال شریف (سرگودھا) بھی گئے۔ ماہنامہ صوفی منڈی بہاؤالدین ضلع گجرات میں مضامین کا سلسلہ بھی شروع کیا۔

۱۳۴۶ھ/۱۹۲۷ء میں آپ نے حزب اللہ کی بنیاد رکھی جس کا مقصد مسلمانوں کی مذہبی، معاشرتی اور اقتصادی اصلاح کے ساتھ ساتھ سیاسی آزادی بھی تھا چنانچہ آپ نے ملک گیر دورے فرما کر مسلمانوں کے ملی شعور کو بیدار کیا۔ تحریک شہید گنج میں جماعتی حیثیت سے حصہ لیا، مسجد کے انہدام پر جامع مسجد کوہ مری میں ۱۹۳۵ء میں ایک احتجاجی جلسہ منعقد کیا جس میں محدث علی پوری بھی شریک تھے۔ آپ نے نہایت مؤثر تقریر کی جسے گورنمنٹ کے سنسر کی وجہ سے اخبارات میں جگہ نہ مل سکی۔

تحریک پاکستان شروع ہوئی تو آپ نے اس میں سرگرمی سے حصہ لیا۔ حزب اللہ کے پندرھویں سالانہ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے قائد اعظم کو یقین دلایا کہ "حزب اللہ کی جماعت

باوجودیکہ وہ تاحال مسلم لیگ سے منسلک یا اس میں مدغم نہیں ہوئی اور نہ ہی ہم اس کی ضرورت سمجھتے ہیں مگر حصولِ پاکستان کے سلسلے میں وہ مسلم لیگ کے دائرۂ کار سے جدا نہیں رہ سکتی۔ اور اس کے حصول کی خاطر مسلم لیگ جو اقدامات بھی کرے گی انہیں حزب اللہ کی جماعتی تائید حاصل ہوگی۔"

۲۱ ذوالحجہ ۱۳۶۴ھ / ۲۷ نومبر ۱۹۴۵ء کو آپ نے ایک اعلان جاری فرمایا کہ :

"آپ کا ووٹ ایک قومی امانت ہے جسے آپ کو اس کے سپرد کرنا چاہیے جو اس کی صحیح اہلیت رکھنے والا ہو۔ اور مسلم لیگ پر ہمیں چونکہ اعتمادِ کامل ہے اس لئے ووٹ اس امیدوار کو دینے چاہئیں جسے مسلم لیگ کی تائید حاصل ہو ہمارے لئے یہ امر نہایت باعثِ مسرت ہے کہ اپنی مسلمہ فرض شناسی اور صحیح رہنمائی کے حسبِ اعتبار ہندوستان کے بالعموم اور پنجاب کے بالخصوص مشائخ عظام اور سجادہ نشین حضرات مسلم لیگ کی حمایت کا اعلان کر چکے ہیں اور انشاء اللہ تعالیٰ ان کا یہ مبارک اتحاد ان کی کامیابی کا ضامن ہوگا۔"[1]

اس اعلان کے بعد آپ نے ۳۱ دسمبر ۱۹۴۵ء کو جلال پور شریف میں پنجاب کے ایک ہزار بااثر سربرآوردہ حضرات کو جمع کیا۔ ان میں سے ۴۲ انتخابی حلقوں کے مسلم اکابر تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ نمائندہ قسم کا ایک بے مثال اجتماع تھا۔ آپ نے مندرجہ بالا اعلان پڑھ کر سنایا۔ تمام نے اس پر لبیک کہی اور عہد کیا کہ اپنے اپنے حلقوں میں مسلم لیگ کے امیدواروں کو کامیاب بنائیں گے۔ خود ۱۰ جنوری ۱۹۴۶ء کو پنجاب کے دورہ پر روانہ ہوئے۔ پنجاب کے قریہ قریہ میں جا کر مسلم لیگ کا پیغام پہنچایا۔ چنانچہ عوام نے مسلم لیگی لیڈروں کو خوش آمدید کہا اور مسلم لیگی نمائندوں ہی کو ووٹ دئیے۔ مسلم لیگ کو مہتم بالشان کامیابی اور کانگرس کو شکستِ فاش ہوئی۔

۲۸ جولائی ۱۹۴۶ء کو جب بمبئی میں مسلم لیگ کونسل کے اجلاس میں قائدِ اعظم نے راست اقدام کا اعلان کر کے کانگرس کے ایوان میں ایک تہلکہ مچا کر انگریز کو حیرت میں ڈال دیا تھا کہ جناح جیسا آئین پسند

[1] امیر حزب اللہ، بار اول ۱۹۶۶ء، ص ۱۷

انسان حکومت کے ساتھ براہِ راست ٹکر لینے پر کیسے آمادہ ہو گیا ہے۔ امیر حزب اللہ کے برادرِ اصغر نواب سر مہر شاہ بھی اس اجلاس میں شامل تھے چنانچہ انہوں نے بھی دیگر خطاب یافتگان کی طرح قائدِ اعظم کی اپیل پر تمام اعزازات و خطابات حکومت کو واپس کر دیئے۔

جب خضر وزارت کے خلاف سول نافرمانی کی تحریک چلی تو آپ نے بھی اس تحریک میں حصہ لیا اور قید و بند کے لئے اپنے آپ کو پیش کر دیا۔ آپ کی اتباع میں پوری جماعتِ حزب اللہ بھی میدان میں نکل آئی، چنانچہ ۲ / مارچ ۱۹۴۷ء کو خضر وزارت کو مجبوراً مستعفی ہونا پڑا۔

پاکستان بننے کے بعد ۱۹۴۸ء میں جب جہادِ کشمیر ہوا تو جماعت حزب اللہ عملی طور پر اس میں شریک ہوئی۔ تقریباً ایک ہزار اولوالعزم رضاکار جو ریٹائرڈ فوجی تھے۔ آپ کے ایماء پر میدانِ کشمیر میں پہنچ گئے اور کئی خونریز معرکوں میں دادِ شجاعت دی، کڑکڑاتی سردی اور شدید برف باری میں کرناہ، اوڑی اور ٹیٹوال کے محاذ پر پورے چار ماہ تک لڑتے رہے۔ اس کے علاوہ پونچھ، میر پور اور مظفر آباد میں حزب اللہ کے رضاکار آخر دم تک لڑتے رہے۔

۲۴ / صفر ۱۳۶۷ھ / ۷ / جنوری ۱۹۴۸ء کو جمعیۃ المشائخ کی داغ بیل ڈالی گئی تو حضرت دیوان آلِ رسول سجادہ نشین اجمیر شریف کو صدر اور آپ کو ناظمِ اعلیٰ منتخب کیا گیا۔ حضرت خواجہ محمد قمر الدین سیالوی مدظلہ، خواجہ محمد یوسف تونسوی، خواجہ غلام محی الدین گولڑوی، امیر ملت پیر جماعت علی شاہ محدث علی پوری، پیر امین الحسنات مانکی شریف اور سجادہ نشین پاکپتن شریف کو نائب صدر منتخب کیا گیا، نواب میاں محمد حیات قریشی آف سرگودھا (والدِ ماجد میاں محمد ذاکر قریشی ایم۔ این۔ اے سرگودھا) کو خازن مقرر کیا گیا۔

جمعیت المشائخ نے پاکستان میں اسلامی آئین کے نفاذ کے لئے کوششیں کیں۔ ۲۲ / رجب المرجب ۱۳۶۸ھ / ۲۱ / مئی ۱۹۴۹ء کو لاہور میں جمعیۃ المشائخ کا شاندار اجلاس ہوا۔ تمام اخراجات امیر حزب اللہ و ناظمِ اعلیٰ جمعیت المشائخ نے برداشت کئے۔ اجلاس کی مفصل کارروائی ہفتہ وار الجماعۃ کراچی کی ۲۶ / جون ۱۹۴۹ء کی اشاعت میں شائع ہوئی۔ اس اجلاس میں حکومت سے

مطالبہ کیا گیا کہ ملک میں دینی یونیورسٹی کا قیام جلد از جلد عمل میں لایا جائے، لیاقت علی خاں وزیرِ اعظم پاکستان پر زور دیا گیا کہ قرار دادِ مقاصد کے مطابق پاکستان کا دستور مرتب کرنے کے لئے مشائخ و علماء کی ایک معقول تعداد کو دستور ساز اسمبلی میں شامل کریں تاکہ وہ قرآن و حدیث اور علومِ فقہ کی روشنی میں استنباط و استخراجِ مسائل کر سکیں۔ نصابِ تعلیم میں تبدیلی، عسکری تربیت، فلسطین و کشمیر کے مسائل اور اسلامی ممالک کے اتحاد کے لئے بھی قرار دادیں پاس کی گئیں۔

۱۹۵۳ء میں تحریکِ ختمِ نبوت چلی تو آپ بھی اس میں شامل ہوئے۔ حضرت نے جہلم میں اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کیا، مسجد عیدگاہ جہلم میں ایک پُر جوش تقریر فرمائی جس کی یاد ابھی تک لوگوں کے دلوں میں محفوظ ہے، مگر حکومت نے حضرت کو گرفتار نہ کیا کیونکہ اس طرح سے تحریک کے حق میں عوام کی ہمدردی بڑھ جانے اور حکومت کی مشکلات میں اضافے کا اندیشہ تھا۔ دوسرے دن دینہ، جہلم، سرائے عالمگیر و مضافاتی دیہات کے حزب اللہی رضا کار کثرت سے گرفتار ہوئے، چونکہ ناموسِ رسالت کا سوال تھا اس لئے ان فدایانِ اسلام نے جان کی بازی لگا دی ؎

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

۱۷/ شعبان المعظم ۱۳۸۶ھ/ یکم دسمبر ۱۹۶۶ء کو آپ کا وصال ہوا۔

نوٹ: یہ حالات آپ کی سوانح حیات "امیرِ حزب اللہ" از ڈاکٹر عبد الغنی ایم اے پی ایچ ڈی، مطبوعہ لاہور ۱۹۶۶ء سے ماخوذ ہیں۔

صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی

صدرالافاضل حضرت مولانا حکیم سید محمد نعیم الدین مراد آبادی ۲۱ر صفر ۱۳۰۰ھ/یکم جنوری ۱۸۸۳ء بروز پیر پیدا ہوئے۔ تاریخی نام غلام مصطفےٰ تجویز ہوا۔ والد ماجد کا نام مولانا محمد معین الدین نزہت (م ۱۳۳۹ھ) اور جدِ امجد مولانا محمد امین الدین راسخ بن مولانا محمد کریم الدین آرزو اپنے اپنے دور میں اردو اور فارسی کے مسلّم استاذ تھے۔ آٹھ سال کی عمر میں حفظِ قرآن کے بعد اردو اور فارسی کی کتابیں والدِ بزرگوار سے پڑھیں۔ بعد ازاں کچھ کتابیں مولانا شاہ فضل احمد سے پڑھ کر مدرسہ امدادیہ میں مولانا سید گل محمد رحمۃ اللہ علیہ سے درسِ نظامی اور دورہ حدیث کی تکمیل کی اور ۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء میں دستارِ فضیلت حاصل کی۔

آپ نے اپنے استاذِ گرامی حضرت شاہ گل محمد قدس سرہ سے سلسلۂ قادریہ میں بیعت کی اور اعلیٰ حضرت شاہ محمد احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے خلافت حاصل کی[1]۔ اعلیٰ حضرت کی کتابوں کا مطالعہ کرنے پر آپ کو ان سے بہت زیادہ عقیدت ہو گئی تھی۔ ایک مرتبہ جودھ پور کے ادریس نامی ایک شخص نے اخبار نظام الملک میں اعلیٰ حضرت کے خلاف ایک مضمون لکھا جس میں انتہائی بدکلامی کا مظاہرہ کیا گیا تھا۔ حضرت صدرالافاضل نے مضمون کو دیکھا تو آپ کو بہت صدمہ ہوا۔ آپ نے اسی رات اس کے جواب کے لئے ایک مضمون لکھ کر نظام الملک میں شائع کرایا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کو پتہ چلا تو اپنے مخلص حاجی محمد اشرف شاذلی کو لکھا کہ سید محمد نعیم الدین کو ساتھ لے کر بریلی آئیں۔ اس ملاقات سے صدرالافاضل اعلیٰ حضرت کی شفقت و محبت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ اس کے بعد ہر ماہ بریلی شریف

---

[1] تذکرہ علماء اہلسنت مطبوعہ کانپور، ص: ۲۵۳۔

حاضری دینے لگے [1]

اعلیٰ حضرت بریلوی کو آپ پر بے حد اعتماد تھا۔ جہاں کہیں مناظرہ ہوتا، آپ کو بھیجدیتے۔ آپ کو فنِ مناظرہ میں خاصا عبور حاصل تھا۔ عیسائی، آریہ، روافض، خوارج، قادیانی اور غیر مقلدین کو آپ نے بارہا شکستِ فاش دی۔ ہر میدان میں بفضلِ خدا فتح و نصرت نے ان کے قدم چومے۔ آن کی آن میں آپ مدِ مقابل کو لاجواب کر دیا کرتے۔

دورِ طالب علمی کا واقعہ ہے کہ ایک آریہ نے دورانِ مناظرہ اعتراض کیا کہ منہ بولا بیٹا یعنی متبنیٰ بیٹا ہی ہوتا ہے اور تمہارے پیغمبر نے اپنے بیٹے زید کی بیوی سے نکاح کر لیا تھا، یہ کیونکر جائز تھا؟ آپ نے ہر چند دلائلِ عقلیہ سے ثابت کیا کہ منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹا نہیں ہوتا مگر وہ پنڈت نہ مانا۔ آپ نے فرمایا کہ تم ابھی مان جاؤ گے۔ چنانچہ مجمع کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ پنڈت میرا بیٹا ہے۔ اور چونکہ یہ میرا بیٹا ہے لہٰذا اسی کے قول کے مطابق یہ میرا حقیقی بیٹا بن گیا۔ اور حقیقی بیٹے کی بیوی باپ پر حرام اور اس کی ماں حلال ہوتی ہے تو ان پنڈت جی کی ماں مجھ پر حلال ہو گئی۔

پنڈت یہ سنکر چلّا اٹھا کہ تم مجھے گالی دیتے ہو! حضرت صدر الافاضل نے فرمایا کہ اب تو ثابت ہو گیا کہ منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹا نہیں ہوا کرتا! پنڈت کہنے لگا کہ پہلے تمہارا مولوی چلا گیا تھا اور اب میں چلتا ہوں!

۱۳۲۸ھ میں مراد آباد میں مدرسہ انجمن اہلِ سنت و جماعت کی بنیاد رکھی گئی جس میں علوم عقلیہ و نقلیہ کی تعلیم کا اعلیٰ پیمانے پر بندوبست کیا گیا۔ ۱۳۵۲ھ میں صدر الافاضل کی نسبت سے اس کا نام جامعہ نعیمیہ رکھا گیا۔ آپ نے درسِ نظامی پڑھانا شروع کیا۔ جلد ہی یہ مدرسہ یونیورسٹی کی حیثیت اختیار کر گیا اور غیر ممالک کے طلباء بھی یہاں آ کر مستفیض ہوئے۔ آج برِصغیر میں اکثر

---

[1] ماہنامہ ضیائے حرم لاہور، جنوری ۱۹۷۴ء، ص: ۶۵، ۶۶۔

دینی مدارس کا تعلق بالواسطہ یا بلاواسطہ آپ ہی کے مدرسے سے ہے۔ پاکستان کے مندرجہ ذیل مشہور علماء آپ کے تلامذہ ہیں :۔

۱۔ مولانا ابوالحسنات قادری علیہ الرحمۃ ، لاہور
۲۔ مولانا ابوالبرکات سید احمد قادری مدظلہ ، لاہور
۳۔ تاج العلماء مفتی محمد عمر نعیمی علیہ الرحمۃ ، کراچی
۴۔ مفتی احمد یار خاں نعیمی علیہ الرحمۃ ، گجرات
۵۔ مولانا مفتی ابوالخیر محمد نور اللہ نعیمی مدظلہ ، بصیر پور (ضلع ساہیوال)
۶۔ مولانا پیر محمد کرم شاہ ایم۔ اے (ازہر) مدظلہ مدیر ضیائے حرم لاہور
۷۔ مولانا غلام قادر اشرفی مدظلہ ، لالہ موسیٰ
۸۔ مفتی محمد امین الدین رحمۃ اللہ علیہ کامونکی (گوجرانوالہ)
۹۔ مفتی غلام معین الدین نعیمی علیہ الرحمۃ ، لاہور
۱۰۔ مولانا فخر الدین گانگوی ، میانوالی
۱۱۔ مفتی محمد حسین نعیمی مدظلہ ، لاہور وغیرہ وغیرہ

آپ کو شعر گوئی کا بھی پاکیزہ ذوق تھا عربی، فارسی اور اردو میں روانی کے ساتھ شعر کہتے تھے۔ نعتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا پسندیدہ موضوع تھا۔ آپ کا مجموعۂ کلام چھپ چکا ہے۔

۱۹۲۰ء میں جب سلطنتِ ترکی کے تحفظ اور حمایت میں خلافت کمیٹی قائم ہوئی تو مشترکہ ہندو مسلم جدوجہد کا آغاز ہوا تاکہ ترکی کے مقبوضات واپس دلائے جائیں۔ ہندو مسلم تعلقات اس حد تک پہنچ گئے کہ ہندو مقتدا اور مسلمان لیڈر مقتدی بن گئے۔ ہندوؤں کی خوشنودی کی خاطر شعائرِ اسلام کا بھی پاس نہ کیا گیا۔ ایسے نازک موقع پر صدر الافاضل خاموش نہ رہ سکے اور مسلمانوں کی رہنمائی فرمائی۔ آپ نے اس موقع پر فرمایا :۔

"سلطنتِ اسلامیہ کی تباہی و بربادی اور مقاماتِ مقدسہ بلکہ مقبوضات اسلام کا مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل جانا ہر مسلمان کو اپنی اور اپنے خاندان کی تباہی و بربادی سے زیادہ اور بدرجہا زیادہ شاق اور گراں ہے اور اس صدمہ کا جس قدر بھی درد ہو، کم ہے سلطنتِ اسلامیہ کی اعانت و حمایت، خادم الحرمین کی نصرت و مدد مسلمانوں پر فرض ہے لیکن یہ کسی طرح جائز نہیں کہ ہندوؤں کو مقتدا بنایا جائے اور دین و ایمان کو خیرباد کہدیا جائے۔ اگر اتنا ہی ہوتا کہ مسلمان مطالبہ کرتے اور ہندو ان کے ساتھ متفق ہو کر "بجا ہے، درست ہے" پکارتے، مسلمان آگے ہوتے اور ہندو ان کے ساتھ ہو کر ان کی موافقت کرتے تو بے جا نہ تھا لیکن واقعہ یہ ہے کہ ہندو امام بنے ہوئے آگے آگے ہیں کہیں ہندوؤں کی خاطر قربانی اور گائے کا ذبیحہ ترک کرنے کی تجاویز پاس ہوتی ہیں، ان پر عمل کرنے کی صورتیں سوچی جاتی ہیں، اسلامی شعائر مٹانے کی کوششیں عمل میں لائی جاتی ہیں، کہیں پیشانی پر قشقہ کھینچ کر کفر کا شعار (ٹریڈ مارک) نمایاں کیا جاتا ہے، کہیں بتوں پر پھول اور ریوڑیاں چڑھا کر توحید کی دولت برباد کی جاتی ہے، کروڑوں سلطنتیں ہوں تو دین پر فدا کی جائیں مگر دین کو کسی سلطنت کی طمع پر برباد نہیں کیا جا سکتا۔

مولانا سید سلیمان اشرف نے بہت خوب فرمایا ہے کہ لعنت ہے اس سلطنت پر جو دین بیچ کر حاصل کی جائے۔" [1]

۱۹۲۳ء میں شدھی تحریک چلی جس کا مقصد مسلمانوں کو مرتد کرنا یا قتل کرنا تھا۔

---

[1] [illegible] ص ۹۹

بریلی شریف میں جماعت رضائے مصطفےٰ قائم کی گئی جس کے تحت آپ نے دیگر علماء اہلسنت کے ساتھ فتنۂ ارتداد کا بھرپور مقابلہ کیا۔ آگرہ، متھرا، بھرت پور، گوڑگاواں، گوبند گڑھ، حوالی اجمیر، جے پور اور کشن گڑھ تک طوفانی دورے کئے۔ آگرہ میں ہیڈ کوارٹر قائم کر کے ایک مدت تک قیام کیا اور مسلسل تبلیغی وفود بھیجے، آخر کار اللہ کے فضل و کرم سے شردھانند کا فتنہ ختم ہوگیا۔ ہزاروں مرتد دوبارہ داخلِ اسلام ہوئے اور لاکھوں مسلمان آریوں کے چنگل سے بچ گئے۔

۱۳۴۳ھ/۱۹۲۴ء میں آپ نے مرادآباد سے ماہنامہ السواد الاعظم جاری کیا۔ اس پرچے میں دو قومی نظریہ کی بھرپور حمایت کی اور ہندوؤں کی عیاریوں کی خوب قلعی کھولی۔ ربیع الآخر، ۱۳۴۷ھ کے شمارہ میں مدرسہ اہلِ سنت مرادآباد میں ۱۸ ستمبر ۱۹۲۸ء کو آل انڈیا سنی کانفرنس کے اجلاس میں پاس ہونے والی قرارداد کا ذکر ہے جس میں کہا گیا ہے کہ "یہ جلسہ نہرو کمیٹی رپورٹ کو مسلمانوں کے حق میں نہایت مضر سمجھ کر اس سے ناراضی کا اظہار کرتا ہے۔"[1]

یاد رہے کہ اس کانفرنس کی صدارت بھی محدث علی پوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی تھی اور آپ کا خطبۂ صدارت ایک تاریخی شاہکار ہے۔

۱۹۳۰ء میں علامہ اقبال نے خطبۂ الٰہ آباد میں ان افکار کا اظہار کیا جو ہماری قومی جدوجہد میں ایک نئے موڑ کا پیش خیمہ ثابت ہوئے اور اسی موڑ سے تحریک کا قافلہ اس شاہراہ پر آگیا جس پر گامزن ہو کر یہ قافلہ قیامِ پاکستان کی منزل تک پہنچ گیا، تاہم اس دور میں جب علامہ اقبال اپنے افکار کا اظہار کر رہے تھے، ان کی تائید کرنے والا کوئی نہ تھا۔ بقول چوہدری خلیق الزماں "خود الٰہ آباد مسلم لیگ کے اجلاس میں بھی بے رخی اور لاتعلقی کی کیفیت پائی جاتی تھی"[2]۔ تاہم علماءِ اہلِ سنت چونکہ شروع ہی سے ایسے افکار کے داعی تھے اور مسلمانوں کے الگ وجود کے تحفظ کی ضمانت چاہتے

---

[1] ماہنامہ ترجمانِ اہلسنت کراچی، اگست ۱۹۷۱ء، ص ۰۰

[2] ماہنامہ ترجمانِ اہل سنت کراچی، اگست ...

تھے اس لئے انہوں نے اقبال کی واضح طور پر تائید کی۔ علامہ اقبال نے اپنے ایک خطبے میں کہا تھا:

"ہندوستان دنیا میں سب سے بڑا اسلامی ملک ہے اور اگر ہم چاہتے ہیں کہ اس ملک میں اسلام بحیثیت ایک تمدنی قوت کے زندہ رہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایک مخصوص علاقے میں دینی مرکزیت قائم کرسکے۔ اس طرح نہ صرف ہندوؤں کا مسئلہ حل ہو جائے گا بلکہ خود اس سے مسلمانوں کے احساسات ذمہ داری قوی ہو جائیں گے اور ان کا جذبۂ حب الوطنی بڑھ جائے گا۔" [1]

حضرت حکیم الامت علامہ اقبال کے انہی افکار پر جہاں دیگر مسلمان لیڈر بے تعلق اور خاموش تھے وہاں دوسری طرف ہندو لیڈروں اور اخبارات نے اقبال کے خلاف اپنے بغض کا اظہار شروع کر دیا۔ اس وقت حضرت صدر الافاضل نے "السواد الاعظم" شعبان المعظم ۱۳۴۹ھ/جنوری ۱۹۳۱ء کے شمارے میں اقبال کے افکار کی تائید کرتے ہوئے لکھا:

"ڈاکٹر اقبال کی رائے پر کہ ہندوستان کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے ایک حصہ ہندوؤں کے زیر اقتدار ہو دوسرا مسلمانوں کے، ہندوؤں کو کس قدر اس پر غیظ آیا، یہ ہندو اخبارات دیکھنے سے ظاہر ہو گا۔ کیا یہ کوئی ناانصافی کی بات تھی؟ اگر اس سے ایک طرف مسلمانوں کو کوئی فائدہ پہنچتا تھا تو ہندوؤں کو بھی اسی نسبت سے نفع ملتا۔۔۔۔۔۔ اس کو تو کون جانتا ہے کہ پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہو گا اور مستقبل کیا صورتیں سامنے لائے گا؟ لیکن ہندو اس وقت خالی بات بھی نوکِ زبان پر لانے کو تیار نہیں ہیں۔ جو مسلمانوں کو اچھی معلوم ہو اس حالت میں بھی کوئی مسلمان کہلانے والی جماعت ہندوؤں کا کلمہ پڑھتی ہے اور اپنی اس پرانی فرسودہ لکیر کو پیٹا کرے تو اس پر ہزار افسوس! کاش اس وقت یہ حضرات خاموش ہو جائیں اور کام کرنے والوں کو کام

[1] تحریک پاکستان ص: ۸ - بحوالہ ترجمان اہل سنت کراچی اگست ۱۹۷۰ء ص: ۴۴

کر لینے دیں ؟" [۱]

تحریکِ پاکستان کا آپ نے دل و جان سے ساتھ دیا۔ ۱۹۴۰ء میں جب منٹو پارک (اقبال پارک) لاہور میں قرار دادِ پاکستان منظور ہوئی تو علماءِ اہلسنت نے اس کی پرزور تائید و حمایت کی، ان میں سے ایک حضرت صدر الافاضل بھی تھے۔

۱۹۴۶ء/ ۱۳۶۵ھ میں بنارس کانفرنس منعقد ہوئی تو آپ اس کے ناظمِ اعلیٰ تھے۔ اس میں تقریباً پانچ ہزار علماء و مشائخ کا اجتماع اور ڈیڑھ لاکھ سامعین کا جمگھٹا تھا، اس میں آپ کی بھرپور کوششوں سے یہ قرار داد متفقہ طور پر منظور کر لی گئی :-

"آل انڈیا سنی کانفرنس کا یہ اجلاس مطالبۂ پاکستان کی پُرزور حمایت کرتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ علماء و مشائخ اہلسنت اسلامی حکومت کے قیام کی تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے ہر امکانی قربانی کے واسطے تیار ہیں اور یہ اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ ایک ایسی حکومت قائم کریں جو قرآنِ کریم اور حدیثِ نبوی کی روشنی میں فقہی اصول کے مطابق ہو۔" [۲]

اس کانفرنس کے بعد اس کی غرض و غایت کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اور نظریۂ پاکستان کی اہمیت واضح کرنے کے لئے آپ نے صوبہ جات مدراس، گجرات، کاٹھیاواڑ، جوناگڑھ، راجپوتانہ، دہلی، یوپی، پنجاب، بہار، کلکتہ، ہگلی، چوبیس پرگنہ، ڈھاکہ، کرنافلی، چٹاگانگ اور سلہٹ کے مسلسل دورے کرکے قیامِ پاکستان کی راہ ہموار کی۔ تحریکِ پاکستان سے آپ کو عشق کی حد تک لگاؤ تھا، چنانچہ مولانا ابوالحسنات قادری کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں :

"پاکستان کی تجویز سے جمہوریتِ اسلامیہ (آل انڈیا سنی کانفرنس کا دوسرا نام) کو کسی طرح دستبردار ہونا منظور نہیں۔ خود جناح اس کے حامی

---

[۱] ترجمان اہلسنت کراچی، اگست ۱۹۷۱ء، ص: ۳۴

[۲] حیاتِ صدر الافاضل ص: ۱۸۹، ۱۹۰۔

رہیں یا نہ رہیں۔" ؎۱

بالآخر علماء اہلِ سنت کی مساعی سے پاکستان معرضِ وجود میں آ گیا اور ۱۹۴۸ء میں آپ حضرت سید محمد محدث کچھوچھوی، مولانا مفتی محمد عمر نعیمی اور مفتی غلام معین الدین نعیمی کے ساتھ بذریعہ ہوائی جہاز دہلی سے لاہور پہنچے۔ مقامی علماء و زعماء سے اسلامی دستور کے بارے میں گفتگو کے بعد کراچی تشریف لے گئے۔ وہاں علماء سے گفتگو کرنے کے بعد اسلامی دستور کا خاکہ تیار کرنے کا قرعہ آپ کے نام پڑا۔ آپ نے وعدہ کیا کہ مراد آباد واپس جا کر اسلامی دستور کا خاکہ بھیجدوں گا۔ مگر آپ کراچی ہی میں علیل ہو گئے اور اپنے قیام کو مختصر کر کے براستہ لاہور، مراد آباد پہنچے اور علالت کے باوجود خاکہ کی تیاری شروع کر دی۔ ابھی چند دفعات ہی تیار کی تھیں کہ موت کے بے رحم ہاتھوں نے انہیں ہم سے جدا کر دیا ؎

قسمت کی بدنصیبی کہاں ٹوٹی ہے کمند!
دو چار ہاتھ جب کہ لبِ بام رہ گیا

اگر حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمۃ کو خاکہ مرتب کرنے کی مہلت مل جاتی تو پاکستان میں دستور سازی کا کام کبھی کا مکمل ہو چکا ہوتا اور عشق بک پڑا دفنیہ۔ سوشلزم اور کمیونزم کے نعرے بلند نہ ہوتے۔ یہ صورت علماء اہلسنت کے لیے ایک زبردست چیلنج ہے انہیں خوابِ غفلت سے بیدار ہونا چاہیئے ورنہ ؎

ڈر ہے کہیں یہ نام بھی مٹ جائے نہ آخر
مدت سے اسے دورِ زماں میٹ رہا ہے

حضرت صدر الافاضل علیہ الرحمۃ کی مندرجہ ذیل کتب یادگار ہیں:

۱۔ تفسیر خزائن العرفان ۳۔ زاد الحرمین
۲۔ اطیب البیان رد تقویۃ الایمان ۴۔ آداب الاخیار

؎۱ حیات صدر الافاضل، ص ۱۲۶

۵۔ الکلمۃ العلیا۔ ۱۰۔ کشف الحجاب

۶۔ سیرت صحابہ (وسیلہ جلیلہ) ۱۱۔ اسواط العذاب

۷۔ سوانح کربلا ۱۲۔ گلبن غریب نواز

۸۔ التحقیقات لدفع التلبیسات ۱۳۔ ہدایتِ کاملہ برقنوتِ نازلہ

۹۔ کتاب العقائد ۱۴۔ دیوان اردو وغیرہ وغیرہ

۱۸ رذوالحجہ ۱۳۶۷ھ/۲۳ راکتوبر ۱۹۴۸ء بروز جمعۃ المبارک بارہ بجکر پچیس منٹ پر آپ کی روحِ مقدس قفسِ عنصری سے پرواز کرگئی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ مزار مبارک مسجد مراد آباد کے بائیں گوشے میں مرجع خواص وعوام ہے۔

جناب پروفیسر حامد حسن قادری نے تاریخ وصال کہی:

سب بے سروپا ہوگئے ایسا تھا مولانا کا غم — اے قادری خستہ جگر تاریخ رحلت کر رقم

فضل و سخا، رشد و ہدیٰ، حلم و حیا، عدل و کرم — ہیں رونما اب درد و غم، قہر و جفا، رنج و الم[1]

---

[1] اخبار دبدبہ سکندری رامپور یکم دسمبر ۱۹۴۸ء بحوالہ تذکرہ علمائے اہلسنت مطبوعہ کانپور، ص: ۲۵۳

استاذ العلماء مولانا یار محمد بندیالوی

استاذ العلماء مولانا یار محمد بندیالوی رحمۃ اللہ علیہ ۱۸۸۷ء کو بندیال ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے والدِ ماجد کا اسمِ گرامی میاں محمد سلطان اور دادا جان کا اسم شریف میاں شاہنواز تھا۔ میاں شاہنواز بہت خدا رسیدہ بزرگ تھے اور علاقہ میں ان کی عقیدت وارادت کافی وسیع تھی وہ ایک صاحبِ حال بزرگ تھے، ان کی کرامات زبان زدِ عام ہیں۔

چھ برس کی عمر میں حفظِ قرآن کے لئے موضع بچہ ضلع میانوالی میں بھیجدیئے گئے۔ بعد ازاں مولانا محمد امیر دامانی، مولانا غلام احمد حافظ آبادی اور مولانا ثناء اللہ سے علوم مروجہ حاصل کئے اور پھر جامع مسجد فتحپوری دہلی کی درسگاہ میں داخل ہو گئے[1] یہیں سے اعلیحضرت بریلوی قدس سرہٗ کا شہرہ سنا تو عازمِ بریلی ہوئے لیکن اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی علالت کے باعث استفادہ کا موقع نہ مل سکا، انہوں نے آپ کے اشتیاق کو دیکھ کر مولانا ہدایت اللہ خاں رامپوری (شاگردِ خاص مجاہدِ اعظم مولانا فضلِ حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ) کے پاس پہنچنے کا حکم دیا چنانچہ آپ نے سات آٹھ سال تک مولانا کی خدمت میں رہ کر اکتسابِ علم کیا۔ حضرت صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی مصنف بہارِ شریعت آپ کے ہمدرس تھے[2] فارغ التحصیل ہونے کے بعد استاذِ گرامی کے مدرسہ ہی میں تعلیمی خدمات سرانجام دینے لگے اور اپنے استاذِ گرامی کے انتقال کے بعد ان کے جانشین مقرر ہو گئے۔

علومِ ظاہریہ کی تکمیل کے بعد روحانی علوم کی جستجو ہوئی چنانچہ مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے خلیفہ مجاز حضرت مولانا صوفی محمد حسین الہ آبادی (المتوفی ۱۹۰۴ء) کی خدمت میں حاضر ہو کر

---

[1] جامع مسجد فتحپوری دہلی میں خطابت کا شرف کئی پشتوں سے [illegible] جناب پروفیسر [illegible] کے خاندان کو حاصل ہے

[2] علامہ عبد المصطفیٰ الازہری ایم۔ این۔ اے (کراچی) حضرت صدر الشریعہ کے صاحبزادے ہیں

سلسلہ چشتیہ صابریہ میں بیعت ہو گئے اور اڑھائی تین سال مرشدِ کامل کی بارگاہ میں رہ کر تصوف کی اکثر کتابیں سبقاً پڑھیں اور سلوک کے منازل و مراتب طے کیے اور پھر خلافت و اجازت سے نوازے گئے، مرشدِ کامل کی آپ پر خصوصی نظر تھی، آپ نے بھی خدمت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی [1]

الہ آباد، رام پور، بھوپال اور نواب ٹانک اور دیگر مقامات پر بائیس سال تک درس و تدریس کی زندگی گزارنے کے بعد آپ اپنے وطن بندیال تشریف لائے اور جامعہ امدادیہ مظہریہ کی بنیاد رکھی۔ اس وقت علاقہ میں غیر مقلدوں کا بہت زور تھا۔ آپ نے باطل کا زور توڑنے اور لوگوں کا دل عشقِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے گرما دینے میں اہم کردار ادا کیا۔ آپ نے مولوی حسین علی آف واں بھچراں، مولوی غلام اللہ خاں راولپنڈی، مولوی اشرف علی تھانوی و دیگر علماءِ دیوبند و وہابیہ کو مناظروں میں شکست دی۔

تحریکِ پاکستان کا آغاز ہوا تو آپ بھی دیگر سنی علماء کی طرح میدانِ سیاست کی طرف بڑھے۔ اس وقت ضلع سرگودھا کے اکثر امراء یونینسٹ تحریک کے حامی تھے اور مسلم لیگ کا نام سننا بھی گوارا نہ کرتے تھے۔ ادھر اس علاقہ کے دیوبندی مولوی بھی بوجہ کانگریسی ہونے کے نیز ملک خضر حیات ٹوانہ کے زر خرید ہونے کی وجہ سے پاکستان اور مسلم لیگ کے خلاف دھواں دھار تقریریں کیا کرتے اور قائدِ اعظم کو گالیاں دیا کرتے تھے۔

اس نازک موقع پر استاذ العلماء رحمۃ اللہ علیہ نے ببانگِ دہل اعلان فرمایا کہ مسلم لیگ کی امداد کرنا نہایت ضروری ہے۔ امراء کے طبقہ نے جب یہ بات سنی تو بہت برانگیختہ ہوئے لیکن آپ نے صاف صاف فرما دیا کہ ایک طرف اسلام کا جھنڈا ہے اور دوسری طرف کفر کا، چونکہ مسلم لیگ مسلمانوں کی جماعت ہے اس لئے اس سے کٹنا اسلام سے کٹنا ہے۔ آپ ہر جمعہ پر اسی سلسلہ

---

[1] حیات استاذ العلماء مطبوعہ لاہور ۱۳۸۹ھ، ص ۱۷

میں تقاریر فرماتے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہزارہا آدمی مسلم لیگ میں شامل ہو گئے [1]

پچاس سال تک آپ نے دینی خدمات سرانجام دیں۔ آخر آپ کی صحت بہت گر گئی۔ وفات سے دس سال قبل درد شکم کا عارضہ لاحق ہو گیا جس سے صحت پر مزید اثر پڑا اور پھر آپ کے بڑے صاحبزادے مولانا محمد عبداللہ مرحوم کی وفات نے تو آپ کی رہی سہی صحت کو بھی متاثر کیا اور پھر ۲۲ محرم الحرام ۱۳۶۷ھ مطابق ۶ دسمبر ۱۹۴۷ء کو علم و عرفان کا یہ آفتاب ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون [2]

آپ نے اپنے پیچھے دو صاحبزادے مولانا عبدالحق اور مولانا فضل الحق چھوڑے جو آپ کے قائم کردہ دارالعلوم امدادیہ مظہریہ میں منصب درس و تدریس پر فائز ہیں، یہ مدرسہ پاکستان بھر میں علومِ عقلیہ کا مثالی ادارہ ہے۔ حضرت کے مایۂ ناز و شہرہ آفاق تلمیذ رأس المدرسین مولانا حافظ عطا محمد چشتی مدظلہ اسی مدرسہ میں تعلیم دیتے رہے ہیں۔

---

[1] حیات استاذ العلماء، ص ۴۲۔ ماہنامہ ترجمانِ اہلسنت کراچی، مارچ ۱۹۷۵ء، ص ۶۴۔ ضمیمہ ماہی ہندوستان مطبوعہ لاہور، ص ۳۴

[2] ماہنامہ ترجمانِ اہلسنت کراچی، مارچ ۱۹۷۵ء، ص ۶۵۔

نوری بک ڈپو لاہور کی مطبوعہ بلند پایہ علمی کتابیں

کتاب	مصنف	قیمت
تذکرہ مشائخ نقشبندیہ	علامہ نور بخش توکلی	۳۲/-
سیرت سیدنا غوث اعظم	" "	۷/۵۰
تحفہ شیعہ (اول)	" "	۱۸/-
شرح قصیدہ بردہ		۷/۵۰
شرح قصیدہ غوثیہ	مولانا عبدالمالک	۱۲/۵۰
تذکرہ غوثیہ	شاہ گل حسن قادری	۲۰/-
تاریخ مدینہ	شیخ عبدالحق محدث	۱۵/-
۱۲ تقریریں	محمد شریف نوری	۱۶/۵۰
تاریخی مناظرہ بہاولپور	غلام دستگیر قصوری	۱۵/-
کفریات ابی وہابیہ	اعلیحضرت بریلوی	۳/-
مسئلہ نور و بشر	عنایت اللہ چشتی	۵/۲۵
حرمت سجدہ تعظیم	اعلیحضرت	۷/۵۰
تذکرہ فریدیہ	علامہ مشتاق احمد	۳/-
جماعت اسلامی؟	ارشد القادری	۴/۵۰
مواعظ القرآن و الحدیث	پیر سید معصوم شاہ	۱۵/-
ام الکتاب (تفسیر سورہ فاتحہ)	علامہ نور بخش توکلی	(زیر طبع)
کشف المحجوب	حضرت داتا صاحب	۲۰/-
کشف المحجوب	عکسی قلمی نسخہ قدیم	[illegible]
شبستان ضیا	اقبال احمد نوری	۲۱/-
حکایات گنج بخش	بشیر حسین ناظم	۷/۵۰
تذکرہ داتا گنج بخش	میاں محمد دین کلیم	۹/-
ارشادات گنج بخش	پیر سید معصوم شاہ	۹/-
فتوح الغیب (عربی اردو)	سیدنا غوث اعظم	۱۵/-
ذکر حبیب	شاہ عبدالعلیم میرٹھی	۱۰/۵۰
انفاس العارفین	شاہ ولی اللہ	۱۵/-
سچی حکایات	رضا المصطفی چشتی	۱۲/-
مجموعہ نعت	سید محمد عثمان پیرزادہ	۱۳/۵۰
نماز حنفی	علامہ نسیم البستوی	۴/-
کتاب الحج	اعلیحضرت بریلوی	۵/۲۵
یزید تاریخ کے آئینہ میں	ابونصر قرشی	۱۰/۵۰
بزرگان لاہور	پیر غلام دستگیر نامی	(زیر طبع)
شرح رسالہ روحی	حضرت سلطان باہو	(زیر طبع)

مکمل تراجم، عمدہ کاغذ، مضبوط جلد، آفسٹ طباعت، سے مرصع کتب آپ کے مطالعہ کی منتظر ہیں

نوری بک ڈپو زیر سایہ حضرت داتا گنج بخش لاہور

مآخذ و مراجع

بزرگانِ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی مستند تاریخ

تذکرہ مشائخ نقشبندیہ

۱۳ ج ۹۶

علامہ نور بخش توکلی ایم اے

تکملہ

از محمد صادق قصوری

۳۳/-

نوری بک ڈپو زیرِ سایہ حضرت داتا گنج بخش لاہور

ماٰخذ و مراجع

کتب

نمبر شمار	نام کتب	مؤلفین	سن و مقامِ اشاعت
۱	الخطبات الاشرفیہ للجمہوریۃ الاسلامیہ	سید محمد محدث کچھوچھوی	مرادآباد ۱۹۴۶ء
۲	امیرِ حزب اللہ	ڈاکٹر عبدالغنی پی ایچ ڈی	لاہور ۱۹۶۶ء
۳	امیرِ ملت کے قومی کارنامے	عبدالمجید قصوری	آگرہ ۱۹۲۵ء
۴	اوراقِ گم گشتہ	رئیس احمد جعفری	لاہور ۱۹۶۸ء
۵	اعمال نامہ	سر رضا علی	دہلی ۱۹۳۹ء
۶	اطیب الوردہ شرح قصیدہ بردہ	سید ابوالحسنات قادری	لاہور ۱۹۷۳ء
۷	آئینۂ ملتان	منشی عبدالرحمان خان	لاہور ۱۹۷۲ء
۸	آئینۂ ولایت	سید عبدالمعبود اجمیری	" ۱۳۹۳ھ
۹	اعلیٰحضرت بریلوی کی سیاسی بصیرت	سید نور محمد قادری	گجرات ۱۹۷۵ء
۱۰	اعجاز التواریخ	سید شرافت نوشاہی	راولپنڈی ۱۹۷۶ء
۱۱	آزادی کی ان کہی کہانی	کرنل محمد فیضی بی اے	سرگودھا ۱۹۷۳ء
۱۲	اولیائے چشت لاہور	محمد دین کلیم بی اے	لاہور ۱۹۶۸ء
۱۳	باغی ہندوستان	عبدالشاہد خاں شروانی	لاہور ۱۹۷۳ء
۱۵	برکاتِ علی پور	پیر محبوب احمد شاہ امرتسری	راولپنڈی ۱۹۶۷ء
۱۶	پنج گنج علی پوری	محمد ادریس خاں غوری	لاہور
۱۷	تاریخِ جلیلہ	پیر غلام دستگیر نامی	۱۹۶۰ء

۱۸	تحریکِ پاکستان	شمیم احمد	لاہور	۱۹۷۵ء
۱۹	تحریکِ پاکستان اور نیشنلسٹ علماء	چوہدری حبیب احمد	لاہور	۱۹۶۶ء
۲۰	تحریکِ جامعہ محمدی شریف	سید محمد متین ہاشمی ایم۔اے	لاہور	۱۹۷۳ء
۲۱	تذکرہ علماءِ اہلسنت وجماعت لاہور	علامہ اقبال احمد فاروقی ایم۔اے	״	۱۹۷۵ء
۲۲	تاریخِ ملتان جلد دوم	مولانا نور احمد خاں فریدی	ملتان	۱۹۷۳ء
۲۳	تذکرہ علماءِ اہلسنت	شاہ محمود احمد قادری	کانپور	۱۳۹۱ھ
	تذکرہ مشائخ قادریہ	جناب محمد دین کلیم بی اے۔	لاہور	۱۹۷۵ء
۲۴	تذکرہ کریمیہ	پروفیسر کرم شاہ	ملتان	۱۹۶۶ء
۲۵	״ مظہر مسعود	״ محمد مسعود احمد پی ایچ ڈی	کراچی	۱۹۶۹ء
۲۶	چند محسن چند دوست	سید الطاف علی بریلوی	״	״
۲۷	چند یادیں چند تاثرات	ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی	لاہور	״
۲۸	حسرت کی سیاسی زندگی	عبدالقوی دسنوی	بمبئی	۱۹۵۶ء
۲۹	حضرتِ شیخ القرآن	رانا منظور احمد خاں ایم۔اے	وزیرآباد	۱۹۷۱ء
۳۰	حیاتِ استاذ العلماء	غلام رسول سعیدی	لاہور	۱۳۸۹ھ
۳۱	حیاتِ شاہ ولایت	محمد یونس شاہ کاظمی	گجرات	۱۳۹۲ھ
۳۲	حیاتِ شبلی	سید سلیمان ندوی	اعظم گڑھ	۱۹۴۳ء
۳۳	حیاتِ صدر الافاضل	مولانا غلام معین الدین نعیمی	لاہور	بار دوم
۳۴	حیاتِ مظہری	پروفیسر محمد مسعود احمد پی ایچ ڈی	کراچی	۱۹۷۵ء
۳۵	خزائن العرفان فی تفسیر القرآن	مولانا نعیم الدین مرادآبادی	مرادآباد	
۳۶	خزینۂ معرفت	صوفی محمد ابراہیم قصوری	لاہور	
۳۷	دارالعلوم ضیاء شمس الاسلام سیال شریف کی سو سالہ خدمات۔	ڈاکٹر تسخیر احمد	سیال شریف	

۳۸	دید و شنید	رئیس احمد جعفری	لاہور	۱۹۴۹ء
۳۹	دیوانِ روشن	پیر محمد اسمٰعیل روشن سرہندی	حیدرآباد	۱۹۶۱ء
۴۰	ڈیرہ غازی خاں کی شخصیات (جلد ۲)	اے ڈی تبسم قریشی	ملتان	۱۹۷۴ء
۴۱	ذکرِ آزاد	عبدالرزاق ملیح آبادی	کلکتہ	۱۹۶۰ء
۴۲	ذکرِ حبیب (حصہ دوم)	مولانا عبدالعلیم صدیقی	کراچی	
۴۳	ذکرِ مغفور	حکیم محمد موسیٰ امرتسری	لاہور	۱۹۷۲ء
۴۴	سیرتِ اقبال	پروفیسر محمد طاہر فاروقی	"	۱۹۶۶ء
۴۵	سیرتِ امیرِ ملت	سید اختر حسین علی پوری	"	۱۹۷۵ء
۴۶	شاہ احمد نورانی	مولانا ابوداؤد محمد صادق	گوجرانوالہ	۱۹۷۳ء
۴۷	شاہراہِ پاکستان	چوہدری خلیق الزماں	کراچی	۱۹۶۷ء
۴۸	شجرہ نقشبندیہ مجددیہ	میاں غلام احمد شرقپوری	لاہور	۱۹۷۴ء
۴۹	صوفیہ نقشبند	حکیم امین الدین احمد		۱۹۷۳ء
۵۰	عباد الرحمٰن	سید مغفور القادری		۱۹۵۹ء
۵۱	عندلیب تواریخ	سید مسعود حسن مسعود	الٰہ آباد	۱۹۶۳ء
۵۲	غوث الاعظم	قاضی برخوردار ملتانی	ملتان	۱۹۱۵ء
۵۳	فاضلِ بریلوی اور ترکِ موالات	پروفیسر محمد مسعود احمد	لاہور	۱۹۷۱ء
۵۴	فتاویٰ مظہری	"	کراچی	۱۹۷۰ء
۵۵	فیضانِ امیرِ ملت	مرزا ذوالفقار علی بیگ	حیدرآباد دکن	۱۹۵۹ء
۵۶	قائدِ اعظم اور ان کا عہد	رئیس احمد جعفری	لاہور	۱۹۶۶ء
۵۷	کاروانِ گم گشتہ		کراچی	۱۹۷۱ء
۵۸	مآثر الاجداد	پروفیسر منظور الحق صدیقی	لاہور	۱۹۶۴ء

۵۹	مسجد نبوی و آثارِ مبارکہ کے بقا و تحفظ کا مطالبہ	مولانا محمد حسن فقیہ شافعی	کراچی	۱۹۵۲ء
۶۰	مسودۂ آئینِ خلافتِ پاکستان	مولانا عبدالستار خاں نیازی	لاہور	۱۹۷۱ء
۶۱	مشاہیرِ جنگِ آزادی	مفتی انتظام اللہ شہابی	کراچی	۱۹۵۷ء
۶۲	معین المنطق	مولانا معین الدین اجمیری	"	۱۹۶۷ء
۶۳	مولانا غلام محمد ترنم	حکیم محمد موسیٰ امرتسری	لاہور	۱۹۷۱ء
۶۴	مونس المخلصین	پیر عبداللہ جان مجددی	کراچی	۱۳۶۶ھ
۶۵	مہرِ منیر	مولانا فیض احمد فیض	لاہور	۱۹۷۳ء
۶۶	نیا چین	فضل حق شیدا	پشاور	۱۹۶۵ء
۶۷	یادوں کے چراغ	واحد ندوی	لاہور	۱۹۶۷ء

رسائل

نمبر شمار	نام رسائل		مقامِ اشاعت	سنِ اشاعت
۱	آئینہ	(ماہنامہ)	لاہور	نومبر ۱۹۷۰ء
۲	اردو ڈائجسٹ	"	"	اگست ۱۹۶۶ء، جولائی ۱۹۶۸ء
۳	الزبیر	سہ ماہی	بہاولپور	جنوری تا مارچ ۱۹۶۱ء
۴	السواد الاعظم	ماہنامہ	مرادآباد	" ۱۹۳۱ء
۵	العلم	سہ ماہی	کراچی	اپریل تا جون ۱۹۷۳ء
۶	المعارف	ماہنامہ	لاہور	نومبر ۱۹۶۷ء
۷	انوار الصوفیہ	"	"	اپریل ۱۹۴۰ء
۸	"	"	سیالکوٹ	مئی ۱۹۵۸ء
۹	"	"	قصور	جنوری، اپریل، مئی، اگست ۱۹۶۱ء؛ جنوری ۱۹۶۳ء، مارچ ۱۹۶۷ء، اکتوبر ۱۹۷۱ء

۱۰	پاسبان	ماہنامہ	الٰہ آباد	مئی، جون ۱۹۶۲ء
۱۱	ترجمانِ اہلسنت	"	کراچی	اگست ۱۹۷۱ء، مارچ، اگست، ستمبر ۱۹۷۲ء، ستمبر ۱۹۷۳ء، اپریل، اکتوبر، جولائی تا نومبر ۱۹۷۴ء، مارچ، اپریل، دسمبر ۱۹۷۵ء
۱۲	رضائے حبیب	"	گجرات	جنوری، فروری ۱۹۷۱ء
۱۳	رضائے مصطفےٰ	"	گوجرانوالہ	دسمبر ۱۹۷۲ء، جنوری، جون، ستمبر ۱۹۷۳ء، مئی ۱۹۷۴ء
۱۴	سرحد	"	کراچی	جولائی ۱۹۷۴ء
۱۵	ضیائے حرم	"	لاہور	اپریل، مئی، نومبر ۱۹۷۳ء، جنوری، فروری، جولائی، دسمبر ۱۹۷۴ء، مئی، جون ۱۹۷۵ء
۱۶	عارف	"		اکتوبر ۱۹۶۰ء
۱۷	قومی زبان	پندرہ روزہ	کراچی	۱۶ جولائی، یکم اگست ۱۹۵۷ء
۱۸	گنج بخش	ماہنامہ	لاہور	مئی ۱۹۵۶ء
۱۹	نقوش	"	"	فروری ۱۹۶۲ء

اخبارات

۱	ہفت روزہ اخبار جہاں	کراچی	۲۳ اگست ۱۹۶۷ء
۲	" المدینہ		۲۰ اگست ۱۹۷۱ء، ۴۰ فروری ۱۹۷۲ء
۳	" الہام	بہاولپور	۲۴ اکتوبر ۱۹۷۱ء، ۲۱۰ فروری ۱۹۷۵ء
۴	" پاک جمہوریت	لاہور	۵ جون ۱۹۷۲ء
۵	" تعمیرِ وطن	"	۹ مارچ ۱۹۷۳ء
۶	" چٹان	"	۲۰ مئی، یکم جولائی ۱۹۷۴ء

۷	ہفت روزہ سوادِ اعظم	لاہور	۱۵ر جنوری ۱۹۶۰ء
۸	پندرہ روزہ 〃	〃	یکم تا ۱۵ر جولائی ۱۹۷۲ء
۹	روزنامہ انقلاب	〃	۳ر اگست ۱۹۴۴ء
۱۰	〃 امروز	〃	۲۳ر مارچ ۱۹۷۴ء
۱۱	〃 جاوداں	〃	۲۸ر ستمبر ۱۹۷۱ء ، ۶ر نومبر ۱۹۷۱ء
۱۲	〃 جسارت	کراچی	۱۲ر نومبر ۱۹۷۲ء
۱۳	〃 جنگ	〃	۲۴ر جولائی ۱۹۷۰ء ، ۲۹ر مارچ ۱۹۷۲ء، ۷ر جون ۱۹۷۴ء
۱۴	〃 زمیندار	لاہور	۱۰ر مارچ ۱۹۲۱ء
۱۵	〃 سنگِ میل	ملتان	۸ر مارچ ۱۹۷۵ء
۱۶	〃 کوہستان	〃	۱۸ر اکتوبر ۱۹۵۹ء
۱۷	〃 〃	لاہور	۱۲ر مئی ۱۹۶۶ء ، ۱۳ر جولائی ۱۹۶۰ء
۱۸	〃 نوائے وقت	لاہور	متعدد شمارے

مؤلف کی دیگر تالیفات

۱- اکابر تحریک پاکستان حصہ دوم (زیر طبع)
۲- " " حصہ سوم (زیر ترتیب)
۳- تکملہ تذکرہ نقشبندیہ مطبوعہ ۱۹۷۶ء
۴- خلفائے اعلیٰ حضرت " ۱۹۷۸ء
۵- حضرت امیر ملت اور ان کے خلفاء (زیر طبع)
۶- انوار امیر ملت (")

قطعۂ تاریخ طباعت

اکابرِ تحریکِ پاکستان

۱۳ ھ ۹۶

نتیجۂ فکر ابوالطاہر فدا حسین فدآ، مدیر اعلیٰ مہرو ماہ لاہور

فدایانِ تحریکِ ملّت کی عظمت — ہے لافانی و حُسنِ بے عیب شئے
سوانح ہیں اُن بامرادوں کے اس میں — جو قرباں وطن پہ ہوئے پَے بہ پَے
چمن ہے یہ آزادی و حرّیت کا — کہ نغماتِ حُبِّ وطن کی ہے نَے
کہاں ہیں وہ اب عاشقانِ وطن — گئے منزلِ عشق جو کر کے طے
کہاں ہیں وہ پیرِ مُغاں اور ساقی؟ — پلاتے تھے حُبِّ وطن کی جو مَے

فدا سالِ تالیف صادق یہ کہدے
کہ "مصباحِ تاریخ و تحقیق" ہے

۱۹ ء ۷۶

تبصرے

۱

شخصیّات

جناب ڈاکٹر محمد باقر صاحب، پروفیسر ایمریٹس پنجاب یونیورسٹی لاہور

اپنی اور دوسروں کی تاریخ مرتب کرنا مسلمانوں کا شیوہ رہا ہے، ہندوستان میں ہندو مشاہیر کی تاریخ کے منابع صرف مسلمان مؤرخوں کے آثار ہیں لیکن تاسیسِ پاکستان کے بعد انگریزوں کے زمانے کا دیا ہوا تساہل اس طرح کار فرما ہے کہ ہم ربع صدی گزرنے کے بعد ابھی تک تحریکِ پاکستان کے تار و پود کے اذکار کو اپنی تاریخ مرتب کرنے کے لئے جمع ہی نہیں کر سکے، نتیجہ یہ ہے کہ پاکستان پر لکھی جانے والی سو کتابوں میں سے تقریباً ۷۵ غیر مسلموں اور غیر ملکیوں کی ہیں اور ان لوگوں نے عمداً یا سوجھ بوجھ کی کمی کی وجہ سے ہماری تاریخ میں اس قدر گھپلا کیا ہے کہ آج وہ نسل اپنے ذہن میں پاکستان کی صحیح، واضح اور تصویر ہی نہیں بنا سکتی جس نے اس سرزمین پر :

"پاکستان کا مطلب کیا ؟ لا الٰہ الا اللہ"

کے نعرے لگتے ہوئے اپنے کانوں سے نہیں سنے۔ ان لوگوں کے اذہان ان کئی قسموں کے رزموں کی چکا چوند سے متاثر ہو رہے ہیں جن کی نشر و اشاعت وسیع پیمانے پر ہمارے اپنے ذرائعِ ابلاغ عزائم مشئومہ کے ساتھ کر رہے ہیں۔

ایسے میں "اکابرِ تحریکِ پاکستان" (کہ یہی اس کتاب کا نام ہے) پر نیک نیتی سے کسی ادارے کا کام کرنے کی ٹھان لینا بڑا ہی مبارک قدم ہے کیونکہ یہی وہ نقوش ہیں جن کو اجاگر کرنے سے ہم حال اور مستقبل کی نسلوں کے ذہن سے وہ جالے اتار سکیں گے جو تاریخ سے ہمارے تساہل برتنے کی وجہ سے پھیلتے ہی جا رہے ہیں۔ مکتبہ رضویہ گجرات

نے ان اکابر پر پہلی جلد شائع کر کے ملک و ملت پر بڑا احسان کیا ہے۔ جن علمائے کرام کا ذکر اس مختصر سی کتاب میں آیا ہے ان میں سے بیشتر ابھی زندہ ہیں اور ان کے افکار و اعمال نمونے کے طور پر ہمارے سامنے ہیں جن سے ہم یہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ تحریکِ پاکستان کے کیا مقاصد تھے، اس وقت کئی لوگ اس کوشش میں ہیں کہ ہم اپنے اسلامی ماضی اور اسلامی روایات بالخصوص اسلامی فکر کو فراموش کر دیں۔ راقم سے واضح طور پر ایک اِزم کے حامی نے کہا: "اس بات کو بھول جائیے کہ پاکستان کیوں اور کیسے بنا تھا۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ میرے اِزم کی پیروی کر کے آئندہ کیسے چلایا جا سکتا ہے؟

میں نے بڑے ادب سے عرض کیا آپ مجھے یہ فراموش کرنے کی تلقین فرما رہے ہیں کہ میرے آبا و اجداد نے خدا کے احکامات اور رسول کے ارشادات کو کیوں اور کیسے قبول کیا؟ میری اور میری آئندہ نسلوں کی دنیوی و اخروی فلاح و بہبود صرف ایک بات سے متعلق ہے اور وہ ہے اوامر و نواہی کی پابندی اور پاکستان کا استحکام اور سلامتی بھی صرف اسی ایک بات سے متعلق ہے۔ اس اِزم کے شیدائی نے فوراً پلٹ کر کہا "معاف کیجئے مجھے اسلام اور قرآن کا مطالعہ کرنے کا موقع نہیں ملا" اور مجھے کہنا پڑا: پھر آپ سے پاکستان کی بات بھی نہیں ہو سکتی۔

سو عرض یہ کرنا مقصود ہے کہ تحریکِ پاکستان کی تاریخ کا مطالعہ کرنے اور اس کی صحیح جڑیں تلاش کرنے کے لئے آپ کو ان اکابر کے احوال و آثار اور آراء و افکار کا مطالعہ کرنا پڑے گا جنھوں نے سر دھڑ کی بازی لگا کر اس مملکت کی تاسیس کی اور یہی کوشش کرتے کرتے یا احکم الحاکمین کے حضور پیش ہو گئے یا ابھی تک اس دنیا میں قید و بند کی اذیتیں برداشت کر رہے ہیں، یہی لوگ حقیقی معنوں میں اکابر تحریک ہیں اور ان کی زندگیاں ہمارے لئے عظیم مشاعلِ راہ ہیں۔

یہ درویش مکتبہ رضویہ گجرات کو ایسی عمدہ کتاب شائع کرنے پر مبارکباد

پیش کرتا ہے اور ان سے استدعا کرتا ہے کہ وہ اس سلسلہ کو جاری رکھ کر بقیہ جلدیں بھی شائع کریں، اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے۔ آمین۔

محمد باقر

جناب ڈاکٹر وحید قریشی صاحب پنجاب یونیورسٹی لاہور

محمد صادق قصوری صاحب کی یہ کتاب تحریکِ پاکستان کے ایک ایسے گوشے سے تعلق رکھتی ہے جسے عام طور پر نظر انداز کیا گیا ہے۔ حلقۂ علماء میں اگر کبھی تحریکِ پاکستان کے سلسلے میں ذکر آیا بھی ہے تو مولانا ظفر علی خاں، مولانا شبیر احمد عثمانی کے نامِ نامی کے سوا کچھ یوں تاثر دیا جاتا ہے گویا علمائے دین کا اس تحریک سے کچھ زیادہ واسطہ نہ تھا۔ نیشنلسٹ علماء کا محور کانگریس کی امداد و اعانت تھا۔ اس سے یہ خیال عام ہوتا تھا کہ علماء نے من حیث الجماعۃ پاکستان کی کبھی تائید نہیں کی حالانکہ تحریکِ پاکستان میں جہاں تعلیم یافتہ طبقے نے حصولِ پاکستان کے لئے قربانیاں دیں وہاں اس آواز کو مسلمانانِ برِصغیر کے دلوں میں جاگزیں کرنے کا سہرا ان دینی رہنماؤں کے سر ہے جنہوں نے شہر شہر، قریہ قریہ مسلم لیگ کے پیغام کو پہنچایا اور مسلمانوں کو یہ احساس دلایا کہ الگ مملکت کا مطالبہ دراصل ان کے دلوں کی آواز ہے۔

دیوبند کے مقابلے میں علماء کی یہ آوازیں مؤثر اور دور رس نتائج کی حامل رہی ہیں۔ زیرِ نظر کتاب اسی احساس کا ایک عملی ثبوت ہے۔ اس میں ان علمائے دین کے حالات بیان ہوئے ہیں جنہوں نے جد و جہدِ حصولِ پاکستان کے لئے قید و بند کے صدمے بھی اٹھائے اور اعلائے کلمۃ الحق کے لئے حکومتِ وقت کی مخالفت کی پروا بھی نہیں کی۔ مولانا آزاد سبحانی، مولانا ابوالحسنات قادری، پیر امین الحسنات، پیر جماعت علی شاہ،

حکیم شمس الاسلام صدیقی، مولانا ظہور الحسن صدیقی، شاہ عارف اللہ میرٹھی، مولانا عبدالحامد بدایونی کی خدمات کا اعتراف غالباً پہلی دفعہ اسی کتاب کے ذریعہ ہوا ہے۔ ان علمائے دین نے حصول پاکستان کے لئے جو خدمات انجام دیں ان کا تفصیلی ذکر کیا گیا ہے۔ فاضل مورخ نے اس داستان کی مختلف کڑیاں یکجا کرنے کے لئے جن کٹھن مراحل سے گزر کر اور اخبارات و کتب کے ہزاروں صفحات کی ورق گردانی کے بعد یہ اڑھائی سو صفحات مرتب کئے ہیں اس سے ان کی دیدہ ریزی اور ژرف نگاہی کا قائل ہونا پڑتا ہے۔

"اکابرِ تحریک پاکستان" اپنے موضوع پر پہلی کتاب ہے۔ اس میں بعض غلطیاں بھی ہیں اور کہیں کہیں واقعات کی تعبیر میں مبالغہ سے بھی کام لیا گیا ہے تاہم مجموعی اعتبار سے قابلِ قدر کوشش ہے، امید ہے نقشِ ثانی میں مصنف کتابت و طباعت کی اغلاط کے علاوہ بعض مقامات پر سنین و واقعات کی غلطیوں کی تصحیح کر کے اسے زیادہ سے زیادہ مفید اور کارآمد بنالیں گے (نوٹ: موجودہ ایڈیشن میں تصحیح کی پوری سعی کی گئی ہے۔ قصوری)

موجودہ حالت میں بھی پاکستان کی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے قارئین اور مؤرخین پاکستان کے لئے یہ کتاب ایک اہم دستاویز ہے۔

(وحید قریشی)

جناب پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر فاروقی صاحب سابق صدر شعبہ اردو پشاور یونیورسٹی پشاور

آپ نے یہ کتاب خوب مرتب کی ہے، بہت اچھا کیا، جزاک اللہ۔ دوسرے حصے کے بعد غالباً تیسرے کے لئے بھی ان شاء اللہ مواد فراہم ہو جائے گا۔ اچھا ہے اس طرح ان بزرگوں کے نام اور کام محفوظ ہو جائیں گے۔ خوب سوچا اور خوب

ترتیب دی۔ سبحان اللہ!

(بنام مؤلف محررہ ۱۶ فروری ۱۹۷۶ء)

جناب پروفیسر منظور الحق صدیقی صاحب، کیڈٹ کالج حسن ابدال

"اکابرِ تحریکِ پاکستان" ملی، دیکھ کر ہی دل خوش ہو گیا کہ کتابت، کاغذ، جلد ہر چیز اچھی، پھر موضوع اس سے بھی زیادہ پُرکشش، فوراً کتاب کو جستہ جستہ پڑھا۔ لطف آگیا، انشاءاللہ کل تک ختم کر لوں گا۔

(مکتوب بنام مؤلف محررہ ۱۱ فروری ۱۹۷۶ء)

جناب پروفیسر محمد ایوب قادری صاحب، اردو کالج کراچی

صوری و معنوی دونوں اعتبار سے قصوری صاحب کی یہ تالیف نہایت قابلِ قدر ہے اور تحریکِ پاکستان کے لٹریچر میں ایک گرانقدر اضافہ ہے۔

(مکتوب بنام مؤلف محررہ ۲۵ فروری ۱۹۷۶ء)

جناب پروفیسر سید خورشید حسین بخاری صاحب، گورنمنٹ گورونانک کالج ننکانہ صاحب، ضلع شیخوپورہ

"اکابرِ تحریکِ پاکستان" سرسری نظر سے مطالعہ کی ہے، مؤلف کی معلومات کی داد دینا پڑتی ہے، انھوں نے کوزے میں دریا بند کر دیا ہے اور مواد کو نہایت ہی عمدگی اور نفاست سے ترتیب دیا ہے، امید ہے نقشِ ثانی نقشِ اول سے بہتر ہو گا کیونکہ ویسے بھی مشہور

ہے ؎ نقاش نقشِ ثانی بہتر کشد ز اول۔

(مکتوب بنام حضرت حکیم محمد موسےٰ امرتسری مدظلہ، محررہ ۱۶ر مارچ ۱۹۷۶ء)

جناب خواجہ عبدالکریم قاصف صاحب ایڈووکیٹ ملتان

طباعت وکتابت عمدہ اور مجموعی طور پر کتاب بڑی دیدہ زیب ہے۔ آپ نے بڑی محنت اور جانفشانی سے کام لے کر ملک وقوم کی خدمت کا فریضہ ادا کیا ہے۔ ان اکابرین میں بعض ایسی شخصیتیں بھی ہیں جنہوں نے پاکستان کے قیام کی جدوجہد میں شاندار خدمات انجام دیں مگر جن کا تذکرہ کسی کتاب یا اخبار میں نہیں ملتا، آپ نے یہ کمی پوری کر دی ہے یقیناً ان کے بغیر تحریکِ پاکستان کی تاریخ ادھوری رہتی۔

(مکتوب بنام مؤلف محررہ ۱۲ر فروری ۱۹۷۶ء)

جناب سید مقبول محی الدین گیلانی صاحب سجادہ نشین ڈیرہ غازی خاں

کتاب "اکابرِ تحریکِ پاکستان" نہ صرف ایک صوبہ بلکہ برِصغیر کی ایک جامع ومانع تاریخ کی حیثیت رکھتی ہے جس میں تحریکِ پاکستان کے لیئے علماء ومشائخ کے بے لوث کام کرنے کا پورا پورا حال درج ہے۔ اللہ تعالےٰ آپ کی اس کاوش کو شہرتِ عام اور بقائے دوام کی صورت بخشے آمین۔

(مکتوب بنام مؤلف محررہ ۴ر مئی ۱۹۷۶ء)

زبدۃ الحکماء حکیم آفتاب احمد قرشی صاحب لاہور

آپ کی قابلِ قدر وتعریف کتاب "اکابرِ تحریکِ پاکستان"، کا مطالعہ کیا۔ آپ نے جس محنت سے یہ کتاب لکھی ہے، بڑی قابلِ ستائش ہے۔ پاکستان میں ایک ایسا گروہ ہے

جو علماء و مشائخ کے خلاف پروپیگنڈہ کرتا ہے اور پاکستان میں علماء کے شاندار کردار کو نظرانداز کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ آپ کی یہ کوشش بڑی قابلِ داد ہے۔ آپ اس جانب زیادہ توجہ دیں اور تمام تر علماء و مشائخ کے حالات مرتب کریں۔

(مکتوب بنام مؤلف محررہ ۹ر مارچ ۱۹۷۷ء)

جناب الحاج محمد بشیر صاحب، صدر ورلڈ اسلامک مشن آزاد کشمیر برانچ، میرپور (آزاد کشمیر)

"اکابرِ تحریکِ پاکستان" دیکھتے ہی مسرت کی ایک لہر دوڑ گئی کہ الحمد للہ تحریکِ پاکستان کے جانبازوں و سرفروشوں کے دینی و مذہبی قائدین علمائے کرام و مشائخ عظام کے مجاہدانہ کردار کو دبیز پردوں سے نکال کر منصۂ شہود پر لایا جا رہا ہے ؎

اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ

(مکتوب بنام مولف محررہ ۱۶ر شعبان المعظم ۱۳۹۶ھ)

جناب ملک محمد اکبر ساقی صاحب جنرل سیکرٹری جمعیۃ علماء پاکستان (پنجاب)

آپ کی کتاب زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر بازار میں کیا آئی ہے کہ چار سو ڈنکے بج گئے ہیں، اس خوبصورت کتاب کی اشاعت پر مبارک قبول فرمایئے۔

(مکتوب بنام مؤلف محررہ ۳۰ر مارچ ۱۹۷۶ء)

جناب سید محمد مسعود شاہ صاحب جنرل سیکرٹری جمعیۃ علماء پاکستان، بہاولپور ڈویژن نے

آپ کی مجاہدانہ کاوش پر دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ آپ کی مساعی کو قبول و منظور فرمائے۔ آپ نے اس تاریخی کتاب کو لکھ کر اہلِ سنت پر احسان کیا ہے۔ (مکتوب بنام مؤلف محررہ ۱۸ر مئی ۱۹۷۶ء)

جناب مولانا محمد اطہر نعیمی صاحب، خطیب جامع مسجد آرام باغ کراچی

حقیقت تو یہ ہے کہ آپ نے وقت کی اہم ضرورت کو پورا کیا ہے۔ اس کی ضرورت آج ہی نہیں بلکہ قیام پاکستان کے بعد سے محسوس کی جارہی تھی، بہرحال دیر آید درست آید کے مصداق یا یوں کہیں کہ کُلُّ اَمْرٍ مَّرْہُوْنٌ بِاَوْقَاتِہَا تھا۔

آپ نے اس سلسلہ میں جو کارنامہ انجام دیا ہے وہ یقیناً قابلِ تحسین و مبارکباد ہے۔

(مکتوب بنام مؤلف محررہ ۲۸ مارچ ۱۹۷۶ء)

مولانا شاہ محمد چشتی سیالوی، قصور

زہے قسمت کہ مجھے اس کتابِ محسود کی کتابت کا موقع ملا، فاضل مؤلف کی لیاقت کی داد دینا پڑتی ہے۔ برادرم محمد صادق قصوری چونکہ کتبی قصوری سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے میں خوب جانتا ہوں کہ انہیں اس کتاب کی تدوین میں کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ سینکڑوں روپے ڈاک پر خرچ کئے، سینکڑوں شخصیات سے بار بار رابطہ کرنا پڑا اور گم گشتہ گوشے شاید انہوں نے کیسے ڈھونڈ نکالے؟ یہ ایک طویل داستان ہے۔

بہرکیف فرزندانِ ملت اور مورخینِ مستقبل کے لئے انہوں نے اپنے کو مشکلات میں ڈال کر، بیش بہا کام کیا ہے۔ انشاء اللہ اس موضوع میں ان کی اولیت بدستور مسلم رہے گی۔ خدائے لم یزل سے ان کی اس محنتِ شاقہ کی قبولیت کی دعا ہے اور یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ انہیں ایسے کاموں کے لئے عمرِ طویل عطا فرمائے۔ آمین۔

---

(۲)

اخبارات و رسائل

روزنامہ ’نوائے وقت‘ لاہور، ۲۷ مارچ ۱۹۷۶ء

اس کتاب میں پچاس کے قریب ایسے حضرات کے حالات درج کئے گئے ہیں جنہوں نے تحریکِ پاکستان میں حصہ لیا۔ شروع میں سید محمد فاروق القادری کا مبسوط مقدمہ ہے، آخر میں ماخذ کی فہرست درج کر دی گئی ہے۔ (تبصرہ از محمد قیوم اعتصامی)

روزنامہ ’مشرق‘ لاہور، ۱۴ مئی ۱۹۷۶ء

زیرِ نظر کتاب ان مذہبی علماء کا تذکرہ ہے جنہوں نے علمی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی قومی جدوجہد میں بھی حصہ لیا۔ تذکرہ نگار نے ان علماء کو ان دیوبندی علماء سے ممیز کیا ہے جو جدوجہد آزادی کی تاریخ میں ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ تذکرہ نگار نے دیوبندی علماء کے سیاسی طریق کو غلط ثابت کر کے ان علماء کے طریق کو سراہا ہے اور انہیں اکابرِ تحریکِ پاکستان شمار کیا ہے اور اس سلسلہ میں تذکرہ نگار نے بریلوی اور دیوبندی کی بحث کو بھی چھیڑا ہے اس موقف اور اس بحث سے قطع نظر یہ کتاب اس حیثیت سے مفید ہے کہ وہ علماء کے ایک گروہ کا اچھا بھلا تذکرہ ہے۔ کتاب ۲۸۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ کتابت و طباعت خوشگوار ہے۔

روزنامہ ’امروز‘ لاہور، ۱۱ اپریل ۱۹۷۶ء

زیرِ تبصرہ کتاب جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے۔ ان اکابر کے حالات پر مشتمل

ہے جنہوں نے اپنے وسیع اثر و رسوخ کی بدولت تحریکِ پاکستان کے سلسلے میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ پچاس اکابر کی طویل فہرست میں مولانا حسرت موہانی، حافظ سید جماعت علی شاہ علی پوری، مولانا ابوالحسنات قادری، مولانا عبدالحامد بدایونی، مولانا غلام بھیک نیرنگ، پیر امین الحسنات مانکی شریف اور مولانا شاہ عارف اللہ میرٹھی کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔ اس میں تمام شخصیات سے متعلق ضروری معلومات اور ان کی خدمات کا اجمالی تذکرہ اچھے انداز میں آگیا ہے۔ اس اعتبار سے یہ کتاب ایک تاریخی ماخذ کا کام دے گی۔

تحریکِ پاکستان کے ان اکابر کے حالات بعض وجوہ کی بنا پر عوام کے سامنے نہیں تھے، اس کتاب کے ذریعہ ان کی نقاب کشائی اس لحاظ سے بھی اہم خدمت ہے کہ ان حضرات نے زندگی کے دوسرے شعبوں میں جو کارہائے نمایاں کیے اور سیاسی خدمات کے علاوہ جو ناقابلِ فراموش دینی، تبلیغی، علمی، ادبی اور سماجی خدمات انجام دیں، عام قارئین ان سے بھی باخبر ہو سکیں گے۔

کتاب کے آخر میں ان کتابوں، رسالوں اور اخباروں کی فہرست بھی دی گئی ہے جو اس کتاب کے ماخذ کی حیثیت رکھتی ہیں اور جن کی مدد سے قارئین کسی شخصیت کے بارے میں حسبِ خواہش مزید معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔ کتابت و طباعت اور جلد بندی بھی معیاری ہے۔ (و۔ک)

ہفت روزہ الہام، بہاولپور، ۲۹ فروری ۱۹۷۶ء

برِصغیر میں جب بھی کوئی تحریک مسلمان قوم کے مفاد میں اٹھی تو علمائے حق اور مشائخ کرام نے اپنی تمام تر صلاحیتیں اس تحریک کے لئے وقف کر دیں اور اس کو کامیاب بنانے کے لئے کسی بھی امکانی سعی سے دریغ نہ کیا۔

اسی طرح تحریکِ پاکستان کے زمانہ میں علماء و مشائخ نے اس صدی کے

رجلِ عظیم حضرت قائدِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں اہم کردار ادا کیا اور اس وقت تک اپنے رفقاء اور معتقدین کے ساتھ بھرپور حصہ لیتے رہے جب تک پاکستان قائم نہ ہو گیا اور یہ سب کچھ ان مردانِ حق نے بغیر کسی مادی لالچ کے محض اسلامی فرض سمجھتے ہوئے کیا حالانکہ تحریکِ پاکستان کے زمانہ ہی میں ایک بہت بڑے علمی اور مذہبی ادارہ نے جس کے لائق ارکان تبلیغ اور پروپیگنڈہ کا وسیع تجربہ رکھتے تھے صرف اس وجہ سے مسلم لیگ کا ساتھ چھوڑ دیا کہ وہ ان کی ہوسِ زر پوری نہ کر سکی اور کانگریس کی اس لئے مدد کی کہ اس نے ان کے سامنے اپنی تجوریوں کے منہ کھول دیئے (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "قائدِ اعظم میری نظر میں" اصفہانی، شاہکار ایڈیشن لاہور ص۱) لیکن ایک وہ لوگ ہیں جنہوں نے حضرتِ قائدِ اعظم اور مسلم لیگ کی مخالفت کو فرضِ عین جانا۔ تحریکِ آزادی کے مجاہدینِ سرفروش کے القاب سے نوازے گئے لیکن وہ بزرگ جنہوں نے اعلائے کلمۃ الحق کے لئے اپنا تن من دھن سب کچھ داؤ پر لگا دیا تھا ان کے عظیم کارنامے ان کے پیرووں اور ان کے اسلاف کی روایتی سہل پسندی اور غفلت کی وجہ سے نظروں سے اوجھل ہونے لگے۔ اب بحمد اللہ ادھر چند سالوں سے سوادِ اعظم میں بھی گرمی کے آثار پیدا ہو چلے ہیں اور ایسا لٹریچر آہستہ آہستہ منظرِ عام پر آ رہا ہے جس میں اہلسنت کے علماء اور مشائخ کے وہ کارنامے اجاگر کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے جو انہوں نے تحریکِ پاکستان کے سلسلہ میں سرانجام دیئے تھے

زیرِ تبصرہ کتاب "اکابرِ تحریکِ پاکستان" بھی اسی سلسلہ کی ایک نہایت اہم کڑی اور بڑی کامیاب کوشش ہے۔ یہ کتاب حصہ اول ہے اور اس میں پچاس کے قریب تحریکِ آزادی کے مشاہیر اور محسنین کا تذکرہ ہے، ان میں مولانا عبدالحامد بدایونی، پیر امین الحسنات مانکی شریف، علامہ ابوالحسنات، پیر جماعت علی شاہ، مولانا نعیم الدین مرادآبادی، مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی اور مولانا عبدالستار خاں نیازی جیسی عظیم ہستیاں شامل ہیں،

مرتب نے ان کے مفصل تذکروں کے ساتھ ساتھ اپنے محسنین کا بھی دل نشین اور جامع انداز میں تعارف کرایا ہے جنہیں لوگ آہستہ آہستہ بھولتے جا رہے ہیں حالانکہ ان کا شمار اپنے زمانہ کی عظیم اور محسن شخصیتوں میں ہوتا تھا، مثلاً پیر عبدالرشید پانی پتی، مولانا کرم علی ملیح آبادی اور مولانا پیر محمد اسمٰعیل روشن سرہندی وغیرہم۔

کتاب تیار کرنے پر مصنف نے محنتِ شاقہ سے کام لیا ہے اور کتاب کے آخر میں شامل اشاریہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے کتاب کی ترتیب میں متنا ر کتب اور اخبارات و رسائل سے استفادہ کیا ہے۔ مولانا بدایونی، مولانا ابر ہیم علی چشتی اور مولانا نیازی دام ظلہ کے حالات بڑے شرح و بسط سے مصنف نے دیے ہیں لیکن مولانا احمد سعید کاظمی دام ظلہٗ، مولانا عارف اللہ اور مولانا محمود شاہ کے حالات بہت تشنہ ہیں۔ اگر مصنف تھوڑی سی اور زحمت کرتے تو ان حضرات کے تفصیلی حالات بھی مہیا ہو سکتے تھے۔ بہرحال یہ معمولی سی کمی ہے جو اگلے ایڈیشن میں پوری ہو سکتی ہے، کتاب بہت مفید اور جامع ہے، تاریخ کا کوئی طالب علم بھی اس سے بے نیاز نہیں رہ سکتا۔

کاغذ، کتابت، طباعت اور جلد کو دیکھتے ہوئے قیمت بہت ہی مناسب ہے۔

(سید نور محمد قادری)

ماہنامہ سیارہ ڈائجسٹ، لاہور، جولائی ۱۹۷۶ء

یہ ہماری بدقسمتی ہے یا بے حسی کہ تحریکِ پاکستان اور قیامِ پاکستان کے کتنے ہی ایسے گوشے ہیں جن پر کسی نے قلم اٹھانے کی ضرورت محسوس نہیں کی اور یوں اس عظیم جدوجہد کے خدوخال پوری طرح واضح نہیں ہو سکے جو ہمارا بے بہا ورثہ ہے اور جس کے طفیل ہمیں پاکستان نصیب ہوا۔

یہ تلخ سہی لیکن حقیقت ہے کہ تحریکِ پاکستان اور قیامِ پاکستان کی برصغیر کے کتنے ہی علماء اور اکابر نے شدید مخالفت کی تھی لیکن دوسری طرف برصغیر میں ایسے علمائے دین اور اکابرین بھی تھے جنہوں نے پاکستان کے حق میں راہ ہموار کی اور قیامِ پاکستان کو حقیقت بنانے کیلئے کارہائے نمایاں انجام دیئے، زیرِ تبصرہ کتاب انہی اکابرین سے متعلق ہے جنہوں نے قیامِ پاکستان کے لئے جد و جہد کی تھی۔

یہ کتاب اپنے موضوع پر پہلی کتاب ہے، ہم سمجھتے ہیں کہ یہ کتاب ہر لائبریری اور ہر گھر میں ہونی چاہیئے۔ کتاب کے مصنف محمد صادق قصوری صاحب مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے مطالعۂ پاکستان کے ایک پہلو کو پہلی بار نمایاں کیا ہے، اکابرِ تحریکِ پاکستان کا یہ حصہ اول ہے۔ ہمیں امید ہے کہ اس کا دوسرا حصہ بھی جلدی شائع کر دیا جائے گا۔ مکتبہ رضویہ گجرات اس کتاب کی اشاعت پر فخر کر سکتا ہے۔

ماہنامہ "کتاب" لاہور، مئی جون ۱۹۷۶ء

خود شناسی کے لئے ضروری ہے کہ اپنے اکابر اور ان کے کارناموں کو سامنے رکھا جائے اور زندہ قومیں اس بات پر ہمیشہ عمل پیرا رہ کر اپنی راہِ عمل متعین کرتی ہیں لیکن ہم اس قدر ادبار گزیدہ ہو گئے ہیں کہ اکابر کا تذکرہ تو دور کی بات ہے خود اپنے آپ کو بھی فراموش کر چکے ہیں لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آہستہ آہستہ ادبار کی آندھی چھٹتی جا رہی ہے، یہی وجہ ہے کہ اب اس بارے میں کئی طرف سے سنجیدہ اقدامات کرنے کی اطلاعیں مل رہی ہیں۔

زیرِ تبصرہ کتاب بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے جسے محمد صادق قصوری نے بڑی محنت سے مدوّن کیا ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے ان اکابرِ اہلِ سنت کا تذکرہ کیا ہے جنہوں نے تحریکِ پاکستان میں حصہ لیا۔ زیرِ تبصرہ کتاب اس سلسلہ کا پہلا حصہ ہے جس میں ۴۶ اکابرینِ اہلِ سنت کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان شخصیات میں مولانا آزاد سبحانی، محمد ابراہیم علی چشتی،

مولانا ابوالحسنات، پیر مانکی شریف، پیر جماعت علی شاہ، مولانا حسرت موہانی، مولانا عبدالحامد بدایونی، پیر عبدالرحیم بھرچونڈوی، مولانا غلام بھیک نیرنگ، مولانا غلام محمد ترنم، سید غلام محی الدین گولڑوی، مولانا محمد ذاکر، مفتی محمد مظہر اللہ دہلوی، مولانا مرتضیٰ احمد خاں میکش وغیرہ کا ذکر ہے۔

مؤلف نے ان حضرات کے چیدہ چیدہ واقعات کو مختلف منابع اور ماخذوں سے حسبِ خواہش مرتب کیا ہے جو خاصا مشکل کام ہے اور اس دور میں تو اسے فردِ واحد کا کام قرار ہی نہیں دیا جا سکتا جو محمد صادق قصوری نے قلیل مدت میں کر دکھایا ہے اور کافی دقتِ نظر سے کام لینے کی کوشش کی گئی ہے۔

کتاب ڈائی دار جلد میں مزین ہے، کتابت بھی بہتر ہے، یہی وجہ ہے آفسٹ پیپر پر اس کی اشاعت کا رزلٹ بہت اچھا رہا ہے جس کی وجہ سے کتاب کی جاذبیت میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ اس کتاب کو ہماری تحریکِ آزادی پہ لکھے جانے والے لٹریچر میں ایک گرانقدر اضافہ قرار دیا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم اس موضوع میں دلچسپی والے قاری کو اس کتاب کے مطالعہ کی سفارش کریں گے۔

(تبصرہ نگار: سبط الحسن ضیغم)

ماہنامہ رضائے مصطفےٰ گوجرانوالہ، مارچ ۱۹۷۶ء

جیسا کہ کتاب کے نام سے ظاہر ہے اس میں تحریکِ پاکستان کے اکابر سُنّی علماء و مشائخ کے کردار، علم و فضل، دینی ملی خدمات اور تحریکِ آزادی میں تاریخی جدوجہد پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

یہ کتاب محبِ اہلِ سنت جناب محمد صادق قصوری کی تالیف ہے اور مقدمہ سید محمد فاروق القادری ایم۔اے نے تحریر کیا ہے جس سے کتاب کی اہمیت دوچند ہو گئی ہے۔ یہ کتاب خود مطالعہ کرنے وقت اور احباب و اغیار کو پیش کرتے وقت آپ

بڑی مسرت محسوس کریں گے۔

خوشنما مضبوط جلد، کاغذ کتابت، طباعت عمدہ، صفحات ۲۸۸،

قیمت پندرہ روپے ۷۵ پیسے ہے۔

ماہنامہ "ضیائے حرم" لاہور، اپریل ۱۹۷۶ء

تحریک پاکستان میں علماء اہلسنت کے کارنامے اظہر من الشمس ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں نے اغیار کی غلامی کو کبھی تسلیم ہی نہیں کیا۔ ۱۸۵۷ء سے لے کر ۱۹۴۷ء تک کی تاریخ ذرا سامنے لائیے۔ آپ کو علمائے اہلسنت کی عظیم خدمات اور قربانیوں کا حال معلوم ہو جائے گا۔ مخالفوں نے ان قربانیوں کو بہت چھپانا چاہا، لیکن یہ سب کچھ آہستہ آہستہ سامنے آ رہا ہے۔ کل محمد فیضی کی کتاب "آزادی کی ان کہی کہانی" اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی۔ اب برادرم محمد صادق قصوری نے مولانا آزاد سبحانی سے لیکر مولانا یار محمد بندیالوی تک تقریباً ۷۴ علماء و مشائخ کے حالات و کارنامے مرتب کر دیئے ہیں جنہیں اکابر تحریک پاکستان کے نام سے مکتبہ رضویہ گجرات نے بڑے اہتمام سے شائع کیا ہے۔ سفید کاغذ، آفسٹ طباعت، رنگین کی عمدہ جلد ۲۸۸ صفحات کی یہ کتاب قارئین ضیائے حرم کو ضرور مطالعہ کرنی چاہیئے

(خورشید احمد شیخ)

اکابرِ تحریکِ پاکستان

(حصہ دوم)

از:
محمد صادق قصوری

ناشر
نوری بک ڈپو ۔ لاہور

نام کتاب	اکابرِ تحریکِ پاکستان، حصہ دوم
مؤلف	محمد صادق قصوری نقشبندی مجددی جماعتی
مقدمہ	سید محمد فاروق القادری
دیباچہ	جسٹس سید شمیم حسین قادری
پیش لفظ	حکیم آفتاب احمد قرشی
کتابت	شاہ محمد چشتی، محلہ محمود پورہ قصور
پروف ریڈنگ	اعظم فاروق
طباعت بار اول	۱۹۸۹ء
مطبع	افتخار، افضال پرنٹرز
ناشر	نوری بک ڈپو، لاہور
صفحات	۴۰۰

ملنے کا پتہ

نوری بک ڈپو، لاہور

انتساب

عاشقِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم، حکیم الامت، ترجمانِ حقیقت
مفکرِ پاکستان علامہ سر محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ

کے نام

جنہوں نے برِّصغیر میں سب سے پہلے ایک آزاد اسلامی ریاست
کا تصور پیش کیا!

؎ یہی کچھ ہے ساقی متاعِ فقیر
اسی سے فقیری میں ہوں میں امیر

محمد صادق قصوری

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ مؤلف

"اکابر تحریک پاکستان" کا پہلا حصہ دو سال قبل شائع ہوا تھا۔ اس حقیر کوشش کو اس قدر قبولیت عامہ حاصل ہوگی یہ بات میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی۔ مگر حصہ اوّل کی اشاعت اور پذیرائی نے حوصلہ دیا اور میں کتاب کے حصہ دوم کی ترتیب میں مصروف ہو گیا۔

اور اب ـــــ ـــــ میری شبانہ روز کوششوں کا حاصل اکابر تحریک پاکستان حصہ دوم کی صورت میں حاضر ہے۔

"تحریک پاکستان" ایک وسیع موضوع ہے اور اس موضوع پر قلم اٹھانے والوں کی بھی کمی نہیں مگر میں نے ان شخصیات کا انتخاب کیا ہے جنہوں نے حصول پاکستان کی راہ میں قربانیاں دیں، زندگی کے بہترین ایام نذرِ زنداں کیے، اپنے غیر متزلزل یقین اور آہنی عزم و استقلال سے ساتھ انگریز کی طاقت اور ہندو کی شاطرانہ سیاست کا مقابلہ کیا مگر اپنوں کی بے توجہی اور غیروں کی قلمی بددیانتی نے ان کی خدمات سے عوام کو روشناس نہ ہونے دیا۔

حصہ دوم میں جن حضرات پر قلم اٹھایا گیا ہے ان میں علماء و مشائخ بھی ہیں، وضع دار [illegible] سیاستدان بھی شامل ہیں۔ ان سب سے ہر ایک کی زندگی کے مختلف پہلوؤں اور بالخصوص تحریک پاکستان میں ان کے کردار کو اجاگر کرنے کی سعیٔ بلیغ کی گئی ہے مگر ان حضرات کے احوال و کوائف کو تفصیلی انداز میں پیش کرنے کی میری خواہش پوری نہیں ہو سکی۔ اس کا مجھے اعتراف ہے۔ اس میں جہاں میری بے سروسامانی اور علمی کم مائیگی کو دخل ہے وہاں متعلقہ حضرات کے ورثاء نے بھی میرے ساتھ تعاون نہ کر کے مجھے مایوس کیا ہے۔

زیادتی ہوگی اگر میں ان حضرات کا شکریہ ادا نہ کروں جن کی سرپرستی، تعاون اور رہنمائی سے

طفیل کتاب تکمیل پذیر ہو سکی ہے۔

مخدومی حضرت حکیم محمد موسیٰ صاحب امرتسری کی قدم قدم پر رہنمائی حاصل نہ ہوتی تو اس دشت کی صحرانوردی میرے بس کا روگ نہ تھا۔ حضرت سید محمد فاروق القادری ایم اے نے حصہ اوّل کی طرح حصہ زیر نظر پر فاضلانہ مقدمہ لکھ کر کتاب کی اہمیت کو دوچند کیا۔ عالیجناب جسٹس سید شمیم حسین قادری اور حکیم آفتاب احمد قرشی نے جامع دیباچہ و پیش لفظ تحریر فرما کر میری حوصلہ افزائی فرمائی۔ جناب پروفیسر محمد مسعود احمد قبلہ، پروفیسر منظور الحق صدیقی (حسن ابدال)، پروفیسر نثار احمد جان سرہندی، پروفیسر فیاض احمد خان کاوش (میرپور خاص، سندھ)، پروفیسر محمد ایوب قادری (کراچی)، خواجہ عبدالکریم قاسف ایڈووکیٹ (ملتان)، جناب محمد عبداللہ (گوجرانوالہ)، مولانا عبدالحکیم شرف قادری (لاہور)، مولانا احمد میاں برکاتی (حیدرآباد، سندھ)۔ مولانا شاہ محمد قصوری کا شکر گزار ہوں کہ ان تمام حضرات نے میری مقدور بھر امداد کی۔

۲۵ فروری ۱۹۷۸ء

محمد صادق قصوری
برج کلاں ضلع قصور

مقدمہ

جناب سید محمد فاروق القادری ایم۔اے

بہ آں گروہ کہ از ساغرِ وفا مستند
سلام ما برسانید ہر کجا ہستند

قیام پاکستان کے اصل محرکات اور اسباب کیا تھے؟ اس سوال کے جواب میں آج بھانت بھانت کی بولیاں بولی جارہی ہیں۔ پاکستان کے مخالف تو اپنی جگہ رہے خود پاکستان کے ذمہ دار افراد اور نئی نسل کے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی اکثریت کے ذہن بھی اس بارے میں صاف نہیں ہیں اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ قومی سطح پر ان باتوں کے فروغ کا ہم آج تک صحیح انتظام نہیں کر پائے، کوئی اُسے ہندو استحصال کا نتیجہ قرار دیتا ہے تو کوئی معاشی مجبوری۔ کوئی پاکستان کو قائداعظم کی ذاتی انا کا مسئلہ سمجھتا ہے تو کوئی دوسرا اسے انگریز کی سازش؟ اس دلیدہ فکری اور ذہنی طوائف الملوکی کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ اصل منزل کے بارے میں ہم خود شک و شبہ میں مبتلا ہو گئے ہیں گویا۔ ع

شد پریشان خواب من از کثرتِ تعبیر ہا

صاف اور سیدھی بات یہ ہے کہ پاکستان کا مطالبہ ہم نے کسی مجبوری، یا ذاتی انا کے تحت نہیں کیا بلکہ یہ ہمارا دینی اور اسلامی تقاضا تھا ہمیں اسلامی احکام، روایات اور اپنی علیحدہ تہذیب و تمدن کے مطابق زندگی بسر کرنے کیلئے ایک الگ خطہ زمین کی ضرورت تھی جس کا ہم نے مطالبہ کیا، یہ بات تصور پاکستان کے خالق علامہ اقبال اور پاکستان کے بانی قائداعظم محمد علی جناح نے اپنے بیانات، تقاریر اور تحریری دستاویز کی شکل میں ہمیشہ واشگاف اور کھلے الفاظ میں بیان کی ہے۔

۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی کے خاتمے کے بعد اگرچہ کابینتاً مسلمان قوم میں آزادی

کے شرارے ختم نہیں ہوئے تھے تاہم مسلمانان برصغیر کی اجتماعی لیڈرشپ انتہائی بحران کا شکار تھی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ جب کبھی مسلمان قوم تنزل و انحطاط کی انتہائی پستیوں میں جانے لگی ہے تو قدرت نے اپنی فیاضی سے ضرور کوئی نہ کوئی ایسا صاحب دل و دماغ پیدا کر دیا ہے جس نے اس میں نئی روح پھونک دی ہے، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے بعد بظاہر اُمید کی کوئی ایسی کرن دکھائی نہیں دیتی تھی مگر اس آخری دور میں بھی قدرت نے علامہ اقبال اور قائد اعظم محمد علی جناح جیسی شخصیتیں پیدا کر دیں ممکن ہے ہمارے مذہبی طبقے کو یہ بات ناگوار محسوس ہو مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ اس پچھلے دور میں مسلمانانِ برصغیر کی فکری و عملی قیادت و سیادت کی جو صلاحیتیں اور توفیق علامہ اقبال اور قائد اعظم کو نصیب ہوئیں وہ دوسرے حضرات کے حصے میں نہ آسکیں زاہدانہ وضع قطع اور دیگر اخلاقی وضائل اپنی جگہ بڑی اہمیت رکھتے ہیں مگر زوال پذیر قوموں کی قیادت یا ان کی نشاۃ ثانیہ ایسے عظیم کاموں کیلئے صرف باتیں کافی نہیں ہوتیں۔ قیام پاکستان تاریخ کا کوئی معمولی واقعہ نہیں اور نہ ہی وہ لوگ کچھ کم اہمیت کے حامل ہیں جنھوں نے اس تحریک کو پروان چڑھایا اور منزل مقصود تک پہنچایا۔ یہ تحریک کیوں اُٹھی؟ کن کن مراحل سے گزری؟ اس میں کس نے کیا کردار ادا کیا، یہ وہ سوال ہیں جن کے جوابات صرف ہماری تاریخ ہی کا حصہ نہیں بلکہ پاکستان کی نشوونما، اُس کے تہذیبی ارتقاء اور اسے فلاحی مملکت میں تبدیل کرنے کے عزائم سے بھی اُن کا گہرا ربط ہے۔

مثبت یا منفی طور پر ہمیں ایسی تمام شخصیات یا جماعتوں کا ذکر لازماً کرنا پڑتا ہے جن کا کسی نہ کسی طرح تحریک پاکستان سے تعلق رہا ہے اس میں چیں بجبیں ہونے اور جواب الجواب کی مناظرہ بازی کی بجائے ہمیں اپنے کردار کی تصویب و تغلیط کا اپنے اندر آبرومندانہ حوصلہ پیدا کرنا چاہیے ۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی کے خاتمے کے بعد ہمارا کوئی منظم مذہبی مرکز باقی نہیں رہا تھا البتہ دارالعلوم دیوبند جو بعد میں قائم ہوا اچھی مرکزیت اختیار کر گیا تھا۔ اس وقت ہمارا جو مذہبی طبقہ آزادیٔ وطن کی تحریک میں سرگرمی دکھا رہا تھا زیادہ تر اسی مرکز سے

وابستہ تھا تحریکِ آزادیٔ وطن کی حد تک وہ یقیناً مخلص تھا مگر کیا اس تحریک سے اس کا مقصد برصغیر میں کسی اسلامی سلطنت کا قیام تھا؟ اس کا جواب نفی میں ہے، اگر بے جا جسارت نہ سمجھی جائے تو مجھے یہ کہنے میں کچھ باک نہیں کہ اسلامی سیاست اور اصولِ حکمرانی کے تقاضوں کے بارے میں خود اس کا ذہن صاف نہیں تھا، ہمارے علماء کا یہ طبقہ صرف انگریز سے آزادی کو ہی عین اسلامی فریضہ سمجھ رہا تھا۔ اس کی جگہ ہندو لے لے یا سیکولر اسٹیٹ بنے وہ اس بارے میں کچھ کہنے سننے کو تیار نہ تھا، جناب سید احمد بریلوی اور شاہ محمد اسمٰعیل کی تحریک کو ہندوستان میں اسلامی حکومت کے قیام کی پہلی کوشش قرار دیا جاتا ہے مگر اس کے بارے میں مولانا سید حسین احمد دیوبندی کا یہ ارشاد ملاحظہ ہو۔

"سید صاحب کا اصل مقصد چونکہ ہندوستان سے انگریزی تسلط اور اقتدار کا قلع قمع کرنا تھا جس کے باعث ہندو مسلمان دونوں پریشان تھے اس بنا پر آپ نے اپنے ساتھ ہندوؤں کو بھی شرکت کی دعوت دی اور صاف صاف انہیں بتا دیا کہ آپ کا واحد مقصد ملک سے پردیسی لوگوں کا اقتدار ختم کرنا ہے اس کے بعد حکومت کس کی ہوگی اس سے آپ کو غرض نہیں جو لوگ حکومت کے اہل ہوں گے ہندو یا مسلمان یا دونوں وہ حکومت کریں گے۔" [1]

ممکن ہے بعض حضرات مولانا کو سید صاحب کا غلط ترجمان قرار دیں تو انہیں ریاست گوالیار کے مدارالمہام اور مہاراج دولت راؤ سیندھیا کے وزیر اور برادر نسبتی راجہ ہندو راؤ کے نام سید صاحب کے طویل گرامی نامے کا یہ اقتباس غور سے پڑھنا چاہیے:

"وقتے کہ میدانِ ہندوستان از بیگانگاں دشمناں خالی گردیدہ و تیرِ سعی ایشاں بر ہدفِ مراد رسیدہ آئندہ مناصبِ ریاست و سیاست بہ طالبین آں مسلم

---

[1] نقشِ حیات: ۲: ۱۹م

باد دبیخ شوکت و سطوتِ ایشاں محکم شود در ایں ضعفا را از رؤسا رو کبار و عظمائے عالی مقدار ہمیں قدر مطلوب است کہ خدمت اسلام بجان و دل کنند و بر مسندِ مملکت متمکن شوند" لے

ملاحظہ فرمایا آپ نے برصغیر میں اسلامی ریاست قائم کرنے والی پہلی تحریک کا منشور اور لائحہ عمل، غالباً یہی وہ نقطۂ نظر ہے، جس کے بارے میں علامہ مرحوم نے فرمایا تھا۔ ؎

مُلّا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت
ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

قیام پاکستان کے اسباب، محرکات اور اقبال و جناح کے عظیم الشان کارنامے کو سمجھنے کے لیے آپ کو اس تحریک کا سارا پس منظر دیکھنا ہوگا اس سلسلے میں معذرت کے ساتھ مختصر جائزہ پیش کرتا ہوں ۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی کے بعد مسلمانوں کا جو علمی مرکز یعنی دارالعلوم دیوبند وجود میں آیا، اس نے جو اجتماعی ذہن پیدا کیا اسلامی سیاست کے بارے میں وہ عجیب طرح کی پراگندگی اور انتشار کا شکار تھا، اس نے براہ راست ٹکر کی پالیسی کے برعکس مفاہمت اور موافقت کا طریقہ اختیار کیا یہ مفاہمت کبھی انگریز سے ہوئی تو کبھی ہندو سے!

پروفیسر محمد سرور کا بیان ہے!

"تقسیم بنگال کی تنسیخ کیلئے ہندو ہنگامی دہشت پسندوں نے جو زبردست جدوجہد شروع کر رکھی تھی اس سے تعلیم یافتہ مسلمان نوجوان بھی کافی متاثر تھے دارالعلوم دیوبند اور علی گڑھ ہر دو میں انگریز دشمنی کے باغیانہ جذبات ابھر رہے تھے لیکن اتفاق سے دونوں درس گاہوں کے ارباب اہتمام اور اصحاب اختیار سرکار پرست تھے اب یہ کتنا بڑا المیہ تھا کہ مولانا محمد قاسم جو انگریزوں کے خلاف

لے نقش حیات : ۱ :

۱۸۵۷ء میں لڑے ان کے صاحبزادے حافظ محمد احمد جو دارالعلوم دیوبند کے مہتمم تھے شمس العلماء کا خطاب قبول کرنے ہیں اور انگریزی حکومت کی طرف سے اڑھائی سو روپیہ ماہانہ بطور وظیفہ مقرر ہوتا ہے اسی سلسلہ میں گورنر یوپی دارالعلوم میں گیا ۔" ؎۱

اس کے ساتھ ہی لگے ہاتھوں دارالعلوم دیوبند کے سرکاری ترجمان ماہنامہ القاسم ۱۳۲۵ھ سے دارالعلوم کے سالانہ جلسہ کی رپورٹ بھی ملاحظہ فرمایئے ،

"مسلمانوں کو ان کے مذہب میں وفاداری کی تعلیم دی گئی ہے ادھر گورنمنٹ کے بے حد احسانات اس کو مقتضی ہیں کہ مسلمان جان و دل سے ان کا شکریہ ادا کریں اور ایک ایسے کثیر التعداد مجمع میں جس میں ملک کے اعلیٰ و ادنیٰ طبقات کے مسلمان موجود ہوں علماء کی جانب سے جن کی تعلیم کو ہر فرد مسلمان مانتا ہے وفاداری و شکرگزاری گورنمنٹ کا اعتراف و اعلان ضرور امر تھا ۔ اول مہتمم صاحب نے اپنی مطبوعہ تقریر میں نہایت خوبی سے سامعین کے ذہن نشین کیا اور پھر اس کی تائید میں مولانا احمد حسن صاحب ، مولانا عبدالحق صاحب ، مولوی ظہور علی احمد صاحب نے مدلل و پر مغز تقریریں کیں اور باتفاق رائے حضور وائسرائے بہادر اور لفٹیننٹ گورنر بہادر کی خدمت میں تار دیئے گئے ۔" ؎۲

رولٹ کمیٹی کی رپورٹ کے مطابق متحدہ ہندوستان کی سی آئی ڈی کے الفاظ کچھ یوں ہیں :-

"ریشمی خطوط میں جو نام آئے ہیں اُن میں سے کچھ ناموں کو ہم اس وقت پوری طرح نہیں سمجھ سکے تھے جب ہم نے انڈکس تیار کی تھی اب صوبہ جات کی سی آئی ڈی کی مدد سے ہم نے ان میں سے بعض ناموں کے بارے میں تفصیل حاصل

؎۱ افادیت و ملفوظات مولانا عبیداللہ سندھی : ۳۸۷

؎۲ رسالہ القاسم سال ۱۳۲۵ھ مطبوعہ دارالعلوم دیوبند ۔

کرلی ہے چنانچہ حکیم جمیل اور امیر تسا جنہیں عبید اللہ نے خدام کے خلاف بدگوئی کا بگلچی قرار دیا ہے ان دونوں سے صوبہ جات متحدہ کی سی آئی ڈی بخوبی واقف ہے۔ یہ دارالعلوم دیوبند کے وفادار پرنسپل کے وابستگان میں سے ہیں۔" [1]

دستخط سی، آر، کلولینڈ ۱ $\frac{9}{16}$

ہم یہ باتیں کسی مخالفت یا مخاصمت کے جذبے سے نہیں لکھ رہے، یہ ہماری تاریخ ہے اس کو گدمڈ کیا جا رہا ہے اور اس کے ذریعے اقبال اور جناح کے کارناموں کو بتدریج بے وقعت بنایا جا رہا ہے ہمارا مقصد اس سے صرف یہ ہے کہ اس دور کے تمام مذہبی و سیاسی طبقوں اور جماعتوں کے نقطہ ہائے نظر آپ کے سامنے وضاحت سے پیش کریں اور اس کے ساتھ جناح و اقبال کے فکر پر مختصر سی روشنی ڈالیں تاکہ ہمیں پاکستان کی تحریک سے مکمل آگہی حاصل ہو سکے۔

مولانا سید مناظر احسن گیلانی نے "احاطہ دارالعلوم میں بیتے ہوئے دن" کے عنوان سے مدرسہ دیوبند کے سرکاری ترجمان ماہنامہ "دارالعلوم" میں قسط وار ایک طویل مضمون لکھا تھا، وہ رقمطراز ہیں۔ "میری رائے یہ ہے کہ ارباب دارالعلوم اس تحریک (آزادئ وطن) کو سب سے زیادہ ناپسند کرتے تھے اسی وجہ سے انہوں نے حضرت مولانا سندھی (مولانا عبید اللہ) کو دارالعلوم سے نکالنے کیلئے بہانے تلاش کیے تھے۔ [2] آگے چل کر لکھتے ہیں:-

"دیوبند مدرسہ کے کارکنان مولانا سندھی سے خوش نہ تھے کیونکہ یہ انگریزوں کا دشمن حضرت شیخ الہند کا صحیح نابعدار اور پیروکار تھا۔ اُن کے خیال میں مولانا شیخ الہند کو اس نے بگاڑ دیا تھا۔" وہ آگے چلکر لکھتے ہیں "مولانا سندھی کو دارالعلوم کی چار دیواری سے نکالنے کیلئے مولانا عزیز الرحمن کے الفاظ میں یہ چال چلی گئی چنانچہ ارباب اہتمام نے چند سائل کھڑے کئے اور مولانا کشمیری اور علامہ عثمانی کی تحریک سے علامہ سندھی کراذن دیوبند میں ان سہ حضرات کے درمیان مناظرہ ہوا جو حقیقت میں مولانا سندھی کے نکالنے کے لئے ایک بہانہ تھا۔

---

[1] تحریک شیخ الہند انگریزی سرکار کی زبان میں مرتبہ مولانا محمد میاں، ۲۱۰ مکتبہ رشیدیہ

[2] ماہنامہ "دارالعلوم" جمادی الثانی ۱۳۰۲ھ قسط: ۱ احاطہ دارالعلوم میں بیتے ہوئے دن۔

چنانچہ علامہ سندھی کے خلاف ایک ہلڑ بازی کھڑی کر دی گئی اور ان کی پوزیشن ملک میں مجروح کرنے کی کوشش کی گئی"۔ [1]

مولانا عبید اللہ سندھی کا جرم کیا تھا؟ جس کی وجہ سے انہیں یہ سزا دی جا رہی تھی ظاہر بات ہے کہ وہ انگریز کے دشمن اور تحریک آزادی کے سرگرم کارکن تھے، اگر خود دارالعلوم بھی آزادیٔ وطن کے مجاہدین کی چھاؤنی تھا تو مولانا سندھی پر یہ خفگی کیسی؟ اس کے ساتھ رولٹ کمیٹی کی رپورٹ کے یہ الفاظ غور سے پڑھیے، صحیح حقائق آپ کے سامنے آجائیں گے!

"مدرسہ دارالعلوم دیوبند میں سرکشی کا آغاز عبید اللہ سے ہوتا ہے یہ شخص نومسلم سکھ ہے اس نے ۱۸۸۹ ۱۸۸۱ء کے درمیان مدرسہ میں تعلیم پائی ۱۹۰۹ء میں استاذ بن کر مدرسہ میں غداری پیدا کرنے کے ارادہ سے شامل ہوا ۱۹۱۳ء میں غیر ملکی مال کا بائیکاٹ کرنے کی تلقین پر اس کو برطرف کر دیا گیا لیکن اس دوران اس نے صدر مدرس محمود حسن کو اپنا ہم عقیدہ بنا لیا"۔ [2]

دارالعلوم دیوبند میں تحریک آزادیٔ وطن کی اسپرٹ مولانا سندھی نے پیدا کرنے کی کوشش کی جس میں کسی حد تک انہیں کامیابی بھی ہوئی اور کچھ لوگ جن میں مولانا محمود حسن صاحب، مولانا حسین احمد مدنی وغیرہم کا حلقہ شامل ہے انہوں نے ہم خیال بھی ہوئی مگر مجموعی حیثیت سے دارالعلوم کے ارباب بست وکشاد نے اس تحریک کو ناپسند کرتے ہوئے خود مولانا سندھی کو دارالعلوم میں بگاڑ اور انتشار کا باعث قرار دے کر دارالعلوم سے نکال دیا۔ دارالعلوم دیوبند کی تحریک آزادیٔ وطن کے گڑھ کی حیثیت سے جو تشہیر کی گئی ہے وہ ساری مولانا سندھی کی رہین منت ہے مگر مولانا کے ساتھ جو کچھ پیش آیا۔ اس کی معمولی سی جھلک آپ نے ملاحظہ فرمالی۔ تاریخی

---

[1] ماہنامہ "دارالعلوم" جمادی الثانی ۱۴۰۲ھ قسط: ۱: احاطہ دارالعلوم میں بیتے ہوئے دن

[2] تحریک شیخ الہند انگریزی سرکار کی زبان میں ص ۲۰۸۔

حقائق کو مسخ کرنا ہمارے علماء کی عادت بن گئی ہے۔ اصل قصہ یہ ہے کہ مولانا سندھی حلقہ اسلام میں داخل ہوتے ہی سندھ کے معروف بزرگ اور اسلام کے جلیل القدر سپاہی حضرت حافظ محمد صدیق بھرچونڈی کے زیر تربیت آگئے تھے، حافظ صاحب نے اس آخری دور میں اسلام کی جو خدمات انجام دی ہیں وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ مولانا تاج محمود امروٹی ایسے مجاہد مولانا غلام محمد دین پوری ایسے عابد وزاہد آدمی پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ انہوں نے اپنی جماعت سمیت تین مُنارہ کے مقام پر ہندو بھکشو (جو زبردستی مسلمانوں کو ہندو بنا رہا تھا) کے ساتھ جہاد اور اندرون سندھ شرک و بدعات کے خلاف علمی مہم ایسے انقلابی اقدامات کئے انہوں نے اپنی پوری جماعت میں جہاد و حریت کی روح پھونکی یہی وجہ ہے کہ مسجد منزل گاہ سکھر کا معاملہ ہو یا تحریک پاکستان کا جہاد اُن کی جماعت نے اسلامیانِ سندھ کی ہمیشہ قیادت کی۔ مولانا سندھی اس فضا میں رہ کر کافی سے زیادہ متاثر ہو گئے تھے بھرچونڈی شریف سے جب وہ تعلیم کیلئے دیوبند پہنچے تو انہوں نے وہی فضا وہاں بھی پیدا کرنے کی کوشش کی جو وہ اپنے مرشد کی خانقاہ میں دیکھ کر گئے تھے اس میں پورے طور پر انہیں کامیابی نہ ہوئی بلکہ اس فضا کے اثرات الٹا مولانا سندھی پر پڑے جس کی وجہ سے آخیر عمر میں وہ متحدہ قومیت کے علمبردار بن کر کھلے بندوں سیکولر حکومت کی باتیں کرنے لگے!

آگے چل کر مولانا عبید اللہ سندھی نے شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب کی سرکردگی جو تحریک چلائی وہ ساری کی ساری متحدہ ہندوستان میں ایک سیکولر حکومت کی ناکام کوشش تھی اس کے تمام پروگراموں میں وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ اس حکومت کا مذہب سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔ حکومت موقتہ ہند کے نام سے افغانستان میں جو متوازی حکومت قائم کی گئی اس کے لائف پریذیڈنٹ معروف متعصب سکھ لیڈر راجہ مہندر پرتاب مقرر ہوئے۔ یہ وہی مہندر پرتاب ہیں جن کے متعلق ان کے رفیق کار ظفر حسن ایبک کا بیان ہے کہ وہ ہندوستان کے آزاد ہونے پر وہاں ایک ہندو حکومت قائم کرنا چاہتے تھے۔[۱]

---

[۱] آپ بیتی ظفر حسن ایبک حصہ اول : ۱۰۰

اور یہی وہ راجہ صاحب ہیں جنہوں نے ۱۹۵۰ء میں اپنی قوم کو مشورہ دیا کہ :-

"جب تک پاکستان کا وجود ختم نہیں ہو جاتا ہمارا ملک کوئی ترقی نہیں کر سکتا حالات اس طرح بدل رہے ہیں کہ مجھے یقین ہوتا چلا جا رہا ہے کہ ہندوستان اور پاکستان میں جنگ لابینفک ہو گئی ہے بنا بریں میں حکومت ہند کو مشورہ دوں گا کہ وہ افغانستان کو اپنے ساتھ ملا کر پاکستان کو ختم کر دے" [1]

یہ مسلمانانِ برصغیر کی بدقسمتی ہے کہ ۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی کے بعد اُن کا جو مضبوط علمی مرکز سطح پر ابھرا اُس نے اسلامی حکومت کے قیام میں ان کی رہنمائی کی بجائے الٹا مخالفت شروع کر دی۔ انگریز اور ہندو تو مخالف تھے ہی لیکن گھر کی یہ مخالفت مسلمانوں کو زیادہ مہنگی پڑی۔

ع چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

ہماری سمجھ میں آج تک یہ بات نہیں آسکی کہ ایک الگ خطۂ زمین کے بغیر متحدہ ہندوستان میں ہندو اکثریت کے علی الرغم ہمارے یہ علماء کس طرح اسلامی حکومت قائم کرتے؟ یا ہندوؤں کے ساتھ مل کر جو حکومت بنتی (جس میں ظاہر ہے اکثریت ہندوؤں کی ہوتی) کس نوعیت سے اسلامی حکومت قرار دی جا سکتی؟ بہر حال یہ بات مسلّم ہے کہ متحدہ قومیت کا نعرہ شاید اپنے اندر کوئی ایسی جاذبیت رکھتا تھا جس نے اس مرکز کے بیشتر علماء کو اپنی طرف کھینچ لیا۔

مولانا حسین احمد مدنی دیوبندی نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ :-

"اس زمانہ میں قومیتیں اوطان سے بنتی ہیں"

ایک مرکزی دینی ادارے کے اہم رکن کی جانب سے یہ اعلان کوئی معمولی بات نہ تھی، علامہ اقبال اس وقت بسترِ مرگ پر تھے مگر وہ تڑپ اُٹھے اور فرمایا ؎

عجم ہنوز نداند رموزِ دیں ورنہ ز دیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی است

---

[1] ویر بھارت ۱۲/۵/۵۰ء ۲۱ -

سرود بر سر منبر کہ ملت از وطن است   چہ بے خبر ز مقامِ محمد عربی است

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست   اگر باو نرسیدی تمام بولہبی است [1]

اس عالمانہ تنقید پر مولانا مدنی نے اپنے بیان کی جو توضیح کی وہ اس سے بھی زیادہ مغالطہ آمیز گمراہ کن اور عذرِ گناہ بدتر از گناہ کا مکمل نمونہ تھی۔ آپ نے فرمایا:۔

"موجودہ زمانہ میں قومیں اوطان سے بنتی ہیں نہ کہ نسل اور مذہب سے۔ قوم کا اطلاق ایسی جماعت پر کیا جاتا ہے جس میں کوئی وجہِ جامعیت ہو خواہ وہ مذہب ہو یا وطنیت یا نسل یا پیشہ یا رنگت یا کوئی اور صفت معنوی یا مادی وغیرہ۔ یہ دعویٰ کہ اسلام کی تعلیم قومیت کی بنیاد جغرافیائی حدود یا نسلی وحدت یا رنگ کی یکسانی کی بجائے شرفِ انسانی اور اخوتِ بشری پر رکھتی ہے مجھے معلوم نہیں کہ کون سی نصِ قطعی یا ظنی سے ثابت ہے" [2]؟

حضرت علامہ مرحوم کی صحبت میں بیٹھنے والے افراد کا بیان ہے کہ مولانا مدنی کے اس بیان کو پڑھ کر حضرت علامہ بچوں کی طرح بلک بلک کر روتے تھے اور کہتے تھے:۔

"اللہ العالمین! اس ہندوستان میں تیرے اس پیغامِ ازلی کا کیا انجام ہونے والا ہے؟ جہاں کے مفتیانِ دینِ متین اور حامیانِ شرعِ مبین کی یہ کیفیت ہے کہ وہ اس نظریہ کو اسلامی قرار دے رہے ہیں جس باطل نظریہ کو مٹانے کیلئے اسلام آیا اور جب تک عملاً اُسے فنا نہیں کر دیا گیا دین کی تکمیل اور اتمامِ نعمت کا اعلان نہیں ہوا" [3]

---

[1] ارمغانِ حجاز

[2] مدینہ بجنور ۲۱ر فروری ۱۹۳۸ء

[3] متحدہ قومیت اور اسلام: ۳: ۴

علامہ اقبال کی وفات کے بعد جب مولانا مدنی نے دوبارہ اپنے موقف پر اصرار کیا تو جناب غلام احمد پرویز جو قائد اعظم کے معتمد اور شروع ہی سے تحریک پاکستان کے زبردست حامی اور کارکن تھے، میدان میں آ گئے اور مولانا مدنی کی تردید میں متحدہ قومیت اور اسلام کے نام سے مدلل مضمون لکھا۔

ایک اور موقعہ پر مولانا مدنی نے فرمایا:۔

"ایسی جمہوری حکومت جس میں ہندو مسلمان، سکھ، عیسائی، پارسی سب شامل ہوں حاصل کرنے کیلئے سب کو متفقہ کوشش کرنی چاہیئے اور ایسی مشترکہ آزادی اسلام کے اصول کے عین مطابق ہے اور اسلام اس آزادی کی اجازت دیتا ہے۔" [1]

دوسری طرف علامہ اقبال نے فرمایا کہ:۔

"اسلام ایک ایسا نظامِ خداوندی ہے جو اپنے ساتھ کسی غیر خداوندی نظام کو گوارا نہیں کر سکتا، غالباً اسی موقعہ پر علامہ نے فرمایا تھا ؎

ہاں قوم از تو مے خواہم کشادے — نقیبش بے یقینے کم سوادے
بسے نادیدنی را دیدہ ام من — مرا اے کاشکے مادر نہ زادے

مولانا ابوالکلام آزاد نے لاہور میں فرمایا:۔

"مسٹر جناح کا یہ نظریہ کہ ہندوستان میں ہندو اور مسلمان دو جداگانہ قومیں ہیں غلط فہمی پر مبنی ہے میں اس باب میں ان سے متفق نہیں۔" [2]

دوسرے موقعہ پر آپ نے فرمایا:۔

---

[1] زمزم، ۷ر جولائی ۱۹۳۸ء

[2] STATES MAN DATED 19-2-40

"میں فخر کے ساتھ محسوس کرتا ہوں کہ میں ہندوستانی ہوں میں ہندوستان کی ناقابل تقسیم متحدہ قومیت کا عنصر ہوں"

مولانا سندھی آخر دم تک اپنا یہ نظریہ ان الفاظ میں دہراتے رہے:۔

"میں سندھی پہلے ہوں اور مسلمان بعد میں"

اس کے علاوہ مجلس احرار، جمعیۃ الانصار، جمعیۃ علماء ہند، خاکسار، سرخپوش اور فدائی خدمتگار کے قافلے کے قافلے اسی نظریے کی تائید میں پاکستان کی مخالفت میں اٹھ کھڑے ہوئے اگر بات صرف نظریات کے اختلاف کی ہوتی تو خیر تھی یہاں تو پوزیشن یہ تھی کہ ہم پاکستان نہیں بننے دیں گے! ان حالات میں قائد اعظم محمد علی جناح کو جو جو مکھی لڑائی لڑنا پڑی آپ بخوبی اس کا اندازہ کر سکتے ہیں ؎

ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مرد درویش جس کو حق نے دیے ہیں انداز خسروانہ

اسلامی حکومت کے بارے میں علماء کے اس طبقے کی ژولیدہ فکری کے ساتھ ساتھ اگر آپ تحریک ریشمی رومال، تحریک ہجرت افغانستان، حکومت موقتۂ ہند پر نظر غائر ڈالیں تو آپ کو ان حضرات کی سادہ لوحی پر تعجب ہوگا۔ اپنی نیت میں آزادئ وطن کی حد تک وہ یقیناً مخلص ہوں گے مگر عملی طور پر ان تحریکوں کا نتیجہ مسلمانوں کے حق میں سوائے "نقصان مایہ و شماتت ہمسایہ" کے اور کچھ نہ نکلا تحریک پاکستان کے ایک سابق پریس اتاشی جناب شریف الحسن نے مولانا سندھی کے دیرینہ رفیق کار جناب ظفر حسن ایبک کی آپ بیتی پر مقدمہ لکھتے ہوئے بڑی پتے کی بات کہی ہے۔ ان کا کہنا ہے:۔

"حیرت در حیرت کا مقام ہے کہ ہمارے زعماء اور علماء اس وقت کے افغانستان سے کس قدر دور از کار حسن ظن اور لاطائل امید رکھتے تھے بھلا جس ملک کی آبادی اس وقت ۸۰ لاکھ بمشکل ہو، سواد اعظم جاہل و مفلس ہو، فوج غیر منظم بلکہ بے سری اور

سرکش ہو، سرداران فوج حتیٰ کہ ان کے سپہ سالار ایک کے سوا سب کے سب فوجی تربیت سے عاری اور علم سوق الجیش سے نابلد ہوں اور خزینہ تہی ہو اور توپ و تفنگ و جدید اسلحہ جنگ نیز گولہ بارود قریب قریب مفقود ہو وہ کس طرح بیس کروڑ نفوس پر مشتمل ہندوستان جیسے وسیع و عریض برصغیر کو برطانیہ جیسی جہاں گیر و جہاں دار قوت کے چنگل سے چھڑا سکتا تھا چڑیا کا پھندا تو تھا نہیں جو کوئی ایسا سکھی ویسا سکھی چھڑا دیتا تحریک ہجرت کا سانحہ ہائلہ الگ عبرتناک ہے اور ہندی مسلمانوں کی سادہ لوحی و خود فریبی کی آپ مثال ہے، محل استعجاب ہے کہ ہمارے پڑھے لکھے لوگ اور نام نہاد قائدین ملت اور زعمائے اُمت بین الملل سیاست سے کس درجہ ناآشنا اور ممالک اسلامی کے حق میں کس قدر خوش فہمیوں میں مبتلا تھے ؎

اِن کنتَ لا تدری فتلک مصیبۃٌ

وان کنتَ تدری فالمصیبۃُ اعظم [1]

یہ ہیں ہمارے اس مذہبی طبقے کے مختصر نظریات جو اس وقت مسلمانوں کی علمی و سیاسی قیادت کا مدعی تھا اس کے مقابلے میں سواد اعظم تھا جس میں ہر قسم کے لوگ شامل تھے اگرچہ ان کی کوئی باقاعدہ تنظیم نہ تھی تاہم ایک آدھ آدمی کو چھوڑ کر وہ قدیم حنفی خیال کا پیرو، دو قومی نظریئے کا علمبردار اور اقبال و جناح کا جان و دل سے شیدائی تھا نظریہ پاکستان اُس کا ایمان اور قیام پاکستان اس کی واضح منزل تھی۔ ممکن ہے آپ کو یہ خیال ہو کہ برصغیر میں متحدہ حکومت گو اسلامی نہ ہوتی تاہم شاید وہ اس ملک کے باشندوں کیلئے زیادہ مفید ثابت ہوتی جیسا کہ بعض حضرات کا خیال ہے اور حال ہی میں مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے وقت بعض سرکردہ لیڈروں کو یہ کہتے سنا گیا کہ ہم پاکستان بنانے کے جرم میں شریک نہیں تھے، تو آپ ہند ذہنیت اور ضمیر پر ایک طائرانہ نگاہ ڈال لیں اور خود ہی فیصلہ کر لیں

---

[1] مقدمہ آپ بیتی، ظفر حسن ایبک۔

کہ اگر خدا نخواستہ پاکستان نہ بنتا تو برصغیر میں مسلمانوں کے مستقبل کا حشر کیا ہوتا؟

مہاتما گاندھی نے اپنے ایک بیان میں کہا تھا کہ۔

"میں اپنے آپ کو سناتنی ہندو کہتا ہوں کیوں کہ میں ویدوں، اپ نشدوں پرانوں اور ہندوؤں کی تمام مذہبی کتابوں کو مانتا ہوں، اوتاروں کا قائل ہوں اور تناسخ کے عقیدہ پر یقین رکھتا ہوں، میں گاؤ رکھشا کو اپنے مذہب کا جزو سمجھتا ہوں اور بت پرستی سے انکار نہیں کرتا، میرے جسم کا رواں رواں ہندو ہے۔" ؎۱

گاؤ رکھشا کے بارے میں ۱۹۱۸ء میں انہوں نے کہا،

"یہ خیال نہیں کرنا چاہیئے کہ یورپین کے لیئے گاؤ کشی جاری رکھنے کی بابت ہندو کچھ بھی محسوس نہیں کرتے ہیں جانتا ہوں کہ ان کا غصہ اس خوف کے نیچے دب رہا ہے جو انگریزی عملداری نے پیدا کر دیا ہے مگر ایک ہندو بھی ہندوستان کے طول وعرض میں ایسا نہیں جو ایک دن اپنی سرزمین کو گاؤ کشی سے آزاد کرانے کی امید نہ رکھتا ہو۔ ہندو مت، عیسائی یا مسلمان کو تلوار کے زور سے بھی مجبور کرنے سے نامل نہیں کرے گا کہ وہ گاؤ کشی بند کریں۔" ؎۲

پنڈت جواہر لال نہرو نے آل انڈیا نیشنل کانگرس منعقدہ ۱۹۳۲ء کے خطبۂ صدارت میں کہا:۔

"ایسے لوگ بھی زندہ ہیں جو ہندوؤں اور مسلمانوں کا ذکر اس طور پر کرتے ہیں گویا دو ملتوں اور قوموں کے بارے میں گفتگو ہے۔ جدید دنیا میں اس دقیانوسی

؎۱ اکابر تحریک پاکستان حصہ اول: ۱۴۔

؎۲ الفضل ۳/۱۸ ۹ بحوالہ اسٹیٹسمین۔

خیال کی کوئی گنجائش نہیں " ۱؎

ڈاکٹر رادھا مکرجی نائب صدر ہندو مہا سبھا و صدر کانگرس بنگال نے کہا:-

" ہندوستان کو نظریہ اور عمل کے لحاظ سے ایک ہندو اسٹیٹ ہونا چاہیئے جس کا مذہب ہندو اور جس کی حکومت ہندوؤں کے ہاتھ میں ہو " ۲؎

کانگرس نے اپنے پہلے اجلاس منعقدہ ۱۸۸۵ء میں اپنا پہلا اور ضروری مقصد ان الفاظ میں ظاہر کیا:-

" ہندوستان کی آبادی جن مختلف اور متصادم عناصر سے مرکب ہے ان سب کو متحد و متفق کر کے ایک قوم بنانا " ۳؎

پنڈت جواہر لال نہرو مذہب کے بارے میں یوں گویا ہوتے،

" جس چیز کو مذہب یا منظم مذہب کہتے ہیں اُسے ہندوستان یا دوسری جگہ دیکھ کر میرا دل ہیبت زدہ ہو گیا ہے میں نے اکثر مذہب کی مذمت کی ہے اور یکسر مٹا دینے کی آرزو کی ہے، قریب قریب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ اندھے یقین اور ترقی دشمنی کا بے دلیل عقیدت اور تعصب کا توہم پرستی اور لوگوں سے بے جا فائدہ اٹھانے کا قائم شدہ حقوق اور مستقل حقوق کی بقا کا حامی ہے ۴؎

۱۵ دسمبر ۱۹۴۴ء کو مہاتما گاندھی نے قائد اعظم کے نام ایک خط میں لکھا:-

" میں تاریخ میں اس کی مثال نہیں پاتا کہ کچھ لوگ جنہوں نے اپنے آباؤ اجداد کا مذہب چھوڑ کر ایک نیا مذہب قبول کر لیا ہو وہ اور ان کی اولاد یہ دعویٰ کرے

۱؎ میری کہانی: ۲: ۲۳۲ ۲؎ طلوع اسلام دسمبر ۱۹۳۸ء

۳؎ متحدہ قومیت اور اسلام: ۶

۴؎ میری کہانی: ۱۶۱ -

کہ وہ اپنے آباؤ اجداد سے الگ قوم بن گئے ہیں اگر ہندوستان اسلام کی آمد
سے پہلے ایک قوم تھا تو اسلام کے بعد بھی اسے ایک قوم رہنا چاہیے خواہ اس
کے سپوتوں میں سے ایک کثیر تعداد نے اسلام قبول کر لیا ہو۔"

یہاں انتہائی اختصار کے ساتھ ہم نے ہندو لیڈروں کے صرف ان بیانات کے نمونے پیش کئے ہیں جو پریس میں آئے ہندو کی یہی وہ منافقانہ پالیسی تھی جس کے بارے میں حضرت علامہ نے فرمایا تھا ؎

در صد فتنہ را بر خود کشادی　　دو گامے رفتی و از پا فتادی
برہمن از بتاں طاقِ خود آراست　　تو قرآں را سر طاقے نہادی

اگر متحدہ حکومت قائم ہو جاتی تو مسلمانوں پر کیا گزرتی؟ اس سلسلے میں خود جمعیۃ العلمائے ہند کے سابق سیکرٹری مولانا احمد سعید کی رائے ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں:۔

"اسلامی حکومت کے زوال پر اگر اس ملک میں ہندوؤں کی حکومت قائم
ہو جاتی تو مسلمانوں کو چھٹی کا کھایا یاد آجاتا جو قوم موجودہ غلامی کی حالت میں
یہ ستم ڈھا رہی ہے حکمران بن کر خدا جانے وہ مسلمانوں کے ساتھ کیا کرتی"۔ [۱]

ان حالات کو دیکھ کر درد مند مسلمان بے چین اور مضطرب تھے۔ دیوبند کے پورے مکتبۂ فکر میں مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے نظریاتی طور پر اپنے گروہ سے اختلاف کیا تو انہیں فوراً "انگریز دوستی" کا خطاب عطا کر دیا گیا۔ ملاحظہ ہو:۔

"مولانا سندھی، مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کے علم و فضل اور ارشاد و سلوک
میں انہیں جو بلند مقام حاصل تھا، اُس کے تو قائل تھے لیکن تحریک آزادی ہند
کے بارے میں ان کی جو معاندانہ اور انگریزی حکومت کے حق میں مؤیدانہ

---

[۱] الجمعیۃ جنوری ۱۹۲۶ء

روش رہی، اس سے وہ بہت خفا تھے" ؎۱

مولانا تھانوی کے حلقے کے ایک اور عالم مولانا شبیر احمد عثمانی نے مولانا تھانوی کی ہمنوائی کی تو انہیں ابوجہل تک کہہ ڈالا گیا، ان کا جنازہ نکالا گیا، ان کے کارٹون دیواروں پر چسپاں کئے گئے ؎۲ یہ سب کچھ کہیں باہر نہیں خود دارالعلوم دیوبند میں ہوا؛ ہندو مسلم اتحاد کی مخالفت کا یہی وہ جرم ہے جس کا ارتکاب مولانا احمد رضا بریلوی نے کیا؛ انہوں نے ہندو مسلم اتحاد کے ذریعے آزادی اور اس کے بعد متحدہ حکومت کو مسلمانانِ برصغیر کے لیے اپنی ہلاکت کے پروانے پر دستخط کرنا قرار دیا، انہوں نے ببانگ دُہل اس اتحاد کو غلط قرار دیا، چنانچہ مولانا محمد علی (جوہر) اور مولانا شوکت علی ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی تحریک میں شمولیت کی دعوت دی تو انہوں نے صاف انکار کرتے ہوئے فرمایا، مولانا! میری اور آپ کی سیاست میں فرق ہے آپ ہندو مسلم اتحاد کے حامی ہیں، میں مخالف ہوں پھر فرمایا، مولانا! میں ملکی آزادی کا مخالف نہیں، ہندو مسلم اتحاد کا مخالف ہوں جب ان حضرات نے گاندھی جی کو جامع مسجد شیخ خیرالدین کو امرتسر میں منبر پر بٹھایا تو مولانا بریلوی چیخ اُٹھے اور فرمایا:-

"جب ہندوؤں کی غلامی ٹھہری پھر کہاں کی غیرت اور کہاں کی خودداری۔ وہ تمہیں ملیچھ جانیں بھنگی مانیں تمہارا ہاتھ جس چیز کو لگ جائے گندی ہو جائے سودا بیچیں تو دور سے ہاتھ میں ڈال دیں . . . . حالانکہ بحکم قرآن خود وہی نجس ہیں اور تم نجسوں کو مقدس مطہر بیت اللہ میں لے جاؤ . . . . . مگر تم کو اسلامی حس ہی نہ رہا محبت مشرکین نے اندھا بہرا کر دیا۔ الخ ؎۳

؎۱ افادات وملفوظات مولانا عبید اللہ سندھی: ۳۸۲

؎۲ مکالمۃ الصدرین: ۳۲: ۴۴۔

؎۳ المحجۃ المؤتمنہ: ۸۴

این گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند نیشنلسٹ علماء نے جس طرح ہندو مسلم اتحاد کی مخالفت کے جرم میں مولانا عثمانی اور مولانا تھانوی کو انگریز دوستی کی تہمت سے نوازا بالکل اسی گناہ میں نہ صرف فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خان بلکہ حکیم الامت علامہ اقبال اور قائد اعظم ایسی بے لچک اور بے داغ شخصیتوں کو بھی داغدار کرنے کی کوشش کی گئی حالانکہ شاہ محمد اسمٰعیل اور سید احمد بریلوی سے لیکر اکابر دیوبند و اہل حدیث تک ہر قابل ذکر شخصیت نے نہ صرف ہندو مسلم اتحاد کا علم بلند کیا بلکہ انگریزی حکومت سے الجھنے کی بجائے کنی کترا کر نکلنے کی راہ اختیار کی ہے، شاید نہیں بلکہ یقیناً ضمیر کی اس خلش کو دور کرنے کیلئے اب یہ حضرات اپنے "روشن چہروں" کو اجاگر کرنے کی بجائے علمائے اہلسنت اور مسلم لیگ کے تابناک ماضی کو دھندلانے کی سعی نا کام میں مصروف ہیں مگر سوائے اس کے کیا کہا جا سکتا ہے کہ ؂

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

علامہ اقبال

؂
عمرہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید برون

انہی حالات میں قدرت نے علامہ اقبال کو مسلمانان برصغیر کی نشاۃ ثانیہ کا معمار اوّل کے طور پر پیدا کیا۔ آپ نے مسلمان قوم کو خودی کا درس دے کر خواب غفلت سے جگایا اور حکیمانہ انداز سے اسے فراموش کردہ سبق دوبارہ یاد دلایا۔ یہ اس دانائے راز کی بصیرت تھی، جس نے میدان تگ و تاز میں مسلمانوں کی قیادت کے لیے جناح کا انتخاب کیا، آپ نے اپنے ایک خط میں جناح کو لکھا:۔

"میں جانتا ہوں کہ آپ بہت مصروف ہیں لیکن مجھے امید ہے کہ میرا بار بار آپ کو لکھنا گراں نہیں گزرتا ہوگا، میری نگاہوں میں اس وقت ہندوستان بھر میں

آپ ہی واحد مسلمان ہیں جس کے ساتھ ملت اسلامیہ کو اپنی یہ امیدیں وابستہ کرنے کا حق ہے کہ آپ اس طوفان میں جو یہاں آنے والا ہے اس کی کشتی کو ثابت و سالم بہ امن و عافیت ساحل مراد تک لے جائیں گے۔"

حکیم الامت کا انتخاب کس قدر صحیح تھا بعد کے حالات سے اس کا اندازہ لگایئے ۱۹۳۰ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں حکیم الامت نے اعلان کیا۔

"اگر آج اپنے تمام تصورات اور تخیلات کو اسلام اور صرف اسلام کے نقطۂ ماسکہ پر مرکوز کردیں اور اس زندہ و پائندہ اور قائم و دائم نظریۂ حیات سے جو وہ پیش کرتا ہے نور بصیرت حاصل کریں تو اس سے آپ اپنی منتشر قوتوں کو پھر سے مجتمع اور گم گشتہ مرکزیت کو از سرِ نو حاصل کرلیں گے اور یوں اپنے آپ کو تباہی اور بربادی کے مہیب جہنم سے بچالیں گے۔ ۔ ۔ میری آرزو ہے کہ پنجاب، صوبہ سرحد، سندھ اور بلوچستان کو ملا کر ایک واحد ریاست قائم کی جائے ہندوستان کو حکومت خود اختیاری زیر سایہ برطانیہ ملے یا اس سے باہر کچھ بھی ہو مجھے تو یہی نظر آتا ہے کہ شمال مغربی ہندوستان میں ایک متحدہ اسلامی ریاست کا قیام کم از کم اس علاقے کے مسلمانوں کے مقدر میں لکھا جا چکا ہے۔ ۔ ۔ ۔ اس ملک میں اسلام بہ حیثیت ایک تمدنی قوت کے اسی صورت میں زندہ رہ سکتا ہے کہ اسے ایک علاقہ میں مرکوز کردیا جائے۔ ۔ ۔ اگر یوں ایک مرکزیت قائم کردی جائے تو اس سے نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام ایشیا کی گتھیاں سلجھ جائیں گی۔ یہ مطالبہ مسلمانوں کی اس خواہش پر مبنی ہے کہ انہیں بھی کہیں اپنے نشو و ارتقاء کا موقع ملے کہ اس قسم کے مواقع کا حاصل ہونا اس وحدتِ قومی کے نظام حکومت میں قریب قریب ناممکن ہے جس کا نقشہ ہندو ارباب سیاست اپنے ذہن میں لیے بیٹھے ہیں اور جس سے ان کا

مقصدِ وحید یہ ہے کہ ملک میں مستقل طور پر انہی کا غلبہ اور تسلط ہو"
سیاسی افراتفری، ذہنی انتشار اور ژولیدہ فکری کے دشت میں یہ آواز آوانِ سحر ثابت ہوئی
مسلمانوں کی واضح اکثریت نے حکیم الامت کے الفاظ کو نشانِ منزل قرار دیا۔

قائداعظم محمد علی جناح

مت سہل ہمیں سمجھو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتا ہے

یہاں سے قائداعظم محمد علی جناح اپنا محاذ سنبھال لیتے ہیں اس بات کا غیروں کو بھی اعتراف ہے کہ قائداعظم با اصول، بات کے پکے، قول کے سچے ظاہر و باطن کے اُجلے اور کسی قیمت پر نہ بکنے والے شخص تھے۔ انہوں نے جس تدبر، حوصلے اور مستقل مزاجی سے مسلمانوں کے حقوق کی خاطر یہ جو مکھی لڑائی لڑی اور جیتی، اس کی نظیر تاریخ میں بہت کم ملتی ہے، توڑ پھوڑ، ہنگامے، فسادات اور خونریزیوں سے ایسے مسائل حل ہوتے آئے ہیں مگر اصولوں اور دلائل سے میز پر ایسی اہم لڑائی جیتنا جناح کا ایک ایسا کارنامہ ہے جس پر تاریخ انگشت بدنداں ہے۔ ؏

این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

انہوں نے انگریز سے کبھی مفاہمت اور موافقت کا راستہ اختیار نہیں کیا، دسمبر ۱۹۱۷ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس میں آپ نے انگریزوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:-

"ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ آپ نے ہمارے اختیارات و اقتدار چھین کر ان کی جو اجارہ داری لے رکھی ہے اور ہمیں جن حقوق سے محروم کر دیا ہے وہ ہمیں واپس دے دیں آپ کو اس اجارہ داری کا ہرگز کوئی حق نہیں ہے"۔ [۱]

ایک دوسرے موقعہ پر فرمایا:-

---

[۱] روزنامہ نوائے وقت لاہور، مضمون قائداعظم بحیثیت سیاستدان از مرغوب صدیقی ۱۶ جنوری ۱۹۷۶ء۔

"میں بڑی خوشی سے یہ تسلیم کرتا ہوں کہ برطانیہ نے ہند کو ترقی دے کر کچھ سے کچھ بنا دیا ہے مگر میں پوری شدت سے یہ دلیل ماننے سے انکاری ہوں کہ چونکہ انگریزوں نے ہند میں تعمیر و ترقی کا کام کیا ہے اس لیے انہیں ہند پر حکمرانی کی ہمیشہ اجارہ داری مل رہے۔" [1]

آخر گاندھی اور نہرو اس سے زیادہ انگریزوں سے اور کون سی بات کہہ سکتے تھے۔ پاکستان سے متعلق قائداعظم کے نظریات و اساسات کو آج جس طرح بگاڑا جا رہا ہے اور شعوری طور پر جس قسم کی فضا بنائی جا رہی ہے اس سے اصل پاکستان کو ذرا بھی واسطہ نہیں ہے۔ گویا پاکستان سے قائداعظم کا مقصد کسی اسلامی حکومت کا قیام نہیں بلکہ صرف مسلمانوں کی آزاد حکومت تھا؟ یا یہ کہ خود قائداعظم کا ذہن اسلامی حکومت کے بارے میں صاف نہیں تھا۔ یہ ایک ایسا سفید جھوٹ ہے جس کی کوئی مثال نہیں ہے۔ قائداعظم، قرآن مجید اور اسلام کے بارے میں بیشتر نام نہاد علماء سے زیادہ علم رکھتے تھے۔ انہوں نے ایک اعلیٰ قانون دان اور سکالر کی حیثیت سے قرآن مجید کا مطالعہ کیا تھا۔ اسلامی قوانین اور اصولوں کی برتری، جامعیت اور عالمگیری پر وہ صدقِ دل سے یقین رکھتے تھے۔ مولانا غلام مرشد سابق خطیب شاہی مسجد لاہور اور جناب غلام احمد پرویز نے قائداعظم کے قرآن مجید کے ساتھ شغف کے بارے میں جو ذاتی واقعات بیان کئے ہیں، ان کی سو فیصد تصدیق ہمیں اس وقت ہوتی ہے جب کسی اہم دستوری مسئلے پر قائداعظم اسلامی یا قرآنی نقطۂ نگاہ بیان کرتے ہیں۔ پاکستان سے اُن کا مقصد کیا تھا لیجیے خود ان کی زبانی سنیئے،

۱۹۴۵ء میں فرنٹیئر مسلم سٹوڈنٹس کے نام اپنے پیغام میں فرمایا:-

"پاکستان سے مطلب یہی نہیں کہ ہم غیر ملکی حکومت سے آزادی چاہتے ہیں اس

---

[1] روزنامہ نوائے وقت لاہور، مضمون قائداعظم بحیثیت سیاستدان از مرغوب صدیقی ۱۶ جنوری ۱۹۷۰ء۔

سے حقیقی مراد مسلم آئیڈیالوجی ہے جس کا تحفظ نہایت ضروری ہے ہم نے صرف آزادی حاصل نہیں کرنی ہم نے اس قابل بھی بننا ہے کہ ہم اس کی حفاظت بھی کر سکیں اور اسلامی تصورات اور اصولوں کے مطابق زندگی بسر کر سکیں۔"

۲۷ نومبر ۱۹۴۵ء کو ایڈورڈس کالج پشاور میں فرمایا:۔

"ہم دونوں قوموں میں صرف مذہب کا فرق نہیں، ہمارا کلچر ایک دوسرے سے الگ ہے۔ ہمارا دین ہمیں ایک ضابطہ حیات دیتا ہے جو زندگی کے ہر شعبے میں ہماری رہنمائی کرتا ہے ہم اس ضابطہ کے مطابق اپنی زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں۔"

۸ نومبر ۱۹۴۵ء کو ایسوسی ایٹڈ پریس آف امریکہ کے نمائندے کو انٹرولیو دیتے ہوئے فرمایا
"پاکستان ایک مسلم اسٹیٹ ہوگی۔" [۱]

۱۹۴۱ء میں حیدر آباد دکن کی عثمانیہ یونیورسٹی کے طلباء نے قائداعظم سے ملاقات کی اور بڑی اہم نوعیت کے سوالات پوچھے۔ اورینٹ پریس کے نمائندے نے اس کی رپورٹ مرتب کی اس ملاقات میں قائداعظم سے پوچھا گیا کہ اسلامی حکومت کے تصور کی امتیازی خصوصیت کیا ہے؟ اس کے جواب میں انہوں نے فرمایا۔ اسلامی حکومت کے تصور کا یہ امتیاز ہمیشہ پیش نظر رہنا چاہیے کہ اس میں اطاعت اور وفاکیشی کا مرجع خدا کی ذات ہے جس کی تعمیل کا عملی ذریعہ قرآن مجید کے احکام اور اصول ہیں۔ اسلام میں اصلاً نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے نہ پارلیمان کی نہ کسی شخص یا ادارہ کی، قرآن کریم کے احکام ہی سیاست و معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کے حدود متعین کرتے ہیں۔ اسلامی حکومت دوسرے الفاظ میں قرآنی اصول اور احکام کی حکمرانی ہے اور حکمرانی کے لیے آپکو لامحالہ علاقہ اور مملکت کی ضرورت ہے۔

کیا اسلامی آئین جہانبانی اور اصولِ حکمرانی کی اس سے بہتر توضیح ممکن ہے؟ اس کے بعد

---

[۱] تقاریر جناح جلد دوم: ۳۲۶۔

بھی اگر کوئی شخص قائدِ اعظم کے ذہن کو اسلامی حکومت کے تصور کے بارے میں صاف نہیں سمجھتا تو وہ جہل مرکب میں مبتلا ہے! یہ نہ تو ضروری ہے اور نہ ہی اسلام کا کوئی قاعدہ وکلیہ ہے کہ قرآن اور اسلامی سیاست کو سمجھنے کیلئے علماء کی وضع قطع بھی ہونی چاہیے ؎

یہ بزم مے ہے یاں کوتاہ دستی میں ہے محرومی
جو بڑھ کر ہاتھ میں لے لے مینا اُسی کا ہے

آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ دہلی ۲۴ اپریل ۱۹۴۳ء میں قائدِ اعظم نے کہا:-

"ہمارے متعلق بہت سی غلط فہمیاں پھیلائی جارہی ہیں، بہت سے فتنے برپا کئے جارہے ہیں۔ پوچھا یہ جاتا ہے کہ کیا پاکستان میں اسلامی حکومت قائم ہوگی ان بھلے مانسوں سے کوئی پوچھے کیا یہ بھی کوئی ایسی بات ہے جس کے متعلق کچھ پوچھنے کی ضرورت پیش آئے۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ ایسا سوال کرنے والے ہمارے خلاف VOTE OF CENSURE پاس کرتے ہیں۔" ؎۱

۱۳ نومبر ۱۹۳۹ء کو قوم کے نام پیغام عید نشر کرتے ہوئے فرمایا:-

"معاشی احیاء ہو یا سیاسی آزادی اسے آخر الامر زندگی کے کسی گہرے مفہوم پر مبنی ہونا چاہیئے اور مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ ہمارے نزدیک زندگی کا وہ گہرا مفہوم اسلام اور روحِ اسلام ہے۔" ؎۲

پاکستان کا جذبہ محرکہ کیا تھا۔ ملاحظہ ہو:-

"مسلمان اس لیے پاکستان کا مطالبہ کرتے ہیں کہ اس مملکت میں وہ اپنے ضابطۂ زندگی اپنے ثقافتی نشوونما اور روایات اور اسلامی قوانین کے مطابق زندگی بسر کرسکیں۔" ؎۳

؎۱ تقاریر جناح جلد اول: ۵۵ مطبوعہ شیخ محمد اشرف لاہور
؎۲ ایضاً: ۱۰۸
؎۳ تقاریر جناح جلد دوم: ۳۳۳۔

اپریل ۱۹۴۳ء میں صوبہ سرحد کی مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن نے قائدِ اعظم سے ایک پیغام کے لیے درخواست کی تو انہوں نے جواب میں فرمایا :-

"تم نے مجھ سے کہا ہے کہ میں تمہیں کوئی پیغام دوں، میں تمہیں کیا پیغام دوں ہمارے پاس پہلے ہی ایک عظیم پیغام موجود ہے جو ہماری رہنمائی اور بصیرت افروزی کیلئے کافی ہے، وہ پیغام ہے خدا کی کتابِ عظیم قرآن کریم۔" ؎

جو لوگ قائدِ اعظم کے ساتھ اس تاریخی جدوجہد میں شریک رہے ہیں، مخالف ہوں یا موافق سب کی متفقہ رائے ہے کہ قائدِ اعظم کی سیاست کا سب سے بڑا اصول یہی تھا کہ وہ اپنے ظاہر و باطن میں قطعاً فرق نہیں رکھتے تھے۔ دو رنگی، منافقت، اندر کچھ باہر کچھ، اسے وہ ساری زندگی بلند رہے اس کردار کے آدمی کے بارے میں یہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی معقول آدمی یہ کہہ سکے کہ وہ پاکستان سے ایک اسلامی حکومت نہیں بلکہ مسلمانوں کی ایک سیکولر یا کسی ازم پر مبنی کوئی حکومت بنانا چاہتے تھے اور ہر جگہ اسلام اسلام کا نعرہ انہوں نے محض دکھاوے کی خاطر بلند کیا تھا اور اگر کسی شخص کا نظریہ اور خیال ہے تو وہ علمی زبان میں تفسیر القول بمالا یرضیٰ بہ قائلہ کا مرتکب ہے۔ میں آخر میں پاکستان کے ممتاز صحافی اور قائدِ اعظم کے معتمد ساتھی جناب زیڈ اے سلیری کے مضمون "ہم نے پاکستان کی قدر نہ جانی" کا ایک اقتباس نقل کرتا ہوں اگرچہ اقتباس طویل ہے لیکن اس کی اہمیت دن بدن بڑھ رہی ہے، لکھتے ہیں :-

"تحریکِ پاکستان کا انوکھا اور منفرد ذکر تو مسلم قومیت کے ساتھ وابستہ تھا جب مسلم قومیت ختم ہو گئی تو پاکستان کے اقدار کا کیا ذکر؟ چنانچہ متعدد قومیتوں کا غلغلہ بلند ہونے لگا اور کمیونسٹ ماسکو سے آمدہ کتابوں کا درس پڑھانے لگا کہ بنگالیوں، بلوچیوں سندھیوں، پنجابیوں اور پٹھانوں کی کیا کیا تاریخی و نسلی و لسانی خصوصیات ہیں اور

؎ تقاریر جلد اول ص ۶

وہ کس قدر ایک دوسرے سے مختلف بلکہ متضاد ہیں۔ پاکستان ایک فکری تحریک کے نتیجے میں وجود میں آیا تھا فکر جامد چیز نہیں ہوتا کہ بیٹھ گیا تو بیٹھ گیا۔ فکر بدل بھی سکتا ہے اور فکر بدلنے کے ہزار طریقے ہوتے ہیں۔ پاکستان میں ہوا یہ ہے کہ یہاں فکری خلاء ہم نے اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا ہے لیکن اس خلاء کو اغیار نے اپنے مقصد کیلئے استعمال کیا۔ اب یہاں سوشلسٹ انقلاب کی باتیں ہونے لگی ہیں۔"

اگر ہم ظہور پاکستان کے منطقی نتیجے یعنی نظام اسلام کے نفاذ کو بروئے کار نہیں لائے تو ہم ایک اور اہم جہت میں بھی تغافل کے مجرم بنے اور یہ تغافل ہم نے خود قائد اعظم کی ذات کے متعلق برتا۔ اگر ہم نے افکار کے فدائی ہونے کا ثبوت نہیں دیا تو کم از کم ایک محبوب ایک محسن کے شیدائی تو ثابت ہوتے کیونکہ اگر ہم قائد کے وفادار ہوتے رہتے تو بھی ہم اپنی منزل سے دور نہ جا سکتے تھے کیونکہ ان کا پیغام ہی اسلام اور وحدت کا تھا لیکن ہم نے اور بد اکثر قائد اعظم کی یاد بھلائی تا کہ ہماری گمراہی میں کوئی رکاوٹ حائل نہ ہو۔ اب اگر ہمارے سامنے قائد کی حیات ہوتی تو تحریک پاکستان کی تاریخ کو مسخ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ہم قرارداد لاہور کو دو مملکتوں کے مطالبے سے تعبیر نہ کر سکتے اور مسلم قوم کو مختلف النوع عناصر کا ملغوبہ نہ قرار دیتے۔ قائد اعظم کی زندگی کو پردہ اخفاء میں رکھ کر ہم نے جہاں داخلی طور پر فکری انتشار کی راہ ہموار کی کہ ہر مکتبہ فکر نے تحریک پاکستان کی جو چاہی تفسیر کی۔ وہاں خارجی طور پر اپنے دشمنوں کو جدوجہد آزادی کی تصویر کو بگاڑنے کیلئے صلائے عام دی۔ چونکہ ہماری طرف سے قائد کی کوئی ایسی سوانح نہیں لکھی گئی جس میں ہر مرحلے اور اقدام کی دستاویزی سند دی گئی ہو اس لئے ماؤنٹ بیٹن اور دوسرے مخالفین کو ہر قسم کا جھوٹ بولنے کی آسانی ہو گئی۔ اگر ملک کے اندر غفار خان نے یہ دعویٰ کیا کہ اس نے ہمارے لئے آزادی حاصل کی اور آسام کے ہندو وزیر اعلیٰ بردوی نے پاکستان بنایا تو انگریز، امریکی اور ہندو مصنفین نے پاکستان کو خالصتاً قائد کی ذاتی ہٹ اور انا کا نتیجہ بتایا جس کی کوئی ثبت

بنیاد نہیں۔ ہمارے ہاں فکری طوائف الملوکی کا یہ حال ہے کہ اب ایسی شہادتیں بھی پیش کی جانے لگی ہیں کہ مولانا ابوالکلام پاکستان کے حامی تھے۔ . . . اگر قائد کا صحیح نقش ہمارے دل پر کندہ ہوتا تو ہم اپنے اندر پاکستان کی اقدار سے وہی وابستگی پیدا کرتے جو ان کے کردار کا خاصا تھی اگر انہوں نے مسلم قومیت کے نظریئے پر انگریزوں اور ہندوؤں سے کسی قسم کی مفاہمت نہ کی تو وہ ان بنگالیوں سے بھی نہ دبے جو اردو کی قومی حیثیت کو نزاعی بنانا چاہتے تھے محب الوطنی کے اس ماحول میں کسی پاکستان مخالف جماعت کو سر اٹھانے کی جرأت نہ ہوتی۔ . . . ملک کی اہمیت کو کم کرنے میں اگر مسلم لیگی اور غیر مسلم لیگی حکومتوں نے کام کیا تو جماعت اسلامی نے بھی اس ضمن میں اہم کردار ادا کیا۔ پاکستان بنتے ہی اس نے نظام اسلام کے نفاذ کا بزور مطالبہ کر دیا اب مطالبہ بجائے خویش غلط نہ تھا لیکن جماعت کے حوالے سے اس کی خصوصی نوعیت ہو گئی تھی جماعت نے نظام اسلام کے نفاذ کو ہی برصغیر میں پیش نظر رکھا تھا لیکن اس کے لئے انہوں نے کسی آزاد اور مسلم مملکت کی ضرورت محسوس نہ کی تھی معلوم ہوتا تھا کہ ان کے معنوں میں نظام اسلام متحدہ ہندوستان میں ہی قائم ہو سکتا تھا خواہ اس ملک کا حکمران انگریز ہو یا ہندو۔ مولانا مودودی مسلمانوں کے ہندوؤں سے الگ قومی تشخص کے ضرور قائل تھے لیکن ان کیلئے وہ کسی قومی مملکت کی ضرورت محسوس نہ کرتے تھے، اس لئے انہوں نے نہ خود کسی آزاد مملکت کا مطالبہ کیا اور نہ تحریک پاکستان سے کوئی دلچسپی ظاہر کی لیکن پاکستان میں نظام اسلام نافذ کرنے میں انہوں نے بہت جارحانہ انداز عمل اختیار کیا اور براہ راست مسلم لیگ سے مڈبھیڑ کی اور اپنے اس ادعا کو ثابت کرنے پر تلے کہ اس کے لیڈر نظام اسلام نافذ کرنے کے اہل نہیں۔ یہ انداز عمل اس مؤقف سے بالکل مختلف تھا جو جماعت نے متحدہ ہندوستان میں اختیار کیا تھا اور جو مبلغانہ اور مصلح جو یانہ تھا: تو سوال یہ ہے کہ جماعت نے یہ انداز عمل کیوں اختیار کیا اس کے دو ہی وجوہ ہو سکتے ہیں یا یہ کہ ایک نو مسلم

مملکت میں ہی نظامِ اسلام کے نفاذ کا مقصد شرمندۂ معنی ہو سکتا تھا اور پاکستان بننے کے بعد جماعت کو حوصلہ ملا کہ وہ اب اپنے مشن کو بروئے کار لاسکتی ہے اب اگر یہ صورت تھی کہ جماعت نے خود آزاد مملکت کا مطالبہ نہیں کیا تھا تو تحریکِ پاکستان کی کامیابی میں کوئی دلچسپی کیوں نہ لی؟ اور اس کی مدد کیوں نہ کی اور اس سے الگ تھلگ کیوں رہی؟ دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ جب پاکستان بن گیا تو سیاست کا یہ تقاضا تھا کہ مسلم لیگ کو پاکستان کی تخلیق کا کوئی کریڈٹ نہ ملے اور اسے دفاعی و انفعالی پوزیشن میں ڈالنے کا ایک ہی طریقہ تھا کہ نظامِ اسلام کے نفاذ کے مطالبے کو بر سرِ مشن کیا جائے کیونکہ اس کی مزاحمت خود اس کے اپنے عقیدے اور موقف کی روشنی میں مسلم لیگ کے لیے محال ہو گی کچھ اس قسم کی چال غفار خان نے سرحد میں استصوابِ رائے کے خلاف اختیار کی تھی انہوں نے کہا کہ وہ پختونستان میں قرآنی حکومت قائم کریں گے۔ کہاں غفار خاں الھند بھارت اور متحدہ قومیت کے علمبردار اور کہاں وہ پٹھان قومیت اور قرآنی حکومت کے داعی بن گئے۔ مقصد مسلم لیگ کی مخالفت اور پاکستان کی تخریب تھی اب جماعت مسلم لیگ کو گرانے میں تو کامیاب ہوئی لیکن ساتھ ہی وہ پاکستان کی اہمیت کو کم کرنے میں بھی کامیاب ہوئی جماعت نے پاکستان بنانے کیلئے مسلم لیگ کی خدمات کو کبھی نہیں سراہا۔ بلکہ جب بھی اس کا ذکر کیا طعن و تشنیع کے لئے کیا۔ اس سے یہ نتیجہ بھی ناگزیر ہو گیا کہ پاکستان کا بننا بہت معمولی واقعہ قرار پایا۔ پاکستان بنانے کے لئے کوئی تعریف و تحسین کا مستحق نہ تھا خواہ وہ قائد ہو یا مسلم لیگ، اصل چیز تو نظامِ اسلام کا نفاذ تھا جو نہ ہوا۔ اس طرح پاکستان کی تخلیق کا عدیم المثال معرکہ سیاست کی نذر ہو گیا۔ حالانکہ پاکستان کے بغیر نظامِ اسلام کے نفاذ کا تصور بھی محال تھا چلو مسلم لیگ نے نظامِ اسلام قائم نہیں کیا اللہ اس کے لیے وہ موردِ الزام سہی لیکن اس کے قیام کا عملی امکان تو پیدا کر دیا۔ اس کے بعد ہی جماعت پاکستان میں اس قدر جوش و خروش سے اس مقصد کے لئے جہاد کر

سکی ہے جب کہ متحدہ ہندوستان میں وہ منقاد زیر رہنے پر مجبور تھی جیسے وہ آج تجارت میں مجبور رہے۔" لے

یہ طویل اقتباس ہم نے اس لئے نقل کیا ہے کہ پاکستان اور اس کے بانی کے ساتھ ہم نے جو تغافل برتا ہے اور قومی سطح پر اس سے ہمیں جو نقصان اٹھانا پڑا۔ تحریک پاکستان کے ایک کارکن اور قائد کے رفیق کار کے قلم سے اس کا مختصر جائزہ آپ ملاحظہ فرمالیں۔ اس اقتباس سے ہمارے لئے غور و فکر اور تلافی مافات کی بہت سی راہیں کھل سکتی ہیں۔

اکابر تحریک پاکستان حصہ اوّل کے بعد دوسرے حصے کی اس قدر جلد پیشکش پر ہم جناب محمد صادق صاحب قصوری کے شکر گزار ہیں۔ اکابر تحریک پاکستان کے صفحے صفحے پر آپ کو ایسے اعاظم رجال سے واسطہ پڑے گا جو قرونِ اولیٰ کی تصویر اور جہد و عمل کا پیکر نظر آتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان اکابر تحریک پاکستان کی تاریخ جہاد حریت اور تحریک آزادی کے طالب علموں کیلئے سرچشمہ ہے اور ان مردان احرار کی زندگی کا ایک ایک لمحہ نظیری کے اس شعر کی تفسیر نظر آتا ہے۔ ے

کسے کہ کشتہ نہ شد از قبیلۂ ما نیست
گریز د از صف ما ہر کہ مرد غوغا نیست

جناب محمد صادق قصوری نے اپنی بساط کے مطابق پوری تندہی، جانفشانی اور خلوص سے تحریک پاکستان کے اکابرین کی مرقع نگاری کی ہے اور اس کے لئے وہ نہ صرف اہل سنت کی طرف سے بلکہ تمام اہل پاکستان کی جانب سے لائق تحسین و آفریں ہیں۔ اپنے محدود مالی وسائل کے باوجود ملک کے کونے کونے میں بیٹھے ہوئے حضرات کا تذکرہ مرتب کرنا کوئی معمولی بات نہ تھی پاکستان اور نظریہ پاکستان سے محبت اور گہری وابستگی ہی نے ان سے یہ کام کرایا ہے۔ اس کتاب میں جن حضرات کا ذکر آیا ہے یہ وہ عظیم المرتبت لوگ

لے روزنامہ نوائے وقت لاہور مورخہ ۹ دسمبر ۱۹۷۶ء مضمون۔
"ہم نے پاکستان کی قدر نہ کی" جناب زیڈ اے سلیری۔

ہیں جنہوں نے ستائش اور صلے کی تمنا کے بغیر اپنے قائد کے ساتھ پاکستان کی جنگ لڑی۔ انہی کے دم قدم سے تحریک پاکستان کا قافلہ رواں دواں رہا۔ انہی مردانِ احرار کے ولولہ انگیز تذکروں سے ہم اپنی نئی نسل کے دلوں میں پاکستان کی قدر و منزلت اور ان کے قومی و ملی تشخص کو اجاگر اور ثبت کر سکتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ ابھی اس قافلہ کے ہزاروں ماہِ درخشاں گمنامی کے اندھیروں میں مزید کسی اہل قلم کی راہیں تک رہے ہیں۔ گویا بقول اقبال۔ ؎

گماں مبر کہ بپایاں رسید کارِ مغاں
ہزار بادۂ ناخوردہ در رگِ تاک است

پاکستان پائندہ باد

سید محمد فاروق القادری ایم اے
آستانہ عالیہ شاہ آباد شریف گڑھی اختیار خان بہاول پور ڈویژن ۲۰ ربیع الاول شریف ۱۳۹۸ھ

دیباچہ

جناب جسٹس سید شمیم حسین قادری، جج لاہور ہائیکورٹ، لاہور

تقسیم برصغیر کی کہانی کے علل واسباب کی تفصیل کو اس طرح مرکوز کیا جا سکتا ہے کہ مسلمان فرمانرواؤں کی ہزار سالہ حکومت نے اگرچہ اپنے اثرات پیدا کئے لیکن مختلف طور طریقے اپنائے خلجیوں، لودھیوں اور مغلوں کے دور اپنے اپنے حالات و واقعات کی عکاسی کرتے ہیں ان سلاطین نے ہندو رعایہ سے حسن سلوک کا اظہار کیا وہ تاریخ کا ایک اہم باب ہے حکومت کے ہر شعبہ میں اعلیٰ منصبوں پر ہندوؤں کی تقرری، جاگیروں کی عنایات، مذہب کی آزادی، مندروں اور دیگر عبادت گاہوں کو ہر طرح کی سہولتیں دی گئیں لیکن ان سب مراعات کے باوجود ہندو نے صرف ظاہراً ہی حکومتِ وقت کا ساتھ دیا اور اپنے دلوں کو مسلمانوں کے خلاف بغض و عناد سے پاک نہ کیا حالانکہ اکبری دور میں جگادری راجپوت خاندانوں کی لڑکیاں بھی حرم شاہی میں پیش کی گئیں۔ درونِ خانہ یہ لوگ اسی تاک میں رہے کہ جب بھی موقعہ ملے حکومتِ وقت کا تختہ الٹ دیں چنانچہ بے شمار شورشیں ہوئیں، بغاوتیں ابھریں، ہنگامے ہوئے لیکن مسلمانوں کے زور بازو کے سامنے ان کی کوئی پیش نہ گئی لیکن جب مغل سلطنت کو زوال آنا شروع ہو گیا تو ہندوؤں نے انگریزوں سے مل کر مسلمانوں کا قلع قمع کرنے کی کوششوں کو تیز تر کر دیا۔

مسلمانوں نے سلطنت چھن جانے کے بعد انگریزی تعلیم کا بائیکاٹ کیا اور کفر و الحاد کے خلاف مصروفِ جہاد رہے ہندوؤں نے اس موقعہ سے فائدہ اٹھا کر ملازمتوں پر قبضہ کر لیا مگر مسلمانوں کو ان کے بائیکاٹ نے انہیں کہیں کا بھی نہ رکھا۔ ہندو اپنی شاطرانہ چالوں کے باعث اپنے مفاد کی خاطر جب چاہتے مسلمانوں کو اپنے ساتھ ملا لیتے مگر جب مسلمانوں کا مفاد ہوتا تو یہ لوگ بات تک نہ سنتے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی ہی مثال لے لیجئے کہ اس میں مسلمانوں نے

ہی سب سے زیادہ قربانیاں دیں۔ مجاہد کبیر مولانا فضل حق خیرآبادی اور ان کے ساتھیوں نے جرأت و مردانگی کے ایسے کارنامے رقم کیے کہ تاریخ ان کو کبھی فراموش نہیں کر سکے گی۔ لیکن شاطر ہندو نے اس جنگ کی وقتی ناکامی کے فوراً بعد فرنگی سے رشتہ جوڑ لیا اور مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کیلئے انگلش گورنمنٹ کے گماشتے بن گئے۔ آخر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا قیام عمل میں آیا تو مسلمانوں کو ہوش آیا اور سرسید پر ہزار لعنت و ملامت کے بعد انگریزی زبان پڑھنے پر رضامند ہوئے۔ دوسری طرف ہمارے دینی مدارس کی حالت اتنی پست تھی کہ انہیں دنیاوی معاملات میں کوئی دسترس نہ تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ انگریز کی تضحیک کا نشانہ بنے رہے۔

کانگرس میں مسلمان اس مقصد کے لیے شامل ہوئے تھے کہ وہ ہندو کے ساتھ مل جل کر رہیں اور اپنی مشکلات و مصائب کو باہم مل کر حل کریں۔ قائداعظم محمد علی جناح نے بھی اس مشن کی تکمیل کے لیے بھرپور سعی کی مگر ہندو کی شاطرانہ چالوں اور مسلم دشمن سازشوں کے سبب ہندو مسلم اتحاد کی بیل منڈھے نہ چڑھ سکی۔ اور آخر کار مسلمانوں کو مایوسی کا منہ دیکھنا پڑا۔ تحریک خلافت کا دور آیا تو مسلمانوں نے اپنے ترک بھائیوں کیلئے بے مثال قربانیاں دیں۔ علی برادران اور مولانا حسرت موہانی جیسے بیباک لیڈروں نے بڑی ہمت سے کام کیا لیکن اس تحریک میں بھی ہندوؤں نے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی روائتی سازش سے گریز نہ کیا۔ یہی وہ دور تھا جب سید جمال الدین افغانی پین اسلام ازم کے لیے بیشتر ممالک میں سرگرم عمل تھے۔

اگرچہ سرکارِ انگلشیہ سے منسلک کچھ مسلمانوں مثلاً سر سلطان احمد، جسٹس سید امیر علی، میاں سر فضل حسین، سر میاں محمد شفیع اور نواب ذوالفقار علی خاں آف مالیر کوٹلہ نے اپنے طور پر مسلمانوں کے لیے کچھ کام کیا لیکن وہ بہت ناکافی تھا۔ انہوں نے ملازمتوں میں مسلمانوں کے لیے کوٹے اور تعلیمی درسگاہوں (خصوصاً لاء کالجوں اور میڈیکل کالجوں) میں مسلمان طالب علموں کے داخلے کا تعین کرایا جس سے مسلمانوں میں تعلیم پھیلی لیکن تنگ نظر ہندوؤں نے اپنے علیحدہ کالج کھول لیے اور ملازمتوں میں مسلمانوں کے ساتھ بدسلوکی جاری رکھی۔

آخر ۱۹۳۰ء میں مسلم لیگ کے الہ آباد سیشن میں حکیم الامت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خطبے میں مسلم لیگ کا رنگ بدلا اور مسلمانوں کے لیے علیحدہ وطن کے نظریے کو پیش کیا۔ محمد علی جناح جو ملکی حالات سے بددل ہو کر انگلستان کی پریوی کونسل میں پریکٹس کا جادو جگا رہے تھے، انہیں مجبور کر کے واپس بلایا تاکہ وہ پریشان حال قوم کی شیرازہ بندی کریں۔ چنانچہ قوم نے محمد علی جناح کو مسٹر سے قائد اعظم بنایا اور وہ ملت کی کشتی کے ناخدا بنکر منزل کے حصول کے لیے جت گئے۔ اور ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو منٹو پارک (اقبال پارک) لاہور میں قرارداد پاکستان پاس ہوئی تو حکیم الامت کے خواب کی تعبیر کا سہرا اُن کے سر بندھا اس سال میں بی اے (سال آخر) کا طالب علم تھا اور ایک ادنیٰ کارکن کی حیثیت سے اس تاریخی اجلاس میں شامل تھا۔ ہمارے ذمے نعرے لگانے، پنڈال سجانے اور جوش و خروش سے عوام اور قائدین کا استقبال کرنے کا فریضہ تھا۔ جسے ہم نے نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیا۔

برطانوی دارالعوام نے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کی رو سے برصغیر میں ایک فیڈریشن بنانے کی کوشش کی۔ ۱۹۳۷ء کے انتخابات میں صوبائی حکومتیں تو قائم ہو گئیں لیکن مرکز میں فیڈریشن نہ بن سکی۔ اگرچہ سنٹرل اسمبلی موجود تھی۔ پنجاب میں سر سکندر حیات مرحوم نے یونی نسٹ حکومت قائم کی۔ سر سکندر بیک وقت مسلم لیگی بھی تھے اور یونی نسٹ بھی۔ ان کی یہی دو رنگی قائد اعظم اور ان کے درمیان وجہ نزاع بنی۔ کانگرس نے اکثر صوبوں میں عنان حکومت سنبھالی اور مسلمانوں کا ناطقہ بند کر دیا۔ جس خدشے کا اظہار مسلمانان ہند برملا کیا کرتے تھے وہ ہو کر رہا۔

دوسری جنگ عظیم میں سر سکندر حیات خاں نے انگریزوں کی دل کھول کر مدد کی اور العالمین میں مسٹر چرچل کے ساتھ ملاقات بھی کی۔ کانگرس نے عدم تعاون کی تحریک چلائی اور حکومت سے دست بردار ہو گئی اس سے مسلمانوں نے ان صوبوں میں سکھ کا سانس لیا۔ دریں اثنا سر سکندر حیات خاں کا انتقال ہو گیا اور خضر حیات خاں ٹوانہ نے پنجاب کی پریم منسٹری سنبھالی۔ جنگ عظیم کے خاتمہ کے بعد سر سٹیفرڈ کرپس ہندوستان آئے اور شملہ میں کانفرنس ہوئی۔ اس وقت تک مسلم لیگ ایک ہمہ گیر جماعت بن چکی تھی۔

مسٹر جواہر لعل نہرو کہتے تھے کہ :۔

"حصول آزادی کی گفتگو کے مذاکرات کیلئے صرف دو فریق ہیں۔ ایک کانگرس اور دوسری سرکار انگلشیہ"

۱۹۴۶ء میں الیکشن ہوئے تو پورے برصغیر نے حضرت قائد اعظم کی اس للکار کو سچ کر دکھایا کہ "تیسرا فریق مسلم لیگ بھی ہے جو مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے"۔ پنجاب میں خضر حیات نے یونی نسٹ ممبروں (میاں محمد ابراہیم برق علی پور ضلع مظفر گڑھ اور محمد رفیق صاحب جو لاہور سے کامیاب ہوئے۔) چار پانچ دیگر مسلمان ممبروں، ہندو کانگرس اور اکالی دل پارٹی کی مدد سے حکومت بنائی جس میں بھیم سین سچر اور سردار بلدیو سنگھ وغیرہ وزراء کی حیثیت سے شامل ہوئے۔ اگرچہ اسمبلی کی سب سے بڑی پارٹی مسلم لیگ تھی جس کے لیڈر نواب افتخار حسین ممدوٹ تھے مگر کانگرس اور ملت فروش عناصر کی سازشوں کی وجہ سے وہ حکومت نہ بنا سکی۔ حالانکہ آسام میں سر سعد اللہ، سندھ میں غلام حسین ہدایت اللہ، بنگال میں سید حسین شہید سہروردی نے مسلم لیگی وزارتیں قائم کیں۔ صوبہ سرحد میں ڈاکٹر خان صاحب نے کانگرس کی حکومت بنائی۔ چونکہ انڈین انڈیپنڈنس ایکٹ کی رو سے دو ڈومینین، ہندوستان اور پاکستان معرض وجود میں آنے تھے اس لیے صوبہ سرحد اور آسام کے علاقہ سلہٹ میں رائے شماری کرائی گئی۔

مرکز میں عبوری حکومت بنی تو جواہر لعل نہرو کو پرائم منسٹر بنا دیا گیا۔ قائد اعظم نے مسلم لیگ کے بمبئی سیشن میں عدم تعاون کا فیصلہ کیا تو تمام معاندین نے اپنے اپنے خطابات واپس کر دیئے لیکن نواب صاحب بھوپال (جو نہایت جہاندیدہ اور پُرکشش شخصیت کے مالک تھے۔) نے قائد اعظم کو حکومت میں شرکت کے لیے آمادہ کر لیا اور مسلم لیگ کے نمائندے جناب نوابزادہ لیاقت علیخان، ابراہیم اسمٰعیل چندریگر، راجہ غضنفر علی خان، سردار عبدالرب نشتر اور مسٹر جوگندر ناتھ منڈل ہریجن لیڈر کو مرکزی حکومت میں شامل کیا گیا۔ یہ حکومت قیام پاکستان تک قائم رہی بہار میں ہندوؤں نے مسلمانوں کا قتل عام شروع کیا پھر یہ آگ پنجاب میں بھی پھیلی

مسلم لیگ کی تحریک سول نافرمانی کے باعث خضر حیات کو مستعفی ہونا پڑا اور ۱۴ راگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان ایک آزاد مسلم حکومت کی حیثیت سے دنیا کے نقشے پر ابھرا مسلم لیگ کے مرکزی قائدین میں سے نواب محمد اسمٰعیل خان، جناب ظہیر الحسن لاری، چوہدری خلیق الزمان اور سید حسین شہید سہروردی، ہندوستان میں ہی رہے ۔ آخر الذکر ہندوستان میں پہلے ہائی کمشنر مقرر ہوئے۔ باقی حضرات کچھ عرصہ بعد پاکستان چلے گئے۔

جناب محمد صادق قصوری صاحب نے خوب عرق ریزی کر کے تحریک پاکستان کے رنگین ستاروں کو ڈھونڈا ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ وہ اپنی سعی کو جاری رکھیں گے اور مزید گوہر ہائے نایاب تلاش کریں گے۔

سید شمیم حسین قادری

پیشِ لفظ

زبدۃ الحکما جناب حکیم آفتاب احمد قرشی صاحب، صدر مؤتمر عالم اسلامی پنجاب لاہور

تحریکِ پاکستان کا شمار دنیا کی عظیم ترین انقلابی تحریکات میں ہوتا ہے۔ یہ تحریک برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کی آرزوؤں اور امنگوں کا مظہر اور مسلمانوں کے مسلسل جہادِ آزادی کا ثمر تھی۔ تحریکِ پاکستان علامہ اقبال کی فکرِ روشن کا ایک گوشہ اور ان کے سنہرے خوابوں کی دلکش تعبیر اور ہماری تعلیمی، ادبی، سیاسی، معاشی اور تہذیبی بساط پر تختۂ رنگین تھا۔

قائدِ اعظم کی قیادت میں تحریکِ پاکستان کا ایک درخشاں پہلو یہ تھا کہ پوری قوم ملی جذبات سے سرشار تھی، ہر کوئی اخلاص و ایثار کی متاع سے بہرہ مند تھا، قائدِ اعظم نے ایسا ولولۂ تازہ دلوں کو دیا تھا کہ تہی مسلمان قوم برطانوی سامراج سے ٹکرا رہی تھی، یہ ہماری تاریخِ آزادی کا روشن ترین باب ہے۔

جب تک قومی مفاد کو ذاتی مفاد پر ترجیح حاصل رہی اور قومی احتساب اس قدر قوی تھا کہ بیٹا باپ کو قوم فروشی پر لعن طعن کرنے سے گریز نہیں کرتا تھا۔ قوم ایثار و سربلندی کی معراج پر تھی، پوری قوم دردمندی اور خلوص کے جذبات سے سرشار تھی، یہ قومی جذبات کا ارتفاع تھا۔ اس دور میں خلوص و ایثار کے ہزاروں حیات افروز واقعات ظہور پذیر ہوئے، جن سے ہمارے قومی چمن کا گوشہ گوشہ آراستہ ہوا۔ یہ واقعات افسانے سے بھی زیادہ دلکش اور رومان آفریں ہیں ان کا تذکرہ آج بھی عجیب لذت اور کیفیت پیدا کرتا ہے اور روح کو بالیدگی بخشتا ہے۔

اخلاص وایثار کے یہ واقعات وطنِ عزیز کے طلبا کے لئے مینارۂ نور کی حیثیت رکھتے ہیں جن کی روشنی میں نوجوانوں کا قافلہ اپنی منزل متعین کر سکتا ہے۔ یہ واقعات نوجوانوں کے لئے مہمیز کا کام دیں گے اور ان میں وہ ولولہ کار پیدا کریں گے جو کسی زندہ قوم کا دستور ہے۔ راقم الحروف کو اس دور میں ایک حقیر کارکن کی حیثیت سے کام کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ تحریکِ پاکستان میں زندگی کے جو لمحات گزارے وہ میری زندگی کا بیش قیمت سرمایہ ہیں اور ان لمحات کی یاد آج بھی میری زندگی کی متاعِ عزیز ہے، خود غرضی، خوشامد اور ضمیر فروشی کے ماحول سے جب گھبراتا ہوں تو ان لمحات کی دلکش یاد میں پناہ لیتا ہوں اور اس طرح سکون حاصل کرتا ہوں۔

تحریکِ پاکستان کا سب سے بڑا سرمایہ قائدِ اعظم کی فقید المثال قیادت اور کارکن تھے۔ تحریکِ پاکستان میں کارکنوں نے خلوص و ایثار کی مشعلیں روشن کیں جن سے آج بھی ہماری قومی زندگی کا شعلہ فروزاں ہے، سینکڑوں کارکنوں نے جامِ شہادت نوش کیا، ہزاروں کارکن بے گھر ہو گئے، انھوں نے اپنے خونِ جگر سے پاکستان کی داستان تاریخِ عالم کے صفحات پر رقم کی، ان کارکنوں کی جدوجہد سے پاکستان معرضِ وجود میں آیا، تحریکِ پاکستان کے کارکن ہر طبقہ اور ہر مسلک سے تعلق رکھتے تھے اور اسی اتحادِ عمل کا ثمر پاکستان تھا۔

ہماری تاریخ شاہد ہے کہ جب بھی مسلمان متحد ہو کر سرگرمِ عمل ہوئے کامیابی نے ہمارے قدم چومے اور جب ہم منتشر اور پراگندہ ہو گئے تو ہمیں شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ مرہٹوں نے ہندوستان میں مسلمانوں پر یلغار کی تو حضرت شاہ ولی اللہ کی مساعیٔ جمیلہ سے مسلمان متحد ہوئے اور ہر مسلک اور طبقے کے مسلمان مرہٹوں کے خلاف صف آرا ہوئے اور اس طرح مرہٹوں کو شکستِ فاش ہوئی۔

تحریکِ پاکستان میں بھی مسلمان متحد تھے اور اسی اتحاد کے بل بوتے پر

مسلمانوں نے انگریز اور کانگرس جیسی طاقتوں کو شکست دی۔ ہمارے سامنے ۱۹۶۵ء کی مثال ہے کہ جب ہم متحد تھے تو ہم نے ہندوستان کو ناکوں چنے چبوا دیئے، جب ہماری صفوں میں انتشار پیدا ہوا تو ہمیں سقوطِ ڈھاکہ جیسے حادثہ سے دوچار ہونا پڑا جس کی نظیر اسلامی تاریخ میں ناپید ہے۔

قومی رہنماؤں اور کارکنوں کے حالات کو ہم اسی لئے جمع کرتے ہیں کہ اس سے نوجوانوں اور عوام میں وہ جذبہ اور ولولہ پیدا ہوتا ہے جو کہ ان رہنماؤں کا طرۂ امتیاز ہے۔

ہماری نوجوان نسل تحریکِ پاکستان اور اس کے کارکنوں کے کارناموں سے پوری طرح واقف نہیں ہے۔ ہمیں ایسے لٹریچر کی شدید ضرورت ہے جو کہ ان عظیم کارکنوں کے حالات پر مشتمل ہو جس سے ہمارے نوجوانوں کو یہ اندازہ ہو اور اس حقیقت کا احساس ہو کہ ہمارے رہنماؤں نے کس قدر عظیم قربانیاں دیں۔ یہ حقیقت بڑی تلخ ہے کہ قیامِ پاکستان کے بعد کارکنوں کو نظر انداز کر دیا گیا، اس سے قومی خدمت کا جذبہ سرد ہو کر رہ گیا۔

ہمارے فاضل دوست محمد صادق قصوری کے دل میں یہ لگن پیدا پیدا ہوئی کہ تحریکِ پاکستان کے کارکنوں کے حالات جمع کریں، وہ کوئی سرمایہ دار نہیں ہیں مگر دولتِ ایمان سے ان کا سینہ روشن ہے، قصور کے ایک قصبہ بُرج کلاں میں آباد ہونے کے باوجود اپنی کاوش کو جاری رکھا، وہ مسلسل سعی کرتے رہے اور بالآخر انہوں نے محض اپنے خلوص اور محنت سے اس منزلِ ہفت خواں کو سر کر لیا، انہوں نے اکابرِ تحریکِ پاکستان (حصہ اول) لکھی جس کی بڑی پذیرائی ہوئی، اب انہوں نے اکابرِ تحریکِ پاکستان کی دوسری جلد پیش کی ہے۔

کارکنوں کے حالات اپنے قومی چمن کے گوشہ گوشہ میں بکھرے ہوئے تھے، فاضل مؤلف نے بڑی کاوش سے ان پھولوں کو جمع کر کے ایک گلدستہ تیار کیا ہے جس کی خوشبو اربابِ ذوق کے لئے فرحت و انبساط کا باعث ہو گی۔

اکابرِ تحریکِ پاکستان پر ہم نظر ڈالیں تو ان میں مشائخ کے حالات بھی ہیں، نوجوان رہنماؤں کا تذکرہ بھی ہے اور صحافی کارکنوں کا ذکر بھی، ان میں سے اکثر حضرات سے مجھے نیازمندی کا شرف حاصل رہا ہے اور میں ان کے کارناموں سے خوب واقف ہوں، اس بنا پر یہ کتاب میرے لئے بڑی گراں قدر حیثیت کی حامل ہے۔

تحریکِ پاکستان میں سرہندی خاندان نے تاریخی خدمات سرانجام دی ہیں، آخر کیوں نہ ہو وہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کی اولاد اور ان کی عظیم روایات کے علمبردار ہیں، حضرت مجدد الف ثانی برصغیر پاک و ہند کی سب سے بڑی اسلامی شخصیت تھے، اکبر نے اپنے عہد میں جو دینِ الٰہی کا بُت تراشا تھا حضرت مجدد قدس سرہ نے اسے پاش پاش کردیا۔ اکبر کے دور میں متحدہ قومیت کا جال بچھایا گیا تو حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نے اپنی فراستِ ایمان سے اس عظیم خطرے کو بھانپ لیا اور اس کے خلاف جہاد کیا، حضرت اس عظیم برصغیر پاک و ہند میں دو قومی نظریہ کے بانی تھے، ان کی رائے میں اسلام اور کفر دو متضاد قومیں تھیں جن میں کبھی اتحاد نہیں ہوا، اسی بنا پر اہلِ علم حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کو نظریہ پاکستان کا بانی قرار دیتے تھے۔

کانگرس نے موجودہ صدی میں متحدہ قومیت کا جال بچھایا تو اس کا تار و پود بکھیرنے کے لئے سرہندی خاندان کے افراد سرگرمِ عمل ہوئے اور حضرتِ مجدد قدس سرہ کی روایات کی تجدید کی، اس خاندان کو پاکستان کی تحریک سے اس قدر لگاؤ تھا کہ حکومتِ افغانستان کے معاندانہ رویہ کے باوجود سرہندی خاندان کے جلیل القدر پیشوا حضرت نورالمشائخ مُلّا شور بازار نے پاکستان کی پُرجوش حمایت کی جن کا دلآویز تذکرہ اس کتاب کی زینت ہے۔

اکابرِ تحریکِ پاکستان کی پہلی جلد میں ہم پیر غلام مجدد سرہندی، پیر محمد حسن جان سرہندی اور پیر محمد اسمٰعیل جان سرہندی کا ذکر پاتے ہیں تو دوسری جلد میں حضرت نورالمشائخ مُلّا شور بازار، پیر محمد ہاشم جان سرہندی، پیر محمد حسین جان سرہندی

پیر محمد اسحاق جان سرہندی اور پیر محمد ابراہیم جان سرہندی کا تذکرہ ہے۔ اس یادگار کتاب میں تحریکِ پاکستان کے طالب علم کارکنوں کے حالات بڑی تفصیل سے درج ہیں، تحریکِ پاکستان میں طلباء نے جو کارنامے سرانجام دیئے وہ ہماری متاعِ فخر و ناز ہیں، قائدِ اعظم طلباء کو اپنا دست و بازو سمجھا کرتے تھے، جب وہ طلباء کی مجلس میں تشریف فرما ہوتے تو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی شفیق باپ اپنے بیٹوں سے محبت بھری گفتگو کر رہا ہو، ان بیٹوں نے بھی اپنے باپ پر جان نثار کر دی۔

اس کتاب میں چوہدری نصر اللہ خاں، چوہدری محمد صادق، سید قاسم رضوی، پروفیسر منظور الحق صدیقی، خواجہ اشرف احمد، خواجہ محمد رفیق اور مولانا بشیر احمد اختر کا دلنشین تذکرہ ہے۔ چوہدری نصر اللہ خاں مرحوم تو نوجوانوں کے ہیرو تھے اور ان سے بڑا کارکن تحریکِ پاکستان میں پیدا نہیں ہوا۔ انہوں نے اپنی زندگی ملت پر نچھاور کر دی۔ چوہدری محمد صادق، پروفیسر منظور الحق صدیقی، مولانا بشیر احمد اختر اور خواجہ اشرف احمد نوجوانوں کے ہراول دستہ سے تعلق رکھتے ہیں جو کہ پنجاب میں تحریک کا نقیب تھا۔ بعد ازاں چوہدری محمد صادق نے سرحد اور پروفیسر منظور الحق صدیقی نے مشرقی پنجاب میں بڑا کام کیا۔ مولانا بشیر احمد اختر کی آتش بیانی نے لوگوں کے دلوں کو گرمایا اور خواجہ اشرف احمد کے خلوص و ایثار نے کارکنوں کا حوصلہ بڑھایا۔

اس کتاب میں حضرت دیوان آلِ رسول سجادہ نشین، حضرت سلطان الہند خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات بھی درج ہیں۔ دیوان صاحب ہندوستان میں بلند ترین حیثیت کے حامل تھے مگر انہوں نے اسلام اور پاکستان کے لئے سب کچھ قربان کر دیا۔ انہوں نے تحریکِ پاکستان کی پرجوش حمایت کی اور اس طرح انہیں ہجرت کرنا پڑی۔ حضرت دیوان صاحب کی خدمت میں مجھے شرفِ نیاز حاصل ہے، وہ بڑے منکسر المزاج اور پاکیزہ کردار کے

حامل تھے۔

تحریکِ پاکستان میں ملتان کے گیلانی خاندان کا ذکر ضروری ہے۔ گیلانی خاندان ابتدا ہی سے ملّی تحریکات سے وابستہ رہا اور مسلم لیگ اور پاکستان کے پرچم کو ہمیشہ سربلند کیا۔ برطانوی سامراج سے یہ خاندان ہمیشہ نبرد آزما رہا۔ اس خاندان کا تحریکِ پاکستان سے گہرا رابطہ رہا ہے۔ اس خاندان کے ایک بزرگ حضرت سید عبدالرزاق شاہ گیلانی کے دستِ حق پرست پر قائدِ اعظم کے آباؤ اجداد نے اسلام قبول کیا۔ سید عبدالرزاق شاہ، شیخ سید عبدالقادر گیلانی، اوچ شریف کے فرزند تھے۔

فاضل مؤلف نے علی برادران کا بھی ذکر کیا ہے۔ مولانا محمد علی اور مولانا شوکت علی اسلامی غیرت اور حمیّت کا پیکر تھے، انہوں نے ملتِ اسلامیہ کو بیدار کرنے کے لئے بڑا اہم حصہ لیا اور قافلۂ اسلام کو جادہ پیما کیا۔ یہی قافلہ پاکستان کی منزل کی طرف رواں دواں ہوا۔ علی برادران شیر دل مجاہد تھے، انہوں نے مسلمانوں کے حقوق کے لئے کسی بھی قربانی سے دریغ نہ کیا، علامہ اقبال نے علی برادران کی ستائش میں شعر کہے اور جب مولانا محمد علی کا انتقال ہوا تو بڑا دردناک مرثیہ لکھا۔ قائدِ اعظم کا دہلی میں عظیم الشان جلوس نکلا، جب وہ مولانا شوکت علی کی قبر کے پاس سے گزرے تو انہوں نے قبر کو سلامی دی۔ اس سے مولانا شوکت علی سے ان کی عقیدت و محبت کا اظہار ہوتا ہے۔

میرے کرم فرما سید غلام مصطفٰے گیلانی خدا کے فضل و کرم سے بقیدِ حیات ہیں، ان کی زندگی قوم کی خدمت میں گزری، ان کی ولولہ انگیز خطابت نے قائدِ اعظم سے بھی داد پائی، آج بھی یہ شیر بیشۂ حریت آوازۂ حق و صداقت بلند کر رہا ہے۔

سردار محمد حسین مرحوم کا ذکر آتے ہی دل پر عجیب کیفیت طاری ہوتی ہے۔ ایسا مخلص، ایثار پیشہ اور بلند کردار انسان میری نظروں سے بہت کم گزرا ہے،

وہ سالہا سال اسمبلی کے رکن رہے مگر اپنی جائداد بیچ کر کھاتے رہے، وہ شمع لیگ کے پروانے تھے۔ ایسے بلند کردار کے حامل انسان ہمیں کم ہی نصیب ہوتے ہیں۔

تحریکِ پاکستان کے جن رہنماؤں سے میں متاثر ہوا ہوں ان میں رانا عبدالحمید بھی تھے خاموش طبع، منکسر المزاج اور شریف النفس انسان تھے۔ ان کی ذات ہر قسم کے شبہ سے بالاتر تھی، اس خاندان نے تحریکِ پاکستان کی گرانقدر خدمات سرانجام دیں۔ رانا خداداد خان اور رانا اللہ داد خان اسی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔

قائدِ ملت چوہدری غلام عباس کی ذاتِ گرامی کسی تعارف کی محتاج نہیں، وہ شمع پاکستان کے پروانے اور قائدِ اعظم کے فدائی تھے۔ انہوں نے تحریکِ پاکستان میں بیش از بیش حصہ لیا۔ چوہدری غلام عباس مرحوم کے کارنامے غیر فانی ہیں، مجھے ان کی خدمت میں شرفِ نیاز حاصل تھا۔ وہ ہمیشہ مجھے اپنے لطف و کرم سے نوازتے تھے، ان کے انکسار، عظمت، اخلاص اور جراُت مندی کے نقوش میرے دل و دماغ پر ثبت ہیں۔

حبیبِ گرامی سید قاسم رضوی کا تذکرہ میرے دل میں عجب کیفیت پیدا کر دیتا ہے۔ وہ میرے بھائی، دوست، رفیق اور غمگسار تھے۔ ان کی رفاقت میں زندگی کے جو لمحات گزرے وہ میری زندگی کا سرمایۂ عزیز ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں قیادت کی صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ قائدِ اعظم بھی انہیں بے حد پسند کرتے تھے۔

خواجہ محمد رفیق مرحوم بڑے جرأت مند، بہادر اور مخلص انسان تھے۔ وہ امرتسر کے ایک دولت مند گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ امرتسر ہی سے قومی زندگی کا آغاز کیا اور مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے رہنما تھے۔ لاہور میں مالی آسودگی نہ رہی مگر یہ غیرت مند انسان اپنے لہو سے چراغ جلاتا رہا اور بالآخر اپنی جان جمہوریت پر قربان کر دی۔ ان کا خونِ ناحق رائیگاں نہیں جائے گا۔

پشاور کے ادیب، شاعر اور قومی رہنما سید مظہر گیلانی اپنے کمالات اور محاسن کی بنا پر یگانہ حیثیت کے حامل تھے، گاہے وہ اپنے مکتوب سے سرفراز فرماتے۔ انہوں نے اپنی زندگی قومی خدمات کے لئے وقف کر رکھی تھی مگر اپنوں کے ستم سے انہیں ایسی کوفت پہنچی کہ دل کا عارضہ ہو گیا اور اسی عارضہ میں یہ صاحب دل ہم سے رخصت ہو گیا اور پشاور کا گلستان اس بلبل کی خوشنوائیوں سے محروم ہو گیا۔

ڈاکٹر فرید بخش کی یاد جب آتی ہے تو میری آنکھوں کے سامنے فیصل آباد مسلم لیگ کے اجلاس ۱۹۴۲ء کا منظر آ جاتا ہے جس کا افتتاح قائدِ اعظم نے کیا تھا۔ عالی شان پنڈال میں لاکھوں فرزندانِ توحید کا جوش و خروش دیدنی تھا۔ ڈاکٹر فرید بخش، مسلم لیگ نیشنل گارڈ کے سالار کی حیثیت سے اس جلسے کے منتظم تھے، بڑے باغ و بہار انسان تھے۔ انہوں نے نہ صرف سیاسی کام کیا بلکہ تعلیمی میدان میں بھی مسلمانوں کی رہنمائی کی، اپنے گاؤں میں کالج قائم کیا اور اس طرح سیاسی رہنماؤں کو خدمت کی ایک نئی راہ کا تصور پیش کیا۔

جناب محمد صادق قصوری کی سعی و کاوش آپ کے سامنے ہے، ان کی بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ تحقیق کو پیشِ نظر رکھتے ہیں، حوالوں سے گفتگو کرتے ہیں۔ انہوں نے جس خلوص و لگن سے یہ کام کیا ہے، قابلِ ستائش ہے۔

میں بھی کئی سال سے اس موضوع پر کام کر رہا ہوں، تحریکِ پاکستان کا کارکن اور لاہور میں رہنے کی وجہ سے مجھے بہت سی سہولتیں حاصل ہیں، مگر اس کے باوجود مجھے دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، صادق صاحب تو ایک دور افتادہ گاؤں میں رہتے ہیں اور ان کے وسائل محدود ہیں مگر حوصلے بلند ہیں، اس عظیم ہمت کی بنا پر انہوں نے یہ کارنامہ سرانجام دیا ہے جسے مرتب کرنے کے لئے کئی اداروں اور رہنماؤں کی ضرورت تھی۔

صادق قصوری صاحب نے تن تنہا یہ کام سرانجام دیا ہے اور وہ دوسری جلد کے بعد تیسری جلد پیش کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ میں تحریکِ پاکستان کے کارکنوں کی جانب سے ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے اس مفید تالیف سے تحریکِ پاکستان کے جانثاروں کے حالات اور خدمات محفوظ کر دیئے ہیں، ان کا اندازِ تحریر بڑا دلآویز ہے، اس طرح یہ کتاب نہ صرف تاریخ بلکہ ادب کے میدان میں بھی بیش بہا اضافہ ہے۔

حکیم آفتاب احمد قرشی ایم۔ اے

پیر انور علی ہاشمی

آپ کی ولادت باسعادت ۱۸۹۸ء میں ضلع شیخوپورہ کے قصبہ ملک پور میں ہوئی ابتدائی تعلیم کے بعد ۱۹۱۶ء میں نارمل اور ۱۹۱۸ء میں سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور سے سینیئر ورنیکلر کا امتحان پاس کیا۔ تکمیل علم کے بعد آپ نے تعلیم و تدریس کا شغل اختیار کیا، جو ۱۹۱۸ء سے ۱۹۴۰ء تک جاری رہا۔ اس دوران آپ نے مختلف مدارس میں خدمات انجام دیں۔

پیر صاحب کو شعر کہنے کا بچپن ہی سے شوق تھا۔ تحریک خلافت کے دنوں میں آپ نے کئی قومی اور انقلابی نظمیں لکھیں۔ یہ انقلابی نظمیں روزنامہ زمیندار لاہور اور اس زمانے کے دیگر کئی ہفتہ وار اخبارات میں شائع ہو کر نوجوانوں کے خون میں حرارت پیدا کرتی رہیں۔ آپ کے عم زاد بھائی افتخار احمد ہاشمی (برادر پیر غلام دستگیر نامی) نے جو ان دنوں روزنامہ زمیندار سے وابستہ تھے پیر انور علی شاہ صاحب کا وجاہت حسین جھنجانوی مدیر آفتاب و زمیندار سے تعارف کرایا، پیر انور علی شاہ شروع شروع میں اپنا کلام انہی کو دکھاتے رہے اور انہی سے اصلاح لیتے رہے لیکن بعد میں میاں عبدالمجید ازل تلمیذ حضرت داغ دہلوی کی شاگردی اختیار کی۔

پیر صاحب نے تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ مسلم لیگ کانفرنس پٹنہ میں شرکت کی اس کے علاوہ قائد اعظم کی معیت میں کئی اجلاسوں اور کانفرنسوں میں شرکت کی۔ جب قرار داد پاکستان پاس ہوئی تو اس موقع پر بھی آپ لاہور کے اس تاریخی جلسہ عام میں موجود تھے۔ ایک مرتبہ جب قائد اعظم سیالکوٹ تشریف لیجا رہے تھے تو پیر صاحب نے مریدکے ضلع شیخوپورہ میں ایک جلسہ عام کا اہتمام کیا اور ہزاروں کی تعداد میں دیہی عوام کو قائد اعظم کی تقریر سے مستفیض ہونے کا موقع فراہم کیا، اس موقعہ پر صدر استقبالیہ کی حیثیت سے انہوں نے

جو سپاسنامہ پیش کیا وہ اتنا جامع تھا قائدِ اعظم اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے، اور انہوں نے اپنی جوابی تقریر میں ان کو خراجِ تحسین پیش کیا اور ان کی شخصیت اور کردار پر پورا پورا اعتماد کرتے ہوئے سیالکوٹ کے جلسہ عام میں عوام سے اُن کا تعارف کرایا اور اپنی طرف سے بھی مکمل اعتماد کا اظہار کیا۔

آزادیٔ وطن کے بعد جب مسلمان پناہ گزین ہو کر پاکستان آ رہے تھے تو آپ نے مریدکے منڈی مہاجر کمیٹی کے صدر کی حیثیت سے مہاجرین کی آبادکاری کے کام میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا، آپ ضلع شیخوپورہ مسلم لیگ کے صدر بھی رہے اور زمیندار لیگ کے صدر کی حیثیت سے بھی زمینداروں کی فلاح و بہبود کے لیے کام کرتے رہے۔ تحریکِ پاکستان کے دوران اور اُس کے بعد جو بھی کام کیا بے لوث اور قومی خدمت کے جذبہ سے کیا۔

پیر صاحب نے حضرت مولانا صوفی محمد یار تکیل فریدی رحمۃ اللہ علیہ گڑھی اختیار خان ضلع رحیم یار خاں کے ہاتھ پر بیعت کی جن دنوں مریدکے ایک جنگل نما علاقہ تھا اور اس علاقہ میں سانپ کثرت سے پائے جاتے تھے۔ آپ بذریعہ دم سانپ کے کاٹے کا علاج کرتے چنانچہ علاج کی غرض سے دُور دراز سے آنے والے لوگوں کی رہائش اور ان کی خوراک کا خرچ بھی خود ہی برداشت کرتے۔

آپ نے تمام عمر اپنے خونِ جگر سے علم و ادب کی آبیاری کی۔ اُردو، فارسی اور عربی پر مکمل عبور حاصل تھا۔ اردو زبان سے محبت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے پٹنہ کانفرنس میں ایک قرارداد پیش کی جس میں اردو کو قومی زبان قرار دینے کی سفارش کی گئی تھی۔ حدیثِ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی روشنی میں آپ نے بہت سی کتابیں لکھیں جن میں سے کتاب عبدہٗ کا ترجمہ سعودی عرب میں بھی شائع ہوا۔

آپ ۸ جون ۱۹۷۵ء مطابق ۲۰ جمادی الاول ۱۳۹۵ھ بروز اتوار شام چھ بجکر پچاس منٹ پر اس جہانِ فانی سے رخصت ہو گئے مگر آپ کی شخصیت و کردار ہمارے لیے روشنی کا مینار ہے جس

کی ضوفشانی سے دلوں کی دنیا ہمیشہ روشن رہے گی، امرید کے ضلع شیخوپورہ میں مزار مرجع عام و خاص ہے آخر میں آپ کے نعتیہ کلام سے ایک نعت پیش کی جارہی ہے جس سے آپ کے ذوق دروں اور حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق خاطر کا بآسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

اجڑا ہوا دیار ہے دنیا ترے بغیر — ویران جہانِ محشر و عقبیٰ ترے بغیر
اپنا میں دردِ دل بھلا کس سے بیان کروں — کوئی نہیں جہاں میں سہارا ترے بغیر
تاریک ہو رہی ہے شبِ زندگی میری! — ممکن نہیں ہے اس میں اُجالا ترے بغیر
ہر لحظہ میرے دل میں رہے تیری آرزو — سر میں نہ اور ہو کوئی سودا ترے بغیر
تو ہے جہاں میں باعثِ تکوینِ دو جہان — کیونکر ہو وصلِ بندہ و مولا ترے بغیر
پیمانِ ازل میں بندہ و آقا کے درمیاں — اس راز کا ہے کون شناسا ترے بغیر
دیکھا ہے تو نے چشمِ مبارک سے برملا — دربارِ حق میں کون ہے پہنچا ترے بغیر
بس اک شعاعِ نور سے ہی طور جل گیا — کس کو ہے اس کی تاب کا یارا ترے بغیر

اہلِ جہاں کو مشکلیں انور جو پیش ہیں
کوئی نہیں ہے ان کا مداوا ترے بغیر [1]

---

[1] عقیدت کے پھول مرتبہ پیر عبد الغفور ہاشمی مطبوعہ لاہور ۱۹۷۵ء ص ۱۰۷ تا ۱۱۰۷۔

پیر الٰہی بخش

سندھ کے ہر دلعزیز سیاستدان پیر الٰہی بخش ۱۸۹۵ء میں پیر گوٹھ ضلع دادو میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم کے بعد علیگڑھ چلے گئے اور وہیں سے ۱۹۲۱ء میں وکالت کا امتحان پاس کیا۔ دورانِ طالب علمی علی برادران کے ساتھ تحریک خلافت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اور ۲۳-۱۹۲۲ء کے بعد جب اس تحریک کا زور کم ہونے لگا۔ تو آپ نے اس کے وقار کو برقرار رکھنے کی بھرپور سعی کی۔ اور فارغ التحصیل ہونے کے بعد بھی اس سے علیحدگی اختیار نہ کی۔[۱]

۱۹۳۱ء میں جب گول میز کانفرنس لندن میں مولانا محمد علی جوہر کا انتقال ہو گیا، تو آپ نے سندھ میں ایک نئی تحریک کی بنیاد رکھی جو سندھ یونائیٹڈ فرنٹ کے نام سے مشہور ہوئی ہندو نے اس تحریک کی شدید مخالفت کی، کیوں کہ اس کا بنیادی مقصد "سندھ" کو صوبہ بمبئی سے علیحدہ کرانا تھا۔ ہندو یہ سمجھتے تھے کہ اگر سندھ الگ ہو گیا تو ہندوؤں کی سندھ میں اکثریت ختم ہو جائیگی کیوں کہ سندھ بذاتِ خود ایک مسلم صوبہ بن جائے گا۔ اس مخالفت کے باوجود آپ نے اپنی تحریک جاری رکھی اور ۱۹۳۶ء میں بمبئی سے الگ صوبہ سندھ منوا کر دم لیا اور اُس وقت سے مسلمانوں کے بنیادی حقوق کا بیڑا اُٹھایا۔ اور مسلمانوں کو ملازمتوں میں ان کے حقوق دلانے کے لیے بھرپور جدوجہد کی۔[۲]

اس معرکہ کو سر کرنے کے بعد ۱۹۳۸ء میں مسلم لیگ سے وابستہ ہو گئے اور سندھ میں اس جماعت کو مقبول بنانے کی انتہائی جدوجہد کی۔ گو بعض نیشنلسٹ مسلمانوں نے اُن کی مخالفت کی، مگر انہیں

۱۔ روزنامہ مساوات لاہور ۱۳ اکتوبر ۱۹۷۵ء۔ روزنامہ نوائے وقت لاہور ۵ ۲ اکتوبر ۱۹۷۶ء۔
۲۔ ایضاً۔

نے دوسرے محب وطن مسلمان لیڈروں کے ساتھ کام کر کے مسلم لیگ کا اقتدار قائم کیا قیام پاکستان کے بعد ۱۹۴۷ء میں سندھ کے وزیر تعلیم و مالیات بنائے گئے۔ اس وقت آپ نے مہاجرین کی آبادکاری کے لیے بے پناہ کام کیا۔ اور اس کے بعد ۱۳ مئی ۱۹۴۸ء کو وزیر اعلیٰ بنا دیے گئے۔ تو کراچی میں مہاجرین کی آبادکاری کے لیے پیر الہٰی بخش کالونی تعمیر کرائی اور اپنی رہائش گاہ بھی وہیں بنوائی۔ ۱

آپ کو تعلیمی امور سے بہت دلچسپی تھی۔ آپ نے سندھ میں کامرس کالج، گرلز کالج، انجنیرنگ کالج اور بہت سے اسکول کھلوائے۔ سندھ یونیورسٹی کا قیام بھی آپ کا ہی رہین منت ہے۔ مشہور ماہر تعلیم پروفیسر اے بی اے حلیم کو علی گڑھ سے کراچی لانے کا شرف بھی آپ کو ہی حاصل ہے۔ اردو کالج کراچی کے قیام میں آپ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ غرض آپ نے زندگی بھر تعلیمی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ان خدمات کی بنا پر آپ کو سرسید سندھ بھی کہا جاتا ہے۔ ۲

۱۹۴۹ء میں آپ نے اپنی وزارت عظمیٰ کے دوران کچھ ایسے اقدامات کیے جس کی وجہ سے مسلم لیگ اور اس کی قیادت کو آپ سے اختلاف پیدا ہو گیا اور آپ نے استعفیٰ دے کر عوامی لیگ میں شرکت کر لی۔ یہ جماعت ۲۷ اکتوبر ۱۹۴۹ء کو قائم کی گئی تھی، پیر صاحب اس کے روح رواں تھے جب اس کا پہلا اجلاس سید حسین شہید سہروردی کی صدارت میں ہوا تو آپ نے اس جماعت کو مضبوط بنانے کے لیے بہت سے لیڈروں کو جمع کیا۔ ان میں حضرت پیر صاحب مانکی شریف اور نواب افتخار حسین ممدوٹ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ ۳

وزارت سے علیحدگی کے بعد آپ نے اسمبلی کے اندر اور باہر قومی گرانقدر خدمات انجام دیں۔ جب ون یونٹ کا قیام عمل میں آیا تو آپ نے ڈٹ کر مخالفت کی، جو حکومت وقت کی ناراضگی کا

۱، ۲ روزنامہ مساوات لاہور ۱۳ اکتوبر ۱۹۷۵ء، مسلم لیگ کا دور حکومت از صفدر محمود مطبوعہ روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲۵ اکتوبر ۱۹۷۶ء۔ مطبوعہ لاہور ۱۹۷۳ء ص ۱۹۰، ۱۹۳

۳ روزنامہ مساوات ۱۳ اکتوبر ۱۹۷۵ء، روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲۵ اکتوبر ۱۹۷۶ء

سبب بنی مگر آپ نے اس ناراضگی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنا یہ سیاسی کام یعنی ون یونٹ کو ختم کرنا برابر جاری رکھا۔ ۱۹۵۸ء میں جب نام نہاد اصلاحات کا دور شروع ہوا تو آپ نے یہ محسوس کیا کہ یہ اصلاحات کسی خاص مقصد کی تکمیل کے لیے اختیار کی گئی ہیں آپ نے اس صورت حال سے دل برداشتہ ہو کر سیاست سے علیحدگی اختیار کر لی۔

۱۹۶۳-۶۴ء میں مولانا محمد عمر اچھروی رحمۃ اللہ علیہ نے "جمعیت المسلمین" کی بنا ڈالی تو آپ اس میں شریک ہو گئے اور مذہب و ملت کی خدمت کا عزم کیا مگر یہ تنظیم جلد ہی دم توڑ گئی۔ اس کے بعد آپ تا زیست تعلیمی و ملی خدمات سرانجام دیتے رہے ۱۹۶۴ء میں جی ایم سید کی تصانیف کے حوالوں سے ایک کتابچہ "ادب کی آڑ میں" شائع کر کے بہت بڑا کارنامہ انجام دیا۔ آخر کار مختصر علالت کے بعد معدہ کے عارضہ میں ۸ اکتوبر ۱۹۶۵ء کو سوا گیارہ بجے سول ہسپتال کراچی میں خالق حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ [۱]

آپ کی وفات حسرت آیات پر تمام ملک میں گھر سے رنج و الم کا اظہار کیا گیا۔ ملک بھر کے اخبارات نے زبردست خراج تحسین پیش کیا۔ ذیل میں روزنامہ "نوائے وقت" لاہور کا اداریہ نقل کیا جاتا ہے:

"پیر الٰہی بخش نے عید الفطر سے اگلے روز داعی اجل کو لبیک کہا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ پیر الٰہی بخش سندھ کے سربرآوردہ رہنماؤں میں سے تھے۔ ان کی سیاسی زندگی کا آغاز تحریک خلافت میں شمولیت سے ہوا۔ وہ اس تحریک کے بڑے سرگرم کارکن رہے۔ سندھ پہلا صوبہ تھا جس کی صوبائی مقننہ نے پاکستان کی حمایت میں قرارداد منظور کی۔ اگرچہ سر غلام حسین ہدایت اللہ کی وزارت کو خان بہادر اللہ بخش (کانگرسی) نے برطرف کرا دیا تھا تاہم پیر الٰہی بخش سرگرمی کے ساتھ مسلم لیگ کی حمایت کرتے رہے اور قیام پاکستان کے بعد وہ نہ صرف مسلم لیگی کابینہ

---

[۱] روزنامہ نوائے وقت لاہور ۱۰ امروز لاہور ۹ اکتوبر ۱۹۶۵ء روزنامہ مساوات لاہور ۱۳ اکتوبر ۱۹۶۵ء

میں شامل ہوئے بلکہ سندھ کے وزیر اعلیٰ بھی رہے۔ چونکہ وہ مغربی پاکستان کی وحدت کے قائل نہ تھے، اس لیے مارشل لاء کے دوران سیاست سے کنارہ کش رہے۔ تاہم انہوں نے پاکستان اور نظریہ پاکستان کی حمایت سے کبھی ہاتھ نہ اُٹھایا۔ مارشل لاء ختم ہوا تو وہ عمر کی اس منزل میں تھے، جہاں ضعف و نقاہت کی وجہ سے آدمی گوشہ گیری کے سوا کسی کام کا نہیں رہتا۔ پیر الٰہی بخش کی خدمات کے اعتراف کے طور پر کراچی میں ایک کالونی اُن کے نام کو بقائے دوام بخشنے کے لیے کافی ہے۔ یوں بھی پیر صاحب کی تمام زندگی ان لوگوں کے لیے نمونہ ہے جو اسلام اور مسلمانوں کا درد اپنے دل میں رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جوارِ رحمت میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبرِ جمیل کی توفیق عنایت فرمائے۔ پیر الٰہی بخش کی موت سے سندھ کی سیاسیات کا ایک باب ختم ہوتا ہے۔ خدا سندھ کی سیاسیات کو ان کا ایسا نعم البدل عطا فرمائے جس کے دل میں پاکستان اور مسلمانوں کے لیے خیر خواہی کے وہی جذبات ہوں جو مرحوم کے دل میں تھے۔" [1]

۳ نومبر کو سندھ اسمبلی کا اجلاس شروع ہوا، تو آپ کی وفات پر تعزیتی قرارداد منظور کی گئی۔ قرارداد میں آپ کی تحریک پاکستان، بے گھروں کی آبادکاری اور تعلیم کے شعبہ میں خدمات کو سراہا گیا اور پسماندگان سے اظہارِ تعزیت کیا گیا۔ جمعیت علماء پاکستان کے رکن اسمبلی مولانا محمد حسن حقانی مدظلہٗ نے فاتحہ پڑھائی۔ [2] روزنامہ مشرق لاہور نے اپنے اداریے میں یوں خراجِ عقیدت پیش کیا:-

"سندھ کے سابق وزیر اعلیٰ پیر الٰہی بخش کا انتقال بلاشبہ ایک قومی سانحہ ہے۔ مرحوم نے تحریک خلافت اور تحریک پاکستان میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔ انہوں نے خاص طور پر سندھ میں علی گڑھ تحریک کے مقاصد کو تقویت پہنچانے کے لیے جو عظیم کردار ادا کیا ہے اُسے کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ علی گڑھ تحریک کی طرح بمبئی سے سندھ کی علیحدگی کی تحریک کو بھی قیامِ پاکستان کی جدوجہد سے الگ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ تحریک پاکستان کی جڑیں ماضی میں بہت دور

---

[1] روزنامہ نوائے وقت لاہور ۱۰ اکتوبر ۱۹۷۵ء [2] روزنامہ نوائے وقت لاہور ۴ نومبر ۱۹۷۵ء۔

تک پھیلی ہوئی ہیں اور سندھ کی علیحدگی کی تحریک بھی اسی سلسلے کی ایک مؤثر کڑی تھی۔ جسے برصغیر کی ملی تاریخ میں بہت اہم مقام حاصل ہے۔ اس تحریک میں بھی مرحوم نے امتیازی کردار ادا کیا تھا انہوں نے سندھ میں مسلمانوں کی تعلیمی پسماندگی دور کرنے کے لیے جدوجہد میں بھی نمایاں مقام حاصل کیا علی گڑھ کی تعلیم اور ماحول نے ان کے مزاج پر جو رنگ چڑھایا تھا۔ وہ اُن کی قومی زندگی میں ہر مرحلے میں نمایاں رہا۔

سندھ کی ابتدائی کابینہ میں انہوں نے وزیر تعلیم کی حیثیت سے گرانقدر خدمات انجام دیں۔ قیام پاکستان کے بعد وہ ایک عرصہ تک سندھ کے وزیر اعلیٰ بھی رہے۔ یہ ۱۹۴۸ء کا دور تھا جب بھارت کے لاکھوں مسلمان گھر بار سے محروم ہو کر پاکستان آ رہے تھے اور اُن کی آبادکاری وقت کا نازک ترین مسئلہ بن کر رہ گئی تھی۔ مرحوم نے مہاجرین کی بحالی کی جدوجہد میں انتہائی عرق ریزی سے کام لیا۔ پیر الٰہی بخش کالونی توران کے نام سے آباد ہوئی۔ اس کے علاوہ گولیمار، پیر آباد، بہار کالونی اور متعدد دوسری بستیوں کو بھی اُن کے عہد ہی میں بسایا گیا۔ وہ ایک خاموش لیکن انتھک قومی کارکن بھی تھے۔ ازخود نمود کی خواہش سے بے نیاز ہو کر ضرورت مندوں کے کام آنا اپنی زندگی کا مقصدِ اولیٰ تصور کرتے تھے۔ وہ سچے پاکستانی اور وسیع النظر انسان تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آج ان کی جدائی وسیع تر حلقوں میں پوری شدت سے محسوس کی جا رہی ہے۔ [۱]

---

[۱] روزنامہ مشرق لاہور، ۱۱ر اکتوبر ۷۵ء۔

سیّد امیر الدین قدوائی

تحریکِ پاکستان کے ممتاز رہنما سید امیر الدین قدوائی ۱۹۰۱ء میں پیدا ہوئے۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے تعلیم مکمل کرنے کے بعد علی گڑھ لاء کالج میں پروفیسر ہو گئے۔ ڈاکٹر سر ضیاء الدین اور آپ نے یونیورسٹی کو ہندو غنڈہ گردی کی آماجگاہ بننے سے روکنے کے لئے مثالی کام کیا تحریکِ خلافت سے سیاسی زندگی کا آغاز کیا۔ اور علی برادران کے ساتھ بڑی محنت اور لگن سے کام کرتے رہے۔ اسی دوران آل انڈیا مسلم یوتھ کانفرنس کے سیکریٹری جنرل منتخب ہوئے۔ ۱۹۳۶ء میں سر راس مسعود کے پرسنل اعزازی سیکریٹری مقرر ہوئے اور مسلم یونیورسٹی کی نشاۃِ ثانیہ کے لئے کام کرتے رہے۔ آل انڈیا مسلم کانفرنس کے سیکریٹری جنرل بھی رہے۔ اس کانفرنس کے صدر سر آغا خاں نائب صدر سر عبداللہ ہارون اور علامہ اقبال تھے۔[1]

تحریکِ پاکستان میں علی گڑھ یونیورسٹی کی ٹیم میں شامل رہے اور علی گڑھ میں پاکستان کی سکیم تیار کی جسکو بنیاد بنا کر قائدِ اعظم نے ۱۹۴۰ء کی قرارداد تیار کی۔ یوپی مسلم لیگ میں کئی حیثیتوں سے کام کرتے رہے اور آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کے رکن رہے۔ ۱۹۴۶ء میں پاکستان کے جھنڈے کا ڈیزائن تجویز کر کے قائدِ اعظم کو پیش کیا جسے قائدِ اعظم نے منظور کر لیا۔

پاکستان بننے پر ۱۹۴۷ء میں پاکستان آ کر لاہور لاء کالج میں پروفیسر مقرر ہو گئے پھر پریکٹس شروع کی۔ جمعیۃ علماءِ پاکستان کے سرگرم رکن رہے اور اس کے نائب صدر بھی منتخب ہوئے تھے ۱۹۵۵ء میں آل پاکستان سنی کانفرنس کے اجلاس منعقدہ لاہور میں بڑی سرگرمی سے حصہ لیا اور کئی تجویزیں اور قراردادیں پیش کیں، سپریم کورٹ کے سینئر ایڈووکیٹ بھی رہے۔[2]

---

[1] ہفت روزہ الہام بہاولپور ۴ اگست ۱۹۷۴ء ص ۴۔ روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲۲ ~~~ ۔ روزنامہ مشرق لاہور ۷۱ ~~~ ، ماہنامہ ترجمانِ اہلسنت کراچی اگست ستمبر ۱۹۷۴ء

[2] ایضاً۔

آپ اکثر اوقات عبادتِ الٰہی میں مصروف رہتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کو بے پناہ عشق تھا، داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ سے بہت عقیدت تھی۔ آخری دنوں میں کراچی میں مقیم ان کے عزیزوں (لڑکے اور بیگم صاحبہ) نے بہت کوشش کی کہ آپ کراچی چلے آئیں مگر انہوں نے داتا گنج بخش کے دربار سے دوری قبول نہ کی۔

سقوطِ ڈھاکہ کے بعد بہت غمگین رہتے تھے آپ نے دعا کرنے والوں کا ایک حلقہ بنایا تھا جس میں ہر اس آدمی کا نام رجسٹرڈ کر لیتے جو پاکستان کی سلامتی کے لئے دعا کرنے کا اقرار کر لیتا۔ آپ فرماتے تھے: "دعا میں یہ الفاظ بھی شامل کر لینا کہ اے اللہ! سارے ہندوستان کو پاکستان بنا دے"۔ [1]

آخر آپ سقوطِ ڈھاکہ کے غم کو زیادہ دیر تک برداشت نہ کر سکے اور ۲۱ رجب ۱۳۹۳ھ مطابق ۲۱ اگست ۱۹۷۳ء بروز منگل خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ ۲۲ اگست ۱۹۷۳ء کو ۹۷ ڈی گلبرگ II نزد مسجد غوثیہ سے جنازہ اٹھایا گیا۔ نماز جنازہ میں کثیر التعداد لوگوں نے شرکت کی اور گلبرگ کے قبرستان میں سپردِ خاک کر دئے گئے۔

روزنامہ نوائے وقت لاہور کے سٹاف رپورٹر سید انور قدوائی آپ کے صاحبزادے ہیں۔ آپ حضرت میاں علی محمد صاحب چشتی نظامی آف بسی شریف سے بیعت تھے۔ [2]

---

[1] ایضاً

[2] روزنامہ وفاق لاہور ۲۰ مارچ ۱۹۷۵ء

مفتی اعجاز ولی خاں

ہندوستان میں بریلی نام کے دو شہر مشہور ہیں۔ ایک پرانے بریلی اور دوسرا بانس بریلی، بانس بریلی کو زیادہ تر شہرت اعلیحضرت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی قدس سرہٗ کی ذاتِ گرامی کی وجہ سے حاصل ہوئی ہے[۱] اعلیحضرت قدس سرہٗ نے مذہب و ملت کی جو عظیم الشان خدمات سرانجام دی ہیں اس صدی میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ آپ ہی کے خانوادے میں ۱۱ ربیع الآخر ۱۳۳۲ھ مطابق ۲۰ مارچ ۱۹۱۴ء کو ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام محمد اعجاز ولی خان رکھا گیا۔ اس بچے کا سلسلہ نسب تین واسطوں کے بعد اعلیحضرت قدس سرہٗ کے نسب سے مل جاتا ہے جو اس طرح ہے۔

محمد اعجاز ولی خان بن سردار ولی خاں بن ہادی علیخان بن نقی علیخاں بن رضا علیخان بن کاظم علیخاں، اعلیحضرت قدس سرہٗ کا سلسلہ نسب یوں ہے، احمد رضا خان بن نقی علیخان بن رضا علی خان کاظم علی خان۔[۲]

ہوش سنبھالنے کے بعد حضرت مفتی صاحب کو مکتب میں داخل کروا دیا گیا۔ ۱۵ر شعبان المعظم ۱۳۳۶ھ کو اعلیحضرت بریلوی قدس سرہٗ کے حضور قرآن پاک پڑھنا شروع کیا۔ بعد ازاں حافظ عبدالکریم قادری بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے ابتدائی کتب پڑھنے کے بعد درجہ متوسط کی کتابیں اپنے برادر اکبر مولانا تقدس علی خان مدظلہٗ[۳] علامہ مختار احمد خان سلطانپوری بریلوی

---

[۱] تذکرہ علماء ہند از مولانا رحمٰن علی (اردو ترجمہ از پروفیسر محمد ایوب قادری) مطبوعہ کراچی ۱۹۶۱ء ص
[۲] پندرہ روزہ سواد اعظم لاہور، ۱۵ دسمبر ۱۹۷۵ء ص ۱۱
[۳] حال صدر مدرس جامعہ راشدیہ پیر گوٹھ (سندھ)

مولانا حسنین رضا خاں مدظلہ (خلف الرشید مولانا حسن رضا خان) سے پڑھیں شرح جامی مفتیٔ اعظم ہند شاہ مصطفیٰ رضا خان مدظلہ اور تفسیر جلالین حضرت محدث پاکستان مولانا سردار احمد لائل پوری رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں ۱۳۵۲ھ میں مفتیٔ اعظم ہند مدظلہ سے سند حدیث حاصل کی پھر الہ آباد یونیورسٹی سے فاضل دینیات اور دوسری مرتبہ ۸ ذوالحجہ ۱۳۵۲ھ کو حجۃ الاسلام شاہ حامد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے سند حدیث حاصل کی اور حضرت مفتیٔ اعظم ہند مدظلہ کے دست مبارک پر سلسلہ قادریہ میں بیعت کی پھر باقی ماندہ علوم کی دار العلوم سعیدیہ دادوں ضلع علیگڑھ میں تکمیل کرکے سند فراغت حضرت صدر الشریعت مولانا محمد امجد علی اعظمی (والد گرامی علامہ عبد المصطفیٰ ازہری) شیخ الحدیث دار العلوم سعیدیہ سے حاصل کی [1]

حضرت مفتیٔ اعظم ہند شاہ محمد مصطفیٰ رضا خاں مدظلہ نے حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری کے مزار پر سلسلہ قادریہ میں آپ کو اجازت و خلافت عطا کی مختلف دینی مدارس میں تدریسی خدمات سرانجام دینے کے بعد دار العلوم منظر اسلام بریلی و مدرسہ مظہر اسلام بریلی میں علم و عرفان کے گوہر لٹاتے رہے ۱۹۴۵ء میں پانی پت میں حضرت غوث علی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر مدرسہ منہاج العلوم میں منصب تدریس سنبھالی۔ ایک سال بعد پھر بریلی واپس چلے گئے اور ایک برس تک دار العلوم منظر اسلام میں درس و تدریس کی خدمات انجام دیں۔ [2]

۱۹۳۶ء میں مسلم لیگ کی حمایت میں تقریریں کرنا شروع کیں اور کانگرس کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ ۱۹۴۶ء میں بنارس میں آل انڈیا سنی کانفرنس حضرت امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ علی پوری رحمۃ اللہ علیہ کی زیر صدارت منعقد ہوئی۔ اس میں دیگر ہزاروں علماء کے ساتھ حضرت مفتی صاحب

---

[1] پندرہ روزہ سواد اعظم لاہور ۱۵ دسمبر ۱۹۷۵ء ص ۱۱۔

[2] تذکرہ علماء اہل سنت لاہور از علامہ اقبال احمد فاروقی مطبوعہ لاہور ۱۹۷۵ء ص ۳۲۹۔ پندرہ روزہ سواد اعظم لاہور ۱۵ دسمبر ۱۹۷۵ء ص ۱۱۔ روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲۴، ۲۶ دسمبر ۱۹۷۳ء۔

بھی شریک ہوئے کانفرنس کی کامیابی کے بعد حصول پاکستان کی منزل کو پانے کے لیے سربکف میدان میں کود پڑے جگہ جگہ مسلم لیگ کی حمایت میں دورے کئے۔ پنجاب کے اکثر اضلاع میں مسلم لیگ کا پیغام پہنچایا ۱۹۴۶ء میں ہی بریلی سے پاکستان کی حمایت میں فتویٰ جاری کیا اور تمام مسلمانوں پر پاکستان کی حقیقت واضح کی اور پھر حصول آزادی تک ڈٹ کر انگریز اور ہندو کی مخالفت کرتے رہے۔ ۱ؔ

پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے بعد ۲۰ دسمبر ۱۹۴۷ء کو ہجرت فرما کر یہاں تشریف لے آئے اور ۱۹۵۰ء تک جامعہ محمدی شریف (جھنگ) میں نائب شیخ الحدیث کے عہدہ پر خدمات انجام دیتے رہے اس کے بعد دارالعلوم اہلسنت وجماعت جہلم میں منصب تدریس پر فائز رہے جون ۱۹۵۴ء میں جامعہ نعیمیہ لاہور میں شیخ الحدیث والفقہ کے عہدے پر فائز ہوئے اور ۱۹۶۰ء تک تشنگان علم دین کی پیاس بجھاتے رہے اسی دوران ۱۹۵۶ء میں مزار اقدس حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ سے متصل جامعہ گنج بخش کی بنیاد ڈالی اور ساتھ ساتھ کرشن نگر (اسلام پورہ) کی جامع مسجد میں جامعہ حامدیہ رضویہ کے نام سے ایک مدرسہ قائم کیا۔ ایک عرصہ تک دونوں مدارس کے مہتمم کی حیثیت سے کام کرتے رہے اور ساتھ ہی ساتھ جامع مسجد کرشن نگر میں امام و خطیب کے فرائض بھی سرانجام دیتے رہے۔ ۲ؔ

۱۹۶۰ء میں دارالعلوم نعمانیہ اندرون ٹکسالی گیٹ لاہور کی انتظامیہ کے اصرار پر یہاں تشریف لے آئے اور شیخ الحدیث کے منصب جلیلہ پر فائز ہوئے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ جمعیت علماء پاکستان میں شامل ہو کر نظام مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نفاذ کے لیے مقدور بھر کوشش کرتے رہے

۱ؔ تذکرہ علماء اہلسنت لاہور از علامہ اقبال احمد فاروقی مطبوعہ لاہور ۱۹۷۵ء ص ۳۶۹۔ پندرہ روزہ سواد اعظم لاہور ۵ ار دسمبر ۱۹۷۵ء ص ۱۱۔ روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲۴ ، ۲۲ دسمبر ۱۹۷۳ء۔

۲ؔ تذکرہ علماء اہلسنت لاہور ص ۳۶۸۔ پندرہ روزہ سواد اعظم لاہور ۱۵ دسمبر ۱۹۷۵ء ص ۱۱۔

شعبان ۱۳۹۳ھ (۱۹۷۳ء) میں انجمن نعمانیہ کے صدر ڈاکٹر ڈلاور علی نے آپ کو نوٹس دیا کہ آپ یا تو مدرسہ کے شیخ الحدیث رہیں یا جمعیت علمار پاکستان سے تعلق رکھیں۔ آپ نے مدرسہ سے استعفیٰ دے دیا لیکن جمعیت سے تعلق توڑنا گوارا نہ کیا۔ ۱؎

سوادِ اعظم کی ترجمان جمعیت علماء پاکستان سے آپ کی وابستگی شروع سے ہی تھی۔ تازیست مقدور بھر خلوص و محنت سے اس کی خدمت کرتے رہے۔ ۱۹۶۲ء جمعیت کے ملتان کنونشن میں مجاہد مولانا عبدالستار خان نیازی مدظلہ کو پنجاب جمعیت کا صدر، اور آپ کو نائب صدر چن لیا گیا۔ ۱۹۷۳ء میں خانیوال کنونشن میں حضرت نیازی صاحب کو مرکزی جمعیت کا جنرل سیکرٹری منتخب کیا گیا تو پنجاب جمعیت کی صدارت کی ذمہ داریاں آپ کو سونپ دی گئیں۔ آپ جمعیت کی مرکزی مجلس عاملہ کے بھی رکن تھے۔ منفی سیاست سے متنفر اور تعمیری تنقید کے حامی تھے۔ ۲؎

آپ کو فقہ میں ایک خاص مقام حاصل تھا۔ فتویٰ میں سند کا درجہ رکھتے تھے۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد ہی فتویٰ نویسی کا کام شروع کر دیا تھا اور "فقیہ العصر" کے خطاب سے نوازے گئے تھے۔ بزرگانِ دین سے بہت عقیدت تھی یہی وجہ تھی کہ صوفیائے کرام کے حالات بیان کرنے میں انھیں خاصا عبور حاصل تھا۔ آپ کا دل عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سرشار تھا۔ بے حد ذہین، محنتی، صالح، خوش اخلاق، ملنسار، غیور، خود دار اور جسمانی طور پر تندرست و توانا تھے۔ اپنے تو اپنے بیگانے بھی ان کے کمالات کے معترف تھے۔ ۵

جدا جدا جو وصف دیگر علماء میں تھے
وہ سب کے سب اس عاشق خدا میں تھے

۱۔ تسہیل الواضح (۲) قانونِ میراث (۳) تنویر القرآن (تفسیر قرآن) (۴) ترجمہ مکاتیب

۱؎ تذکرہ علماء اہلسنت لاہور ص ۲۰۸ پندرہ روزہ سوادِ اعظم لاہور ۱۵ دسمبر ۱۹۷۵ء ص ۱۱۔
۲؎ روزنامہ نوائے وقت لاہور ۱۸، ۱۹ ستمبر ۱۹۶۲ء ، ۲۷ مئی ۱۹۷۳ء۔

ورسائل شیخ عبدالحق (۵) ترجمہ کشف الاسرار (داتا گنج بخش) وغیرہ وغیرہ۔ علاوہ ازیں آپ کے شاگردوں کی تعداد قریباً پانچ ہزار ہے جو اس وقت آزاد کشمیر، مشرقی پاکستان، بھارت، انڈونیشیا، افریقہ، ماریشش، ایران، افغانستان، امریکہ، کویت، دوبئی اور انگلینڈ میں دین اسلام کی خدمات سرانجام دے رہے ہیں[1]

دارالعلوم انجمن نعمانیہ لاہور سے مستعفی ہونے کے بعد بحیثیت شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ رضویہ اندرون لوہاری گیٹ لاہور آپ کا تقرر ہوا لیکن قدرت کو شاید یہ تقرری منظور نہیں تھی کیونکہ ۲۳ شوال المکرم ۱۳۹۳ھ مطابق ۱۹ نومبر ۱۹۷۳ء بروز پیر (سوموار) ۱/۲ ۲ بجے شب میو ہسپتال لاہور میں چند دن بیمار رہ کر آپ کا انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ نماز جنازہ مفتیٔ اعظم پاکستان مولانا ابوالبرکات سید احمد مدظلہ نے پڑھائی اور میانی صاحب کے قبرستان میں حضرت مولانا غلام محمد ترنم رحمۃ اللہ علیہ کے پہلو میں دفن ہوئے ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

مختلف روزناموں نے آپ کی رحلت پر اداریوں کے ذریعے آپ کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے خراج تحسین پیش کیا۔ روزنامہ جمہور لاہور کا اداریہ نذر قارئین ہے:۔

"گزشتہ روز ایک محقق عالم دین عظیم فقیہ اور صائب الرائے مفتی ــــ مفتی اعجاز ولی خان انتقال کر گئے۔ مرحوم جمعیت علمائے پاکستان پنجاب کے صدر تھے مفتی اعجاز ولی خان ان اہل دین میں سے تھے جو دینی خودداری، غیرت اور کردار کے پیکر ہوتے ہیں۔ مفتی اعجاز ولی خان کا وصال معمولی حادثہ نہیں، یہ پہلے سے موجود قحط الرجال میں مزید خوفناک اضافہ ہے لیکن رب العالمین کا حکم ہی فیصلہ کن ہے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ مفتی صاحب کو اپنی بے پایاں رحمت سے نوازے اور ان کے پسماندگان کو قلبی اطمینان اور سکون عطا فرمائے"[2]

---

[1] تذکرہ علماء اہلسنت لاہور ص ۲۹۹۔ سوادِ اعظم لاہور ۱۵ دسمبر ۱۹۷۵ء ص ۱۱۔
[2] روزنامہ جمہور لاہور ۲۲ نومبر ۱۹۷۳ء۔

دیوان آلِ رسول اجمیری

آپ سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی اجمیری قدس سرہ کے سجادہ نشین تھے تحریک پاکستان میں آپ نے بے مثال خدمات انجام دیں مشہور صحافی جناب ممتاز لیاقت "تحریک پاکستان میں علماء کا حصہ" کے زیر عنوان رقم طراز ہیں: ۔

" مشائخ بھی اس میدان میں پیچھے نہ رہے۔ اکتوبر ۱۹۴۵ء میں پیر صاحب مانکی شریف کی دعوت پر پشاور میں سرحد اور پنجاب کے مشائخ کا ایک عظیم الشان اجتماع ہوا خواجہ معین الدین چشتی کے سجادہ نشین (دیوان آل رسول) خواجہ حسن نظامی متولی درگاہ حضرت بو علی قلندر، خواجہ عبدالرشید، پیر جماعت علی شاہ (علی پوری) اور پیر فضل شاہ (جلال پوری) وغیرہم نے اپنے مریدوں کو پاکستان کی حمایت کا حکم دیا[1]

۱۹۴۶ء میں حضرت صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی اور محدث اعظم ہند سید محمد کچھوچھوی نے بنارس میں تمام زعمائے ملت کی آل انڈیا سنی کانفرنس منعقد کر کے مطالبہ پاکستان کی تحریک کو کامرانی کے آخری مراحل میں داخل کر دیا۔ کانفرنس میں سات ہزار مستند علماء کرام و مشائخ عظام نے شرکت فرمائی اور اعلان کیا کہ: ۔

" آل انڈیا سنی کانفرنس کا اجلاس مطالبہ پاکستان کی پر زور حمایت کرتا ہے"

یہ اجلاس حضرت امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری قدس سرہ کی صدارت میں منعقد ہوا اور ملک بھر میں تمام اہل سنت کو پاکستان کی حمایت میں ووٹ دینے کے لیے تبلیغی دورے کرنے کے لیے جن بارہ ممتاز علماء و مشائخ کی کمیٹی تشکیل کی گئی ان میں حضرت دیوان آل رسول اجمیری

---

[1] ماہنامہ اردو ڈائجسٹ لاہور اگست ۱۹۶۶ء ص ۳۱ ۔

رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل تھے۔ ؎۱

اس کے بعد آپ نے پاکستان کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنے کے لیے اپنی تمام تر مساعی کو صرف کر دیا۔ ۵،۶ رجب ۱۳۶۵ھ (جون ۱۹۴۶ء) میں آپ کی صدارت میں مسجد شاہجہانی واقع درگاہ معلّٰی اجمیر شریف میں ایک عظیم الشان آل انڈیا سنّی کانفرنس منعقد ہوئی جس نے تاریخ کا دھارا بدل دیا۔ کانگرس اور پاکستان دشمن طاقتوں کے سروں پر پانی پڑ گیا۔ اسی کانفرنس میں محدثِ اعظم ہند کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ نے "الخطبۃ الاشرفیہ للجمہوریۃ الاسلامیہ" کے نام سے اپنا معرکۃ الآرا خطبہ پڑھا جس کا ایک ایک لفظ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ اس خطبہ نے پاکستان کے حامیوں کو ایک نیا جوش، ولولہ اور عزم بخشا اور اسی جذبہ کے تحت ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان دنیا کے نقشے ابھرا ؎۲

۱۹۴۶ء کے الیکشن میں مشائخ کرام نے اپنے اپنے مریدوں اور عقیدتمندوں کے حلقوں میں مسلم لیگ کی حمایت کے سلسلے میں اعلان کیا۔ آپنے بھی ایک اہم اعلان فرمایا جو درج ذیل ہے"

"اس وقت ہندوستان میں سب سے زیادہ ضروری اور ہم سب کی توجہ کے قابل یہ مسئلہ ہے کہ مسلم لیگ کی واحد نمائندگی کے دعوے میں ہم پورے اتر جائیں اور قائد اعظم محمد علی جناح کی قیادت قائم و برقرار رہ جائے اغیار اور معاندین اسلام ہماری اس واحد نمائندگی اور قیادت کی دھجیاں فضائے آسمانی میں اڑا دینا چاہتے ہیں ہم کو بڑے استقلال و پامردی کے ساتھ اس دعوے کو ثابت کرنا ہے اور اس کی قیادت کے قیام و بقا کے لیے کام کرنا ہے، میں اپنے اس سلسلہ کی خانقاہوں کے سجادگان سے اپنے جدامجد حضرت خواجہ غریب نواز (رحمۃ اللہ علیہ) کے نام پر اپیل کرتا ہوں کہ وہ اپنی اپنی گدیوں کو چھوڑ کر اس نازک وقت میں اسلام کی خدمت کے لیے نکل

؎۱ ماہنامہ المجیب لاہور، اکتوبر ۱۹۸۰ء ص ۱۴، ۱۵ -

؎۲ اکابر تحریک پاکستان حصہ اوّل از محمد صادق قصوری مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء ص ۲۱ -

پڑیں اور مسلم لیگ کے امیدواروں کو کامیاب بنانے کے لیے کمر باندھ کر میدان میں آجائیں۔" [۵۱]

۱۹۴۷ء کی تقسیم کے بعد آپ پاکستان تشریف لے آئے۔ اگرچہ ہندوستان کی حکومت نے آپ کو اجمیر شریف قیام فرمانے پر برقرار رہنے اور منہ مانگی مراعات دینے کی پیشکش کی مگر آپ نے وہاں ٹھہرنا گوارا نہ کیا۔ پہلے چک نمبر ۱۲ سرگودھا میں قیام فرمایا اور بعد ازاں مستقل طور پر پشاور کو اپنا مسکن بنا کر خلق خدا کی روحانی تربیت فرمانے لگے۔

آپ کو حضرت امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری قدس سرہ سے بہت محبت تھی یوں تو دونوں حضرات کے تعلقات شروع سے ہی بہت گہرے تھے لیکن تحریک پاکستان نے انہیں مزید مستحکم کر دیا حضرت امیر ملت قدس سرہ نے ۱۹۵۱ء میں وصال فرمایا تو آپ کو بہت صدمہ ہوا جیسا کہ حضرت سراج الملت پیر سید محمد حسین علی پوری رحمۃ اللہ علیہ (فرزند اکبر حضرت امیر ملت قدس سرہ) کے نام آپ کے تعزیت نامے سے ظاہر ہے۔ آپ نے تحریر فرمایا۔

"بخدمت جناب الحاج مولانا محمد حسین صاحب دام ظلکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

حضرت محترم الحاج پیر جماعت علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کی خبر سے بے حد صدمہ ہوا۔ موصوف کے وجود گرامی سے بڑی تقویت قلبی رہتی تھی۔ تمام سلاسل کے لیے آپ کی مقدس ذات مایۂ صد فخر تھی۔ یہ گردش روزگار صدیوں میں ایسی گرامی ہستیاں پیدا کرتی ہے افسوس ہے کہ فلک کے بے درد ہاتھوں کی گرفت خلق اللہ کو ایسی برکاتِ جاریہ سے محروم کر دیتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ظاہری طور پر آنکھوں سے اوجھل ہونے کا احساس رنج و غم کی صورت میں قلوب پر مسلط ہو رہا ہے۔ ورنہ حضرت موصوف رحمۃ اللہ علیہ کو دائمی اور حقیقی زندگی اب حاصل ہوئی ہے اور وہ اہل محبت کے درمیان ہمہ وقت تشریف فرما ہیں۔

---

۵۱ قائد اعظم اور ان کا عہد از رئیس احمد جعفری مطبوعہ لاہور ۱۹۶۶ء ص ۳۰۴

میں بیمار تھا۔ بہت تاخیر سے تعزیت پیش کر رہا ہوں معذرت خواہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو ایسی عظیم ترقیہ نعمت کے چھٹ جانے پر صبر و شکیب عطا فرمائے۔ اور حضرت موصوف رحمۃ اللہ علیہ کو وہ درجات عالیہ عطا فرمائے جن کے آپ مستحق ہیں۔ اور ہمیں تا قیامت برکتیں حاصل ہوتی رہیں۔ میرے برادران مکرم اور تمام خاندان کی طرف سے دلی عذر خواہی اور ہمدردانہ تعزیت قبول فرمائیں۔ والسلام۔

خیر اندیش :۔

دیوان سید آل رسول علی خان۔ سجادہ نشین آستانہ عالیہ

اجمیر شریف (حال سرگودھا چک نمبر ۱۲ - ۱ے[1]

آپ کی وفات حسرت آیات ۱۸ رجادی الاول ۱۳۹۴ھ مطابق ۹ رجون ۱۹۷۴ء بروز اتوار پشاور میں ہوئی۔ اور "بیری باغ بیرون یکہ توت دروازہ" پشاور میں سپرد خاک کر دیئے گئے[2]

آسماں تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے
سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

۱ے سیرت امیر ملت از سید اختر حسین و پروفیسر محمد طاہر فاروقی مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء ص ۵۱۳، ۵۱۴
۲ے مکتوب گرامی جناب ڈاکٹر بشیر احمد خان ایم بی بی ایس چوک ناصر خان پشاور شہر بنام حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ محررہ ۱۱ رنومبر ۱۹۷۵ء۔

پیر محمد اسحٰق جان سرہندی

آپ کی ولادت باسعادت ۱۳۲۰ھ میں حیدرآباد (سندھ) میں ہوئی۔ والد گرامی پیر محمد اسمٰعیل روشن سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ تاریخ ولادت کہی ؎

سنِ تولد او چون چراغ دین نبی است
چراغ دین نبی نام روشنش بنہاد
۱۳۲۰ھ

ابتدائی تعلیم جدامجد حضرت پیر محمد حسین سرہندی اور والد گرامی سے حاصل کرنے کے بعد ممتاز علماء عصر سے استفادہ کیا۔ بعدازاں اپنے ماموں پیر محمد ہاشم جان سرہندی رحمۃ اللہ علیہ اور کئی دوسرے سرہندی حضرات کی طرح اجمیر شریف میں مولانا معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اکتساب علم کیا۔ آپ چونکہ دائم المریض تھے اس لیے تعلیم کے دوران مولانا حکیم نظام الدین کے زیر علاج رہے مرض کی زیادتی و امتداد کی وجہ سے یکسوئی سے تعلیم حاصل نہ کر سکے کچھ دن اجمیر شریف رہ کر سرہند شریف چلے جاتے آخر تنگ آکر علاج ترک کر کے سرہند شریف میں رہائش اختیار کر لی چنانچہ یہاں مجدد الف ثانی کی دعا و نگاہ سے شفائے کاملہ نصیب ہوگئی اور آپ کی صحت ایسی قابل رشک بن گئی کہ لوگ حیران رہ گئے۔

آپ نے صغر سنی کے باوجود والد گرامی کے ساتھ تحریک خلافت میں بھرپور حصہ لیا۔ مسجد منزل گاہ سکھر کی تحریک میں بھی اہم کردار ادا کیا۔ مسلم لیگ کا غلغلہ بلند ہوا تو آپ نے جد امجد اور والد گرامی کے ساتھ ڈٹ کر کام کیا۔ جب قائداعظم میرپور خاص تشریف لائے تو آپ نے استقبال کے لیے نوجوانوں کے گروپ تیار کیے۔ ان نوجوان گروپوں کے قائد بھی آپ ہی تھے۔ قائداعظم نے از راہ محبت آپ کو بازوؤں سے پکڑ کر اظہار خوشنودی کیا۔ اور آپ کے جوش و ولولہ کو خراج تحسین پیش کیا۔

یہ وہ دور تھا جب کانگرسی مولوی شدومد سے مسلم لیگ کی مخالفت کر رہے تھے اور ان کا دعویٰ تھا کہ وہ سندھ میں کسی قیمت پر بھی مسلم لیگ کو کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔ یہ لوگ روپیہ پیسے کے زور پر پورے پریس پر چھا چکے تھے۔ ان پر آشوب حالات میں آپ کے نانا اور مرشد حضرت خواجہ پیر محمد حسن سرہندی نے ایک اخبار "الحنیف" جاری کیا، جو ایک طرف تو مسلم لیگ اور مسلم عوام کی ترجمانی کرتا تھا اور دوسری طرف کانگرسی علماء کی بھی خبر لیتا تھا، اس اخبار میں آپ کی چند سیاسی نظمیں "ساقی" کے نام سے شائع ہو کر مقبول ہوئیں۔

علمائے حق کی کوششوں کی بدولت آزادی کی منزل قریب پہنچ چکی تھی اور وہ سحر طلوع ہونے والی تھی جس کے بعد مسلمان اپنا آزاد وطن حاصل کر کے اپنے مذہب اور رسم و رواج کے مطابق زندگی بسر کر سکیں مگر کانگرسی بچہ جمہوروں کو یہ بات کسی طرح بھی گوارا نہ تھی، انھوں نے اس جذبہ کو ختم کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا، مسلمانوں میں افتراق و اختلاف پھیلانے کی ہر ممکن سعیٔ نامشکور کی اور خوف و ہراس پھیلانے میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کی مگر اللہ کے فضل و کرم سے علماء اہلسنت نے ان کے تمام ناپاک عزائم کو خاک میں ملا دیا۔ پیر صاحب (آپ) نے ان حالات میں جو کارہائے نمایاں انجام دیئے وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں آپ نے تحریک خلافت کے دوران علی برادران اور فخر سندھ پیر غلام مجدد سرہندی سے جو فیض پایا تھا، اس کی بدولت آپ نے سندھ میں ہر محاذ پر مخالفین کو شکستیں دیں۔ یہاں تک کہ پاکستان منصہ شہود پر جلوہ گر ہو گیا۔

پاکستان بنتے ہی ہندو مسلم فسادات شروع ہوئے تو آپ نے رضاکار دستے تیار کر کے لوگوں کو جہاد پر آمادہ کیا۔ ضلع تھرپارکر مسلم لیگ کے صدر کی حیثیت سے آپ نے قائداعظم کو تار بھیجا کہ ہمارے ضلع کے عوام جہاد کے لیے تیار کھڑے ہیں، قائداعظم نے آپ کے اس جذبہ کی بہت تعریف کی۔

قیام پاکستان کے بعد صورت حال یکسر تبدیل ہو گئی، وہ لوگ جنھوں نے حصول پاکستان کے لیے خون جگر دیا تھا۔ اپنی جوانیاں جیل کی نذر کر دی تھیں۔ اپنا مال و دولت پانی کی طرح بہایا

تھا اور سر دھڑ کی بازی لگا کر یہ میدان جیتا تھا پس پردہ چلے گئے اور وہ لوگ برسر اقتدار آ گئے جو سرے سے اس جدوجہد میں ہی شریک نہ تھے۔ سردار عبدالرب نشتر مرحوم نے اس صورت حال کو دیکھ کر خون کے آنسو بہاتے اور کہا ؎

نیرنگیٔ سیاستِ دوراں تو دیکھیے
منزل انہیں ملی جو شریک سفر نہ تھے

مسلم لیگ کے وہ زعماء جو پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ الا اللہ کے نعرے لگایا کرتے تھے اور پاکستان میں اسلامی نظام کا ببانگ دہل اعلان کیا کرتے تھے انہوں نے ملت اسلامیہ سے کیے گئے تمام وعدوں کو فراموش کر دیا اور ہوس اقتدار کی جنگ میں کود پڑے۔ ان حالات نے آپ کو بہت بددل کر دیا لیکن آپ نے مسلم لیگ سے تعلق ختم نہیں کیا بلکہ تازیست ضلع تھرپارکر مسلم لیگ کے صدر رہے لیکن سیاست سے زیادہ دینی و مذہبی خدمات میں مصروف ہو گئے۔ میرپور خاص میں "انجمن اہل سنت وجماعت" کے نام سے ایک تنظیم قائم کی جس کا صدر آپ کو منتخب کیا گیا۔ اس انجمن کے زیر اہتمام آپ نے بڑے بڑے جلسے کیے اور اصلاح اخلاق و اعمال کی بھرپور کوشش کی۔

ایوبی مارشل لاء کے دور میں مخالفین نے آپ کے خلاف سازشیں کیں آپ مولانا محمد عمر اچھروی مرحوم اور چند دیگر حضرات کے ہمراہ گرفتار کر لیے گئے اور مارشل لاء کورٹ میں آپ کو پیش کیا گیا خیال تھا کہ عدالت کے قواعد کے مطابق آپ کو کم از کم چودہ سال کی سزا ہو گی مگر آپ نے نہایت صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا اور فرمایا:۔

اگر حب رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم جرم ہے تو میں واقعی مجرم ہوں۔"

چنانچہ اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم سے باعزت طور پر بری ہوئے۔

۱۹۷۰ء میں آپ کو متحدہ محاذ ضلع تھرپارکر کا صدر چنا گیا اور تازیست "چیمبر آف ایگریکلچر ضلع تھرپارکر" کے صدر رہے۔ اسی طرح لاتعداد مذہبی و سیاسی انجمنوں کے بھی صدر رہے اور ہر وقت اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے کوشش میں لگے رہے سیر و سیاحت آپ کا محبوب مشغلہ تھا

اسلامی دنیا کا چپہ چپہ آپ نے دیکھا اسلامی ممالک کی تاریخ پر آپ کی گہری نظر تھی۔

جذبۂ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی اسم گرامی سنتے ہی آبدیدہ ہو جاتے آواز بھرا جاتی تھی اور فرماتے کہ :-

" میں اپنی ساری زندگی میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے علاوہ کوئی ایسا عمل نہیں دیکھتا جو نجات کا باعث بن سکے "

اللہ تعالٰے نے آپ کو ظاہری و باطنی حسن سے مالا مال کیا تھا۔ بارعب مائل بہ سرخی چہرہ، شرعی داڑھی۔ قد آور جسم، آواز دبنگ، ستواں ناک، روشن آنکھیں اور پرنور پیشانی، نرم دم گفتگو اور گرم دم جستجو کے مظہر، حلقۂ یاراں میں بریشم کی طرح نرم اور معرکۂ حق و باطل میں فولاد کی طرح سخت تھے لوگ آپ کی وجاہت سے مرعوب ہو جاتے تھے۔

بڑے بڑے شکاری آپ کی نشانہ بازی کے معترف تھے۔ ہزاروں اشعار زبانی یاد تھے مشکل اشعار کی تشریح کرتے تو سماں باندھ دیتے محفل میں بیٹھتے تو جانِ محفل ہوتے۔ بڑے جری حق گو اور بیباک تھے، اگرچہ کئی بار حق گوئی کا خمیازہ بھگتنا پڑا مگر ہمیشہ یہی فرماتے ؎

آئین جوانمرداں حق گوئی و بیباکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

آپ عربی، فارسی، اردو، سندھی، پشتو، پنجابی، براہوی، بلوچی اور سرائیکی پر یکساں عبور رکھتے تھے۔ بہت سی کتابیں لکھیں، جو طبع ہوئیں وہ درج ذیل ہیں۔

۱ - یسر العربی :- (عربی، اردو، اور سندھی) حجاج کی رہنمائی و سہولت کے لیے۔

۲ - سفر نامۂ ایران :- (اردو) ایران کا دلچسپ سفر نامہ۔

۳ - ضبط تولید :- (اردو) ضبطِ تولید کا مسئلہ اسلامی نقطۂ نظر سے۔

۴ - بناتِ رسول :- (اردو) حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں کی سوانح۔

۵ ۔ منازل و مراحل :۔ (اردو) سعودی عرب، شام، عراق، اردن، لبنان، مصر اور ایران کا دلچسپ سفر نامہ (مطبوعہ اردو اکیڈمی سندھ) بہت سی کتب ہنوز طبع نہیں ہو سکیں۔

آپ نے آٹھ حج کئے تھے، نویں حج کے سفر کی تیاری میں ہی رحلت فرما گئے۔ اس سفر کے بارے آپ کے صاحبزادے پروفیسر پرنثار احمد جان سرہندی، احقر کے نام ایک مکتوب میں فرماتے ہیں کہ :۔

یکم ذوالحجہ بعد نماز جمعہ آپ ہم سے حج کے لیے رخصت ہوتے۔ اس دفعہ خلاف معمول طبیعت پر زیادہ رقت طاری تھی اور تمام افرادِ خانہ سے مِل ملاقات کا انداز بھی بدلا ہوا تھا۔ ہم لوگ خود حیران تھے بلکہ چھٹی حس خطرے کا الارم بجا رہی تھی کہ کوئی غیر معمولی سانحہ پیش آنے والا ہے۔ ؎

اشک جاری ہیں تب بھی ہجراں میں دل جلتا ہے
کیا قیامت ہے کہ برسات میں گھر جلتا ہے

چنانچہ ۳ ذوالحجہ ۱۳۹۵ھ مطابق ۶ دسمبر ۱۹۷۵ء بروز ہفتہ کراچی میں آپ کی وفات ہو گئی[۱]
ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خان صدر شعبہ اردو سندھ یونیورسٹی نے یہ قطعہ تاریخ وفات کہا ؎

آہ رفت آں محرم اسرار حق	آں حبیبِ خلق و خویش و درد مان
از مجدد الفِ ثانی گوہرے	بے گماں فخرِ جہانِ عزوشان
اہلِ ذکر و اہلِ فکر و اہلِ دل	حاجی حرمین و سیاحِ جہان
در تصانیف عدیدہ ماہرے	ہر زباں را بود چوں اہلِ زبان
بہر دین ہر وقت سیف بے نیام	بہر حق ہر دم جواں روح و رواں
خوش مزاج و خوش مذاق و خوش کلام	خوبصورت، خوب سیرت، خوب آں

[۱] روزنامہ نوائے وقت لاہور ۸ دسمبر ۱۹۷۵ء

حسنِ علم و حسنِ خلق و حسنِ نفس — ایں ہمہ اوصاف بودش بے گماں

آہ چوں باور کنم کز ما برفت — آہ چوں مرہم نہم بر زخمِ جاں

در دمِ حج، مرگ را لبیک گفت — پس بباشد تا قیامت حج کناں

مہر او باشد ہمہ انعامِ حق — جنّت و رحمت بباشد تو اماں

"آں حبیبِ خلق و کل خویش نفس" — "شد حبیب خلد بہرا سحق جاں"

۱۹۷۵ء — ۱۳۹۵ھ

پیر محمد ابراہیم جان سرہندی

ملت اسلامیہ پر جب کبھی کٹھن وقت آیا سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد امجاد نے اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر عظمت و سطوت اسلام کا تحفظ کیا۔ اس سلسلہ میں آفتاب ہند حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، مجاہد کبیر مولانا فضل حق خیر آبادی، پیر غلام مجدد سرہندی اور نور المشائخ ملا شور بازار کابلی رحمۃ اللہ علیہم کی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں جنہوں نے اپنی جان، آبرو کی پرواہ کئے بغیر اپنا سب کچھ اسلام کی خاطر لٹا دیا، جیل کی تنگ و تاریک کوٹھڑیاں آباد کیں۔ جائیدادیں ضبط کرائیں طرح طرح کی اذیتیں برداشت کیں مگر دین حنیف کے پرچم کو ذرہ برابر جنبش نہ آنے دی۔ اسی گروہ کے ایک گل سرسبد پیر محمد ابراہیم جان خلیل سرہندی ہیں جو آج بھی وادی مہران میں اسلام دشمن طاقتوں کے سامنے سینہ سپر ہیں اور کسی قیمت پر اپنے مشن سے ہٹنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اگرچہ انھیں گوناگوں مصائب و آلام سے دوچار ہونا پڑ رہا ہے مگر ان کا عزم بلند، حوصلہ جواں اور ان کا ولولہ پہلے سے بھی بڑھتا جا رہا ہے۔

گو لاکھ زمانہ دشمن ہو حالات بھی خوش اطوار نہ ہوں
باطل سے ٹکرانے والے باطل سے ٹکراتے ہیں

پیر محمد ابراہیم جان خلیل سرہندی مجددی فاروقی کی ولادت باسعادت ۱۲ / رمضان المبارک ۱۳۳۲ھ بروز دوشنبہ[1] حضرت پیر محمد اسمٰعیل جان روشن سرہندی بن پیر محمد حسین جان سرہندی رحمۃ اللہ علیہم کے ہاں قصبہ پیر سرہندی تحصیل سامارو ضلع تھرپارکر میں ہوئی۔ والد گرامی نے یہ تاریخ ولادت کہی۔

۱؎ مکتوب گرامی پیر محمد ابراہیم جان بنام راقم مورخہ ۱۹ / رمضان المبارک ۱۳۹۵ھ

روشنا مہر ہست نورِ دیدۂ تو باسر دل غلام ابراہیم ؎۱

آپ نے جدِ امجد، والد گرامی، مولانا عبدالرحیم دِل، مولانا غوث محمد بھرگڑی (شاگرد مولانا محمد عثمان فزانی) اور مولانا عطا اللہ سے عربی اور فارسی کی تعلیم مکمل کی۔ بعد ازاں انگریزی تعلیم حاصل کرنے کے لیے سندھ مدرستہ الاسلام کراچی میں داخلہ لے لیا مگر جدِ امجد حضرت پیر محمد حسین جان سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کو آپ کا انگریزی پڑھنا پسند نہ آیا اور فرمایا کہ:

"اگر تم انگریزی پڑھنا چاہتے ہو تو ہم گاؤں میں ہی کسی اُستاد کو مقرر کر دیں گے چنانچہ آپ نے گاؤں میں ہی انگریزی زبان میں اچھی خاصی مہارت حاصل کر لی لیکن جلد ہی اس زبان سے ایسی نفرت ہو گئی کہ اسے بالکل ترک کر دیا۔" ؎۲

اب آپ کو علم طب کا شوق چرایا تو دہلی تشریف لے گئے لیکن حکیم اجمل خاں صاحب کی رحلت کے سبب طبیہ کالج ادبار کا شکار ہو چکا تھا چنانچہ آپ نے حکیم کبیر الدین کے ہاں داخلہ لیا اور بڑی تندہی سے علم طب کی تحصیل شروع کر دی۔ وہاں سے آپ نے جدِ امجد کو خط لکھا کہ میں طب کی تحصیل کے لیے دور و دراز کا سفر کر کے یہاں آیا ہوں، اب آپ کی دعاؤں کی ضرورت ہے حضرت نے جواب میں لکھا کہ جس علم کے حصول اور جن کتب کی تکمیل کے لیے تم بھٹکتے پھر رہے ہو وہ مجھ سے بہتر تمہیں کوئی نہیں پڑھا سکتا۔ لہٰذا آپ واپس وطن تشریف لے آئے اور جدِ امجد کے حضور علم طب کی آخری کتابیں قانون الشیخ، نفیسی وغیرہ پڑھیں۔ اس کے بعد علوم دینیہ کی مزید تعلیم کے لیے اجمیر شریف تشریف لے گئے اور مولانا معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ سے استفادہ کیا اور ساتھ ساتھ مولانا کے برادر اصغر مولانا حکیم نظام الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ سے علم طب میں بھی اکتساب فرمایا ؎۳

؎۱ دیوان روشن از پیر محمد اسمٰعیل روشن سرہندی مطبوعہ حیدرآباد سندھ ۱۹۶۱ء ص ۱۴۱

؎۲ مکتوب گرامی پیر نثار احمد جان سرہندی بنام راقم از میرپور خاص مورخہ ۲۱؍ ستمبر ۱۹۷۶ء

؎۳ مکتوب گرامی پیر نثار احمد سرہندی مدظلہ۔

فارغ التحصیل ہونے کے بعد حضرت مولانا نور بخش رحمۃ اللہ علیہ خانقاہ بھلین شریف کے دست حق پر سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں بیعت کی اور پھر مولانا فیض محمد قندھاری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہو کر طریقت و معرفت کے مقامات طے کئے۔ اجازت و خلافت بھی انہیں سے پائی آج سندھ کے اطراف و اکناف میں ہزاروں کی تعداد میں آپ کے مریدین کا سلسلہ پھیلا ہوا ہے۔ اور آپ کی نگاہ کیمیا اثر کے فیض سے ہزاروں غیر مسلم دامن اسلام سے وابستہ ہو چکے ہیں۔ [1]

آپ نے اسلام کی سربلندی کے لیے اپنے گاؤں گلزار خلیل تحصیل سوما رو ضلع تھرپارکر سندھ میں ایک عظیم الشان دینی مدرسہ قائم کیا ہے جس کے تمام اخراجات آپ خود برداشت فرماتے ہیں پچاس ایکڑ اراضی اور آم کا باغ مدرسہ کے لیے وقف کر دیا ہے۔ آپ کا گاؤں نو مسلموں کے لیے ایک قلعہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ آپ نو مسلموں کو ہر قسم کی مدد بہم پہنچاتے ہیں اگر ہندوؤں کے اثر و رسوخ کی بنا پر ان پر مقدمہ بن جائے تو تمام اخراجات خود برداشت کرتے ہیں اور اس معاملہ میں بڑی سے بڑی طاقت سے ٹکر لینے کے لیے ہمیشہ تیار رہتے ہیں۔ [2]

آپ نے تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ [3] مسلم لیگ کی خدمت کے لیے دن رات کمربستہ رہے۔ کانگرسی علماء کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ تقریر و تحریر کے ذریعے نظریہ پاکستان کی تشہیر کی۔ ہندوؤں کے ایجنٹوں کی خوب قلعی کھولی۔ غرض پاکستان کو معرض وجود میں لانے کے لیے کسی بھی قربانی سے دریغ نہ کیا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ آج بھی سندھ میں لادینی عناصر کے ساتھ مصروف جہاد ہیں۔ آپ کا ایک عظیم الشان کارنامہ ملحدوں بھارت کے ایجنٹوں اور کمیونسٹوں کے خلاف قلمی جہاد ہے۔

---

١ مکتوب گرامی پیر نثار احمد سرہندی مدظلہ

٢ ایضاً

٣ تاریخ مہابسیار حکیم محمد رمضان علی مطبوعہ لائل پور ۱۹۶۰ء ص ۲۲۴ -

آپ نے "سندھ سونہاری" کے نام سے سندھی زبان میں ایک وقیع کتاب لکھی ہے، آپ نے اس کتاب میں لادینی عناصر ملحدوں اور نظریۂ پاکستان کے دشمنوں کا اس انداز سے تعاقب کیا ہے کہ زبان سے مرحبا و ماشاء اللہ کی صدائیں بے ساختہ نکلتی ہیں اس کتاب نے سندھ کی عوامی زندگی پر گہرے اور دور رس اثرات پیدا کیے ہیں نظریۂ پاکستان کے مخالفین اور لادین عناصر اس کتاب سے کافی جز بز ہوئے ہیں۔ آپ کی اس تصنیف نے سندھ میں قبولیت عامہ حاصل کی ہے۔ یہ کتاب موضوع کی اہمیت کے ساتھ ساتھ سندھی زبان و ادب کا بھی انمول تحفہ ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے وہابیت جاو کا تیا اور اگ جانی، خلیلی خطوط اور عباد اللہ (تبلیغ دین) وغیرہ معرکتہ الآرا کتابیں لکھیں، جو سب کی سب اسلام دشمن عناصر کی سازشوں کی بناء پر ضبط ہو گئی ہیں۔

اسلام دشمن عناصر نے آپ کو بڑی تکلیفیں پہنچائی ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آپ کے پائے ثبات میں کبھی لغزش نہیں آئی۔ آپ کا نظریہ ہے کہ ؎

تندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لئے

سندھ میں اسلام دشمن اور وطن دشمن عناصر کے خلاف آپ شمشیر برہنہ بن کر میدان عمل میں مصروف جہاد ہیں۔ ۱۰ ارجون ۱۹۷۰ء کو آپ نے سندھ کے دیگر اسلام دوست اور محب وطن دانشوروں کے ساتھ کراچی میں مشترکہ پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے مطالبہ کیا کہ،

"سندھ میں ملکی سالمیت اور اسلام کے خلاف نیز بداخلاقی اور بے حیائی کو فروغ دینے کے لیے ادب کی آڑ میں جو مہم چلائی جا رہی ہے اس کی غیر جانبدارانہ تحقیقات کرائی جائے اور اس کے مرتکب عناصر کے خلاف قانونی کارروائی کی جائے اور وطن دوست اور محب اسلام حلقوں کو اس تخریبی مہم کے سدباب کے لیے مثبت بنیادوں پر کام کرنے کی ہدایت ہم پہنچائی جائیں۔" ؎

؎ روزنامہ نوائے وقت لاہور ۱۲ مارچ ۱۹۷۰ء۔

اس مشترکہ پریس کانفرنس سے آپ کے علاوہ سید سردار علی شاہ ایڈیٹر روزنامہ مہران، محمد بن قاسم سوسائٹی کے صدر سید علی میر شاہ، پروفیسر علی نواز جتوئی، پروفیسر غلام جیلانی، ڈاکٹر محمد ابراہیم خلیل نعمت اللہ قریشی، اسد اللہ بھٹو، محمد ایوب انصاری، غلام محمد کھوکھر، ڈاکٹر کیپٹن ممتاز علی میمن، حافظ نثار احمد سندھی، فیض بخشاپوری، محمد اسحٰق اثر، غلام قادر جتوئی، سردار اکبر امین، نور شاہین، ادیب عبد المجید نظامانی، اصغر علی سومرو، پیر محمد سلیم جان سرہندی، الحاج رحیم بخش قمر اور علی بخش جمالی بھی شامل تھے یہ تمام معزز افراد سندھی ہیں اور اپنے ادبی مقام اور علمی مرتبے کی وجہ سے بڑی عزت و تکریم کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں لیکن نہ صرف یہ کہ اس پریس کانفرنس کی تفصیل شائع نہیں ہوئی بلکہ اس پریس کانفرنس میں جی ایم سید، عبد الواحد آریسر، مدد علی سندھی، مولا بخش انصاری، شاہ محمد شاہ امیر جلیل، شوکت سندھی، بجم عباسی، شیخ ایاز، پیر حسام الدین راشدی وغیرہ کی تحریروں کے اقتباسات پر مبنی جو "قرطاس ابیض" شائع کیا گیا تھا حکومت سندھ نے اس پر بھی پابندی لگا دی۔[1]

آپ تحریر و تقریر پر یکساں قدرت رکھتے ہیں، سندھی، اردو، عربی اور فارسی روانی سے لکھتے ہیں، رموزِ تصوف میں ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ زندگی اس قدر سادہ گزارتے ہیں کہ باوجود صاحب جنست زمیندار ہونے کے ابھی تک پختہ مکان نہیں بنایا۔ چارپائی پر نہیں سوتے عیش و تنعم سے سخت نفرت ہے لنگر ہر وقت جاری ہے۔ آپ کی تقریر بڑی دل پذیر اور مرتب ہوتی ہے عیدین کے موقعہ پر آپ کا عام خطاب ہوتا ہے۔ فارسی اور سندھی کے قادر الکلام شاعر ہیں، شعر و شاعری میں اپنے والد حضرت پیر محمد اسمٰعیل روشن سرہندی رحمۃ اللہ علیہ سے شرف تلمذ رکھتے ہیں اگرچہ طب نہیں کرتے مگر ضرورت مندوں کو نسخہ دیتے ہیں۔

آپ بہت بذلہ سنج اور حاضر جواب ہیں۔ ایک دفعہ میرپور خاص (سندھ) میں سیرت کانفرنس کا ایک عظیم الشان اجتماع آپ کی زیر صدارت ہوا۔ جس میں ہر مکتبۂ فکر کے علماء مدعو تھے۔ جناب

---

[1] روزنامہ نوائے وقت لاہور ۱۲ مارچ ۱۹۷۶ء۔

ماہرالقادری مدیر "فاران" کراچی نے اپنے مخصوص انداز میں آپ سے پوچھا۔ "حضرت آپ فاران پڑھتے ہیں" ؟ آپ نے جواب دیا۔ جی ہاں پڑھتا رہتا ہوں اور لعنت بھیجتا رہتا ہوں، یہ سن کر ماہر صاحب خاموش ہو گئے۔ چونکہ آپ چائے بالکل نہیں پیتے صبح کو ناشتہ پر ماہرالقادری نے حیرت سے پوچھا "حضرت! آپ چائے نہیں پیتے ؟" آپ نے فوراً جواب دیا کہ "میں چائے کا اتنا ہی سخت دشمن ہوں جتنا کہ آپ اولیائے کرام کے" اس پر تمام محفل کشت زعفران بن گئی۔ [۱]

آپ گوشۂ گمنامی کو پسند فرماتے ہیں اور آپ اپنے کو شہرت و ناموری سے بچانے کی مقدور بھر کوشش کرتے ہیں اور ہر وقت زبان پر یہ شعر جاری رہتا ہے۔

نہ گلم نہ برگِ سبزم نہ درخت سایہ دارم
ہمہ حیرتم کہ دہقاں بچہ کار کشت ما را

---

[۱] مکتوب گرامی جناب پیر نثار احمد جان سرہندی بنام مؤلف از میر پور خاص (سندھ)

الٰہ بخش یوسفی

سرزمین سرحد کا دامن بڑے بڑے اہلِ علم، اولیاء اللہ، صاحبان فضل و کمال، بے مثال بہادر جری، جنگ آزما اور جیالے فرزندوں سے مالامال ہے۔ انگریزی سامراج کو شکست دینے میں جس قدر خون اس خطّے نے دیا ہے شاید پورے برصغیر میں کسی حصہ نے نہ دیا ہو۔ یہاں کے علماء و فضلاء نے صاحبِ سیف و قلم ہونے کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ ایک طرف ہم جب خوشحال خان خٹک کو دیکھتے ہیں تو دوسری طرف اس سرزمین میں حضرت اخوند صاحب سوات، پیر امین الحسنات مانکی شریف، سید مظہر گیلانی اور حضرت پیر عبداللطیف زکوڑی شریف قدس سرہم جیسے بے خوف مجاہدوں کے نقوش آفتاب و ماہتاب کو شرماتے دکھائی دیتے ہیں یہی وہ سرزمین ہے جہاں سے سردار عبدالرب نشتر جیسے سالارِ قافلہ حریت و آزادی نے جنم لیا۔ اسی دھرتی پر صوبہ سرحد کے مشہور صحافی، مصنّف، مؤلف، جانباز و جانثار فرزند جناب الٰہ بخش یوسفی (جنہیں بجا طور پر بابائے صحافتِ صوبہ سرحد کہا جاتا ہے) نے ۲۵ دسمبر ۱۹۰۰ء کو پشاور محلہ کریم پورہ میں آنکھ کھولی۔

الٰہ بخش یوسفی غلزئے قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے والد کا نام محمد شریف خان تھا جن کا ذریعہ معاش تجارت تھا اور وہ زیادہ تر افغانستان سے تجارت کرتے تھے ۱۹۱۹ء میں جناب محمد شریف خان داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔

یوسفی صاحب نے ۱۹۱۵ء میں میٹرک کا امتحان اعزاز کے ساتھ پاس کیا۔ ۱۹۱۷ء میں لندن چیمبر آف کامرس کا امتحان پاس کیا اور فرانٹیئر کانسٹبلری میں ملازم ہو گئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ ملک میں آزادی کی تحریک زوروں پر تھی اور جلیانوالہ باغ کے حادثہ فاجعہ کے بعد ملک میں

آگ لگی ہوئی تھی اور انگریزوں کے اقتدار کی جڑیں ہلتی نظر آرہی تھیں۔ اس موقعہ پر نوجوان یوسفی نے انگریزوں کے ظلم و استبداد کے خلاف کھلم کھلا اظہارِ نفرت کیا اور رولٹ ایکٹ کی مخالف تحریک میں حصہ لیا۔ ظاہر ہے کہ گورنمنٹ ملازم کا یہ اقدام کسی طرح مناسب نہ تھا۔ ۱۱ مئی ۱۹۲۰ء کو یوسفی صاحب کا کورٹ مارشل ہوا اور ان کو قلعہ شب قدر میں چھ ماہ کے لئے نظر بند کردیا گیا اور رہائی کے بعد انہوں نے ملازمت سے استعفیٰ دے دیا۔ [1]

ملازمت چھوڑنے کے بعد آپ تحریک ہجرت میں شامل ہوگئے اور ہجرت کمیٹی کے صدر بن گئے انگریز حکومت نے قلعہ شبقدر کی حدود سے نکل جانے کا حکم دیا لیکن انہوں نے یہ حکم اس بنا پر ماننے سے انکار کردیا کہ وہ اب سرکاری ملازم نہیں ہیں۔ ایک شہری کی حیثیت سے جہاں چاہیں قیام کرسکتے ہیں۔ یہ علاقہ اس لحاظ سے اس زمانے میں بڑا حساس تھا کہ یہاں فرنٹیئر کانسٹبلری کا ہیڈکوارٹر تھا یوسفی صاحب نے عوام میں بیداری کا سلسلہ شروع کردیا۔ تحریک ہجرت کے بعد ۱۹۲۰ء میں تحریک خلافت میں شامل ہوگئے اور پشاور میں خلافت رضاکار کور کی قیادت سنبھالی تحریک خلافت کے تو گویا صوبہ سرحد میں وہ روحِ رواں تھے خلافت کمیٹی کے جوائنٹ سیکرٹری اور پھر سیکرٹری رہے ۱۹۲۲ء میں جب یونیٹی کانفرنس ہوئی تو وہ اس میں مسلم ڈیپوٹیشن کے سیکرٹری رہے۔ ابتدائی دور میں اس کانفرنس کے سربراہ مولانا شوکت علی رہے جب ۱۹۳۸ء میں مولانا شوکت علی کا انتقال ہوگیا تو یوسفی صاحب مستقل طور سے بمبئی میں رہنے لگے اور آل انڈیا خلافت کمیٹی کے سیکرٹری ہوگئے۔ [2]

۱۹۲۰-۲۲ء کا زمانہ انگریزی دبدبے اور استبداد کا خطرناک اور نہایت پُرآشوب زمانہ تھا

---

[1] ماہنامہ قومی زبان کراچی نومبر ۱۹۶۸ء ص ۲۷

[2] سرحد اور جدوجہد آزادی از اللہ بخش یوسفی، لاہور ۱۹۶۸ء ص ۲۵۲ تا ۲۲۹ -
روزنامہ نوائے وقت لاہور ۱۴ مارچ ۱۹۷۵ء -

ادھر مجاہدین آزادی بھی آرام سے بیٹھنے والے نہیں تھے، انگریز کے نمک خواروں اور خود برطانوی حکومت نے یہ طے کیا کہ پرنس آف ویلز، صوبہ سرحد تشریف لائیں اور پشاور میں ان کا جلوس نکالا جائے چوک یادگار میں جلسہ ہو اور صوبہ سرحد کی تمام ریاستوں کے والی اپنے اپنے ذاتی محافظوں اور لشکروں کے ساتھ اپنے جاہ و جلال اور انگریز سے اپنی وفاداری کا اظہار کرنے کے لیے شریک ہوئے۔ اُدھر خلافت کمیٹی نے فیصلہ کیا کہ اس روز مکمل ہڑتال کی جائے حکمرانوں نے قصہ خوانی سے لیکر چوک یادگار تک کے دکانداروں کو حکم دیا کہ خواہ کوئی شخص دکان پر موجود ہو یا نہ ہو لیکن کوئی دکان بند نہیں ہوگی۔ فوج ان دکانوں کی حفاظت کرے گی۔ اسی اثناء میں پرنس آف ویلز کے مجوزہ جلسہ اور جلوس سے دو روز قبل اللہ بخش یوسفی اور ان کے دیگر ساتھی گھنٹہ گھر کے قریب کھڑے تھے کہ انگریز ایس پی صبح صبح ادھر گشت پر آنکلا اور رضاکاروں کو دیکھ کر آگ بگولہ ہو گیا جن رضاکاروں نے علی برادران کے طرز کی سفید ٹوپیاں پہن رکھی تھیں، انہیں گرفتار کرکے تھانہ میں لے گیا۔ یوسفی صاحب رضاکاروں کے لیڈر تھے جب ان کی گرفتاری کی خبر لوگوں تک پہنچی تو سارا بازار بند ہو گیا، حالات کے مزید بگڑنے کا اندیشہ تھا، اس لیے شام کو اُن حضرات کو رہا کر دیا گیا

پرنس آف ویلز پروگرام کے مطابق جلسہ گاہ تشریف لائے لیکن حالات مخدوش ہو چکے تھے ہر طرف دہشت اور دبدبہ طاری تھا جلسہ گاہ نواب صاحبان کے لشکروں اور سرکاری خوشامدیوں سے اٹی پڑی تھی۔ اسی اثناء آغا سید بزرگ شاہ (جن کا کامنہ میں انتقال ہوا) جو بے حد جذباتی تھے، وہ اور چند دوسرے نوجوان مختلف سمتوں میں پھیل گئے۔ رضاکار جمعہ خان نے بجلی کی سی گرج کے ساتھ نعرۂ تکبیر لگایا۔ اس کے بعد مختلف سمتوں سے نعرے لگنے شروع ہو گئے یہ نعرے سن کر سرکاری، درباری اور کرائے کے لائے ہوئے حاضرین استعجاب و تعجب کے باعث اُٹھ کھڑے ہوئے۔ رائے بہادر مہر چند کھنہ سپاسنامہ پڑھ رہے تھے کہ پرنس آف ویلز کو یہ صورت حال دیکھ کر خیال آیا یا شاید اس زمانے کے سیکورٹی آفیسرز نے بھاگ جانے کا مشورہ دیا۔ پرنس آف ویلز نے تقریر تو کیا کرنی تھی، وہ سپاسنامہ درمیان میں چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے

جونہی وہ چوک یادگار سے کچہری بازار کی طرف نکلے۔ لوگوں نے راستہ روکنے کے لئے پیپے اور غلاظت کے ڈھیر کھڑے کر رکھے تھے تاہم پرنس آف ویلز بھاگنے میں کامیاب ہو گیا۔

برطانوی اقتدار کے غرور کی خاک آلودگی کے نتیجے میں وسیع پیمانے پر گرفتاریاں عمل میں لائی گئیں، گرفتار شدگان میں اللہ بخش یوسفی بھی تھے۔ یوسفی صاحب کو دو سال قید کی سزا ہوئی جو انھوں نے بڑی خندہ پیشانی سے برداشت کی اور ۱۹۲۴ء میں رہا ہوئے۔ لہ

۱۹۲۵ء میں آپ نے پشاور سے ماہنامہ سرحد جاری کیا۔ اس جریدے کے ذریعے تحریک خلافت کی حمایت پر کمر بستہ رہے۔ یہ وہ دور تھا جب انگریز حکومت سیاسی اخبارات تو کجا خالص رسالہ بھی نکالنے کی اجازت دینے کی روادار نہیں تھی علی برادران سے اپنی نسبت کرنا موت کو آواز دینے کے مترادف تھا لیکن یوسفی صاحب، علی برادران اور بی اماں سے عقیدت و محبت کے دریا بہاتے رہے اور باقاعدگی کے ساتھ اپنے آپ کو اُن سے وابستہ کئے رکھا علی برادران کے ساتھ مرحوم کی زندگی شمع و پروانہ، گل و بلبل اور چاند اور چکور کی سی تھی۔ نومبر ۱۹۳۸ء میں مولانا شوکت علی کی رحلت کے بعد مرکزیہ مجلس خلافت اور بیگم محمد علی جوہر کے اصرار پر مع بال بچوں کے بمبئی میں جا مقیم ہوئے اور سرحد جو ماہنامہ سے روزنامہ ہو چکا تھا اپنے چچا زاد بھائی رحیم بخش غزنوی کے سپرد کر دیا۔ وہ سرحد کو شائع کرتے رہے تا آنکہ ۱۹۴۹ء میں لعہد وزارت خان عبدالقیوم خان اس اخبار کو موت کی نیند سلا دیا گیا۔ ۲ـ

یوسفی صاحب کا شمار ان جیالے فرزندوں میں ہوتا ہے جنھوں نے قصہ خوانی بازار کے ۲۳ر اپریل ۱۹۳۰ء کے سانحہ خونچکاں کے بارے میں زبردست خفیہ رپورٹ فرنٹیئر ٹریجیڈی کے نام سے مرتب کی بلکہ اُسے راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کے مندوبین کے پاس عین اُس وقت پہنچایا جب

لہ ۲ سرحد اور جدوجہد آزادی ص ۳۰، ۳۲ تا ۳۳ ۔ ماہنامہ سرحد کراچی مارچ ۱۹۷۲ء ص ۴
روزنامہ نوائے وقت لاہور ۱۴ مارچ ۱۹۷۵ء۔

لندن میں اس کانفرنس کا باضابطہ اجلاس شروع ہوا۔ واقعہ یوں ہوا کہ ۲۳ را پریل ۱۹۳۰ء کو انگریزوں نے قصہ خوانی بازار پشاور میں ایک نہتے جلوس پر اندھا دھند فائرنگ کی اور سرزمین قصہ خوانی خون سے لالہ زار بن گئی۔ اس کے بعد انگریزوں نے اندھا دھند گرفتاریاں شروع کر دیں۔ قصور ان سب کا ایک ہی تھا کہ وہ ہندوستان کی آزادی چاہتے تھے۔ انگریز اس کو برداشت نہیں کرتا تھا ہر روز یہی ہنگامہ اور یہی دار و گیر کے واقعات پیش آتے رہتے تھے۔ اس روز بھی یہی کچھ ہوا چنانچہ سارے صوبے میں نہیں بلکہ پورے برصغیر میں آگ لگ گئی۔ احتجاجی جلسوں اور جلوسوں کا ہر طرف دور دورہ تھا حکومت اور کانگرس دونوں نے اپنی اپنی رپورٹیں تیار کرائیں۔ ان سب میں کامیاب ترین رپورٹ اللہ بخش یوسفی مرحوم کی تھی رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر اس رپورٹ کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتے تھے لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ یوسفی صاحب نے سر صاحبزادہ عبدالقیوم خان سے رابطہ قائم کیا اور ان سے کہا کہ وہ فرنٹیئر ٹریجیڈی کی کاپیاں اپنے ہاں لندن لے جائیں اور کانفرنس شروع ہونے سے پہلے ہر ممبر کی میز پر اس کی ایک ایک کاپی رکھ دیں سر صاحبزادہ مرحوم تو نہ مانے لیکن ان کے سیکرٹری کو یوسفی صاحب نے رام کر لیا چنانچہ یہی ہوا کہ جب راؤنڈ ٹیبل کانفرنس شروع ہوئی تو ہر ممبر کی میز پر وہ رپورٹ پڑی ہوئی تھی۔ اس رپورٹ کی تشکیل و ترتیب اور اس کی موجودگی سے ایوان ہدمنت میں لرزہ طاری ہو گیا۔ اسی اثنا میں برصغیر پاک و ہند کے طول و عرض میں اسمبلیوں کے تمام ارکان اور تمام چیدہ چیدہ لیڈروں اور کارکنوں تک یہ رپورٹ پہنچ چکی تھی۔

یوسفی صاحب کو اس جرم کی پاداش میں مجموعہ تعزیرات ہند کی دفعہ ۱۰ کے تحت بمبئی سے گرفتار کر کے پشاور لایا گیا اور ان پر مقدمہ چلایا گیا اور تین دوم نعبور دریائے شور کی سزا تجویز ہوئی یہ سیشن سپرد ہوئے اور بالآخر حالات سے مجبور ہو کر حکومت نے انہیں رہا کر دیا۔[۱]

---

[۱] ماہنامہ قومی زبان کراچی نومبر ۱۹۶۶ء ص ۲۸ - ماہنامہ سرحد کراچی اپریل ۱۹۶۴ء ص ۳۰ - روزنامہ نوائے وقت لاہور ۱۴ر مارچ ۱۹۶۵ء -

یوسفی صاحب صوبہ سرحد مسلم لیگ کے پراونشل سکیرٹری رہے۔ قائدِ اعظم نے جو پارلیمینٹری بورڈ بنایا تھا اس کے ایک رکن اللہ بخش بھی تھے ۱۹۴۳ء میں صوبہ سرحد مسلم لیگ کا کنونشن ہوا تو یوسفی صاحب اس کنونشن کے جنرل سکیرٹری تھے جب صوبہ سرحد میں سردار اورنگ زیب خان نے مسلم لیگ کی وزارت بنائی تو یوسفی صاحب پبلسٹی آفیسر مقرر ہوئے۔

یوسفی صاحب نے مسلم لیگ کی تنظیم کا کام اس نازک وقت میں کیا جب کانگرس سے اختلاف کرنے کی کسی کو ہمت نہ تھی آپ نے اپنے اخبار سرحد کے ذریعے مسلم لیگ کی بے مثال خدمت کی ۱۹۴۷ء میں جب تحریکِ پاکستان کے سلسلہ میں گرفتاریاں عمل میں آئیں تو وہ چالیس حضرات جن پر ڈاکٹر خان صاحب کے بنگلے پر حملہ کرنے کا الزام عائد کیا گیا ان میں آپ بھی شامل تھے۔ ۳۰ر جون ۱۹۴۷ء کے اعلان کے بعد آپ کی رہائی عمل میں آئی۔

جناب اللہ بخش یوسفی کی زندگی سراپا جہاد تھی، انھوں نے ہوش سنبھالنے کے زمانے سے لیکر زندگی کے آخری سالوں تک قلم اور قدم سے اپنا جہاد جاری رکھا۔ ان کے اپنے الفاظ میں:۔

"دراصل میدانِ سیاست میں شامل ہونے کے بعد میں پہلی بار اس وقت سزا یاب ہوا کہ ابھی مدرسہ میں زیرِ تعلیم تھا جرم یہ سرزد ہوا کہ میں نے "ہوم رول" کی ۱۹۱۴ء میں حمایت کر دی تھی۔ دوسری بار تحریک مخالفت رولٹ ایکٹ میں شمولیت کی وجہ سے کورٹ مارشل ہوا، حکم نظری بندی کی سزا ملی، تین دفعہ مزید قید و بند میں ڈالے جانے کے بعد ۱۹۳۰ء میں انگریزی مظالم کی داستان بعنوان فرنٹیئر ٹریجیڈی لکھنے پر "عبور دریائے شور" کی سزا تجویز ہوئی تھی اور آخری بار تحریکِ پاکستان کے سلسلے میں قید و بند کی زندگی گزارنا پڑی تھی" [۱]

---

[۱] سرحد اور جدوجہدِ آزادی ص ۳۰۔

قیام پاکستان کے بعد اوائل ۱۹۴۸ء میں آپ پشاور سے کراچی منتقل ہو گئے۔ سردار عبدالرب نشتر سے آپ کو گہرا قلبی لگاؤ تھا یہی قلبی لگاؤ اور وزیر اعلیٰ خان عبدالقیوم خان سے اختلاف کراچی منتقل ہونے کا باعث بنا۔ کراچی میں آپ نے مولانا محمد علی جوہر کی یاد میں "محمد علی ایجوکیشنل سوسائٹی" کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا جس نے علم و ادب کی بہت خدمت کی۔

جیسا کہ قبل ازیں ذکر کیا گیا ہے کہ آپ نے پشاور سے ماہنامہ سرحد نکالا تھا۔ اس کے علاوہ آپ نے ایک انگریزی ہفتہ وار اخبار "پروگریس" اور دوسرا اردو اخبار "سرحد" بمبئی سے نکالا۔ اس کے علاوہ ہفت روزہ آواز بجنور، ہلال پاکستان بھی نکالا۔ بعض دوسرے رسائل و جرائد مثلاً "ادیب" (پشاور) خلافت (بمبئی) اتحاد (کراچی) اور مشعل راہ (کراچی) کی ادارت سے بھی وابستہ رہے۔ کراچی میں "شریف آرٹ پریس" کے نام سے مطبع بھی قائم کیا۔[1]

مندرجہ ذیل تصانیف آپ کی دائمی یادگار ہیں۔

۱۔ تاریخ یوسف آزاد پٹھان ۱۹۶۰ء میں شائع ہوئی۔

۲۔ تاریخ آزاد پٹھان (دو جلدوں میں) پہلی جلد ۱۹۵۸ء اور دوسری ۱۹۵۹ء میں شائع ہوئی۔

۳۔ افغان یا پٹھان (دو جلدوں میں) اس کتاب کے کئی ایڈیشن نکل چکے ہیں۔

۴۔ مختصر تاریخ کشمیر۔ اس کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۶۰ء میں شائع ہوا۔

۵۔ تاریخ ریاست سوات:۔ ریاست سوات کی مختصر تاریخ ہے۔

۶۔ حقیقت پختونستان اور ڈیونڈر لائن:۔ افغانستان اور پاکستان کے سرحدی تنازعے کے مسئلے پر ایک مفصل اور مدلل کتاب ہے۔

۷۔ الامین محمد مارماڈیوک پکتھال نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی

---

[1] ماہنامہ قومی زبان کراچی نومبر ۱۹۶۸ء ص ۲۹۔

سیرت مبارکہ پر انگریزی میں ایک مختصر سی کتاب لکھی تھی جس کو یوسفی صاحب نے اضافے کے ساتھ دوبارہ مرتب کیا ہے۔ یہ کتاب انگریزی میں شائع ہوئی ہے۔

۸۔ مارشل لاء — پاکستان میں مارشل لاء کے نفاذ پر یہ انگریزی کتابچہ شائع ہوا۔

۹۔ اس کتاب کا ترجمہ "سرحدی گاندھی سے ملاقات" کے عنوان سے اردو، پشتو اور گجراتی میں ہو چکا ہے۔

۱۰۔ سرحد اور جدوجہد آزادی۔ یہ کتاب مرکزی اردو بورڈ لاہور کی طرف سے ۱۹۶۸ء میں شائع ہوئی۔

۱۱۔ مولانا محمد علی جوہر کی سوانح حیات دو جلدوں میں ہے، جس کا دیباچہ فیلڈ مارشل محمد ایوب خان نے لکھا ہے۔

علاوہ ازیں مندرجہ ذیل کتب غیر مطبوعہ ہیں۔ ۱۔ سوانح حیات علی عباس بخاری (صوبہ سرحد کے ایک قومی کارکن)۔ ۲۔ سلطان محمود غزنوی (انگریزی)۔ ۳۔ آفریدی۔ ۴۔ مہمند۔ ۵۔ غلزئے۔ ۶۔ فرانٹیئر ٹریجیڈی۔ ۷۔ سوانح حیات علامہ مشرقی۔ ۸۔ تاریخ پشاور۔ ۹۔ تاریخ درہ کوہاٹ۔ ۱۰۔ کلام جوہر (مولانا محمد علی جوہر کا مجموعہ کلام)۔ ۱۱۔ پشتو اور لغت۔ ۱۲۔ تاریخ بلوچستان۔

یوسفی صاحب کی وفات حسرت آیات ۱۳ مارچ ۱۹۶۸ء بروز بدھ سول ہسپتال کراچی میں ہوئی اور کراچی ہی میں سپرد خاک ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ [1]

---

[1] ماہنامہ قومی زبان کراچی نومبر ۱۹۶۸ء ص ۲۷۔ ماہنامہ سرحد کراچی مارچ ۱۹۷۴ء روزنامہ نوائے وقت لاہور ۱۴ مارچ ۱۹۷۵ء۔

خواجہ اشرف احمد

جناب ڈاکٹر محمد الیاس مسعود قریشی کے کتابچہ "رہنونا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا" میں آپ کا تعارف ان الفاظ میں کرایا گیا ہے۔

"ممبر ورکنگ کمیٹی پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن، ممبر پنجاب مسلم لیگ کونسل، ممبر آل انڈیا مسلم لیگ کونسل، ممبر دیہاتی سب کمیٹی، پہلی بار پاکستان کانفرنس ۱۹۴۱ء میں سرگرم حصہ لیا۔ اسی موقعہ پر قائداعظم کا بوسہ لیا اور اس کو آج بھی باعث فخر سمجھتے ہیں۔" (ص ۲۷)

خواجہ صاحب کی ولادت باسعادت لاہور کے ایک انتہائی معزز خاندان میں ۴ ستمبر ۱۹۱۶ء کو ہوئی۔ لاہور ریلوے اسٹیشن کے بالمقابل آسٹریلیا بلڈنگ اور آسٹریلیا بنک اسی خاندان کی ملکیت تھے۔ آسٹریلیا بلڈنگ کے میکلوڈ روڈ والے کونے پر آسٹریلیا کیمسٹس کے نام سے خواجہ اشرف احمد کی فرم تھی۔ یہ دکان دو سال تک پاکستان رورل پروپیگنڈا کمیٹی کا مرکزی مگر یہ دفتر عموماً تین کارکنوں پیرزادہ پروفیسر منظور الحق صدیقی، چوہدری نصراللہ خان اور چوہدری محمد صادق کی رہائش گاہ کا کام دیتا رہا۔ یہ دفتر باقاعدگی سے نہ کھلتا تھا۔ یہ کارکن اپنے دوروں کی رپورٹیں خواجہ اشرف احمد کو بھیجتے اور وہ انہیں ترتیب دیکر اور پرنٹ پریس کو دے دیتے۔ خواجہ صاحب موصوف دیہات میں نہیں گئے مگر پاکستان رورل پروپیگنڈا کمیٹی کے اہم رکن تھے اپنے متذکرہ بالا تینوں کارکنوں مجاہد ملت مولانا عبدالستار خاں نیازی، ڈاکٹر محمد الیاس مسعود اور ظفراللہ خاں ملک کے ساتھ ۳۰ جولائی ۱۹۴۱ء کو لاہور میں سر سکندر حیات خاں کو نواز اخبارات "انقلاب" و "شہباز" کے پرچوں کو لاہور کے مختلف چوکوں میں جلانے میں حصہ لیا۔ بعد میں آپ

مسلم لیگ کونسل کے رکن کی حیثیت سے اہم خدمات سرانجام دیتے رہے اور قائد اعظم کے ہر حکم کی تعمیل بجان و دل کرتے تھے۔

آپ پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کی پاکستان کانفرنس منعقدہ لاہور ۱۹۴۱ء کی مجلس استقبالیہ کے اہم رکن تھے اور پنڈال کا انتظام ڈاکٹر ضیاء الاسلام اور آپ کے سپرد تھا آج کل آپ شادمان کالونی لاہور میں رہائش پذیر ہیں۔[۱]

آپ کے والد گرامی کا اسم مبارک خواجہ محمد رشید وائیں تھا۔ آپ نے بی اے کرنے کے بعد فاضل اردو کی ڈگری بھی حاصل کی۔ آپ کو حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ سے حد درجہ عقیدت و محبت ہے۔ ایک دفعہ جولائی ۱۹۳۷ء میں خواجہ شریف بخش اور پروفیسر معین الدین اقبال کے ساتھ حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت علامہ نے دوران گفتگو فرمایا کہ:۔

"اس وقت ہندوستان میں مسلمانوں کی قیادت کا اہل اگر ہے تو وہ صرف جناح ہے"

اس جملے نے آپ پر اتنا اثر کیا کہ آپ تحریک پاکستان کے سپاہی بن گئے اور مقدور بھر خدمات انجام دیں۔[۲]

آپ نے حضرت آغا محمد اسمٰعیل فاروقی نقشبندی کابلی (المتوفی ۱۹۴۶ء) مدفون نزد مانسہرہ ضلع ہزارہ کے دست حق پر بیعت کی۔ ان کی رحلت کے بعد حضرت آغا حاجی نیاز محمد قلندر چشتی قادری (المتوفی ۱۳۷۲ھ/ ۱۹۵۲ء لاہور) کے ہاتھ پر تجدید بیعت کر کے اکتساب فیض کیا۔

---

[۱] مکتوب گرامی جناب پروفیسر منظور الحق صدیقی صاحب کیڈٹ کالج حسن ابدال بنام مؤلف نومبر ۱۹۷۶ء

[۲] مکتوب گرامی خواجہ احمد اشرف صاحب بنام مؤلف از لاہور محررہ ۶ / نومبر ۱۹۷۶ء

نواب افتخار حسین ممدوٹ

نواب شاہنواز خاں والئی ممدوٹ کے صاحبزادے، حضرت خواجہ غلام سدیدالدین تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کے ماموں زاد بھائی اور تحریک پاکستان کے نامور سپاہی نواب افتخار حسین خاں ممدوٹ ۳۱ دسمبر ۱۹۰۶ء کو پنجاب کے دل لاہور اور لاہور کے دل موچی دروازہ میں حویلی نوابان کٹڑہ پوربیاں میں متولد ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مسلم ہائی سکول لاہور سے حاصل کرنے کے بعد گورنمنٹ کالج لاہور سے فارغ التحصیل ہوئے۔ اس کے بعد اپنے والد گرامی نواب شاہ نواز خان کے پاس حیدرآباد دکن چلے گئے۔ وہاں آپ کو پولیس سروس کے لیے منتخب کر لیا گیا۔ اور آپ نے ساگو کے مقام پر پولیس اکیڈمی میں تربیت حاصل کی ۱۹۲۹ء میں لاہور آ گئے ۱۹۳۴ء میں رشتۂ ازدواج سے منسلک ہو گئے۔ اسی دوران ریاست ممدوٹ میں آنریری مجسٹریٹ کی حیثیت سے فرائض انجام دیتے رہے۔ ؎۱

۱۹۴۲ء میں آپ کے والد گرامی کی وفات ہوئی تو آپ کو ان کی جگہ نواب اور پنجاب مسلم لیگ کا صدر مقرر کیا گیا اور اپنے والد کی وفات سے خالی ہونے والی سیٹ سے بلا مقابلہ پنجاب اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ یہ دور مسلمانان پنجاب کے لیے خصوصاً بڑا نازک دور تھا ان کے لیے یہ ذمہ داری نہایت اہم تھی۔ مسلم لیگ کی صدارت کے بعد پہلی مرتبہ اسلامیہ کالج لاہور میں پرچم کشائی کے لیے تشریف لائے تو طلبہ نے انہیں پھولوں سے لاد دیا۔

؎۱ روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲۰ اکتوبر ۱۹۶۹ء - ۱۹ اکتوبر ۱۹۶۵ء

اس وقت مقرر نہ ہونے کی وجہ سے زیادہ خطاب نہ کر سکے تو اخبارات نے انھیں خوب اچھالا اور "گونگا پہلوان" کا خطاب بھی چپت کر دیا لیکن رفتہ رفتہ آپ ایک بہترین مقررین گئے۔ ؎۱

مسلم لیگ اور قائد اعظم کے لیے آپ کی ذات سرمایہ ناز تھی۔ آل انڈیا مسلم لیگ کونسل نے ۱۹۴۶ء میں جب ڈائریکٹ ایکشن کا فیصلہ کیا تو ایک قرارداد یہ بھی منظور کی کہ مسلم لیگ کے تمام رہنما اور زعماء انگریز کے عطا کردہ اعزازات واپس کر دیں تو آپ نے اسلامیہ کالج کی گراؤنڈ میں ایک جلسہ عام میں اپنی نوابی کا اعزاز واپس کرنے کا اعلان کیا اور آپ کے ساتھ میاں امیرالدین اور حفیظ جالندھری نے بھی خان بہادری کے خطابات واپس کرنے کا اعلان کیا۔ اس طرح آپ نواب ممدوٹ سے خان ممدوٹ کہلانے لگے۔ ؎۲

تحریک پاکستان میں آپ نے جس پامردی اور جرأت کا مظاہرہ کیا۔ قائد اعظم اس کے از حد معترف تھے۔ ایسے وقت میں جب کہ بڑے بڑے زمیندار یونی نسٹ پارٹی میں رہ کر حکومت برطانیہ کے اشاروں پر ناچتے تھے۔ آپ نے ایک مسلم لیگی کی حیثیت سے یونی نسٹ پارٹی کے دانت کھٹے کرنے کی پوری پوری کوشش کی پھر جب یونی نسٹ حکومت نے مسلم لیگ نیشنل گارڈ پر پابندی عائد کر دی تو آپ اُس پہلے جیش میں شامل تھے جنہوں نے مسلم لیگ کے دفتر سے اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کیا۔ اُس وقت آپ پنجاب مسلم لیگ کے صدر تھے۔ ؎۳

قیام پاکستان کے بعد ۱۶ راگست ۱۹۴۷ء کو پنجاب کے پہلے وزیر اعلیٰ منتخب ہو گئے

؎۱ روز نامہ نوائے وقت لاہور ۲۰ ر اکتوبر ۱۹۶۹ء۔ ۱۹ ر اکتوبر ۱۹۷۵ء

؎۲ " " " ۱۹ ر اکتوبر ۱۹۷۵ء۔ بے تیغ سپاہی از صدیق علی خان کراچی ۱۹۷۱ء ص ۲۰۵ / ۵۲۴

؎۳ " " " ۲۰ ر اکتوبر ۱۹۶۹ء۔ پاکستان انقلاب سے پہلے اور بعد مطبوعہ لاہور ۱۹۶۸ء ص ۱۲۹

لیکن جلد ہی مرکزی حکومت کی سازش کا شکار ہو گئے۔ اور اس طرح پنجاب میں جمہوری حکومت کا خاتمہ کر کے ملک میں جمہوریت کشی کی ابتداء کی گئی۔ حالات زیادہ سے زیادہ سنگین ہو گئے۔ اور آپ مجبور کر دیئے گئے کہ اس مسلم لیگ کو چھوڑ دیں جس کے فروغ و استحکام کے لیے انہوں نے والہانہ کام کیا، سرکاری مسلم لیگ چھوڑ کر آپ نے سب سے پہلے ملک میں حزب اختلاف کی بنیاد ڈالی اور جناح مسلم لیگ کے نام سے نئی سیاسی جماعت کا اعلان کیا جس میں آپ کو کامیابی ہوئی اور مخلص اور دیانتدار لوگ آپ کے ساتھ ہو گئے۔ اسی دوران مرکزی حکومت نے آپ پر سیاسی عہدے کا ناجائز استعمال وغیرہ کے سلسلے میں ایک قانون نافذ کیا جس کا نام پروڈا تھا مسلسل ایک سال، ۲ر جولائی ۱۹۴۹ء تا ۱۳ر جولائی ۱۹۵۰ء تک یہ مقدمہ زیر سماعت رہا۔ خواجہ ناظم الدین مرحوم گورنر جنرل تھے، انہوں نے ٹریبونل کے فیصلہ کے تحت آپ کو ہر قسم کے الزامات سے بری کر دیا۔ اس مقدمہ میں جناب سید حسین شہید سہروردی نے وکالت کے فرائض انجام دیئے۔ [1]

آپ کی باعزت بریت کے سلسلہ میں ۱۰ ستمبر ۱۹۵۰ء کی شب کو پنجاب کے بے خوف اور پرہیزگار مسلم لیگی لیڈر میاں عبدالباری مرحوم کی صدارت میں ایک جلسہ باغ بیرون موچی دروازہ میں منعقد ہوا۔ پنجاب کے پہلوانوں کی طرف سے مہتاب پہلوان نے لاہور کے قدیمی رواج کے مطابق آپ کی دستار بندی کر کے والہانہ عقیدت کا اظہار کیا۔ آپ کی کم گوئی اور شرافت کی وجہ سے مخالفین سیاسی اکھاڑے کا "گونگا پہلوان" کہتے تھے۔ لیکن آپ نے اس رات اپنی دو گھنٹے کی تقریر میں اپنے مخالفین کے اس اتہام کو غلط ثابت کر دیا۔ اس جلسہ میں سردار شوکت حیات، ملک غلام نبی، عبدالرؤف شباب مفتی اور دیگر لیڈروں نے بھی تقریریں کیں۔

---

[1] روزنامہ نوائے وقت لاہور ۱۸ر اکتوبر ۱۹۷۵ء۔ ۱۹ر اکتوبر ۱۹۷۵ء ہفت روزہ زندگی لاہور ۳ر نومبر ۱۹۶۹ء ص ۱۹۔ مسلم لیگ کا دور حکومت از صفدر محمود مطبوعہ لاہور ۱۹۷۳ء ص ۴۳۔ تاریخ سندھ و پاکستان از مولانا قاری احمد مطبوعہ کراچی ۱۹۶۴ء ص ۴۰۸۔

لاہور کارپوریشن کے سابق ممبر میاں مشتاق احمد نے سپاسنامہ پیش کیا۔ ؎۱

قدرت نے آپ کو مردانہ وجاہت کی تمام دلفریبیوں سے نوازا تھا، آپ کی مسحور کن شخصیت کو جو ایک مرتبہ دیکھ لیتا۔ اُن سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا۔ قائداعظم اور مادرِ ملت محترمہ فاطمہ جناح آپ کی بے حد مدّاح تھیں، قیامِ پاکستان کے بعد قائداعظم کے ساتھ قریبی رابطہ رکھنے اور اُن کی آنکھ کا تارا ہونے کے یوں تو بے شمار دعویدار پیدا ہو گئے لیکن یہ فخر اور یہ اعزاز صرف آپ کے خاندان کو حاصل تھا۔ کہ وہ قائداعظم کی میزبانی کا ان دنوں شرف حاصل کرتے رہے جن دنوں پنجاب کے بڑے بڑے جاگیردار، لیڈر اور صاحبِ ثروت اصحاب حکومتِ برطانیہ کی ناراضگی کے خوف سے اُن کو اپنے ہاں ٹھہرانے سے گریز کرتے تھے۔ آپ کی شخصیت میں جہاں متانت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، وہاں وہ بڑے بذلہ سنج اور خوش مزاج انسان بھی تھے۔ وہ لطیفہ گوئی اور سخن فہمی کے معاملہ میں عمدہ اور نفیس ذوق کے مالک تھے۔ ؎۲

۱۹۵۱ء کے الیکشن میں آپ کی جماعت جناح مسلم لیگ نے پورے پنجاب میں اپنے امیدوار کھڑے کئے خود آپ لاہور اور سیالکوٹ کے شہری حلقۂ نیابت میں کھڑے ہوئے اور دونوں جگہوں سے اپنے حریفوں سید امداد علی شاہ اور خواجہ محمد صفدر کو بھی اکثریت سے ہرا کر کامیاب ہوئے آپ کے علاوہ لاہور سے میاں امیرالدین ملک غلام نبی ڈیرہ غازی خاں سے خواجہ غلام سدید الدین تونسوی اور دیگر بہت سے ساتھی کامیاب ہوئے۔ اور صوبائی اسمبلی میں آپ نے حزبِ اختلاف کے قائد کے طور پر جاندار کردار ادا کیا۔ ؎۳

آپ نے صوبہ سندھ کے گورنر کی حیثیت سے جو کارہائے نمایاں انجام دیئے مستقبل کا مؤرخ ان سے اغماض نہیں کر سکے گا۔ ری پبلکن حکومت میں وزیر مال کے طور پر بھی آپ کی

؎۱ روزنامہ نوائے وقت لاہور ۱۸ / اکتوبر ۱۹۶۵ء

؎۲ روزنامہ نوائے وقت " " "

؎۳ " " ۱۹ / اکتوبر ۱۹۶۵ء سوانح مولانا داؤد غزنوی مطبوعہ لاہور ۱۹۶۴ء ص ۱۸۰

خدمات قابلِ تحسین ہیں۔ آپ کا شمار ملک کے صفِ اوّل کے سیاستدانوں میں ہوتا تھا۔ آپ زندگی میں ہمیشہ پاکستان کی بقا اور نظریۂ پاکستان کے اصولوں کے مفاد کے لیے عملی اور ذہنی طور پر مصروف رہے۔ انتقال سے کچھ عرصہ قبل کنونشن مسلم لیگ کے نائب صدر منتخب ہوئے تھے۔ آپ کی خواہش تھی کہ اس جماعت کو صحیح معنوں میں عوامی جماعت بنایا جائے لیکن موت کے بے رحم ہاتھوں نے اُن کی اس آرزو کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تشنۂ تکمیل کر دیا۔ [1]

آپ ذیابطیس کے پرانے مریض تھے۔ آخر اس موذی مرض نے پاکستان کے اس مخلص، دیانتدار، انتھک اور عظیم سپاہی کو ۱۸ راکتوبر ۱۹۶۹ء کو فوجی فاؤنڈیشن ہسپتال راولپنڈی میں ہم سے چھین لیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ [2]

ملک بھر کے اخبارات نے آپ کو زبردست خراجِ تحسین پیش کیا۔ ذیل میں صرف روزنامہ نوائے وقت لاہور کا اداریہ نذرِ قارئین ہے۔

"نواب افتخار حسین ممدوٹ راولپنڈی میں وفات پا گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ نواب صاحب تحریکِ آزادی کے ممتاز رہنما، قائدِ اعظم کے ایک بہت معتمد نائب اور آزادی کے بعد پاک پنجاب کے پہلے وزیرِ اعلےٰ تھے۔ مرحوم کا شمار ان معدودے چند بڑے زمینداروں میں ہوتا تھا جنہوں نے پنجاب میں انگریز کے سامراج کی پشت پناہ اور عیار ہندو کی آلۂ کار یونینسٹ پارٹی کی جگہ برصغیر کے مسلمانوں کی جماعت مسلم لیگ کا بھرپور ساتھ دیا اور پنجاب میں تحریکِ پاکستان کو کامیاب بنانے کیلئے ناقابلِ فراموش کردار ادا

---

[1] روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲۰ راکتوبر ۱۹۶۹ء۔

[2] ایضاً ۱۸ راکتوبر ۱۹۷۵ء، ۱۹ راکتوبر ۱۹۷۵ء

کیا۔ آزادی کے بعد جب وہ پاک پنجاب کے وزیرِ اعلیٰ بنے تو اس صوبہ کی تقسیم لاتعداد مہاجرین کی آمد، آباد کاری اور کشمیر میں جنگ آزادی کی وجہ سے لاتعداد اور نہایت سنگین حالات و مسائل پیدا ہو گئے تھے، اس نازک دور میں حالات کو معمول پر لانے میں جو عدیم النظیر کامیابی حاصل ہوئی نواب ممدوٹ کے ضمن میں اس کا ذکر ہمیشہ جلی حروف میں کیا جائے گا۔ کچھ عرصہ بعد انہیں مسلم لیگ میں دھڑے بندی کی وجہ سے اپنی جماعت سے علیحدہ ہونا پڑا اور وقت کے حکمرانوں کی ہاں میں ہاں نہ ملانے کی پاداش میں قانونی احتساب سے بھی دوچار ہونا پڑا۔ لیکن نواب ممدوٹ کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ اس زمانہ میں جب ملک میں مسٹر سہروردی مرحوم کی قیادت میں پہلی محب وطن جمہوری اپوزیشن قائم ہوئی، نواب ممدوٹ نے اس کی تنظیم میں نمایاں حصہ لیا۔ اس کے بعد وہ عملی سیاسیات سے کم و بیش ریٹائر ہو گئے۔ بلاشبہ اس کے بعد وہ سندھ کے گورنر بھی بنے اور کچھ عرصہ کے لئے مغربی پاکستان کے وزیر بھی رہے اور اب حال ہی میں انہیں سابق حکمران جماعت میں اہم عہدہ بھی دیا گیا تھا لیکن یہ عہدے ان کی سیاسی سرگرمیوں کے مرہونِ منت نہیں تھے بلکہ بڑی حد تک ان کی تحریک پاکستان کے زمانہ میں خدمات اور سیاسی حلقوں میں دیرپا اثر و رسوخ کے اعتراف کے ضمن میں آتے تھے ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ انہیں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔" [لہ]

لہ روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲۰ر اکتوبر ۱۹۶۹ء۔

مولانا بشیر احمد اخگر

آپ ضلع سیالکوٹ کے پیرزادے ہیں، غالباً ۱۹۱۰ء میں پیدا ہوئے سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور میں زیر تعلیم تھے کہ پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن نے لاہور میں ۱۹۴۱ء میں پاکستان کانفرنس منعقد کی۔ اس کی کامیابی میں ہاتھ بٹایا۔ پاکستان رورل پراپیگنڈا کمیٹی کے رکن چوہدری محمد صادق کے ساتھ سیالکوٹ کے کئی دیہات میں مسلم لیگ کی شاخیں قائم کیں۔ ازاں بعد پنجاب صوبہ مسلم لیگ کی کونسل کے ۱۹۴۲ء تا ۱۹۴۹ء تک ممبر رہے اور ۱۹۴۴ء سے ۱۹۴۷ء تک تحصیل مسلم لیگ کے صدر رہے۔

وضع قطع متشرع، زبان میں لوچ اور اثر کی وجہ سے آپ کی اردو اور پنجابی میں تقاریر بہت ہی کامیاب رہا کرتی تھیں۔ تحریک پاکستان کو عوام کے دلوں میں بٹھانے میں ان کے عوامی لہجے اور زبان نے بڑا کام کیا۔ ۱۹۴۶ء میں پنجاب لیجسلیٹو اسمبلی کے انتخابات میں آپ نے مسلم لیگی امیدواروں کی کامیابی کے لیے شب و روز کام کیا۔ آپ کا کام پنجاب تک محدود نہ تھا۔ ۱۹۴۶ء میں سندھ الیکشن میں پنجاب سے جو مقررین گئے تھے اُن میں آپ بھی شامل تھے پھر ۱۹۴۷ء میں صوبہ سرحد کے استصواب کے موقع پر آپ کی تقاریر نے جادو کا کام کر کے کانگرس کے بھوؤں کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔

پاکستان بننے کے بعد سیاست کو خیر باد کہہ کر گوشہ نشین ہو گئے۔ ایوبی دور میں مغربی پاکستان مسلم لیگ کے جائنٹ سیکرٹری بن کر ایک بار پھر میدان عمل میں آ گئے۔ اور اپنی شعلہ بار تقاریر کے باعث نئی نسل کو اپنا تعارف کرایا چونکہ سیاست دان کے ساتھ ساتھ ایک عالم دین بھی ہیں اس لیے سیاسی اور مذہبی حلقوں میں یکساں مقبول ہوئے لیکن جب ایوب خان نے آمریت

کا جال پھیلانا شروع کیا تو آپ پھر سیاست سے کنارہ کش ہو گئے۔ آج کل صادق آباد ضلع رحیم یار خاں میں زمینداری کرتے ہیں۔ [۱]

(۱) کتابچہ "ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا" از ڈاکٹر محمد الیاس مسعود مطبوعہ لاہور ۱۹۶۳ء۔

(۲) برگِ گل مجلہ اردو کالج کراچی، قائد اعظم نمبر ۱۹۷۶ء ص ۱۹۸۔

(۳) مکتوب گرامی جناب پروفیسر منظور الحق صدیقی مدظلہ از کیڈٹ کالج حسن ابدال محررہ ۲۵ ستمبر ۱۹۷۶ء

(۴) بے تیغ سپاہی از نوابزادہ صدیق علی خان مطبوعہ کراچی ۱۹۷۱ء ص ۲۰۵۔

سید بشیر احمد سوہدروی

حضرت پیر سید بشیر احمد خورشید سوہدروی رحمۃ اللہ علیہ اس صدی کے آغاز میں ضلع گجرات کے مشہور تاریخی قصبہ جلال پور جٹاں میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد حافظ سید بہاء الدین ایک جید عالم دین تھے۔ آپ نے قرآن و حدیث کی تعلیم جلال پور جٹاں ہی کے ایک مدرسے میں حاصل کی۔ اس کے بعد آپ اپنے آبائی گاؤں سوہدرہ ضلع گوجرانوالہ میں چلے آئے اور فریضہ تبلیغ دین میں مصروف ہو گئے۔ آپ مسلمانوں میں جذبہ جہاد بیدار کرنے کے لیے خصوصی جد و جہد کرتے رہے۔ آپ کا سلسلہ عالیہ سہروردیہ میں بیعت تھے[1]

سوہدرہ میں آپ نے جامع مسجد ارائیاں میں درس و تدریس کے فرائض انجام دینا شروع کئے اور اپنی خطابت سے دین اسلام کی اشاعت میں ہمہ تن مصروف رہے۔ آپ نے انجمن حزب الاحناف کی بنیاد بھی رکھی اور اس کے تحت ہر ماہ باقاعدگی سے اجلاس بھی منعقد ہوتے رہے۔ آپ نے جامع مسجد میں ایک دینی مدرسہ جاری کیا جس میں درس قرآن مجید کے لیے ایک عالم و فاضل اور باعمل بزرگ حاجی برکت علی کاشمیری کو مقرر کیا جنہوں نے دین اسلام کی ترویج و اشاعت کی خاطر سات سال تک عوام کی بے لوث خدمت کی۔[2]

پیر صاحب نے مذہب و روحانیت کے علاوہ سیاسی میدان میں بھی کارہائے انجام دیئے۔ آپ کی سیاسی سرگرمیوں کا آغاز "تحریک حریت کشمیر" سے ہوتا ہے اس تحریک

[1] ہفت روزہ چٹان لاہور ۱۰ مئی ۱۹۷۶ء ص ۲۱ -

[2] ماہنامہ ضیائے حرم لاہور مئی ۱۹۷۶ء ص ۳۱، ۳۲ -

میں آپ نے جس جوش و ولولہ اور جذبہ کا ثبوت دیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کشمیری مسلمانوں کی دلی تمناؤں، آرزوؤں اور امنگوں کے مخلص رہنما اور جرأت مند علمبردار تھے۔ آپ نے "تحریک حریت کشمیر" میں اپنی جرأت اور اولوالعزمی کا شاندار ثبوت دیا۔ آپ اس سلسلہ میں گرفتار کر لیے گئے اور جیل میں بھی رہے۔ آپ نے ڈوگرہ سامراج کی پر زور مذمت کی اور نوجوانوں میں اسلامی خیالات و جذبات سے لبریز تقاریر کیں۔

۲۹ اپریل ۱۹۳۱ء کو جموں میں توہین قرآن پاک کا روح فرسا واقعہ رونما ہوا۔ اس کے نتیجے کے طور پر ۱۳ جولائی ۱۹۳۱ء کو سرینگر سنٹرل جیل کے سامنے مسلمانوں پر گولی چلائی گئی جس سے دو درجن مسلمان شہید ہو گئے۔ اس موقعہ پر شاہ صاحب ڈیڑھ صد فرزندانِ اسلام کو ساتھ لیکر میدان جہاد میں نکلے اور قیادت کا حق ادا کر دیا۔

آپ نے قرآن مجید سے اپنی والہانہ محبت کا ثبوت دیا اور عوام الناس کے سامنے ایک پر جوش تقریر کی جس میں آپ نے کہا :-

"لوگو! وقت آگیا ہے کہ قرآن مجید کی حفاظت کے لیے سروں پر کفن باندھ کر عازم کشمیر ہو جاؤ اور ظالم حکام اور ان کی قائم کردہ وزارتوں کا مردانہ وار مقابلہ کرو۔ آج خدا تعالیٰ نے ہمارے عمل میں چستی پیدا کرنے کے لیے ہمیں بیدار کر دیا ہے۔ چنانچہ ہمارے سر اس کی اطاعت کے لیے جھک چکے ہیں ہم اسی حکم کے مطابق کام کریں گے۔ اب ہم نے ظالموں کے خلاف اعلائے کلمۃ الحق بلند کرنا ہے اور ہمت و استقلال سے کام لیکر مصائب و مشکلات کا مردانہ وار مقابلہ کرنا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ ہمیشہ ان لوگوں کی مدد کرتا ہے جو اس کی راہ میں جدوجہد کرتے ہیں۔ آج اپنے آرام و آسائش کو برطرف کرتے ہوئے دیگر اقوام پر ثابت کر دو کہ اسلام ایک زندہ دین ہے اور تمہاری رگِ حمیت میں اپنے اسلاف کی غیرت کا خون موجزن ہے جنہوں نے روم و ایران جیسی عظیم الشان

سلطنتوں میں تنزل برپا کر دیا تھا۔ مسلمانو! اُٹھو وقتِ امتحان ہے اس سرکش اور درندہ صفت قوم کو کچل ڈالو جو اس قسم کے ناپاک ارادے اپنے اندر رکھتی ہو جس سے مسلمانوں کے پسندیدہ اور پیارے دین اسلام پر حرف آئے۔" ؎۱

آپ کی اس پُر تاثیر، ولولہ انگیز اور جوشِ اسلامی سے لبریز تقریر نے لوگوں کے دلوں کو گرما دیا۔ آپ نے اپنی تقاریر میں ہمیشہ ریاست جموں و کشمیر کی آزادی اور ایک مسلم ریاست کی حمایت کا اعلان کیا اور اسے ہر لحاظ سے ملتِ اسلامیہ کا ایک لازمی جزو قرار دیا۔

۱۹۴۰ء میں جب برصغیر کے مسلمانوں نے قائد اعظم کی قیادت میں پاکستان کو اپنی منزل قرار دیا تو آپ بھی اس حصول کی جدوجہد میں شریک ہو گئے۔ تحریک پاکستان کے دوران آپ نے تحصیل وزیر آباد کے مختلف دیہات کا دورہ کیا اور لوگوں کو مسلم لیگ میں شامل ہونے کی ترغیب دی۔ اگرچہ آپ کو گوناگوں پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا مگر آپ پوری تندہی سے لوگوں کو قائدِ اعظم کی رہنمائی میں ایک پرچم تلے متحد اور منظم ہونے کی تلقین کرتے رہے۔ ؎۲

قیام پاکستان کے بعد آپ نے استحکام و تحفظ پاکستان کی جدوجہد میں حصہ لیا، مہاجرین کی آباد کاری کے لیے شب و روز کام کیا۔ ۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت کا آغاز ہوا تو آپ نے نہایت جرأت سے ختم نبوت کی اہمیت پر ایمان افروز تقاریر کیں اور مرزائیوں کو اقلیت قرار دینے کیلئے عوامی سطح پر قرار دادیں منظور کرائیں۔ اس سلسلہ میں بھی آپ گرفتار ہو کر نظر بند رہے۔

۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۱ء کی جنگوں میں آپ نے اپنے علاقے میں دفاعی کمیٹیاں قائم کیں اور مجاہدین کی امداد کے لیے عملی اقدامات کیے۔ ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں جب پاکستان میں سوشلزم کا غلغلہ بلند ہوا تو آپ جوش میں آ گئے اور کہا کہ:-

"ہم نے اسلام کے نام پر جدوجہد کی۔ اسی جدوجہد کے باعث لاکھوں مسلمان شہید ہوئے

؎۱ ماہنامہ ضیائے حرم لاہور مئی ۱۹۷۶ء ص ۳۳، ۳۴، ؎۲ ہفت روزہ چٹان لاہور ۱۰ مئی ۱۹۷۶ء ص ۲۱۔ ماہنامہ ضیائے حرم لاہور مئی ۱۹۷۶ء ص ۳۴۔

ہزاروں مسلم خواتین کی عفت وعصمت برباد ہوئی ایک کروڑ سے زائد مسلمانوں کو ہجرت کرکے اپنا تمام مال واسباب غیر مسلموں کیلئے چھوڑنا پڑا۔ عجب بات ہے کہ آج ۲۴ برس بعد ہمیں یہ بتایا جاتا ہے کہ یہ ملک اسلام کیلئے نہیں سوشلزم کیلئے حاصل کیا گیا ہے ہم سوشلزم کو نہیں مانتے بلکہ ہم اسلام کے سوا کسی چیز کو نہیں مانتے۔

آپ نے یہ نعرۂ حق اتنی شدت سے بلند کیا کہ اس پورے علاقے میں مسلمانوں میں ایک مرتبہ پھر دینی حمیت جاگ اٹھی۔ [1]

آپ نے اپنی تمام زندگی ایک سچے عاشق قرآن اور عاشق رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حیثیت سے گزاری اور پچاس سال تک قرآن پاک اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں لوگوں کو راہِ ہدایت دکھاتے رہے۔ آپ کا معمول تھا کہ روزانہ بعد از نماز صبح دو گھنٹے تک قرآن مجید کا نہایت عام فہم زبان میں درس دیتے۔ آپ کے ہاتھوں پر ہزاروں لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ آپ تمام اسلامی تقریبات پورے احترام وعقیدت سے مناتے رہے اور دینی ومذہبی تقریبات میں شرکت کے لیے دور دراز سفر بھی اختیار فرماتے۔

۳۰ ربیع الاول ۱۳۹۳ھ مطابق ۴ مئی ۱۹۷۳ء بروز جمعۃ المبارک راولپنڈی سے واپس سوہدرہ تشریف لاتے ہوئے الٰہ آباد (نزد وزیرآباد) میں اپنی جان، جان آفریں کے سپرد کر دی آپ کی میت سوہدرہ لائی گئی اور دوسرے روز ہزاروں سسکیوں اور آہوں کے ہجوم میں مفتی عبدالشکور ہزاروی مدظلہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور جامع مسجد ارائیاں کے پہلو میں سپرد خاک کر دیئے گئے۔ سید محمد صفی اعظم المعروف چن پیر آپ کے فرزند اور جانشین ہیں۔ [2]

---

[1] ماہنامہ ضیائے حرم لاہور مئی ۱۹۷۱ء ص ۳۳، ۳۴

[2] ماہنامہ رضائے مصطفےٰ گوجرانوالہ جون ۱۹۷۳ء ص ۱۴، ۱۵۔ ضیائے حرم لاہور مئی ۱۹۷۳ء ص ۳۴۔
ہفت روزہ چٹان لاہور ۱۰ مئی ۱۹۷۳ء ص ۲۱، ۲۲۔

تاج الدین زرّیں رقم

آپ لاہور کے نامور خطاط تھے۔ فن کتابت کے مسلم استاد، انتہائی خلیق اور ملنسار تھے۔ پاکستان کے شیدائی اور پکے مسلمان تھے۔ تحریک پاکستان کے سلسلے میں آپ ایک ایک پوسٹر ملاک اور سرورق گہری نظر اور توجہ سے لکھتے۔ کاتب حضرات آثار کر لیجاتے تھے۔ ان سے سیکھنے کی سعی کرتے وہ صحیح معنوں میں استادِ فن تھے۔ آخر کار متحدہ ہند میں زریں رقم مشہور ہو گئے۔ آپ نے بڑی جانفشانی سے قدآدم پوسٹر لکھے جو فن کتابت میں سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ کا حلقہ احباب بہت وسیع تھا اس میں مشہور شعراء اختر شیرانی، حفیظ جالندھری اور متحدہ ہندوستان کے دیگر ممتاز افراد شامل تھے۔ آپ اپنے تلامذہ اور متعلقین کی اخلاقی، معاشی خدمت میں کمی نہ کرتے۔ آپکو اور کتابت سیکھنے والوں سے محبت تھی۔ جوق در جوق لوگ فن کتابت سیکھنے کی خاطر ان کے پاس حاضری دیتے تھے۔

آپ نے انجمن خادم المسلمین لاہور کی بھرپور مدد کی اور مسلم مسجد بیرون لوہاری گیٹ لاہور کی تعمیر میں مخلصانہ حصہ لیا۔ انہیں حضرت قائداعظم سے بڑی والہانہ عقیدت تھی۔ تحریک پاکستان میں بے بہا خدمات انجام دیں۔ رضاکار مسلم لیگ لاہور کے ناظم اعلیٰ کی حیثیت سے آپ کے کارنامے بے مثال ہیں۔ ۱۳ جون ۱۹۵۵ء کو لاہور میں وفات پائی۔ [1]

---

[1] روزنامہ نوائے وقت لاہور ۱۴ جون ۱۹۷۶ء

چوہدری حبیب احمد

چوہدری حبیب احمد صاحب بجواڑہ شریف ضلع ہوشیار پور (مشرقی پنجاب، انڈیا) میں ایک معزز دستمول الراعی (ارائیں) خاندان میں ۱۵ر جولائی ۱۹۱۹ء کو پیدا ہوئے۔ والد گرامی کا اسم مبارک ڈاکٹر امام بخش تھا۔ دیہال اور ننھیال قصبہ مذکور کی گدّی کے بزرگوں حضرت میاں اعظم شاہ اور حضرت مولانا برکت علی شاہ رحمۃ اللہ علیہم کی بیعت سے مشرف تھے۔ یہ قادری اویسی سلسلہ حضرت قبلہ رسول نما دہلوی سے جا ملتا ہے حضرت مولانا برکت علی شاہ بریلی شریف کے فیض یافتہ تھے۔ چوہدری صاحب کے والد گرامی ان بزرگوں کی عقیدت کی وجہ سے حکیم الامت حضرت اقبال رحمۃ اللہ علیہ سے بہت متاثر تھے۔

چوہدری صاحب نے مقامی خالصہ ہائی سکول سے میٹرک کرنے کے بعد ۱۹۳۸ء میں کریک ٹیکنیکل انسٹیٹیوٹ لاہور میں داخلہ لیا۔ یہ وہ دور تھا کہ جب ہندو کاروبار پر چھائے ہوئے تھے آپ کے برادر اکبر میاں رشید احمد مرحوم نے مسلمانوں کی تجارتی پستی کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ کو اس جگہ داخل کروایا تاکہ آپ ہندوؤں کے مقابلہ پر لوہے کا کاروبار کریں۔ اس ادارہ میں آپ نے چار سالہ کورس مکمل کر لیا لیکن قدرت کو کاروبار کی بجائے آپ سے ملی خدمات لینا مقصود تھیں۔ ہوا یوں کہ اس ادارے کے قریب ہی آسٹریلیا مسجد تھی جہاں پر وفیسر مرزا عبدالحمید مرحوم (داعی الحق) خطبہ جمعۃ المبارک اور درس قرآن حکیم دیا کرتے تھے۔ اُن کے خطبات میں فکر اقبال کی جھلکیاں نمایاں اور قرآن مجید کی کشش انگیز اور حیات پرور روح موجزن تھی۔ چوہدری صاحب کے کان چونکہ گھر ہی سے فکر اقبال سے روشناس تھے لہٰذا آپ دن بدن مرزا صاحب مرحوم کے قریب ہوتے گئے۔

مرزا صاحب جب دی مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن پنجاب کے صدر بنے تو چوہدری صاحب نے ان کے ہم قدم وہمنوا ہو کر پوری سرگرمی اور جنون وعشق سے تحریک پاکستان میں حصہ لینا شروع کر دیا۔ ضیغم اسلام مجاہد ملت مولانا عبدالستار خان نیازی ایم اے۔ علامہ علاؤالدین صدیقی مرحوم میاں محمد شفیع (م ش) حمید نظامی مرحوم سید محمد قاسم رضوی (مرحوم) اور دیگر رہبران و رہروان قافلہ تحریک قیام پاکستان سے اسی پلیٹ فارم پر تعارف ہوا اور راہ و رسم بڑھی چنانچہ ان سرفروش مجاہدین کے شانہ بشانہ تحریک پاکستان کو پروان چڑھانے کے لیے شب و روز اپنی مساعی کو بروئے کار لاتے رہے۔

پروفیسر مرزا عبدالحمید مرحوم نے بحیثیت صدر پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن اس قافلہ حریت کو "یہ بچوں کا کھیل ہے" کے عنوان سے یوں خراج عقیدت پیش کیا ہے۔

"میں نے ۱۵ جون ۱۹۴۰ء سے ۳۰ جون ۱۹۴۰ء تک اپنے پرپرزے درست کیے۔ جو طلباء اور نمازی میرے غمگسار تھے اور جو احباب مجھے قریب سے دیکھتے سمجھتے اور اس ذمہ داری کا احساس کرنے میں میرے دکھ کے ساتھی تھے وہ ابتداً بہت کم لوگ تھے۔ ان میں چوہدری نصراللہ خاں ایڈووکیٹ مرحوم کو نہیں بھول سکتا جو خاموش نگاہوں اور درد بھرے دل کے ساتھ اس "بچوں کے کھیل" کو قومی معرکہ بنانے میں میرے دست راست بن گئے۔ مرحوم جنرل سیکرٹری تھے میرے درس کے طلباء اور رفقاء میں سے حافظ نذر احمد، حبیب چوہدری ڈاکٹر محمد شریف، عبدالستار اور کچھ دوسرے رفقاء ابتدائی کام کے لیے آگے بڑھے اشفاق احمد، محمد صادق، سید محمد اصغر اور کچھ دوسرے سینیئر طلباء بھی آملے۔ افسوس ہے کہ مجھے نام زبانی یاد نہیں اگر کچھ عزیز احباب اس مضمون کو پڑھیں تو اس مقدمۃ الجیش کے سب نام یا زیادہ سے زیادہ نام ریکارڈ پر آنے ضروری ہیں۔"[1]

---

[1] تحریک پاکستان اور طلباء از عبدالحمید مرزا ایڈووکیٹ "ہفت روزہ وفاق" لاہور ۱۱ دسمبر ۱۹۷۰ء ص ۱۰

قیامِ لاہور کے دوران آپ نے ادیب عالم کا امتحان بھی امتیازی حیثیت سے پاس کیا اور پھر واپس اپنے وطن تشریف لے جا کر تحریک پاکستان کے پودے کی آبیاری کرنا شروع کر دی مجاہد ملت مولانا عبدالستار خان نیازی اور مرزا عبدالحمید صدر مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن پنجاب آپ کے قصبہ بجواڑہ شریف تشریف لے گئے اور سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جلسوں سے خطاب کر کے مسلمانوں کے ذہنوں کے رُخ تحریک پاکستان کے لیے متعین کیے ۱۹۴۷ء میں جب وزیر اعظم پنجاب، سر خضر حیات خان ٹوانہ کے خلاف سول نافرمانی کی تحریک شروع ہوئی تو چوہدری صاحب نے دلوانہ وار میدانِ عمل میں قدم رکھا اور آپ اس عزو شرف کے لیے یکتا و یگانہ ہیں کہ پورے قصبہ میں سے انہیں کو گرفتار کیا گیا اور آپ تحریک کے اختتام تک ہوشیار پور جیل میں رہے۔ آپ نے قصبہ میں ادارہ اصلاح و تبلیغ کے نام سے ایک دارالمطالعہ قائم کیا، جہاں ارد گرد کے لوگوں کو پاکستان کے متعلق لٹریچر فراہم کیا جاتا تھا۔ علاوہ ازیں ایک مرکز قائم کیا گیا جہاں سے اپنے رفقار کار کے وفود بنا کر قائداعظم کے پیغام کو اپنے ضلع کے گوشہ گوشہ میں پہنچایا۔ اس کے ساتھ ہی بچوں کے لیے قرآن پاک کی تعلیم کا بندوبست کیا۔ جہاں حافظ کمال الدین شہید، قیام پاکستان تک پڑھاتے رہے اور انھوں نے کئی ایک حفاظ تیار کر دیئے۔ اندرونی مسجد میں آپ ہی کی کوششوں سے باقاعدہ جمعۃ المبارک شروع ہوا۔ قصبہ کے ارد گرد کے چودیہات الگ الگ نماز عید ادا کیا کرتے تھے انہیں ایک مرکز پر لا کر تحریک پاکستان کے جانثار سپاہی بنا دیا۔

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو جب آزادی کا سورج طلوع ہوا تو چوہدری صاحب ہجرت فرما کر اپنے خوابوں کی تعبیر پاکستان میں آ گئے۔ پہلے میاں چنوں ضلع ملتان اور پھر میانوالی سے ہوتے ہوئے لائل پور میں جلوہ افروز ہوتے اور یہیں مستقل رہائش اختیار فرمالی (آج کل بی/۲۹ ۱۳ پیپلز کالونی میں رہائش پذیر ہیں) اور نظریہ پاکستان کی تبلیغ و ترویج کو حرزِ جان بنا لیا۔ نظریہ پاکستان کی اصطلاح کو فضائے پاکستان میں عام کرنے کے لیے قلمی محاذ پر اس قدر

کام کیا کہ اس میدان میں اُن کا کوئی ہمعصر نظر نہیں آتا۔ اس اصطلاح کو آپ نے اس قدر ابھارا کہ آج پورے پاکستان کی فضا لفظ "نظریہ پاکستان" سے معمور ہے جب چوہدری خلیق الزمان مرحوم اور جناب اصفہانی نے یہ دعویٰ کیا کہ یہ اصطلاح نئی ہے اور قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے وقت میں نہ تھی تو چوہدری صاحب نے جولائی ۱۹۶۲ء میں روزنامہ نوائے وقت لاہور کے ایک شمارہ میں ان حضرات کے بودے دعوے کا منہ توڑ جواب دیا۔

لائل پور میں رہائش پذیر ہونے کے بعد آپ کی سیاسی وابستگی بدستور مسلم لیگ سے رہی اور سٹی مسلم لیگ میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ اس کے بعد جناح عوامی مسلم لیگ ضلع لائل پور کے کنوینر رہے۔ سابق صدر محمد ایوب خان مرحوم کو مسلم لیگ کے ذریعے خدمت کرنے کی ترغیب سب سے پہلے آپ نے روزنامہ عوام لائلپور اور روزنامہ نوائے وقت لاہور میں ایک مدلل مضمون لکھ کر دی۔ راجہ حسن اختر اور خواجہ عبدالرحیم (مرحومین) جیسے فدایانِ اقبال کے ساتھ پاکستان مسلم لیگ میں سرگرم عمل رہے۔

آپ قلمی محاذ پر آج تک نظریہ پاکستان اور تحریکِ قیام پاکستان کے مخالفین اور معاندین کے خلاف صف آرا ہیں۔ جماعت اسلامی کا رُخ کردار، تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماء اور اور نظریہ پاکستان جیسی شہرت یافتہ کتابیں لکھ کر آپ نے اپنی قابلیت، تاریخ دانی اور حب الوطنی کا لوہا منوا لیا ہے اور آپ کا مفاہمت نا آشنا قلم اب بھی اس رُخ پر مزید کام جاری رکھے ہوئے ہے۔ تاریخ تحریکِ پاکستان سے غلط نویسی اور غلط بیانیوں کے گرد و غبار کو ہٹانا آپ کا وظیفۂ حیات ہے اور آپ کا یہ عظیم کارنامہ ہے جسے کوئی بھی مؤرخ نظر انداز نہیں کر سکتا۔ آپ نے نظریہ پاکستان کو لوگوں کے قلوب و جگر میں راسخ کرنے کے لیے ایک جریدہ ہفت روزہ نظریہ پاکستان کا اجرا کیا جس نے پاکستان کے طول و عرض میں حب الوطنی کی حرارت پیدا کر دی مگر افسوس کہ یہ جریدہ اپنی زندگی کے صرف تین پھول توڑ کر چوہدری صاحب کی مرضی و منشاء کے بغیر الحفاظۃ فاجعہ، دفتری عملہ کی غلط کاری، غلط نویسی اور غلط کرداری کی

وجہ سے بند ہوگیا۔ اب اس کے دوبارہ اجراء کے لیے مناسب وقت کا انتظار ہے [1]
پیامِ اقبال کو عام کرنا آپ کا مقصدِ وحید ہے۔ مجلسِ اقبال لائل پور کے رکن اور پھر صدر بھی رہے۔ آج کل مجلس فکرِ اقبال لائل پور کے صدر ہیں۔ نظریہ پاکستان اور پیامِ اقبال کو ہر پاکستانی کے دل کی دھڑکن بنانے کے لیے ایک دو مزید کتابیں ترتیب دے رہے ہیں۔ خدا کرے کہ یہ کتب جلد از جلد منصۂ شہود پر جلوہ گر ہو کر نئی نسل کے لیے مشعلِ راہ بنیں۔

ع ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

---

[1] مکتوب گرامی پروفیسر میاں رفیق احمد حبیب (خلف الرشید چوہدری صاحب) از لائل پور بنام مؤلف محررہ یکم مارچ ۱۹۷۰ء۔

قاضی حبیب الحق پرمولی

قاضی صاحب ۱۴ر ذی قعدہ ۱۳۳۱ھ مطابق ۱۵ر اکتوبر ۱۹۱۳ء بروز چہار شنبہ موضع پرمولی تحصیل صوابی ضلع مردان میں پیدا ہوئے۔ والد گرامی کا اسم مبارک قاضی عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ تھا۔ آپ نے ابتدائی تعلیم مواضعات نواکلی، یعقوبی، کوٹ ہزارہ وغیرہ میں حاصل کرنے کے بعد اجمیر شریف کا رُخ کیا۔ وہاں دارالعلوم معینیہ عثمانیہ میں چند سال تعلیم حاصل کرنے کے بعد بعارضہ تپ دق واپس وطن آگئے اور پھر والد گرامی سے ہی دورۂ حدیث اور تفسیر قرآن کی تکمیل کی۔ فراغت کے بعد والد ماجد سے سلسلہ قادریہ میں بیعت ہوئے۔

تحریک پاکستان شروع ہو چکی تھی سرخ پوش اپنے صوبے میں کانگرس کو مضبوط اور واحد سیاسی جماعت بنانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے ان دنوں مسلم لیگ صوبہ سرحد میں بے حیثیت تھی ان حالات میں قاضی صاحب مسلم لیگ میں شامل ہوئے (یہ واقعہ ۱۹۳۸ء کا ہے) اور پرائمری مسلم لیگ پرمولی کے سیکرٹری منتخب ہوئے۔ ۱۳ر مارچ ۱۹۴۰ء کو تحصیل صوابی مسلم لیگ کی تنظیمی کمیٹی کے ناظم اعلیٰ مقرر ہوئے۔ اور تمام علاقے کا دورہ کر کے لاہور میں منعقد ہونے والی تاریخی قرارداد پاکستان کے اجلاس میں شرکت کے لیے لوگوں کو آمادہ کیا۔

فاتح سرحد مجاہد ملت مولانا عبدالحامد بدایونی رحمۃ اللہ علیہ کی زیر قیادت مسلم لیگی وفد نے جب صوبہ سرحد کا دورہ کیا۔ تو استقبالیہ کمیٹی کے اراکین میں قاضی صاحب بھی شامل تھے۔ اس وفد کی آمد پر صوابی میں ایک عظیم الشان جلسہ ہوا۔ جس سے قائد وفد حضرت بدایونی کے علاوہ اراکین وفد مولانا کرم علی ملیح آبادی اور نواب بہادر یار جنگ نے خطاب کیا۔

تحریک پاکستان کے سلسلہ میں قائد اعظم دو دفعہ پشاور میں تشریف لائے تو قاضی صاحب

ممتاز مسلم لیگی رہنماؤں کے ساتھ جلسوں کو کامیاب بنانے کے لیے کوشاں رہے۔ علاوہ ازیں اپنے علاقے میں مسلم لیگ کے پیغام کو گھر گھر پہونچانے کے لیے رات دن کام کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ۱۴ راگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان معرضِ وجود میں آگیا۔ اس موقعہ پر قاضی صاحب نے یہ اشعار کہے۔

الحمد للّٰہ الذی اعطیٰ لنا الجناح ‏ ‏ من لیس لہ الجناح لا یُرٰی لہ الفلاح

شاہ عزبی قائدم محمد علی صاحب جناح ‏ ‏ برزبانِ انس وجان حتی الابد مذکور باد

ذکر وصفش میکند ہر عالم و عاقل رقم ‏ ‏ ہمچنیں وصفِ جمیلش درکتب مسطور باد

قاضیا ایں گفتگویت را بزودی ختم کن ‏ ‏ مغز تو از بادۂ حق دائما معمور باد

۱۰ ذوالحجہ ۱۳۶۳ھ ہجری مطابق ۲۶ راکتوبر ۱۹۴۴ء کو والد ماجد نے ضعف کی وجہ سے آپ کو خلافت و اجازت کے علاوہ قائم مقام قاضی اور خطیب مقرر فرمایا۔ آپ یہ فرائض تاحال انجام دے رہے ہیں۔ پرمولی اور مضافات کے لوگ اپنے تمام دینی و شرعی مسائل کے سلسلے میں آپ ہی سے رجوع کرتے ہیں۔ ۱۹۵۶ء میں آپ نے پرمولی میں اصلاحی کمیٹی قائم کرائی ایوبی دور میں دونوں دفعہ بنیادی جمہوریت کے انتخابات میں یونین کونسل پرمولی کے چیئرمین منتخب ہوتے رہے۔ چیئرمین کی حیثیت سے آپ نے اپنے علاقے کے گوناگوں مسائل حل کیے۔ اب بڑھاپے کی وجہ سے سیاست سے کنارہ کش ہو کر دین متین کی خدمت کر رہے ہیں۔ اللہ آپ کی عمر دراز فرمائے۔ آمین۔

سیاست و دیگر سماجی خدمات سے وقت نکال کر آپ نے خاصا علمی کام بھی کیا ہے۔ چنانچہ جن تصانیف کے نام معلوم ہو سکے ہیں وہ یہ ہیں۔

۱۔ خطباتِ حبیبی (وعظ عربی)
۲۔ انتخاب الاحادیث (عربی)
۳۔ بیان الحق (اردو و افغانی)
۴۔ حاشیہ عربی بر اداوراز خمسہ (افغانی)
۵۔ وسیلۃ الحبیب (اردو)
۶۔ مقیاس القیاس (عربی)
۷۔ اقوال الرسول (اردو) ۸۔ مرد اربعہ
۹۔ المسائل المنتخبہ (عربی) وغیرہ

مخدوم راجن شاہ گیلانی

آپ کی ولادت باسعادت ۱۸۶۷ء میں ملتان میں ہوئی۔ آپ مخدوم سید محمد ولائت شاہ جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کے صاحبزادے اور مخدوم سید محمد صدرالدین جیلانی گیلانی کے برادرِ اصغر تھے۔ چھ ماہ کی عمر میں والد گرامی کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ ابتدائی تعلیم مکاتب و مساجد میں حاصل کی پھر حضرت سید میرجان شاہ افغانی کے دستِ حق پر بیعت کر کے فیض حاصل کیا۔ [1]

۱۹۰۳ء میں آپ نے پبلک زندگی میں قدم رکھا اور میونسپل کمیٹی کے ممبر منتخب ہوئے اس کے بعد ۱۹۳۳ء تک مسلسل بلا مقابلہ ممبر منتخب ہوتے رہے ۱۹۱۳ء میں وائس پریزیڈنٹ چنے گئے۔ ۱۹۲۱ء میں بلدیہ ملتان کے سب سے پہلے غیر سرکاری پریزیڈنٹ منتخب ہوئے اور تادمِ زیست اس عہدہ جلیلہ پر فائز رہ کر بڑی دیانتداری، جرأت اور قابلیت کے ساتھ اپنے فرائض منصبی سرانجام دیئے۔ آپ کے بے پناہ اثر و رسوخ کی بدولت ہندو آپ کو ملتان کا ڈکٹیٹر کہتے تھے۔ [2]

۱۹۱۶ء میں آپ رائے بہادر ہری چند کے مقابلہ میں لاہور اور ملتان ڈویژن سے لیجسلیٹو کونسل کے ممبر منتخب ہوئے۔ آپ نے کونسل میں پہلی بار ریزولیشن پیش کیا کہ کونسل کی زبان اردو ہونی چاہیئے۔ اس موقعہ پر آپ نے جو تقریر کی اس نے آپ کی شہرت کو چار چاند لگا دیئے۔ ۱۹۱۷ء میں جب مانٹیگو وزیر ہند، برصغیر کے حالات کا مطالعہ کرنے کی غرض سے ہندوستان

---

[1] آئینہ ملتان از منشی عبدالرحمن خان مطبوعہ لاہور ۱۹۷۲ء ص ۳۵۹ - روزنامہ "آفتاب" ملتان ۸ جنوری ۹۶۲ء

[2] ایضاً

آئے تو آپ نے بھی سر میاں فضل حسین کے ساتھ اپنے مطالبات پیش کئے۔ [1]

۱۹۲۱ء میں جدید اصلاحات کے تحت آپ ملتان ڈویژن سے سنٹرل اسمبلی کے بلامقابلہ ممبر منتخب ہوتے۔ اور تا نسبت ۱۹۳۶ء تک منتخب ہوتے رہے۔ آپ اسمبلی کے اجلاس میں برصغیر کی آزادی کے مطالبہ کی حمایت میں تقریریں کرتے تو کئی اخبارات "اسمبلی میں شیر پنجاب کی گرج" کے جلی عنوان سے آپ کی تقریریں شائع کرتے۔ ۱۹۲۹ء میں آپ پنجاب کے مسلمانوں کی طرف سے حج کی تحقیقاتی کمیٹی کے ممبر چنے گئے۔ اس سلسلے میں تمام ہندوستان اور رنگون کے سفر کا موقعہ ملا اور زائرین حج کے لیے مفید تجاویز پیش کیں۔ اور پھر کوشش کر کے حکومت سے وہ تجاویز منظور بھی کرائیں۔ [2]

آپ کو قائد اعظم محمد علی جناح کے خیالات سے اس قدر اتفاق تھا کہ جب انہوں نے انڈی پینڈنٹ پارٹی قائم کی تو آپ اُس کے سرگرم رکن بن گئے۔ قائد اعظم بھی آپ کو احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اسمبلی میں آپ کی شخصیت خاص اہمیت و مقبولیت رکھتی تھی۔ آپ کے حسن اخلاق خاندانی شرافت اور آزادانہ خیالات نے آپ کو مرکزی اسمبلی کے تمام گروہوں میں ہر دلعزیز بنا رکھا تھا۔ آپ کے ملنے والوں میں پنڈت موتی لال نہرو اور کئی دیگر کانگرسی لیڈر بھی تھے، مگر آپ قائد اعظم کی شخصی صلاحیتوں سے بہت متاثر تھے اور دہلی سے ملتان واپس آکر اُن کی اولوالعزمی ثابت قدمی اور اسلام دوستی کے واقعات سناتے تھے۔ آپ قائد اعظم کو مسلمانانِ ہند کی قیادت کی باگ ڈور سنبھالنے کی ترغیب بھی دیتے رہتے تھے۔ [3]

آپ نے تحریکِ خلافت میں بھرپور حصہ لیا۔ ملتان میں ہندو مسلم فسادات کے موقع پر مسلمانوں

---

[1] آئینہ ملتان از منشی عبدالرحمٰن خان مطبوعہ لاہور ۱۹۶۲ء ص ۳۵۹۔ روزنامہ "آفتاب" ملتان ۱۸ جنوری ۱۹۶۶ء

[2] " ص ۳۵۹۔ روزنامہ "آفتاب" ملتان ۱۸ جنوری ۱۹۶۶ء۔ روزنامہ "نوائے ملتان" ملتان ۲۰ مارچ ۱۹۷۰ء

[3] روزنامہ "آفتاب" ملتان ۱۸ جنوری ۱۹۶۶ء۔ روزنامہ "نوائے ملتان" ملتان ۲۷ جنوری ۱۹۷۵ء۔

کی حفاظت کا پورا پورا بندوبست کیا آپ کے زہد و تقویٰ، ایثار اور حسنِ اخلاق سے سبھی لوگ متاثر تھے۔ آپ چونکہ لیجسلیٹو اسمبلی کے پرانے ممبر تھے اس لیے برصغیر میں "فادر آف اسمبلی" کے نام سے مشہور تھے مسجد شہید گنج لاہور کی تحریک میں بھی آپ نے زبردست کام کیا۔ مولانا نور احمد خان فریدی لکھتے ہیں۔

"دہلی دروازہ سے مسجد شہید گنج تک گورہ فوج کی وحشیانہ فائرنگ سے ہزاروں مسلمان مارے گئے۔ ہر طرف لاشیں ہی لاشیں نظر آتی تھیں۔ برصغیر کے مسلمانوں میں کہرام برپا تھا لیکن ہندوؤں کے گھروں میں گھی کے چراغ جلائے جا رہے تھے جب اس واقعہ کی اطلاع ملتان پہنچی تو مسلمان تڑپ کر باہر نکل آئے۔ ایک عظیم جلوس دفعہ ۱۴۴ کے نفاذ کے باوجود شہر کے بازاروں اور سڑکوں سے ہوتا ہوا عیدگاہ میں آکر ختم ہوا۔ ملتان کا انگریز کمشنر، انگریز بریگیڈیئر، انگریز ڈپٹی کمشنر، انگریز ایس پی اور انگریز کوتوال کو جلو میں لیے جلوس کا تعاقب کرتا ہوا یہاں پہنچا تو یہ دیکھ کر اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ اس خلافِ قانون مجمع میں مخدوم سید راجن شاہ گیلانی مخدوم سید محمد رضا شاہ گیلانی اور خان بہادر غلام فرید ڈاہا بھی سیاہ کفن پہنے عوام کے شانہ بشانہ کھڑے ہیں۔ انگریز حکام کو دیکھ کر لوگوں نے بیک زبان نعرے لگانے شروع کیے۔

"گورنر ایمرسن مردہ باد"

"گورنر ایمرسن پر لعنت"

"دس ہزار مسلمانوں کا قاتل ایمرسن ہائے ہائے"

کمشنر نے گھبرا کر کہا۔ "مخدوم صاحبان! آپ یہاں کیسے؟"

"تینوں حضرات نے بیک زبان کہا۔ "تو کیا آپ ہمیں اپنی قوم سے جدا سمجھتے ہیں؟ ہماری زندگی اور موت اپنی قوم سے ہی وابستہ ہے۔" اس پر تمام گورے حکام دم بخود واپس لوٹ گئے۔

جلسہ ہُوا، تقریریں ہوئیں، جلوس نکلا، مگر اکابرین ملتان کے اثر و رسوخ کے سبب حکومت کو انجمن بینے کی جرأت نہ ہوئی۔ [۱]

زندگی کے آخری تین سالوں میں آپ ذیابیطس کے موذی مرض میں مبتلا ہو گئے۔ لیکن اس کی پرواہ نہ کرتے ہوئے رفاہی کاموں میں پوری دلجمعی سے حصہ لیتے رہے۔ بلدیہ ملتان کے اجلاسوں کی باقاعدہ صدارت کرتے رہے۔ ۱۹۳۶ء میں ڈاکٹروں کے منع کرنے کے باوجود اسمبلی کے سہاتی اجلاس کی شرکت کے لیے دہلی گئے۔ جب حالت نازک ہو گئی تو انتقال سے پانچ روز پہلے آپ کے عزیز واپس ملتان لے آئے۔ ملتان چھاؤنی کے اسٹیشن پر لوگوں کا جم غفیر آپ کو دیکھنے کے بیتاب تھا۔ سب نے پُرنم آنکھوں سے آپ کا استقبال کیا۔ [۲]

ڈاکٹروں نے سر توڑ کوشش کی مگر۔

ع ۔ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

کے مصداق آپ کی حالت نازک ہوتی گئی۔ آخرکار دس محرم الحرام ۱۳۵۵ھ مطابق ۳ اپریل ۱۹۳۶ء بروز جمعہ صبح ۶ بجے آپ نے رحلت فرمائی۔ ۶ بجے شام آپ کا جنازہ اسلامیہ ہائی سکول دولت گیٹ کے وسیع و عریض گراؤنڈ میں پڑھا گیا۔ ایک لاکھ افراد نے نماز جنازہ میں شرکت کی۔ اور اگلے روز تین بجے صبح دربار پیر پیران میں آپ کو سپرد خاک کر دیا گیا۔

اناللہ و انا الیہ راجعون۔

پورے شہر میں تین دن تک ہڑتال رہی۔ ۶ اپریل کو جب مرکزی اسمبلی کا اجلاس شروع ہُوا تو ایک متفقہ قرارداد کے ذریعے آپ کو زبردست خراج عقیدت پیش کیا گیا اور اسمبلی کا اجلاس ملتوی کر دیا گیا، حالانکہ قبل ازیں کسی ممبر کی وفات پر اجلاس ملتوی نہیں ہُوا تھا۔ [۳]

---

[۱] تاریخ ملتان حصہ دوم مطبوعہ ملتان ۱۹۷۳ء ص ۲۸۸، ۲۸۹۔

[۲] روزنامہ "آفتاب" ملتان ۱۸ جنوری ۱۹۷۶ء

[۳] " " " " تاریخ ملتان حصہ دوم ص ۲۹۰۔

سیّد محمد ریاض حسن گیلانی

آپ کی ولادت باسعادت ۳ دسمبر ۱۹۱۳ء کو شاہ کوٹ ضلع شیخوپورہ میں ہوئی۔ والدگرامی کا نام مبارک سید محمد حسین تھا جو محکمہ انہار میں ضلعدار کی آسامی پر فائز تھے اور عین جوانی کی حالت میں بعمر شریف چالیس سال راہیٔ ملکِ بقا ہوئے۔

آپ کے مورثِ اعلیٰ غازیٔ اسلام آغا بدیع الدین سید ابوالحسن علی گیلانی قادری مغلیہ دور میں شہنشاہ نصیرالدین ہمایوں کے ہمراہ ایران سے برصغیر میں وارد ہوئے اور ہمایوں و اکبر کے دور میں اعلیٰ فوجی مناصب پر فائز رہے ۹۰۰ھ میں بعمر ۵۸ سال کلانور (مشرقی پنجاب) کے نواح میں جنگ کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ ان کی اولاد مغل دور میں قاضی القضاۃ کے مناصب جلیلہ پر مدتوں فائز المرام رہی۔ اسی خاندان کے ایک بزرگ سید مطیع اللہ شاہ گیلانی، نواب مظفر خان والیٔ ملتان کے مصاحب خصوصی تھے۔ نواب مظفر خاں کو جب سکھوں نے انگریزوں کی سازش سے حملہ کر کے شہید کر دیا تو جہاں بہت سے لوگوں کو سکھوں کے جبر و استبداد کا نشانہ بننا پڑا وہاں حضرت مخدوم سید مطیع اللہ شاہ گیلانی بھی ملتان چھوڑنے پر مجبور ہوئے اور پھرتے پھراتے شاہ کوٹ ضلع شیخوپورہ میں قیام پذیر ہوئے۔

سید محمد ریاض حسن گیلانی نے پنجاب یونیورسٹی سے اعلیٰ پوزیشن میں میٹرک کا امتحان پاس کر کے خاندانی پیشہ اختیار کرنے کیلئے طبیہ کالج پٹیالہ (انڈیا) میں داخلہ لے لیا اور حاذق الحکماء و ماہر طب و جراحت کے امتحان پاس کر کے شاہ کوٹ میں طبابت شروع کر دی۔ روحانی علوم کی تکمیل آپ نے حضرت مخدوم سید محمد ذاکر حسن شاہ گیلانی چشتی صابری شاہ کوٹی رحمۃ اللہ علیہ سے کی اور چند کتب عربی و فارسی بھی انہیں سے پڑھیں۔

آپ نے شاہ کوٹ میں انجمن رضائے مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) قائم کی جو جامع مسجد کے انتظام و انتصرام کے علاوہ ہر سال عید میلاد، معراج النبی، یوم سیدنا مخدوم علی احمد صابر کلیری یوم غوث الاعظم و دیگر مذہبی تقریبات بڑے جوش و خروش سے مناتی ہے جس سے ہزاروں مسلمان اپنی دینی و روحانی تشنگی دور کرتے ہیں اور عشقِ مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اپنے سینوں کو روشن کرتے ہیں۔

۱۹۳۰ء میں وادیٔ کشمیر کے مسلمانوں پر ڈوگرہ حکومت کے مظالم کے خلاف تحریک چلی تو آپ بھی امرتسر میں ایک احتجاجی جلوس کی رہنمائی کرتے ہوئے گرفتار ہوئے اور چھ ماہ تک قید و بند کی صعوبتوں سے نبرد آزما ہوئے۔

۱۹۴۱ء میں آپ نے شیخوپورہ میں مسلم لیگ قائم کی اور کئی سال تک ضلعی صدر منتخب ہوتے رہے۔ پھر شیخ کرامت علی مرحوم کی فرمائش پر مسلم لیگ کی ضلعی قیادت سے دستبردار ہو کر دوسرے محاذوں پر خدمات انجام دیتے رہے۔ اس کے علاوہ آپ مختلف مرحلوں پر صدر مسلم لیگ شاہ کوٹ اور سیکرٹری تحصیل مسلم لیگ شیخوپورہ کے عہدوں پر بھی فائز رہے۔ بعد ازاں آپ کو کونسلر پنجاب مسلم لیگ اور کونسلر آل انڈیا مسلم لیگ بھی منتخب کیا گیا۔

تحریک پاکستان کی کشتی کو ساحل کامرانی سے ہمکنار کرنے کیلئے آپ نے اضلاع شیخوپورہ، ملتان، ڈیرہ غازیخان اور مظفر گڑھ کے طویل دورے کئے اور نظریۂ پاکستان سے عوام کو روشناس کرانے کیلئے بھرپور سعی کی۔ شاہ کوٹ میں مسلم لیگ کے تمام بڑے بڑے جلسوں کا انتظام و انتصرام آپ کے ہی ذمے ہوتا تھا۔ ان جلسوں سے خان عبدالقیوم خان، سردار عبدالرب نشتر، خواجہ محمد صفدر اور چوہدری محمد حسین چٹھہ جیسے مرکزی رہنما خطاب فرماتے تھے۔

۱۹۴۲ء میں آپ نے پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کی دیہاتی پراپیگنڈا کمیٹی کے ساتھ ضلع شیخوپورہ میں عملی تعاون کیا۔ جلسے کروائے اور کارکنان کے ساتھ دورہ کر کے مقدور بھر مدد کی۔

قیام پاکستان کے بعد آپ کی توجہ زیادہ تر مقامی سیاست پر مرکوز رہی ۱۹۵۳ء تا ۱۹۶۵ء بلدیہ شاہ کوٹ کے بلا مقابلہ چیئرمین منتخب ہوتے رہے اس دوران میونسپل ہائی سکول اور میونسپل کالج کا قیام عمل میں لایا گیا۔ بازار پختہ کئے گئے بجلی فراہم کی گئی ۱۹۵۳ء میں جب آپ چیئرمین منتخب ہوتے تو بلدیہ کی سالانہ آمدنی ساٹھ ستر ہزار روپیہ سالانہ تھی آپ نے اپنی حکمت عملی اور تدابیر سے اس آمدنی کو بڑھانے کا منصوبہ بنایا چنانچہ ۱۹۶۵ء میں یہ سالانہ آمدنی پانچ لاکھ سے بھی تجاوز کر گئی حالانکہ اس دوران عوام کو کسی قسم کا کوئی ٹیکس نہیں لگایا گیا۔

ایوبی دور میں جب ظلم وستم سے تنگ آ کر عوام نے آمریت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تو آپ نے تحریک بحالیٔ جمہوریت میں پورے جوش و خروش سے حصہ لیا۔ اس کے بعد بھٹو دور میں بھی حق و صداقت کا پھریرا لہراتے رہے۔ تحریک نظام مصطفےٰ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ حکومت نے آپ کی سرگرمیوں سے تنگ آ کر گھر میں نظر بند کر دیا مگر آپ کی منصوبہ بندی کی بدولت عوام کے جوش و خروش میں کوئی کمی نہ آئی۔ اس پر آپ کو شاہ کوٹ سے جبراً باہر نکال دیا گیا لیکن آپ نے اپنی ہمت کو لوہا کر کے قومی اتحاد کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا اور برابر جد وجہد کرتے رہے۔

آپ نے شاہ کوٹ سے ایک طبی ماہنامہ "حکمت" بھی نکالا جو تین ۳ سال تک منصۂ شہود پر جلوہ گر رہا۔ اس میں طبی، اسلامی اور سیاسی موضوعات پر دلچسپ بحث ہوتی تھی۔ ایوبی دور کا شکار ہو کر یہ ماہنامہ دوبارہ شائع نہ ہو سکا۔ آپ کی ایک کتاب اکسیر الامراض طبع ہو چکی ہے اور دو کتابیں روشن چراغ اور حیات و تعلیمات قلندر عنقریب زیور طبع سے آراستہ و پیراستہ ہونے والی ہیں۔

مولانا شوکت علی

مولانا صبغۃ اللہ شہید فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک نوجوان کا نقشہ یوں کھینچا ہے۔

بھاری بھرکم لمبا قد، متاثر کرنے والا البشرہ، پیشانی درخشاں، آنکھیں چمکدار، سر پر بالوں والی ٹوپی داڑھی بالکل صاف، مونچھیں بڑی جن کی نوکیں اوپر کو بلند، قیمتی سوٹ اور اعلیٰ درجہ کا بوٹ پہنے ہوئے، نہایت چست چوڑی دار پاجامہ، تیز رفتار، ہاتھ میں سگار، چہرے پر عجیب دلکشی اور علیگڑھ انداز سے زبان پر السلام علیکم "یہ نوجوان مولانا محمد علی جوہر کا بڑا بھائی شوکت علی تھا، جو حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ کے دست اقدس پر بیعت کر کے مولانا بن گیا۔ [1] آپ کی ولادت ۱۸۷۲ء میں ہوئی۔ بچپن ہی میں والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ والدہ ماجدہ نے تعلیم و تربیت کا بار اٹھایا، علیگڑھ سے بی اے کیا۔ دوران طالبعلمی کرکٹ کے نامور کھلاڑی اور بہترین باؤلر تھے۔ تیز و طرار گفتگو کرتے۔ آپ فطری لیڈر تھے مزاجاً نڈر اور بے باک تھے، گریجوایشن کے بعد ایک اعلیٰ عہدے پر فائز ہوئے علیگڑھ اولڈ بوائز ایسوسی ایشن کے سیکرٹری منتخب ہوئے۔ سر آغا خان کے ساتھ مل کر علیگڑھ کالج کو یونیورسٹی بنانے کے لیے چندہ جمع کیا اور سر آغا خان کے خاص معتمد سیکرٹری رہے مولانا محمد علی جوہر نے میدان سیاست میں قدم رکھا تو آپ نے ان کا ساتھ دیا۔ اور بی اماں (ان کی والدہ ماجدہ) نے ان کی رہنمائی کی۔ حقیقت یہ ہے کہ دونوں بھائیوں کی

---

[1] تاریخ پاکستان مطبوعہ لاہور ۱۹۶۳ء ص ۹۴۳۔ روزنامہ نوائے وقت لاہور ۴ جنوری ۱۹۷۶ء۔ روزنامہ مشرق لاہور ۲۸ نومبر ۱۹۷۵ء۔

ایک یادگار تصویر" جس میں بی اماں کرسی پر بیٹھی ہیں، اور ان کے پیچھے محمد علی اور شوکت علی کھڑے ہیں" کے نیچے جو الفاظ درج ہیں۔ وہ ان تینوں شخصیتوں کے کردار کا موزوں ترین عکس ہیں۔ تصویر کے نیچے لکھا ہے " یہ شیر، بی اور اس کے بچے" لہ

آپ بہت اچھے منتظم تھے۔ تقریریں کم کرتے تھے اور کام زیادہ۔ تحریک شروع کرنا۔ اس کے لیے دلائل و خطابت کا زور استعمال کرنا اور عوام میں آگ لگا دینا۔ محمد علی جوہر کا کام تھا لیکن اُسے منظم کرنا، ایک خاص ڈھب پر جذبات کو چلانا، تحریک کے لیے مالیات فراہم کرنا اور مختلف الخیال لوگوں کو جوڑنا شوکت علی کا حصہ تھا۔ پہلی تحریک جو آپ نے منظم کی انجمن خدام الکعبہ تھی۔ جو ۱۹۱۳ء میں آپ کے مرشد مولانا عبدالباری فرنگی محلی کے دولتخانہ پر قائم ہوئی۔ اس تحریک کا مقصد مقاماتِ مقدسہ کی حفاظت اور برطانوی عزائم جو ترکی کے خلاف سرد جنگ کی وجہ سے صاف نظر آ رہے تھے، کا سدِ باب تھا۔ یہی وہ پہلی انجمن ہے جس نے حکومتِ برطانیہ کے خلاف برملا تحریک شروع کی۔ یہی انجمن ہے جس نے ممالک اسلامیہ کی طرف مسلمانانِ ہند کو متوجہ کیا۔ خلافت کی تحریک کے لیے فضا تیار کی، ہندو مسلم اتحاد کا بیج بویا۔ مولانا (شوکت علی) اس کے معتمد (سیکرٹری) تھے اور مولانا عبدالباری خادم الخدام (صدر)۔ اسی انجمن کے نام پر آپ عمر بھر اپنے نام کے ساتھ "خادم کعبہ" لکھتے رہے اور آپ کی ٹوپی پر بھی "خادم کعبہ" کا بیج لگا ہوتا تھا۔ ۲

جنگ عظیم کے زمانے میں ترکی کی حمایت کی پاداش میں اپنے بھائی محمد علی جوہر کے ساتھ پونے پانچ سال قید رہے۔ واپس لوٹے تو تحریک خلافت کے لیے وقف ہو گئے

لہ، ۲ تاریخ پاکستان ص ۳۴۹ - روزنامہ مشرق لاہور ۲۸ نومبر ۱۹۷۵ء - مسلمانوں کا ایثار اور آزادی کی جنگ مطبوعہ لکھنؤ ۱۹۳۸ء ص ۷۰ - مسلمانوں کا روشن مستقبل از سید طفیل احمد منگلوری مطبوعہ بدایوں ۱۹۴۰ء ص ۳۷۳، ۳۸۱ -

ملک بھر کا دورہ کیا۔ بمبئی سے اخبار خلافت جاری کیا۔ کراچی کے معروف خالق دینا ہال کیس میں آپ نے عدالت سے گرج کر کہا کہ "اگر حکومت، مسئلہ خلافت کے متعلق ہمیں مطمئن نہ کر سکی، یا پنجاب (جلیانوالہ) باغ کے بارے میں انصاف سے کام نہ لیا اور ہمیں مکمل آزادی نہ دی تو میرا فرض ہے کہ بحیثیت ہندوستانی مسلمان اس حکومت کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کی پوری کوشش کروں۔"[۵] اس کیس کی بنا پر آپ کو دو سال بامشقت کی سزا ہوئی۔ زندگی میں آپ نے فاقہ کشی بھی دیکھی مگر آپ کے عزمِ صمیم کو کوئی چیز متزلزل نہ کر سکی، جناب رئیس جعفری لکھتے ہیں:۔

"شوکت صاحب خوش خوراک تھے، خوش لباس تھے، خوش اوقات تھے لیکن ایسی بھی وقت تک جب تک اُن کے پاس دھن تھا، پنشن ضبط ہوئی، جائیداد بک گئی، وہ قلندرانہ زندگی بسر کرنے لگے، ہفتے گزر جاتے تھے گوشت کی صورت دیکھنے میں نہیں آتی تھی، یہ واقعہ ہے بلیوں نے مایوس ہو کر خلافت ہاؤس کی اقامت ترک کر دی تھی، لیکن شوکت صاحب کی شادمانی کوئی چھین نہ سکا۔ دال روٹی اس شوق سے اور تعریفیں کر کر کھاتے تھے جیسے من و سلویٰ کھا رہے ہوں، دن میں دو مرتبہ غسل کرنا اور لباس تبدیل کرنا اُن کا معمول تھا۔ وہ کہا کرتے تھے، غربت کسی آدمی کو میلا کچیلا رہنے پر مجبور نہیں کرتی، پیسے نہ ہوں تو آدمی خود اپنے کپڑے روز دھو سکتا ہے، لباس پھٹا ہو تو پیوند لگا سکتا ہے اور اُجلا رہ سکتا ہے اور خود اُن کا عمل بھی یہی تھا۔ ان کا جامہ تار تار کئی مرتبہ میں نے پیوند اور رفو ہوتے دیکھا ہے، دوستوں کی جیب پر ڈاکہ مارنے میں وہ کمال رکھتے تھے، لوگ خلافت کو چندہ دیتے کتراتے تھے لیکن شوکت صاحب کا مطالبہ رد کر دیں یہ نہیں ہو سکتا تھا"

---

[۵] (ہفت روزہ چٹان لاہور ۲۱ جنوری ۱۹۷۶ء ص ۶)

باباے اردو (مولوی عبدالحق) ایک مرتبہ اورنگ آباد سے انجمن کے لیے چندہ وصول کرنے کا پروگرام لے کر حیدرآباد تشریف لائے۔ اُن کی وجاہت، ان کا اثر و رسوخ، چھوٹوں اور بڑوں پر اُن کا دباؤ، اس امر کا غماز تھا کہ جھولی بھر کر واپس آئیں گے لیکن حیدرآباد پہنچے تو شوکت صاحب کی صورت میں ایک قد آور حریف موجود تھا اور قبل اس کے کہ مولوی صاحب حرفِ مطلب زبان پر لائیں، یہ حریف بے درنگ مشترک دوستوں کی جیبیں خالی کرالیتا تھا۔ بڑی بے بسی کے ساتھ سید ہاشمی فریدآبادی کو مولوی صاحب نے شوکت صاحب کا ذکر کرتے ہوئے لکھا: "یہ شخص تو ڈاکہ ڈال رہا ہے، میں کیا کروں؟" لیکن ڈاکے کی رقمیں اس ڈاکو نے کبھی اپنی ذات پر یا اپنے اہل و عیال پر خرچ نہیں کیں۔ اس کا ایک بیٹا کلکتے کی ایک مل میں کام کرتا رہا اور یہ رقمیں لا لا کر خلافت فنڈ میں جمع کرتا رہا۔ فقر و فاقے کے اس عالم میں بھی علی گڑھ کا کوئی دوست آجائے، علی گڑھ کی کوئی ٹیم آجائے، علی گڑھ کا کوئی وفد آجاتے تو خلافت ہاؤس ان مہمانوں کے لیے وقف، قرض لے لے کر خاطر تواضع کا حق ادا کیا جا رہا ہے، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اولڈ بوائز ایسوسی ایشن علی گڑھ سے خلافت ہاؤس منتقل ہو گئی ہے۔ چہچہے، قہقہے، پرانی داستانیں دوستوں کا ذکر، یاروں کا تذکرہ، محفل آرائیوں کی داستان، بلا سے ان مہمانوں کے رخصت ہونے کے بعد فاقہ مستی رنگ لاتے لیکن اب تو آرام سے گزر رہی ہے۔ ۵

۱۹۲۰ء میں جب مولانا محمد علی جوہر وفد خلافت کے ساتھ لندن گئے ہوئے تھے۔ مسلم لیگ کونسل کا ایک اجلاس الہ آباد میں سید رضا علی کے مکان پر ہوا۔ پنڈت جواہر لال نہرو کا بیان ہے کہ اجلاس میں ترک موالات کا جو نقشہ گاندھی نے پیش کیا۔ اس کو سن کر سب گھبرائے ہوئے تھے

۵ کاروانِ گم گشتہ از رئیس احمد جعفری مطبوعہ کراچی ۱۹۷۱ء ص ۳۲، ۳۳۔

تھے لیکن، مولانا شوکت علی وہاں موجود تھے تاکہ قدم نہ اکھڑنے دیں۔ انھوں نے ترکِ موالات کی قرارداد پاس کرادی تحریک میں دونوں بھائی ساتھ ساتھ رہے۔ دونوں اکٹھے قید ہوئے اکٹھے رہا ہوئے۔ آخر میں کانگرس کے طرزِ عمل سے دونوں بھائی مایوس ہو گئے۔ [۱]

۱۹۲۴ء میں کوہاٹ میں ہندو مسلم فساد ہوا تو گاندھی کے ساتھ وہاں تحقیقات کے لیے گئے۔ گاندھی نے جس طرح ہندوؤں کی طرفداری کی اور مسلمانوں کو فساد کا ذمہ دار قرار دیا، اس پر شوکت علی نے گاندھی کو بالکل بے نقاب کیا۔ اس کی ہندوانہ ذہنیت کی وجہ سے پھر اس کے ساتھ مل کر کام کرنے کو تیار نہ ہوئے۔ اور جب ۱۹۲۸ء میں نہرو رپورٹ پر ان کی پیش کردہ ترامیم کو منظور نہ کیا گیا تو انہوں نے کانگرس سے قطع تعلق کر کے مسلم لیگ کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا۔ [۱]

مولانا محمد علی جوہر کے انتقال کے بعد شوکت علی نے خلافت کمیٹی کے اندر کانگرسی مسلمانوں کے خلاف جنگ لڑی جن کا حال یہ تھا کہ ۱۹۳۰ء میں مجلس خلافت کے اجلاس میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے باقاعدہ ایک قرارداد پیش کی کانگرس میں غیر مشروط طور پر شمولیت اختیار کر لی جائے۔ مولانا شوکت علی نے مسلمانوں کو اس اجتماعی خودکشی سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ [۲]

آپ نے جس خلوص کے ساتھ مسلم لیگ کی خدمت کی، اُسے ہر دلعزیز اور مقبول بنا دیا، اُسے عوامی جماعت کے درجے تک پہنچایا۔ اس کے قائدِ اعظم بھی معترف تھے۔ قائدِ اعظم ہمیشہ نازک مواقع پر اُن کے تعاون اور رفاقت کے جویا ہوئے۔ ۱۹۳۶ء کے مرکزی

---

[۱] تاریخ پاکستان ص ۳۵۰ - روزنامہ مشرق لاہور ۲۸ نومبر ۱۹۷۵ء مسلمانوں کا ایثار اور آزادی کی جنگ ص ۴۸

[۲] ، ، ، ، کاروانِ گم گشتہ ص ۳۵ - طالب علم کی ڈائری از سید الطاف علی بریلوی مطبوعہ کراچی طبع دوم ص ۷۲، ۱۶۷ -

لیجسلیٹو کونسل کے انتخابات کا مرحلہ آیا تو آپ نے بعض ناگزیر وجوہات کی بنا پر الیکشن لڑنے سے معذوری ظاہر کی لیکن قائد اعظم کے کہنے پر سرِ تسلیم خم کر دیا۔ اور یوپی کے ہفت شہری حلقہ (بریلی وغیرہ) سے بھاری اکثریت سے کامیابی حاصل کی۔ پھر کونسل کے اندر اور باہر مسلم لیگ کی ڈھال اور کانگرس کے لیے برہنہ تلوار بنے رہے۔ کونسل میں فوجی بھرتی کے قانون کے مسئلہ پر بحث کے دوران خان عبد القیوم خان کی جو اس وقت کانگرسی تھے۔ جیسے گت بنائی، وہ ان کی ظرافت، بذلہ سنجی اور خوش طبعی کی ایک عمدہ مثال ہے۔ [1]

۱۹۳۵ء میں انڈیا ایکٹ کے ماتحت جب صوبائی مجالس قانون ساز کا انتخاب ہوا تو جھانسی کے الیکشن کو کانگریس اور لیگ نے معیار بنا لیا تھا۔ جواہر لال نہرو نے بار بار اعلان کیا کہ ہم مسلم لیگ کو شکست دے کر رہیں گے۔ قائد اعظم نے یہ مہم آپ (شوکت علی) کے سپرد کی، آپ بمبئی سے سیدھے جھانسی روانہ ہو گئے۔ کانگرس کے امیدوار کے لیے رفیع احمد قدوائی کی سرکردگی میں جمعیت علماء ہند، مسلم مجلس، سوشلسٹ پارٹی کے اکابر اور کارکنوں کا قافلہ تھا۔ کانگرس کے پاس دولت کی کمی نہیں تھی، مسلم لیگ اب ابھرنا شروع ہوئی تھی اور قائد اعظم عام چندے کے خلاف تھے۔ لہٰذا لیگ کے ذرائع اور وسائل حد درجہ محدود تھے، مگر آپ کی جواں ہمتی اور اولو العزمی نے یہ مرحلہ آسانی کے ساتھ طے کر لیا۔ گو ان کی جان پر بن گئی۔ گرمی کا موسم تھا، وہ بھی بندیل کھنڈ کی گرمی، جہاں آفتاب سوا نیزے پر آ جاتا ہے۔ ووٹروں کو منظم اور متحد کرنے کے لیے دور دراز کے دیہاتوں اور قصبوں کا دورہ بھی ضروری تھا، سواری کہیں یکہ کہیں تانگہ کہیں بیل گاڑی جو مل جائے۔ چلچلاتی ہوئی دھوپ میں ایک روز کئی میل کا سفر بیل گاڑی پر کرنا پڑا۔

---

[1] تاریخ پاکستان ص ۳۵، کاروانِ گم گشتہ ص ۳۵ – طالب علم کی ڈائری از سید الطاف علی بریلوی مطبوعہ کراچی طبع دوم ص ۲۰ –
ہماری قومی جدوجہد از ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی مطبوعہ لاہور ۱۹۶۶ء ص ۲ –

آپ حکیم و شمیم بھی اور ذیابیطس کے مریض بھی تھے سفر ختم ہوا تو خون کا پیشاب کئی مرتبہ آیا لیکن اُن کے عزم و ہمت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ وہی زندہ دلی، وہی بذلہ سنجی، وہی حاضر جوابی، وہی جوش و خروش، لوگوں نے اصرار کیا "آج آپ آرام کر لیجئے" جلسہ کل سہی"۔ لیکن آپ کہاں ماننے والے تھے۔ اسی حالت میں جلسہ گاہ تک پہنچے اور ایک زوردار تقریر کی۔ کانگرس یہاں عرصے سے کام کر رہی تھی اور بہت پُر اُمید تھی لیکن آپ نے پانسہ پلٹ دیا۔ یہ معرکے کا انتخاب تھا، اس میں مسلم لیگ کو فتح مبین حاصل ہوئی اور کانگرس کو شکست فاش۔ ؎۱

نومبر ۱۹۳۸ء کے آخری ہفتے میں بنکائیٹس کا شدید حملہ ہوا، اسی حالت میں مسلم لیگ کے کام کے لیے آسام کے شہر شیلانگ کے دورے کا پروگرام بنایا اور ۷ دسمبر تاریخ روانگی طے پائی۔ ۲۸ نومبر کو بیگم محمد علی کی قیام گاہ (دہلی) کے صحن میں لیٹے ہوئے دھوپ کھا رہے تھے کہ تمازت ناگوار محسوس ہوئی، جا کر اپنے کمرے میں لیٹ رہے، ذرا دیر کے بعد بیگم محمد علی کچھ دریافت کرنے کمرے میں پہنچیں تو آپ اس دنیا سے رخصت ہو چکے تھے

ع سبک بار مردم سبک تر روند! ؎۲

آپ کی آخری آرام گاہ دہلی میں درگاہ سرمد شہید کے جوار میں ہے۔ سید مسعود حسن مسعود نے مندرجہ ذیل قطعہ تاریخ وفات کہا۔ ؎

رہنمائے قوم مسلم خوش خصال ۔۔۔ دہر میں تھے آپ اپنی خود مثال
موجزن دل میں خلافت کا خیال ۔۔۔ چل دیئے شوکت علی باحال و قال
کہہ دیا مسعود نے با پائے ارج
صاف ہے "دار الخلافت" بہر سال ؎۳
۱۳۵۰ھ

؎۱ و ۲ کاروانِ گم گشتہ ص ۳۶ ۔ روزنامہ مشرق لاہور ۲۸ نومبر ۱۹۰۵ء بے تیغ سپاہی ص ۱۰۲

؎۳ عندلیب تواریخ مطبوعہ الہ آباد ۱۹۶۳ء ص ۵۶ ۔

آپ کی وفات حسرت آیات پر پورے عالم اسلام میں رنج و الم کی لہر دوڑ گئی۔ برصغیر کے ہر مسلمان نے خون کے آنسو بہائے، ملکی اور غیر ملکی پریس نے آپ کی خدمات جلیلہ کو زبردست خراج عقیدت پیش کیا۔ سیاسی اکابرین نے بھرپور ہدیۂ عقیدت نذر کیے۔ ذیل میں ہم حضرت قائد اعظم، سر سکندر حیات خان اور پنڈت جواہر لال نہرو کے تعزیتی پیغامات درج کر رہے ہیں جن سے مولانا شوکت علی کی عظمت و سطوت کا اظہار ہوتا ہے۔

حضرت قائد اعظم نے فرمایا:۔

"مولانا شوکت علی کے انتقال سے مسلمانانِ ہند ایک ایسے بلند پایہ لیڈر سے محروم ہو گئے ہیں۔ جو اپنی قوم کا ایک جانباز سپاہی تھا۔ انہوں نے بڑی سے بڑی قربانی کرنے سے کبھی دریغ نہیں کیا اور ہر مصیبت کے وقت قوم کے لیے سینہ سپر ہو کر آگے آ جاتے تھے۔ مسلمان اگر ان سے جان کی قربانی مانگتے تو اس کے لیے بھی آمادہ تھے۔ ان کی گزشتہ ربع صدی کی سیاسی زندگی کا یہی بنیادی اصول تھا۔

جہاں تک میرے اور ان کے ذاتی مراسم کا تعلق ہے، وہ میرے نہایت عزیز دوست تھے۔ آل انڈیا مسلم لیگ کے ساتھ ان کی وفاداری غیر متزلزل تھی اور مسلم لیگ کے صدر کی حیثیت سے جو تعلق انہیں میری ذات سے تھا وہ بھی نہایت مستحکم تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک چٹان کی طرح ہماری پشت پناہی کرتے تھے۔ ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے جو مثال وہ قائم کر گئے ہیں اس کی نظیر مشکل ہی سے کہیں ملے گی۔" [1]

سر سکندر حیات خان وزیر اعظم پنجاب نے اپنے بیان میں اظہار افسوس کرتے ہوئے فرمایا کہ:۔

---

[1] روزنامہ سٹیٹسمین کلکتہ مورخہ ۲۸ نومبر ۱۹۳۸ء۔

"مولانا شوکت علی ہندوستان کے مایۂ ناز فرزند اور اسلام کے بہت بڑے جان نثار تھے۔ ان کی سیاسی زندگی کا بنیادی نقطہ وطن کی محبت اور وطن ہی کی خدمت تھی۔ وہ غریبوں کی آنکھوں کا تارا تھے اور غریبوں ہی کی خدمت ہمیشہ اُن کا ان کا نصب العین رہا۔

جہاں تک میرا اور علی گڑھ کے دیگر اولڈ بوائز کا تعلق ہے ہمارے لئے ان کا سانحۂ انتقال ایک ایسا زخم ہے جو کبھی مندمل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ موت کے بے رحم ہاتھ نے ایک ایسا علیگ ہم سے چھین لیا جو اس ترقی پسند تحریک کے اولین نقیبوں میں سے تھا جس کا سرچشمہ علی گڑھ سے پھوٹا تھا۔" [1]

پنڈت جواہر لال نہرو نے اپنے رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ:۔

"ہماری جنگِ آزادی کے بہادر سپاہی ایک ایک کر کے اٹھتے جا رہے ہیں اور کون نہیں جانتا کہ مولانا شوکت علی کا شمار ہمارے سب سے بہادر اور بیباک سپاہیوں میں ہوتا تھا۔ ہندوستان کے مسلمانوں میں آزادی کی جو نئی تڑپ پیدا ہوئی ہے اس کے بہترین مظہر مولانا شوکت علی اور مولانا محمد علی تھے۔ اٹھارہ سال ہوئے جب ترکِ موالات کی تحریک جاری تھی تو مولانا شوکت علی کی بالا بلند شخصیت، ہندوستان کے دور دراز گوشوں میں ہر جگہ مقبول و محبوب بن گئی تھی۔

سالہا سال تک مجھے ان سے قریب رہ کر، ایک رفیق کی حیثیت سے کام کرنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ اور اگرچہ گزشتہ چند سال سے ہمارے درمیان بعض سیاسی اختلافات پیدا ہو گئے، لیکن ان اختلافات کے باعث

---

[1] روزنامہ سٹیٹسمین کلکتہ مورخہ ۲۸ رنومبر ۱۹۳۸ء۔

ماضی کی خوشگوار یادیں کبھی ذہن سے محو نہیں ہو سکتیں اور نہ اس غم کا بار ہلکا ہو سکتا ہے جو اس شخص کے انتقال سے طاری ہوا ہے جس نے ہندوستان کی آزادی کی جدوجہد میں بہت بڑا حصہ لیا ہے۔ مولانا شوکت علی صحیح معنوں میں ایک سپاہی تھے اور سپاہی کی طرح انہوں نے گھوڑے کی پشت پر جان دی۔ اہلِ ہند کا فرض ہے کہ آج اس سپاہی کی یاد میں ادب و احترام سے اپنی گردنیں خم کر دیں" لے

ے روزنامہ سٹیٹسمین کلکتہ مورخہ ۲۸ نومبر ۱۹۳۸ء

میاں شہاب الدین قادری

آپ کی ولادت باسعادت ۱۸۶۹ء میں موضع دیلی پور ضلع گورداسپور (بھارت) میں ہوئی۔ والد گرامی کا اسم مبارک حضرت قاضی رحمت اللہ قادری (المتوفی ۱۸۸۵ء) ابن قاضی محمد عمر بخش قادری (المتوفی ۱۸۵۶ء) تھا۔ آپ کے جدِّ اعلیٰ حضرت قاضی محی الدین قادری کلانوری (المتوفی ۱۶۳۶ء) تھے جن کا سلسلہ نسب حضرت شمس الدین ہراتی تک جا پہنچتا ہے۔

آپ کی طبیعت بچپن سے ہی مذہب کی طرف مائل تھی۔ سلسلہ عالیہ قادریہ میں فیوض و برکات اپنے والد مکرم سے حاصل کیے۔ ۱۸۹۹ء میں بریلی شریف حاضر ہو کر اعلیٰحضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں قدس سرہٗ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ ۱۹۱۰ء میں ملتان گئے اور تمام درگاہوں کی زیارت کی۔

آپ اپنے اردگرد کے مواضعات کے بزرگانِ دین کے مقابر اور مزارات پر حاضری دیا کرتے تھے نیز سالانہ عرس میں شمولیت کیا کرتے تھے۔ بٹالہ شریف، کلانور، بدوملہی، اُرتڑ چھتر رمکان شریف، کاستی وال، کوٹ میاں صاحب، فتح گڑھ چوڑیاں، رمداس اور گورداسپور اکثر حاضر ہوتے رہتے تھے۔ درگاہ شریف حضرت حاجی حسین قادری کوٹ میاں صاحب کے سجادہ نشین حضرت میاں شہاب الدین (المتوفی ۱۹۰۳ء) سے بھی آپ کے خصوصی مراسم تھے حضرت مولانا محمد علی قادری مجددی فتح گڑھ چوڑیاں، حضرت سائیں توکل شاہ انبالوی، حضرت پیر سراج الحق چشتی گورداسپوری، حضرت بابا کریم بخش قادری مجددی رمداسی، حضرت پیر فقیر اللہ شاہ قادری نوشاہی بدوملہی سے گہرے تعلقات تھے۔

جب قائدِ اعظم نے مسلم لیگ کی زمامِ اقتدار سنبھالی اور برصغیر کے کونے کونے میں سوادِ اعظم

کی اس نمائندہ جماعت کی شاخیں قائم ہوگئیں تو کلانور میں بھی اس کا دفتر قائم ہوا شیخ غلام فرید صاحب مقامی صدر منتخب ہوئے۔ اس علاقہ میں یونی نسٹ پارٹی کا بہت زور تھا اور اس نے مسلم لیگ کو ناکام بنانے کی پوری پوری کوشش کی مگر مسلم لیگ کے جیالے کارکنوں نے اُن کے اس خواب کو شرمندۂ تعبیر نہ ہونے دیا ان کارکنوں میں میاں شہاب الدین قادری صفِ اوّل کے مجاہد تھے۔

کلانور میں ایک آئی سی ایس آنیسر نے راؤ بہادر سر چوہدری چھوٹو رام ایم ایل سی لیڈر پنجاب مِنِسٹ یونی نسٹ پارٹی کونسل کو بلایا اور ایک جلسۂ عام منعقد کر کے مسلم لیگ کے خلاف تقریر کرائی سر چھوٹو رام نے یونی نسٹ پارٹی کی تعریف و توصیف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیئے۔ اس کے بعد میاں شہاب الدین قادری اور ان کے خفیہ ساتھی مسلم لیگ کا ملّی پرچم تھامے گلی گلی کوچے کوچے اور گاؤں گاؤں نکل کھڑے ہوئے اور ہزاروں مسلمانوں کو تحریک پاکستان کا ہمنوا بنایا غرض اس علاقہ میں آپ مسلم لیگ کے عظیم سپوت تھے۔

تقسیم ملک کے بعد آپ پاکستان تشریف لے آئے۔ سیالکوٹ اور لائل پور میں کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد مستقلاً لاہور میں تشریف لائے اور ۱۳۸۵ھ مطابق ۱۹۶۵ء میں اپنے فرزند ارجمند میاں محمد دین کلیم کے ہاں وصال فرما کر قبرستان گڑھی شاہو میں سپرد خاک ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت شرافت نوشاہی مدظلہ نے یہ قطعۂ تاریخ وصال کہا ؎

حضرت میاں شہاب الدین ۔۔۔ در جہاں شد حشمت و شوکت
از شرافت شنو تو سالِ وصال ۔۔۔ "فخر شہر" ۔ "نادر خلفت"
۱۳۸۵ھ ۔۔۔ ۱۳۸۵ھ

آپ کے نامور فرزند میاں محمد دین کلیم کا شمار ملک کے مشہور مؤرخین میں ہوتا ہے۔ میاں صاحب نے لاہور شہر کی تاریخ پر ایک صد کے قریب

کتابیں لکھی ہیں۔ جن میں سے لاہور کے اولیاء نقشبند، لاہور کے اولیاء چشت، لاہور کے اولیاء سہرورد اور لاہور کے اولیاء قادریہ خاص اہمیت کی حامل ہیں۔ آپ کی ان علمی ادبی اور تاریخی خدمات کی بدولت اہلِ علم حضرات آپ کو مؤرخِ لاہور کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

مخدوم شیر شاہ گیلانی

حضرت مخدوم شیر شاہ گیلانی رحمۃ اللہ علیہ ملتان کے ممتاز روحانی پیشوا مخدوم صدر الدین گیلانی کے چھوٹے اور مخدوم راجن شاہ گیلانی کے بڑے بھائی تھے (رحمۃ اللہ علیہم) یہ تینوں بھائی ابھی کمسن ہی تھے کہ ان کے سر سے والد گرامی کا سایہ اُٹھ گیا۔ بڑے مخدوم صاحب کی عمر اس وقت دس سال، مخدوم شیر شاہ کی عمر پانچ سال اور مخدوم راجن شاہ صرف چھ ماہ کے تھے۔ ان کی تعلیم و تربیت کا کام ان کی والدہ ماجدہ نے نہایت خوش اسلوبی اور تندہی سے کیا۔ مخدوم شیر شاہ نے ابتدائی تعلیم ملتان کے علمائے کرام اور سکول میں حاصل کی۔ اس کے بعد ان کو ایچیسن کالج لاہور میں داخل کروا دیا گیا۔ وہاں سے تعلیم کرنے کے بعد آپ ۱۸۹۶ء میں گورنمنٹ ملازمت میں بطور منصف بھرتی ہو گئے۔ آپ گیلانی خاندان کے پہلے فرد تھے جنہوں نے سرکاری ملازمت کی۔ ۱۹۱۲ء میں آپ کو ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر کے عہدہ پر ترقی دے دی گئی اور سیالکوٹ میں تعینات ہوئے۔ سات سال بطور مجسٹریٹ اور افسر مال مختلف اضلاع میں کام کرتے رہے۔ ۱۹۱۹ء میں آپ سب ڈویژنل مجسٹریٹ کے عہدہ پر فائز ہوتے اور اپریل ۱۹۲۸ء میں پاکپتن ضلع ساہیوال سے اسی آسامی پر ریٹائر ہوئے اور ملتان آ کر اپنی جائیداد کے انتظام و انصرام میں مشغول ہو گئے۔ چند ماہ کے لیے یہاں بطور آنریری مجسٹریٹ درجہ اوّل بھی کام کرتے رہے مگر پھر خود ہی سبکدوش ہو گئے۔ جنوری ۱۹۳۲ء ان کو ریاست ٹونک علاقہ راجپوتانہ کی گورنمنٹ نے ڈسٹرکٹ و سیشن جج کا عہدہ پیش کیا، جو آپ نے منظور کر لیا۔ اور چند سال اسی عہدہ پر متمکن رہ کر خدمات سرانجام دیتے رہے۔

۱۰ ر جنوری ۱۹۳۵ء کو معہ اہل و عیال حج بیت اللہ شریف و زیارت روضہ رسول

صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے روانہ ہوتے اور پھر اس سفر مقدس کے بعد بخیریت اپریل میں واپس تشریف لے آئے۔ ملتان چھاؤنی کے ریلوے اسٹیشن پر ملتان کے خواص و عوام نے جس خلوص دل اور شان سے ان کا استقبال کیا، اس کی مثال بہت کم ملتی ہے۔ یہ ان کی خوش اخلاقی اور ہر دلعزیزی کا بیّن ثبوت تھا۔ دورانِ سفر آپ نے بیت المقدس حجاز، شام، عراق، بغداد شریف اور مصر کے مقامات مقدسہ بھی دیکھے۔ [1]

آپ کے خاندان نے ملتان میں مسلم لیگ کی بنیاد اُس وقت رکھی جب کہ یہاں مسلم لیگ کا نام و نشان نہ تھا۔ ملتان کو یونینیسٹ پارٹی، کانگرس اور مجلس احرار کا گڑھ سمجھا جاتا تھا۔ مسلم لیگ کا نام لینا ناقابل معافی جرم تھا۔ اس تیرہ و تاریک دور میں قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کی صدا پر لبیک کہتے ہوئے پیر سید زین العابدین شاہ گیلانی مرحوم و مغفور [2] نے مسلم لیگ کی تشکیل کی۔ گیلانی صاحب اپنی مسلسل خدمات اور بے پناہ قربانیوں کے سبب لوگوں کے دلوں پر حکومت کرتے تھے۔ ان کی فوج ظفر موج فدایان اسلام تربیت یافتہ تلواروں سے مسلح پانچ سو باوردی رضاکاروں کی بڑی دھوم تھی، جو اپنے چیف کمانڈنگ آفیسر کی کمان میں جب شہر میں نکلتی تو ہندوؤں اور انگریزوں پر رعب اور دبدبہ طاری ہو جاتا۔ ان کی صدارت میں مسلم لیگ جلد ہی ایک ہر دلعزیز جماعت بن گئی۔ مخدوم سید شیر شاہ کے برادر بزرگ مخدوم المخادیم حضرت پیر سید محمد صدر الدین گیلانی سجادہ نشین خانقاہ حضرت موسیٰ پاک شہید رحمۃ اللہ علیہ کی مسلم لیگ کو مکمل سرپرستی حاصل تھی۔ اہم کانفرنسیں ان کی صدارت میں ہوتی تھیں۔ لاکھوں کی تعداد میں ان کے مخلص اور جانثار مرید و عقیدت مند مسلم لیگ کی تقویت کا سبب بن گئے۔ مخدوم شیر شاہ کی تمام تر ہمدردیاں اور خدمات مسلم لیگ کیلئے وقف تھیں۔

---

[1] مرقع ملتان از سید اولاد علی گیلانی مطبوعہ ۱۹۴۰ء
[2] آپ کے حالات کیلئے ملاحظہ ہو، اکابر تحریک پاکستان حصہ اوّل۔

ان واجب الاحترام شخصیتوں کی شمولیت کی وجہ سے مخالفین کے اثر کو مسلم لیگ کا سیلاب خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے گیا۔

اکتوبر ۱۹۴۵ء میں مرکزی اسمبلی کے عام انتخابات ہوئے تو مسلم لیگ نے ملتان کے حلقہ سے آپ کو امیدوار نامزد کیا۔ آپ اس نشست پر بلا مقابلہ منتخب ہوئے۔ آپ نے دہلی لاہور اور پشاور وغیرہ مقامات پر آل انڈیا مسلم لیگ کے بڑے بڑے جلسوں میں شرکت کی جو حضرت قائداعظم کی صدارت میں منعقد ہوئے۔ قائداعظم کی ہدایت پر مسلم لیگ نے ۱۶ اگست ۱۹۴۶ء کو راست اقدام کرنے کا فیصلہ کیا اور تمام لیگی زعماء سے اپیل کی کہ وہ اپنے سرکاری خطابات اور اعزازات اس تاریخ کو برطانوی حکومت کو لوٹا دیں۔ چنانچہ آپ نے خان بہادر کا خطاب اور دوسرے سرکاری اعزازات واپس کر دیئے۔

آپ نے ملتان میں تحریک پاکستان کے لیے بھرپور جدوجہد کی اور اپنے عمل پیہم سے مسلم عوام میں جذبۂ آزادی کی لہر دوڑا دی جب پنجاب میں مسلم لیگی ارکان اسمبلی کی واضح اکثریت کے باوجود ملک خضر حیات خان ٹوانہ نے کانگرسی ہندوؤں اور اکالیوں سے گٹھ جوڑ کر کے پنجاب میں مخلوط یونینسٹ پارٹی کی حکومت بنالی تو مسلم لیگ نے جنوری ۱۹۴۷ء میں خضر حکومت کے خلاف صوبہ بھر میں سول نافرمانی کی تحریک شروع کر دی تو آپ نے پیرانہ سالی اور کمزور طبیعت کے باوجود ملتان میں دفعہ ۱۴۴ کو توڑتے ہوئے ایک احتجاجی جلوس کی قیادت کی۔ آپ قید ہونے والی ان گنی چنی شخصیتوں میں سے تھے جنھوں نے حکومت کی مشینری کو مفلوج کر کے رکھ دیا تھا۔ آپ کی گرفتاری کی خبر نے عوام کے حوصلوں کو ابھارا۔ مسلمانوں میں زبردست جوش و خروش پھیل گیا اور وہ ہزاروں کی تعداد میں اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کرنے لگے۔ اس تحریک کو جب پولیس تشدد کے ذریعہ دبایا نہ جا سکا تو ناچار خضر حیات کی حکومت مستعفی ہو گئی اور میدان مسلم لیگ کے ہاتھ رہا۔[۱]

---

[۱] تاریخ ملتان جلد دوم زمول نالوراحمد خاں فریدی مطبوعہ ملتان ۱۹۷۳ء ص ۲۸۷
مکتوب گرامی جناب خواجہ عبدالکریم قاصف ایڈووکیٹ ملتان محررہ ۲۱ نومبر ۱۹۷۶ء۔

مخدوم شبیر شاہ تمام زندگی رشوت ستانی کی بیخ کنی کی پوری پوری کوشش کرتے رہے دورانِ ملازمت مردم آزار اور بدکردار لوگوں کو سخت سزائیں دیتے رہے۔ ہر فریادی کی فریاد سنتے اور پورا پورا انصاف کرتے تھے تقسیم ملک سے قبل آل انڈیا مسلم لیگ کونسل اور پھر آل پاکستان مسلم لیگ کونسل کے رکن رہے۔ پاکستان کے استحکام و بقا کے لیے دل و جان سے خدمات انجام دیتے رہے۔ آپ کی ساری زندگی نیکی اور پرہیزگاری سے عبارت تھی خلوص اور یقین کی دولت سے مالا مال تھے بتشرع اور پابند صوم و صلوٰۃ تھے۔ کردار نہایت شاندار اور بے داغ تھا۔ امیرانہ زندگی اور آرائش سے متنفر تھے۔ جاہ و جلال، خود پسندی اور خود نمائی سے دور رہتے۔ ہر وقت اللہ تعالیٰ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک زبانِ اقدس پر رہتا۔ اہل سنت و جماعت میں آپ کو ممتاز مقام حاصل تھا۔ اپنے سیاسی کردار اور منصب سے کبھی ناجائز تو کیا جائز فائدہ بھی نہ اٹھایا۔

آپ کی وفات حسرت آیات فروری ۱۹۶۰ء میں ہوئی۔ تمام اسلامیان ملتان میں صف ماتم بچھ گئی اور بڑی عزت و احترام کے ساتھ آپ کو سپردِ خاک کر دیا گیا۔ [۱]

ع خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

---

[۱] مکتوب گرامی جناب خواجہ عبدالکریم قاصف ایڈووکیٹ ملتان محررہ ۲۱ ر نومبر ۱۹۷۶ء

مولانا شائستہ گل

آپ کا اسم گرامی شائستہ گل، والد کا نام مولینا محمد علی اور دادا ملک العلماء مولانا عمر دراز تھے آپ یوسف زئی منڈر افغان قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کے القاب شیخ العلماء، مفتی اعظم سرحد[1] اور مناظر اہلسنت و جماعت ہیں۔ آپ سلسلہ عالیہ قادریہ، زاہدیہ میں حضرت شیخ المشائخ پیر عبدالوہاب المعروف پیر صاحب مانکی شریف رحمۃ اللہ علیہ کے دست گرفتہ ہیں۔ آپ کی پیدائش ۱۸۹۱ء میں ہوئی۔

آپ نے اپنے والد مولانا محمد علی (۱۲۵۳ھ - ۱۳۴۳ھ) سے علم پڑھنا شروع کیا۔ والد کے علاوہ مختلف نامور علماء سے تکمیل علم کیا۔ پھر ایلئی مولانا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے (ایلئی بنیر میں ایک گاؤں ہے آپ کے استاد اسی گاؤں کے نام سے مشہور ہیں۔ ایلئی مولانا صاحب کے درس میں چھ سات سو طلباء ہوتے۔ آپ علم نحو میں علامہ تھے۔ آپ نے نحو کی مشہور درسی کتاب کافیہ پر پشتو میں شرح لکھی جو کہ چھپ چکی ہے) اور علم نحو آپ سے پڑھا۔ ملالہ کالا مولانا صاحب[2] کے پاس علم صرف کی تکمیل کی۔

حضرت قاضی صاحب بڈھنی سے معقول و منقول اور مولانا صاحب ڈاگئی یار حسین سے تفسیر اور حدیث کا درس لیا۔ سند حدیث مولانا عبدالعلی دہلوی سے حاصل کی۔ نیز جون پور (انڈیا) کے دار العلوم حنفیہ میں مولانا ماجد علی سے بھی دورہ حدیث کی تکمیل کر کے

[1] یہ القاب حضرت علامہ ابوالبرکات سید احمد شاہ صدر حزب الاحناف لاہور نے دیا۔

[2] آپ موضع لالہ ضلع پشاور کے رہنے والے تھے۔ بڑے عابد و زاہد اور حضرت صوات رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے۔

سند فراغت حاصل کی اور قرأت مولانا مولوی قاری عبدالسلام بن قاری عبدالرحمٰن پانی پتی سے پڑھی تقریباً بتیس برس کی عمر میں تمام علوم مروجہ معقول و منقول میں کمال حاصل کر لیا۔ فراغت علم کے بعد درس و تدریس اور افتاء کو اپنا مقصدِ حیات بنا لیا۔ اپنے گاؤں لنڈی شاہ متہ میں ایک ایک دارالعلوم قائم کیا جس کا نام "دارالعلوم حنفیہ سُنیہ لنڈی شاہ متہ" ہے۔ اس دارالعلوم میں درس نظامی کا مکمل درس دیا جاتا ہے۔

مذہبی خدمات و مصروفیات کے ساتھ ساتھ آپ نے سیاسیات میں بھی بھرپور حصّہ لیا اور تحریکِ خدائی خدمتگار میں شامل ہو کر خان عبدالغفار خان کے دوش بدوش آزادی کی جد و جہد میں حصہ لیا مگر جب خان موصوف نے اپنی تنظیم کو انڈین نیشنل کانگرس میں مدغم کر دیا تو آپ نے اس سے اختلاف کرتے ہوئے علیحدگی اختیار کر لی۔ جس وقت مسلم لیگ نے پاکستان کا مطالبہ کیا تو آپ نے دیدہ دلیری، ہمت اور شجاعت کے ساتھ اس مطالبہ کی حمایت کی۔ آپ کے مشورہ کے ساتھ حضرت محمد امین الحسنات پیر صاحب مانکی شریف کی صدارت میں مشائخ اور علماء کی ایک جمعیت تشکیل کی گئی جس کا نام "جمعیۃ الاصفیاء" رکھا گیا۔ اس جمعیت کے ناظم آپ ہی تھے۔ حضرت پیر صاحب چورہ شریف کی صدارت میں اس جمعیت کا اجتماع کیا گیا، جس میں فیصلہ کیا گیا کہ اگر مسلم لیگ ہمارے اصولوں سے اتفاق کرے گی تو ہم اس کے ساتھ الحاق کریں گے اور اس جماعت کا یہ مقصد ہے کہ پاکستان میں قرآن و سنت کے مطابق حکومت ہو اور شریعت غراء عملاً نافذ ہو قائداعظم محمد علی جناح اور قائد ملت لیاقت علیخاں نے تحریری طور پر[1] اس اصول کو تسلیم کر لیا۔ اس فیصلہ کے بعد پیر صاحب مانکی شریف کے کہنے پر آپ نے تمام مشائخ کرام کو اکٹھا کرنے کے لیے مسلسل پانچ ماہ کا دورہ کیا اور اپنی مفصل رپورٹ پیر صاحب کو پیش کی جب پاکستان بن گیا اور مسلم لیگی وزارت خان عبدالقیوم خان نے سنبھالی تو بموجب وعدہ کے آپ نے اپنی تقاریر میں شریعت کے نفاذ کا مطالبہ شروع کر دیا۔ کوہاٹ میں مسلم لیگ کے جلسہ میں آپ شامل ہوئے اور مسلم لیگ کو اپنا وعدہ یاد دلا کر مطالبہ کیا۔ حکومت کو آپ کی یہ بات بہت ناگوار گزری اور واپسی

۱؎ یہ کاغذات دستخط شدہ مانکی شریف میں موجود ہیں۔

پر درہ کوہاٹ کی چوٹی پر آپ کو پکڑ کر تین دن تک حوالات میں بند کیا گیا اور پھر گیارہ ماہ کے لئے خارج از پاکستان کر دیا۔ آپ وہاں سے سیدھے صوات میں تھانہ کے مقام پر گئے اور اسی طرح وہاں وعظ و نصیحت میں مصروف ہو گئے۔ اب آپ کو مسلم لیگ سے کلی طور پر مایوسی ہو گئی۔ اس لیے سیاسیات سے کنارہ کش ہو گئے اور تبلیغ عقائد حقہ میں مصروف ہو گئے۔

گوناگوں مذہبی، علمی اور سیاسی مصروفیتوں کے علاوہ آپ نے مندرجہ ذیل کتابیں بھی لکھیں۔

۱ - سیر الملوک فی مسائل السلوک عربی :- اس کتاب میں مسائل تصوف کی وضاحت آیات کریمہ کی مدد سے کی گئی ہے۔

۲ - مضامین القرآن :- یہ کتاب قرآن مجید کے مضامین پر لکھی گئی ہے۔ اس کتاب کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ ہر سورت میں جتنی آیتیں مختلف آئی ہیں ان کو اپنے موضوع پر بیان کیا ہے

۳ - مطالب القرآن :- اس کتاب میں ہر ایک لفظ یا اسم کا پورا پورا مطلب بیان کیا گیا ہے گویا تمام قرآن مجید کا حل اس کتاب میں موجود ہے، نیز جو لفظ یا اسم جس جس پارہ، جس جس رکوع اور جس جس آیت میں آیا ہے، اس کا حوالہ بھی موجود ہے۔

۴ - قرأت القرآن :- یہ کتاب قرآن پاک کے تمام مسائل قرأت کو حل کرتی ہے۔

۵ - حاشیہ مدارک التنزیل :- تفسیر مدارک پر عربی میں حاشیہ تحریر کیا ہے۔ یہ تمام حواشی اہل سنت و جماعت کے عقائد حقہ کی روشنی اور تائید و حمایت میں لکھے ہیں۔ آپ نے تمام کتب تفاسیر کے مطالعہ کے بعد یہ کتاب لکھی ہے انتہائی جامع اور مدلل ہے اور علوم عقائد کی حامل ہے۔

۶ - حاشیہ جلالین :- مشہور تفسیر جلالین پر تفصیلی حاشیہ ہے۔

۷ - مرادی شرح زرادی :- صرف کی مشہور کتاب زرادی کی شرح عربی میں لکھی ہے۔

۸ - شرح جزری :- جزری کی شرح اردو میں لکھی ہے۔

۹ - الاستفتاءات المیراث :- مسائل کا ایک ضخیم مجموعہ ہے جس میں علم میراث کے تمام مسائل کا بیان ہے۔

۱۰ ۔ مجموعۃ الفتاوٰی :۔ اس ضخیم مسودہ میں سینکڑوں مسائل پر استفتاء کے جوابات ہیں ۔

۱۱ ۔ تفسیر قرآن مجید (اردو) قرآن مجید کا ترجمہ اور فوائد پر اپنی نظیر آپ ہے ۔

علاوہ ازیں چھوٹے چھوٹے کتابچوں اور پمفلٹوں کی تعداد سینکڑوں تک پہنچتی ہے۔ پتہ بانی زئی ضلع مردان میں آپ نے "جمعیت العلماء احناف" نامی علماء کی جماعت بنائی جس میں چیدہ چیدہ علماء کو اکٹھا کیا۔ ہر ماہ جمعیت کا اجتماع کیا جاتا ہے۔ یہ جماعت سیاسیات میں بھی لوگوں کی رہنمائی کرتی ہے۔ مذاہب باطلہ کے رد میں آپ کو ید طولیٰ حاصل ہے۔[1]

دسمبر ۱۹۷۰ء میں قائد اہلسنت مولانا شاہ احمد نورانی صدر جمعیت علماء پاکستان اور مجاہد ملت مولانا عبدالستار خان نیازی سیکرٹری جنرل جمعیت علماء پاکستان نے صوبہ سرحد کا تنظیمی دورہ کیا تو آپ نے جمعیت علماء پاکستان میں شامل ہونے کا اعلان کیا اور مقام مصطفیٰ کے تحفظ اور نظام مصطفیٰ کے نفاذ کے لیے ہر قسم کی قربانی دینے کے عزم کا پرجوش اظہار کیا۔[2]

---

[1] آپ کے حالات تذکرہ علماء و مشائخ سرحد (حصہ دوم)، از محمد امیر شاہ قادری مطبوعہ لاہور ۱۹۷۲ء ص ۲۳۰ تا ۲۳۶ سے اخذ کئے گئے ہیں ۔

[2] ہفت روزہ افق کراچی جلد ۱ شمارہ ۱۵ بابت ۳۱ دسمبر ۱۹۷۰ء ص ۲ ۔
ماہنامہ فیضان فیصل آباد جنوری ۱۹۷۸ء ص ۱۳ تا ۱۶ ۔

مولانا صابر حسین

آپ کی ولادت باسعادت ۲۰ جولائی ۱۹۲۳ء کو موضع اگوکی ضلع سیالکوٹ میں ہوئی۔ والد گرامی کا اسم مبارک مولانا عبدالعزیز تھا۔ ابتدائی تعلیم گاؤں میں حاصل کرنے کے بعد مختلف مدارس میں تعلیم حاصل کرتے ہوئے دارالعلوم حزب الاحناف لاہور میں پہنچے اور یہیں سے دستارِ فضیلت حاصل کر کے جامع مسجد زینت المساجد گوجرانوالہ میں خطیب مقرر ہو گئے۔

گوجرانوالہ میں آپ نے مسلم لیگ کی باقاعدہ رکنیت اختیار کر کے تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا۔ کانگریسیوں، احراریوں اور دیگر مخالفین کے خوب لتے لیے شعلہ نوا اور جادو بیاں تقریروں سے عوام کو نظریہ پاکستان کا پرستار بنایا۔ ۱۹۴۷ء میں سول نافرمانی کی تحریک میں خضر وزارت کے ہاتھوں شیخ القرآن حضرت علامہ عبدالغفور ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ گوجرانوالہ سنٹرل جیل میں ایک ایک ماہ قید و بند کی تکالیف برداشت کیں۔ اسی سال پنجاب لیجسلیٹو اسمبلی کے انتخابات میں مسلم لیگی امیدواروں چوہدری صلاح الدین، چوہدری ظفر اللہ، چوہدری نبی احمد وغیرہ کی کامیابی کے لیے بھرپور سعی کی۔ ان کے حلقوں میں جا کر تقریر و تدبیر کے ذریعے عوام کو ان مسلم لیگی امیدواروں کی حمایت و نصرت پر آمادہ کیا مقدور بھر کام کیا۔ بالآخر یہ سارے امیدوار ساحل کامیابی سے ہمکنار ہوئے۔

آپ چار سال تک نوری مسجد بالمقابل ریلوے سٹیشن لاہور میں بھی خطیب رہے اور آجکل جامع مسجد نورانی سٹیلائٹ ٹاؤن گوجرانوالہ میں خطابت کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں ملی و ملکی خدمات کے علاوہ علمی کام میں بھی آپ پیچھے نہیں رہے آپ کی تصانیف میں یہ کتابیں منظر عام پر آ چکی ہیں۔

۱۔ مشعلِ راہ ۲۔ تاجدارِ مدینہ ۳۔ مہمانِ کربلا۔ [1]

---

[1] مکتوب بنام مؤلف از گوجرانوالہ محررہ ۷ رجنوری ۱۹۷۵ء

خواجہ عبدالکریم قاصف

آپ کی پیدائش ۲۴ر دسمبر ۱۹۲۰ء کو ملتان میں ہوئی۔ والد گرامی کا اسم مبارک خواجہ محمد رمضان تھا۔ ملتان ہی سے بی اے کیا اس کے بعد یونیورسٹی لاء کالج لاہور سے ایل ایل بی کا امتحان امتیازی حیثیت سے پاس کیا۔ اس کے ساتھ ہی پنجاب یونیورسٹی سے جرنلزم کا ڈپلوما بھی حاصل کیا آپ نے اپنی کم سنی کے زمانہ ۱۹۳۴ء میں سیاست کی پرخار وادی میں قدم رکھا اور مذہب و ملت کی خدمت کے لیے سینہ سپر ہو گئے۔ اسلامی ریاست بہاول پور کے خلاف ہندو مہاسبھائیوں کے ناپاک منصوبہ کو ناکام بنانے میں بھرپور حصہ لیا۔ ملتان میں تحریک شہید گنج کے سلسلے میں ڈکٹیٹر بنے۔ آپ کی قیادت میں سینکڑوں نوجوانوں نے اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کر دیا۔ ملتان کے "بے تاج بادشاہ فدائے ملت سید زین العابدین گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی قائم کردہ "انجمن فدایانِ اسلام" ملتان کے جنرل سیکرٹری اور "آل انڈیا مجلس اتحاد ملت" کے رکن مجلس عاملہ رہے۔ عوام میں اس قدر مقبولیت تھی کہ جب جوش میں آکر رضاکاروں کو لیکر کسی مخالف جماعت کے جلسہ میں پہنچ جاتے تو اُسے درہم برہم کرا دیتے۔ پولیس نے آپ کی ان دیدہ دلیریوں اور جانبازیوں کی بنا پر آپ کا نام خطرناک آدمیوں میں سرفہرست لکھ رکھا تھا۔ آپ نے مخرب اخلاق اور اسلام دشمن فلموں کو بند کرانے کے لیے زبردست تحریک چلائی اور اس کی پاداش میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ سول سپلائیز کی بعض بے قاعدگیوں کے مدنظر شوگر سب کمیٹی کی اعزازی ممبری چھوڑ دی۔

اکتوبر ۱۹۳۸ء کے فرقہ وارانہ فساد کے موقعہ پر جب پیر سید زین العابدین گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو گرفتار کر کے ڈسٹرکٹ جیل بھیج دیا گیا۔ تو ان کی رہائی کی تحریک میں ہزاروں

مسلمانوں کی رہنمائی آپ نے ہی کی اور دفعہ ۱۴۴ اور کرفیو آرڈر کی خلاف ورزیاں کیں۔ اور آخرکار تحریک کامیاب ہوئی اور گورنمنٹ کو عوام کے محبوب رہنما پیر سید زین العابدین گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو رہا کرنا پڑا۔ جب انگریز ڈپٹی کمشنر نے ہندو مسلم اتحاد کے لیے چھ رکنی کمیٹی قائم کی تو اس میں بھی آپ کو شامل کیا گیا۔ آپ کی سرپرستی میں مسلم ڈرامیٹک کلب کی تشکیل عمل میں لائی گئی۔ جس کا کام ڈرامے سٹیج کر کے مسلمانوں میں جذبۂ جہاد پیدا کرنا تھا۔ ہندوستان کی معروف پہلوان عورت حمیدہ بانو کی کشتی جو ملتان میں ہونے والی تھی۔ آپ نے ایک تحریک چلا کر بند کرا دی تاکہ اخلاقی بے راہروی پیدا نہ ہو۔

آپ کی جادو بیانی اور شعلہ نوائی کا یہ عالم تھا کہ ہزاروں کے مجمع کو مسحور کر دیتے تھے۔ جذبات کو برانگیختہ کر کے عوام سے ہر قسم کا کام لے لیتے تھے۔ ۱۹۳۷ء میں پانی پت ڈسے کے سلسلے میں ملتان میں جو جلسہ منعقد ہوا۔ اس میں آپ نے حکومت کے خلاف پرجوش تقریر کی۔ چنانچہ آپ کے خلاف زیر دفعہ ۱۲۴۔ الف تعزیرات ہند مقدمہ چلایا گیا اور ایک سال قید بامشقت کی سزا دی گئی۔ یہ رعایتی سزا اس لیے دی گئی کہ اس وقت آپ کی عمر کم تھی۔ جب قید کاٹ کر بورسٹل جیل لاہور سے رہا ہوئے تو جیل کے دروازہ پر آپ کا شاندار استقبال کیا گیا۔ مجلس اتحاد ملت کے کئی لیڈروں اور رضاکاروں نے آپ کو جلوس کی صورت میں دفتر اتحاد ملت تک پہنچایا۔ رات کو بیرون موچی دروازہ ایک بڑے اجتماع میں اتحاد ملت کی طرف سے میاں فیروز الدین احمد مرحوم نے سپاسنامہ پیش کیا جس میں اس امر کا اعتراف کیا گیا کہ پنجاب بھر میں بہت کم نوجوان ایسے ہیں جنھوں نے اس چھوٹی عمر میں دین اور قوم کے لیے ایسی شاندار قربانیاں پیش کی ہوں۔ ملتان میں بھی انجمن فدایان اسلام اور ہزارہا مسلمانوں نے ریلوے اسٹیشن پر آپ کا فقید المثال استقبال کیا۔ اور جلوس کی شکل میں باغ عام خاص لے گئے اور یہاں جلسہ عام میں آپ کو ایک "مرصع تلوار" اور "طلائی تمغہ" پیش کیا گیا۔

۱۹۳۷ء میں جب باقاعدہ طور پر ملتان میں ضلع مسلم لیگ کا قیام عمل میں آیا تو آپ اُس کے جنرل سیکرٹری منتخب ہوئے اور پھر اُس کے بعد صوبائی مسلم لیگ کونسل کے ممبر چنے جاتے رہے۔ ۱۹ اپریل ۱۹۳۸ء کو پنجاب مسلم لیگ کی یک روزہ کانفرنس آپ ہی کی زیر صدارت منعقد ہوئی حالانکہ اُس وقت آپ کی عمر صرف ۱۷ سترہ ۱۸ اٹھارہ برس تھی ۱۹۴۲ء میں ایمرسن کالج ملتان میں بی اے کر رہے تھے کہ "مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن" قائم کی گئی۔ آپ اُس کے جنرل سیکرٹری چنے گئے اس کے ساتھ ساتھ صحافت کے باوقار پیشے سے بھی منسلک رہے "ستارہ اسلام، ندائے اسلام، نمائندہ، طوفان، ہمدرد، استقلال، ورحسن وغیرہ ہفت روزوں کے ادارہ تحریر میں کام کرتے رہے۔ اورینٹ پریس آف انڈیا۔ ایسوسی ایٹڈ پریس آف انڈیا سول اینڈ ملٹری گزٹ، ڈان، پاکستان ٹائمز، پنجاب پریس سروس۔ زمیندار، احسان، شہباز، نوائے وقت وغیرہ نیوز ایجنسیوں اور روزنامہ جات کے مقامی نامہ نگار کی حیثیت سے کام کرتے رہے، تحریک آزادی میں آپ نے مسلم اخبارات کے ذریعے بیش قیمت خدمات انجام دیں۔ علاوہ ازیں آپ ویسٹرن پنجاب پریس ایسوسی ایشن کے سیکرٹری اور پاکستان نیوز پیپرز ایڈیٹرز ایسوسی ایشن کی صوبائی شاخ کے نائب صدر بھی منتخب ہوئے۔ آپ کا مطمح نظر ہمیشہ نظریہ پاکستان کا پرچار ہی رہا۔

آل انڈیا کانگرس پارٹی کے صدر پنڈت جواہر لعل نہرو اور سبھاش چندر بوس نے اپنے ملتان کے دوروں میں فدائے ملت سید زین العابدین گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو کانگرس میں شامل ہونے اور ضلع کانگرس کمیٹی کے صدر کا عہدہ قبول کرنے کی پیشکش کی تو انہوں نے انکار کر دیا۔ ان مذاکرات میں آپ بھی سید صاحب کے سیکرٹری کی حیثیت سے شامل ہوتے۔ اور سید صاحب کے اس نظریہ کی بھرپور حمایت کی کہ کانگرس خالص ہندوؤں کے لیے کام کر رہی ہے مسلمان اب اس کے دھوکے میں نہیں آ سکتے۔ اور اس کے علاوہ وہ مسلم لیگ سے کسی صورت بھی علیحدہ ہونے کے لیے تیار نہیں۔ ۱۹۴۰ء میں بھی آپ نے

سید صاحب کے ساتھ قرارداد پاکستان کے تاریخی اجلاس لاہور میں شرکت کی۔
قیام پاکستان کے بعد بھی آپ مختلف اخبارات کی نامہ نگاری کے شغل کے ساتھ ساتھ بدستور مسلم لیگ سے وابستہ رہے۔ یہ فخر بھی آپ ہی کو حاصل ہے کہ یہ اپنے عوامی مطالبے یعنی اسلامیہ کالج کے منصوبے کو منزل مراد تک پہنچایا۔ جب نشتر میڈیکل کالج سے ملحقہ ہسپتال کا نام فیروز خان نون کے نام پر رکھا جانے لگا تو آپ نے کوشش کر کے اس کا نام نشتر ہسپتال ہی بحال کرایا۔ ۱۹۶۰ء میں بنیادی جمہوریت کے انتخابات میں نہ صرف یونین کمیٹی کے ممبر چنے گئے بلکہ میونسپل کمشنر بھی مقرر ہوئے۔ کچھ عرصے تک یونین کمیٹی کے چیئرمین کی حیثیت سے بھی کام کیا۔ بلدیہ ملتان میں زیادہ تجاویز آپ کی طرف سے پیش ہوئیں اور منظور کی گئیں۔ . . . . ایمرسن کالج ملتان کا نام گورنمنٹ کالج ملتان تبدیل کرانے پر آپ نے بہت کوشش کی۔ یہ طالب علموں کی یادگاریں مٹانے ملتان میں ریڈیو سٹیشن قائم کرنے گرلز کالج اور یونیورسٹی قائم کرنے کے بارے میں آپ کی قراردادیں پاس کی جاتی رہیں۔ بنیادی جمہوریت کے دوسرے پانچ سالہ انتخاب میں بھی یونین کمیٹی کے بلا مقابلہ ممبر چنے گئے۔ ملتان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ "ملتان کرانیکل" کے نام سے ایک پندرہ روزہ انگریزی اخبار جاری کیا جو ڈیڑھ سال بعد مالی مجبوریوں کی وجہ سے دم توڑ گیا۔

آپ آل پاکستان توحید کانفرنس، ادارہ خدمت خلق، پاکستان نیوز پیپرز ایڈیٹرز ایسوسی ایشن کی پنجاب شاخ اور پبلک لائبریری بینڈ ریڈنگ روم ملتان کے نائب صدر رہ چکے ہیں اس وقت مصالحتی کمیٹی کے صدر انجمن اسلامیہ کے اسسٹنٹ منیجر و کئی دیگر سیاسی و سماجی تنظیموں میں شامل ہو کر اسلام اور ملک کی بے لوث اور مخلصانہ خدمات انجام دے رہے ہیں۔

رانا عبدالحمید خاں

آپ کی پیدائش ۱۹۰۶ء میں چک مہدی خاں تحصیل پاکپتن ضلع ساہیوال میں ہوئی۔ والد گرامی کا نام رانا محمود خان اور جدِ امجد کا اسم مبارک رانا مہدی خاں تھا۔ جدِ امجد ایک عالم و فاضل انسان تھے جو ڈسٹرکٹ جج ملتان اور چیف منسٹر بہاول پور کے عہدوں پر سرفراز رہے جدِ امجد کا تعلق ہریانہ ضلع ہوشیار پور کے مشہور راجپوت خاندان سے تھا جس نے برصغیر میں آزادی کی تحریکوں میں شاندار کارنامے سرانجام دیئے۔ ہریانہ سے ہجرت کر کے آپ کے جدِ امجد نے ضلع ساہیوال میں اپنے نام پر چک مہدی خاں آباد کیا۔ اور پھر تمام خاندان مستقل طور پر یہیں آباد ہو گیا۔

رانا عبدالحمید نے پرائمری سکول چک مہدی خاں سے پرائمری پاس کرنے کے بعد مسلم ہائی سکول لاہور سے میٹرک کیا۔ اور پھر علیگڑھ یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا۔ ایف اے کرنے کے بعد ایف سی کالج لاہور میں آ گئے اور ۱۹۲۷ء میں یہاں سے بی اے کا امتحان امتیازی حیثیت سے پاس کیا۔ ۱۹۳۰ء میں لاء کالج لاہور سے ایل ایل بی کیا اور پھر وکالت شروع کر دی جو ۱۹۳۶ء تک جاری رہی۔

۱۹۳۱ء میں ڈسٹرکٹ بورڈ ساہیوال کے ممبر منتخب ہوئے اور ۱۹۳۳ء تک برابر منتخب ہوتے رہے ۱۹۳۳ء میں منسوخی قرضہ بورڈ کے ممبر بنے اور بعد ازاں چیئرمین منتخب ہو گئے۔ تحریک پاکستان کا دور آیا تو قائدِ اعظم کے پُر اعتماد ساتھی کی حیثیت سے کام کیا۔ اور قید و بند کی صعوبتوں سے بھی نبرد آزما ہوتے۔ ۱۹۴۶ء کے مشہور الیکشن میں مسلم لیگ کے ٹکٹ پر پنجاب لیجسلیٹو اسمبلی کی سیٹ حاصل کی۔ اور پھر ریاست د

مسلم لیگ اور نظریۂ پاکستان کے پرچار کے لیے وقف کر دیئے یہاں تک کہ پاکستان معرض وجود میں آگیا۔

قائداعظم کی رحلت کے بعد جب میاں ممتاز محمد خان دولتانہ اور ان کے ساتھیوں نے نوابزادہ لیاقت علی خان کو وزیر اعظم ہونے کے ساتھ ساتھ مسلم لیگ کا صدر بھی بنا دیا۔ تو رانا صاحب نے اس بے اصولی کی ڈٹ کر مخالفت کی اور اپنے مخلص ساتھی نواب افتخار حسین ممدوٹ کے ساتھ ملکر جناح مسلم لیگ کا قیام عمل میں لائے۔ اور پھر ۱۹۵۱ء کے انتخابات میں اسی پارٹی کے ٹکٹ پر ہزاروں ووٹوں کی اکثریت سے صوبائی نشست پر کامیابی حاصل کر کے یہ ثابت کر دیا جو لوگ اصولوں پر اپنی ذات کو قربان کر دیتے ہیں۔ ان کی قربانی کبھی رائیگاں نہیں جاتی۔

۱۹۵۳ء میں فیروز خان نون پنجاب کے وزیر اعلیٰ مقرر ہوتے تو آپ ان کی کابینہ میں بطور وزیر خوراک و بجلی شامل ہوئے۔ ۱۹۶۲ء کے الیکشن میں بھاری اکثریت سے قومی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے اور ایوب حکومت میں تین سال تک مرکزی وزیر زراعت و بحالیات رہے۔ چونکہ آپ فطرتاً نیک سیرت، دیانتدار، محنتی اور ذہین تھے۔ حق گوئی و بیباکی ان کا شیوہ تھا۔ لہٰذا زیادہ دیر تک ایوب حکومت کا ساتھ نہ دے سکے اور ۱۹۶۶ء میں عملی سیاست سے مستقل طور پر کنارہ کشی اختیار کر لی۔ اگرچہ آپ کو دوبارہ سیاست میں حصہ لینے کے لیے ہر طرف سے مجبور کیا گیا لیکن آپ نے اپنا فیصلہ نہ بدلا اور تادم زیست غیر سیاسی اور فلاحی انجمنوں میں بھرپور حصہ لیتے رہے۔

آپ مذہب کے سچے پرستار اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شیدائی تھے نماز کے پابند تھے اور لوگوں کو بھی نماز کی تلقین فرماتے تھے۔ مذہبی اداروں کی دل کھول کر امداد کرتے تھے۔ جامعہ نعیمیہ لاہور کو بیش بہا امداد دیتے رہے۔ متعدد انجمنوں کے سرپرست اور عہدیدار تھے۔ چائلڈ ویلفیئر سوسائٹی کے چیئرمین، ضلعی روٹری کلب کے

صدر رہے۔ اس کے علاوہ فلائنگ کلب کے چیئرمین، زمیندار طلبا، فنڈز کے صدر، تہذیب الاخلاق ٹرسٹ کے منتظم اور کاٹن بورڈ کے مستقل ممبر رہے۔ پاکستان اولمپک ایسوسی ایشن کے تقریباً دس سال تک چیئرمین رہے اور موجودہ اولمپک ہاؤس آپ کی سعی کا ہی نتیجہ ہے۔

آپ کینسر معدہ کے مریض تھے۔ تین ماہ تک اس موذی مرض میں مبتلا رہ کر ۱۱ر اکتوبر ۱۹۷۵ء کو بوقت ساڑھے سات بجے شب اپنے برادر خورد و سیاسی جانشین رانا خداداد خان کی کوٹھی واقع گلبرگ لاہور میں انتقال فرمایا[1] اور دوسرے روز آبائی گاؤں چک محمد مہدی خان میں سپرد خاک کر دیئے گئے۔ ہزاروں لوگوں نے اس درویش منش انسان کے جنازہ میں شرکت کی۔

پسماندگان میں ایک بیٹا اور پانچ بیٹیاں شامل ہیں[2]۔

نوٹ: رانا صاحب کے حالات کی فراہمی کے سلسلہ میں رانا خالق داد صاحب نے بھرپور تعاون فرمایا ہے۔ جس کے لیے ہم ان کے ممنون ہیں۔

---

[1] روزنامہ نوائے وقت لاہور ۱۲ر اکتوبر ۱۹۷۵ء

[2] روزنامہ نوائے وقت لاہور ۱۳ر اکتوبر ۱۹۷۵ء

مولانا عبدالصمد مقتدری

مولانا عبدالصمد مقتدری ابن مولانا غلام حامد کی ولادت باسعادت بدایوں کے مشہور حمید کی خاندان میں ہوئی۔ مدرسہ عالیہ قادریہ و دارالعلوم شمس العلوم بدایوں میں مولانا محب احمد قادری، مولانا مفتی حافظ بخش بدایونی و دیگر اساتذہ سے علوم متداولہ میں فراغت حاصل کرنے کے بعد الہ آباد یونیورسٹی سے "ملا" کی ڈگری حاصل کی۔ حضرت مولانا شاہ عبدالمقتدر بدایونی قدس سرہ کے دست اقدس پر سلسلہ عالیہ قادریہ میں ۱۳۲۳ھ مطابق ۱۹۰۵ء میں بیعت کی اور حضرت مولانا شاہ عبدالقدیر بدایونی قدس سرہ سے ۱۳ مارچ ۱۹۶۳ء کو اجازت و خلافت پائی۔

آپ نے اپنی مذہبی مصروفیات کے باوجود برصغیر کی ہر مسلم مفاد تحریک میں بھرپور کردار ادا کیا تحریک خلافت، شدھی تحریک اور تحریک پاکستان میں حضرت مولانا عبدالماجد بدایونی رحمۃ اللہ علیہ کے شانہ بشانہ حصہ لیا اور انہی سے ہی سیاست کے رموز و نکات سیکھے حصول تعلیم کے بعد آپ گورنمنٹ ہائی سکول بدایوں میں عربی مدرس ہو گئے تھے مگر جونہی تحریک خلافت کا غلغلہ بلند ہوا تو فوراً مستعفی ہو کر علی برادران کے حکم پر آگرہ کو اپنا مسکن بنایا اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر کے تحریک خلافت کے پودے کی آبیاری کرنے لگے۔ دو اخبارات تبلیغ اور خلافت کا اجرا کر کے خلافت کے پیغام کو برصغیر کے کونے کونے میں پہنچایا۔ تمام ملک میں طوفانی دورے کر کے اپنی شعلہ بار تقاریر کے ذریعے خونِ مسلم کو گرما کے رکھ دیا۔ نتیجتاً آپ کو گرفتار کر کے سیتاپور جیسے سخت جیل میں پابہ زنجیر کر دیا گیا۔

جب قائداعظم نے مسلم لیگ کی باگ ڈور سنبھالی اور علماء اہلسنت نے مسلم لیگ سے تعاون کی خاطر اپنی زندگیاں وقف کر دیں تو حضرت مولانا مقتدری بھی مسلم لیگ میں شامل ہو گئے آپ نے

صوبہ مسلم لیگ یوپی کے کنوینرز اور آرگنائزر کے حثیت سے تحریک پاکستان کو منزل سے ہمکنار کرنے کے ریلیے جو کار ہائے نمایاں سرانجام دیئے اُن کا اعتراف قائداعظم، مولانا حسرت موہانی، نواب اسمٰعیل خان اور راجہ صاحب محمود آباد جیسے اکابرین نے بھی کیا ہے۔ آپ قیام پاکستان تک آل انڈیا مسلم لیگ کے کونسلر رہے۔ اس حثیت سے آپ نے مسلم لیگ کی فلاح و بہبود کے ریلیے جو کچھ کیا وہ ایک علیحدہ باب کا متقاضی ہے۔ بدایوں مسلم لیگ تو آپ کی جیب میں تھی صوبہ مسلم لیگ (یوپی) کا کوئی کام آپ کی مرضی کے خلاف نہیں ہوتا تھا۔ گویا آپ ہر مسلم لیگی کے دل کی دھڑکن بن چکے تھے۔

جب جمعیت علماء ہند اپنے نصب العین سے ہٹ کر کانگرس کی بچہ جمورا بن گئی تو آپ نے علماء حق کے ساتھ ملکر جمعیت علماء ہند کانپور کی بنا ڈالی۔ صدارت کا سہرا آپ ہی کے سر باندھا گیا اور آپ آخر وقت تک اس منصب پر فائز رہ کر ملک و قوم کی مقدور بھر خدمت کرتے رہے۔ اس جمعیت کے زیر اہتمام ہر سال سیرت کانفرنسیں بدایوں، کانپور، و دیگر شہروں میں منعقد ہوئیں جن میں ضیغم اسلام مولانا شوکت علی، مولانا حسرت موہانی، مولانا مظہرالدین ایڈیٹر اخبار الامان (مرحومین) اور مولانا عبدالقیوم کانپوری و دیگر اکابرین شرکت فرما کر کانگرس کے مکروفریب کو تار تار کر کے مسلم لیگ کے پیغام کو گھر گھر پہنچاتے۔ غرض آپ نے اس طرح مذہب و ملت کی جو بے مثال خدمت کی وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔

۴۶-۱۹۴۵ء کے الیکشن میں آپ نے اپنے علاقے بریلی، بدایوں، سنبھل، مرادآباد اور پیلی بھیت کے علاقوں میں تن من دھن کی بازی لگا کر مسلم لیگ کو کامیاب کرانے کی سعی بلیغ کی۔ چنانچہ ان شہروں میں تمام مسلم لیگی امیدوار ساحل کامرانی سے ہمکنار ہوئے۔ بدایوں کی سیٹ پر مسلم لیگی اُمیدوار پروفیسر اسرار احمد کے مقابلہ میں کانگرس نے ایک بہت بڑے رئیس اور سرمایہ دار سید منزل حسین کو کھڑا کیا اور اپنے امیدوار کی ہر لحاظ سے نصرت و مدد کی مگر مولانا قادری کی بھاری بھرکم شخصیت نے حالات کا پانسہ پلٹ کے رکھ دیا اور اس سیٹ پر

۹۹ فیصد ووٹ مسلم لیگ کے حق میں پڑے حتیٰ کہ کانگرسی امیدوار نے بھی حالات کی نزاکت کے پیش نظر اپنے تمام خاندان کے ووٹ مسلم لیگی امیدوار کو دیئے۔ آپ کی ان قربانیوں اور کوششوں سے متاثر ہو کر رئیس الاحرار حضرت مولانا حسرت موہانی رحمۃ اللہ علیہ نے قائد اعظم سے کہا تھا کہ:

"مقتدری وہ شخص ہے کہ جس کے ہاتھ میں پورے صوبہ مسلم لیگ کی زمام ہے"

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان معرض وجود میں آیا تو دیگر مسلم لیگی لیڈروں کی طرح آپ کی گرفتاری کے احکامات بھی جاری ہو گئے۔ چنانچہ ۱۲ دسمبر ۱۹۴۷ء کو بچ بچا کر مع اہل خانہ کراچی تشریف لے آئے۔ ان دنوں آل انڈیا مسلم لیگ کا اجلاس خالق دینا حال میں ۱۳، ۱۴، ۱۵ دسمبر کو ہو رہا ہے چونکہ پاکستان بننے کے بعد یہ پہلا اجلاس تھا لہٰذا آپ بال بچوں کو بندرگاہ پر ہی چھوڑ کر سیدھے اس اہم اجلاس میں شامل ہوئے۔ اس اجلاس میں آپ نے نمایاں طور پر حصہ لیا۔ اس کے بعد آپ کو آل پاکستان مسلم لیگ کا کونسلر منتخب کیا گیا اس کے علاوہ کراچی مسلم لیگ میں آپ کو وہی مقام نصیب ہوا جو بدایوں مسلم لیگ میں تھا۔

کراچی مسلم لیگ کی تنظیم کے بعد آپ نے آل پاکستان انجمن مہاجرین دار الانصار کی بنا ڈالی جس کے آپ سیکرٹری جنرل منتخب کئے گئے۔ اس انجمن کا مقصد مہاجرین کی فلاح و بہبود تھا۔ چنانچہ آپ نے اس مقصد کے لیے مقدور بھر کوششیں فرمائیں۔ اس کے علاوہ بہت سے تعلیمی امور میں بھی نمایاں حصہ لیا۔

آپ کو صحافت سے ابتداء سے ہی تعلق خاطر تھا۔ قیام آگرہ کے دوران ایک چھاپہ خانہ قائم کر کے ماہنامہ "الہدیٰ" جاری کیا تھا جس میں حکومت پر سخت تنقید کی جاتی تھی اور مسلم لیگ کی دل کھول کر تبلیغ کی جاتی تھی۔ اس سلسلہ میں آپ کو متعدد بار قید و بند کی تکالیف بھی برداشت کرنا پڑیں لیکن آپ کی حق گوئی و بیباکی میں کوئی فرق نہ آیا۔ کراچی آنے پر بھی آپ نے روزنامہ خورشید اور ماہنامہ ترجمان جاری کئے اور اپنی حق گوئی کو مسلسل اپنا مقصدِ وحید بنائے رکھا۔

ان سب کاموں کے علاوہ آپ نے بہت سی کتابیں بھی لکھیں جو شہرت عام اور

بقائے دوام کی حامل ہوئیں ہمیں صرف مندرجہ ذیل نام ہی معلوم ہو سکے۔

(۱) مباحث الاذان۔

(۲) بریلوی تحریر کا شافی جواب۔

(۳) تحقیق البیان۔

آپ کی وفات حسرت آیات ۱۵ رجب ۱۳۸۴ھ مطابق ۲۰ نومبر ۱۹۶۴ء کو ہوئی۔ مولانا عبدالحامد بدایونی رحمۃ اللہ علیہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور میوہ شاہ کراچی کے قبرستان میں دفن کئے گئے۔ [۱]

---

[۱] تذکرہ صمدیہ از محی الدین قادری مطبوعہ کراچی ۱۹۷۷ء

پیر عبداللہ جان سرہندی

اسم گرامی عبداللہ اور افغانستانی رواج کے مطابق عرفی نام شاہ آغا ہے۔ آپ حضرت خواجہ محمد حسن جان سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند اکبر تھے۔ آپ کی ولادت باسعادت ۸ جمادی الاول ۱۳۰۵ھ کوٹنڈو سائیں داد (سندھ) میں ہوئی۔ مادۂ تاریخ ولادت "نجم برج فضل و کمال" ۱۳۰۵ھ ہے۔[1]

دس سال کی عمر تک اپنے جد امجد حضرت خواجہ عبدالرحمٰن قدس سرہ کے زیر تربیت رہے چنانچہ خود تحریر فرماتے ہیں کہ:-

"حضرت جد بزرگوار شبہا مرا در کنار خود بر چہار پائی می خسپانید ند و وقت خفتن بر خاستن دعا ہائی ماثورہ خواندہ بر سر من دم میکردند و چوں حضرت قبلہ گاہی بسفر نارہ یا دیگر کار ہائے حضرت کلاں بیرون می رفتند سبق ہم حضرت ایشاں مرا میدادند"[2]

آپ نے جد امجد اور والد گرامی کے علاوہ مولانا عبدالقیوم سجتبارپوری، مولانا لعل محمد متعلوی، مولانا خیر محمد مگسی، مولانا خیر محمد پاتائی سابق قاضی القضاۃ ریاست بسیلہ اور مخدوم حسن اللہ خان پاٹائی سے اکتساب علم کیا۔ ادب، لغت، طب، حدیث، تفسیر، فقہ، اور میراث میں مہارت تامہ حاصل کی۔ آپ نے اپنے والد گرامی کے دست حق پرست پر سلسلۂ نقشبندیہ میں بیعت کی تھی۔ اور آخر دم تک اپنے جد اعلیٰ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے نقش قدم پر دین و ملت کی خدمت سرانجام دیتے رہے۔ زہد و تقوی میں اپنی مثال آپ تھے۔[3]

---

[1] مونس المخلصین از شاہ آغا مطبوعہ کراچی ۱۳۶۶ھ ص ۲۳۶۔ تذکرہ مظہر مسعود از پروفیسر مسعود احمد کراچی ۱۹۶۹ء ص ۴۸۱

[2] مونس المخلصین ص ۲۳۶ -

[3] مکتوب گرامی پروفیسر پیر نثار احمد جان سرہندی بنام مؤلف از میرپور خاص محررہ ۲۱ ستمبر ۱۹۰۶ء و مونس المخلصین ص ۲۳۸ -

پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب کے الفاظ ہیں:-

"آپ بڑے متورع و متقی بزرگ اور سلف صالحین کی سچی یادگار تھے علم و ادب کا ایسا شوق تھا کہ باوجود کبر سنی اور ضعف و نقاہت کے مطالعہ اور تصنیف و تالیف میں مشغول رہتے تھے۔ آپ کی گفتگو علمی معلومات سے معمور ہوتی تھی حلقۂ مریدین و معتقدین بہت وسیع ہے۔ آپ کی تصانیف میں سے "مونس المخلصین" (فارسی) خاص طور پر قابل ذکر کتاب ہے۔" ؎۱

گوناگوں مذہبی، علمی، ادبی اور روحانی مصروفیتوں کے باوجود آپ نے سیاسی امور سے بھی خاطر خواہ دلچسپی رکھی۔ اگرچہ باقاعدہ طور پر کسی سیاسی جماعت سے وابستگی نہیں تھی مگر اسلام کی خاطر ایک مجاہد کی طرح ہمیشہ ہر قسم کی قربانی کے لیے تیار رہے۔ اگر آپ کا کوئی مرید و معتقد اسوۂ رسول کے منافی حرکت کرتا تو اس کو خوب سرزنش کرتے بلکہ بعض اوقات قطع تعلق تک معاملہ پہنچ جاتا۔ ۱۹۳۸ء میں مسجد منزل گاہ سکھر کا واقعہ مشہور واقعہ درپیش آیا تو جوش و جذبہ کے ساتھ اس میں شامل ہوئے۔ تحریر و تقریر کے ذریعے مسلمانوں کو غیرت دلائی۔ اپنے چھوٹے بھائی خواجہ عبدالستار جان رحمۃ اللہ علیہ اپنے صاحبزادوں اور مریدوں کی جماعت کے ساتھ تادم فیصلہ ڈٹے رہے اسی طرح تحریک خلافت میں بھی بھرپور حصہ لیا کسی بھی مالی و جانی قربانی سے دریغ نہیں کیا۔ ؎۲ تحریک پاکستان کا مرحلہ آیا تو برصغیر کے تمام سنی علماء و مشائخ دیوانہ وار حصول پاکستان کی منزل کے راہی ہو گئے۔ آپ بھی اپنے خاندان کے مشائخ کرام مثلاً حضرت پیر محمد حسین جان سرہندی پیر غلام مجدد سرہندی اور پیر محمد ہاشم جان سرہندی رحمۃ اللہ علیہم کے شانہ بشانہ پاکستان کو حقیقت

؎۱ تذکرہ مظہر مسعود ص ۴۴۲

؎۲ روایت پیر شاہ احمد جان سرہندی مدظلہ۔

کا روپ دینے کے لیے میدان میں نکل آئے۔ آپ نے اپنے تمام مریدین و مسترشدین کے ساتھ مسلم لیگ کی پوری حمایت کی۔ یہاں تک کہ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان دنیا کے نقشے پر ابھر آیا اور آزادی کی صبح طلوع ہو گئی۔ ؎۱

۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ میں آپ نے اپنے مریدوں کو جہاد کی تلقین کی چنانچہ انھوں نے کئی محاذوں پر داد شجاعت دی اسی طرح آپ نے ۱۹۷۱ء کی جنگ میں بھی وعظ و تقریر اور تحریر کے ذریعے گراں قدر خدمات انجام دیں بغرض ہر مشکل وقت میں قوم کی خدمت کے لیے بلا دریغ اپنے آپ کو پیش کر کے آبا و اجداد کی سنت پر عمل پیرا رہے۔ ؎۲

آپ نے بہت سی کتابیں بھی لکھیں جن کی پوری تفصیل نہیں مل سکی، جن کتابوں کے نام معلوم ہو سکے وہ درج ذیل ہیں۔

۱۔ انتخاب مکتوبات مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ
۲۔ اربعین مکتوبات
۳۔ مونس المخلصین (فارسی) اپنے والد گرامی پیر محمد حسن جان سرہندی کی سوانح حیات۔
۴۔ رسالہ حفظ حدیث (فارسی) منکرین حدیث کے رد میں۔
۵۔ برگ سبز (فارسی) نیم کے فوائد میں طبی کتاب۔
۶۔ ہدایت الحج (حج کے مسائل پر بہترین کتاب)۔
۷۔ راحت القلوب (سندھی) روحانی و جسمانی علاج کے سلسلے میں بہترین کتاب۔
۸۔ راحت المخلصین (سندھی)۔
۹۔ الارشاد شرح قصیدہ بانت سعاد۔

؎۱ روایت پیرزادہ احمد جان سرہندی مدظلہ۔
؎۲ ایضاً

۱۰ - گلدستہ ابیات (عربی، فارسی، اردو، سندھی، پشتو -

۱۱ - احسن الوسائل فی تحقیق الوسائل -

۱۲ - مخزن العلوم (علمِ ادب، علم قرأت، علم فقہ اور علم طب پر مستند کتاب)

۱۳ - شرح کافیہ (عربی، غیر مطبوعہ -

۱۴ - تعریف الامراض (غیر مطبوعہ)

۱۵ - تفریق الامراض (غیر مطبوعہ)

۱۶ - سوانح امام ابو حنیفہ (غیر مطبوعہ)

آپ کی وفات حسرت آیات ۳ ربیع الاول ۱۳۹۳ھ مطابق ۱۲ مارچ ۱۹۷۳ء بروز سوموار بوقت تہجد ہوئی۔ اور ٹنڈو سائیں داد میں آخری آرام گاہ بنی۔ [۱] جناب پیر نثار احمد جان سرہندی کا بیان ہے کہ :-

"میرے والد ماجد (پیر محمد اسحاق جان رحمۃ اللہ علیہ) آپ کی رحلت کے وقت موجود تھے۔ وہ فرماتے تھے کہ بوقت وفات آپ نے اچانک فرمایا کہ۔

" مجھے اٹھا کر بٹھا دو، شہنشاہ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے ہیں "

اس واقعہ سے بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کی باریابی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صدر شعبہ اردو سندھ یونیورسٹی نے مندرجہ ذیل قطعۂ تاریخ وفات کہا ؎

حضرت علامہ عبداللہ جان — شاہ آغا علم دین را شاہ رفت
از مجدد الف ثانی آں خلف — فخر آلِ احمد، ذی جاہ رفت
ورع زہد و فقر را بود آفتاب — از سمائے علم و فضل آں ماہ رفت
ہشت دنیا را چہ از بہر بہشت — یوسف آزادی گرفت از چاہ رفت
در فضل فقر عبداللہ جان — ہادی دیں شاہ آغا آہ رفت
۱۳۹۳ھ

[۱] تذکرہ مشائخ نقشبندیہ از مولانا نور بخش توکلی تکملہ از محمد صادق قصوری (مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء) ص ۵۹۱

سردار عبدالرّب نشتر

سردار عبدالرب نشتر ۱۳ جون ۱۸۹۹ء کو پشاور کے ایک متوسط گھرانے میں پیدا ہوئے والد گرامی کا نام عبدالحنان خان تھا۔ پنجاب یونیورسٹی سے بی اے کرنے کے بعد علیگڑھ یونیورسٹی سے قانون کی ڈگری حاصل کی۔ علیگڑھ میں قیام کے دوران انہیں رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر جیسی عظیم شخصیت سے قربت کا موقع ملا۔ قدرت نے انہیں قومی درد، خطابت اور متوازن اندازِ فکر عطا کیا تھا۔ مولانا جوہر کی صحبت نے ان خوبیوں کو جلا بخشی اور وہ آسمانِ شہرت پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے۔[1]

علیگڑھ سے واپسی پر پشاور میں وکالت شروع کر دی اور ایک کانگرس ورکر کی حیثیت سے اپنی سیاسی زندگی کا آغاز کیا لیکن آٹھ نو برس کا عرصہ گزرنے پر جب انہوں نے دیکھا کہ ہندو اپنی اکثریت کے بل پر خطرناک عزائم رکھتا ہے تو وہ کانگرس سے دل برداشتہ ہو گئے۔ اور ۱۹۳۸ء میں جو آل انڈیا مسلم لیگ کی نشاۃ ثانیہ کا دوسرا سال تھا۔ وہ پٹنہ میں آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس میں شامل ہوئے اور اس طرح شامل ہوئے کہ پھر آخری دم تک پوری دیانت اور خلوص کے ساتھ اس جماعت سے وابستہ رہے۔[2]

مسلم لیگ سے وابستگی سے قبل سردار صاحب نے تحریک خلافت میں بھی نمایاں حصہ لیا تھا۔ اس دوران میں کہی ہوئی ایک غزل کے اشعار میں نمایاں طور سے آپ کی والہانہ وابستگی

---

[1] روزنامہ نوائے وقت لاہور ۱۴ فروری ۱۹۰۲ء - ایضاً ۱۲ فروری ۱۹۶۰ء

[2] ایضاً

کا اندازہ ہوتا ہے [۵]

دستِ اعداء کے تطلّم سے جہاں میں باقی — کیا گریبانِ خلافت کا کوئی تار بھی ہے

تیرے وعدہ پر یقین کس طرح آئے ہم کو — لبِ اقرار میں پنہاں ترا انکار بھی ہے

کہتی ہے دشمنِ ایمان سے یہ تیغ ترکی — تری سرکار سے بڑھ کر کوئی سرکار بھی ہے

رنگ لائے گا فریاد کا طوفان نشتر — چشمِ خوں بار بھی ہے اور دلِ نشتر بار بھی ہے

چنانچہ ۱۹۳۰ء میں تحریک خلافت کی سرگرمیوں کی پاداش میں آپ کو جیل جانا پڑا۔ بغاوت کا مقدمہ بھی قائم ہوا مگر نشتر استقلال و استقامت کے ساتھ اپنی راہ پر قائم رہے۔ ۱۹۳۱ء کے پر آشوب حالات کے بعد مسلم اتحاد کا شیرازہ بکھرنے لگا۔ ہر سو ناامیدی اور اضطراب کے مہیب سائے مسلط تھے عوام انتہائی پریشانی کے عالم میں تھے اور انہیں یہ سمجھ نہیں آرہی تھی کہ ان کی منزل کیا ہے؟ انہوں نے کدھر جانا ہے؟ اس اضطراب میں تین چار سال گزر گئے۔ ۱۹۳۵ء میں آئین کا مرحلہ پیش آیا تو اس کے ساتھ ہی ہندوستان میں اصلاحات کی نئی سکیم کے نفاذ کے تحت مرکز اور صوبوں کی اسمبلیوں کے انتخابات کا شور اٹھا۔ یکدم مسلمانوں میں بیداری کی لہر پیدا ہوئی اور ۱۹۳۷ء کے انتخابات میں انہوں نے متفقہ طور پر حصہ لینے کا فیصلہ کر لیا۔ ہندو اکثریتی علاقوں میں کانگرس بھاری اکثریت سے کامیاب ہوئی۔ کانگرس کے اقتدار سنبھالنے کے بعد مسلمانوں کا مستقبل تاریک نظر آنے لگا اور ان کے ملی وجود کو خطرہ لاحق ہوا کیونکہ کانگرس اعلانیہ اور خفیہ ہر دو طریقوں سے مسلمانوں کا قومی تشخص، مذہب، زبان اور تہذیب و تمدن مٹانے کا تہیہ کر چکی تھی۔ اس دورِ ابتلا میں مسلم قوم کے پاس علامہ اقبال کی شعلہ نوائی کے سوا کچھ نہ تھا۔ علامہ اقبال قوم کی ذہنی اور نظری آرزوؤں کا پیکر اور مظہر سمجھے جاتے تھے، یہ تھے وہ حالات جن میں قائدِ اعظم نے مسلم لیگ کی قیادت سنبھال کر اسے مسلمانوں کی قومی اور ملی جماعت بنانے کا بیڑا اٹھایا اور مسلمانوں کے ملی تشخص کی بقا کے لیے

---

[۵] قائدِ اعظم کے دستِ راست از محمد حنیف شاہد مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء ص ۳، ۲۵، ۳۱ –

قوم کو مسلم لیگ کے جھنڈے تلے جمع کرنے کا مصمم ارادہ کیا۔ سردار عبدالرب نشتر نے گہرے غور و فکر کے بعد قائدِ اعظم کا ساتھ دینے کا اعلان کیا چنانچہ ۱۹۳۸ء میں پٹنہ میں مسلم لیگ کے اجلاس میں قائدِ اعظم کے ساتھ سٹیج پر نمودار ہوئے اور پھر انہی کے ہو کر رہ گئے۔ ایسے لوگ بہت کم ہیں جو سردار نشتر کی طرح اس ابتدائی سٹیج ہی سے اس جدوجہد میں شامل ہوئے ہوں۔ ۵

مارچ ۱۹۴۰ء میں کل ہند مسلم لیگ کا تاریخی اجلاس لاہور میں منعقد ہوا، تو سردار صاحب اس اجلاس کے اہتمام اور انتظام میں پیش پیش تھے۔ اس اجلاس میں قرارداد پاکستان منظور ہوئی اور یہیں پر آپ کو قائدِ اعظم کا ایسا قرب نصیب ہوا جو مرنے کے بعد بھی ان کو قائدِ اعظم سے جدا نہ کر سکا۔ قائدِ اعظم کو سردار صاحب کی ذات پر مکمل اعتماد تھا۔ اور ان کی جوہر شناس نظریں نشتر کو اپنے رفیق خاص کی حیثیت سے منتخب کر چکی تھیں۔ اس لیے تحریک پاکستان کے سلسلے میں جتنے بھی اہم سیاسی معرکے پیش آئے ان سب میں قائدِ اعظم نے نشتر کو اپنے قریب رکھا اور نشتر مرحوم بھی ایک مخلص ساتھی کی حیثیت سے رفیق خاص بن کر ان تمام معرکوں میں ان کے شانہ بشانہ حصولِ پاکستان کی جنگ لڑتے رہے۔ مئی ۱۹۴۶ء میں کیبنٹ مشن کی دوسری شملہ کانفرنس کا انعقاد ہوا تو قائدِ اعظم کی سربراہی میں مسلم لیگ کی نمائندگی کرنے والے وفد میں عبدالرب نشتر بھی شامل تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کے مطالبات کی اس بیباک انداز میں ترجمانی کی کہ کانگرسی وفد اور برطانوی وزارتی حکومت کے نمائندے ششدر رہ گئے اور جب عبوری حکومت کا قیام عمل میں آیا تو سردار نشتر اس حکومت میں وزیر مواصلات مقرر کئے گئے اور اس دور میں سردار نشتر نے کانگرس کو چنے چبوائے۔ اس نے پاکستان کے خلاف تمام کانگرسی عزائم کو خاک میں ملا کر رکھ دیا اور پٹیل جو کانگرس کا مردِ آہن کہلاتا تھا چیخ اُٹھا تھا کہ ملک کی تقسیم جلد منظور کر لو اور پاکستان مسلمانوں کے حوالے کر دو۔ کانگرس کے سارے رہنما سردار نشتر کے ہاتھوں نالاں و پریشان رہتے تھے اور تقسیم

---

۵ روزنامہ نوائے وقت لاہور ۱۴ فروری ۱۹۷۶ء بتیغ سپاہی ص ۴۲۳۔ دو سے صوبتیں الہٰی از ڈاکٹر مسعود اسلام خورشید مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء ص ۳۰۳۔

کے وقت بھی جتنی انتظامی کمیٹیاں بنیں یا کمیشن اور وفد بنائے گئے ان سب میں قائدِ اعظم نے سردار نشتر کو ضرور شامل رکھا۔ [1]

قرارداد پاکستان کی منظوری کے بعد نشتر مسلم لیگ کا پیغام لے کر برصغیر کے کونے کونے تک پہنچے اور مسلم لیگ کو اس حد تک فعال اور مستحکم بنایا کہ ہندوؤں اور انگریزوں کو تسلیم کرنا پڑا کہ مسلم لیگ واقعی مسلمانوں کی نمائندہ جماعت ہے۔ شملہ کانفرنس میں جب یہ طے ہوا کہ ملک میں عام انتخابات کرائے جائیں تو نشتر نے دوسرے مسلم لیگی زعماء کے ساتھ پورے برصغیر کا دورہ کیا اور مسلمانوں کو سمجھایا کہ یہ انتخابات ملت کے لیے موت اور زندگی کی حیثیت رکھتے ہیں چنانچہ ان انتخابات نے ثابت کر دیا کہ مسلم لیگ مسلمانوں کی واحد سیاسی جماعت ہے اور پاکستان حاصل کرنا ان کا واحد سیاسی نصب العین ہے۔ [2]

سردار عبدالرب نشتر مرحوم کا طرزِ استدلال انتہائی دلنشیں ہوتا تھا۔ اگر کسی بات کی تردید کرنا مقصود ہوتی تو اس کی براہ راست تردید کرنے کی بجائے ایسے دلائل پیش کرتے کہ تردید بھی ہو جاتی اور مخالف کو محسوس بھی نہ ہوتا کہ اس کی مخالفت یا تردید کی جا رہی ہے سنہ ۱۹۴۶ء میں "فسادات بہار" کے موقع پر کونسل آف اسٹیٹس کا اجلاس منعقد ہوا۔ سردار عبدالرب نشتر اس وقت قائدِ ایوان تھے۔ سید حسین امام نے مسلم لیگ اسمبلی پارٹی کے قائد کی حیثیت سے فسادات بہار کے بارے میں قرارداد پیش کی تو ڈاکٹر راجندر پرشاد نے اس قرارداد کی مخالفت کی اور اس میں تحریر شدہ واقعات اور الزامات کی تردید میں ایک لمبی چوڑی تقریر کر ڈالی اس کے بعد سردار عبدالرب نشتر نے اپنی جوابی تقریر میں بہار کی صورت حال پر مکمل روشنی ڈالی اور انہوں نے اپنے چشم دید واقعات بھی بیان کیے لیکن راجندر پرشاد کی تقریر

---

[1] روزنامہ مشرق لاہور ۱۴ فروری ۱۹۶۶ء تاریخ ہند و پاکستان از مولانا قاری احمد کراچی سنہ ۱۹۶۲ء ص ۴۰۲

[2] روزنامہ نوائے وقت لاہور ۱۴ فروری سنہ ۱۹۶۶ء۔

کی تردید یا مخالفت میں ایک لفظ بھی نہ کہا۔ سردار نشتر کا انداز تقریر اور طرز استدلال کچھ ایسا تھا کہ راجندر پرشاد کی تقریر کے ایک ایک لفظ کی تردید ہوتی چلی گئی۔ ؎۱

تقسیم اقتدار کے مسئلے پر جب قائد اعظم کو فتح مبین حاصل ہوئی تو کانگرس نے مطالبہ کیا کہ صوبہ سرحد میں ریفرنڈم کے ذریعے معلوم کیا جائے کہ آیا وہ صوبہ پاکستان میں شامل ہونا چاہتا ہے ؟ سردار نشتر کے لیے میدان عمل مہیا ہو گیا تاریخ شاہد ہے کہ اس ریفرنڈم میں پیر صاحب مانکی شریف اور سردار عبدالرب نشتر نے مثالی کارنامے انجام دیئے۔ اس ریفرنڈم میں پاکستان دشمن جماعتوں کو ایسی شکست ہوئی جس کی کسک وہ اور ان کی اولادیں آج بھی دلوں میں محسوس کرتی ہیں۔ ؎۲

پاکستان معرض وجود میں آیا تو قائد اعظم نے پہلی مرکزی وزارت میں آپ کو بدستور وزیر مواصلات کا عہدہ سپرد کیا۔ اس دوران آپ نے اپنے سرکاری فرائض کی بجاآوری کے ساتھ ساتھ مہاجرین کی آبادکاری کے لیے مقدور بھر کام کیا ؎۳ قائد اعظم کی رحلت کے بعد انہی کی تجویز پر خواجہ ناظم الدین مرحوم کو پاکستان کا گورنر جنرل بنایا گیا۔ قائد ملت خان لیاقت علی خان شہید کی وفات کے بعد خواجہ ناظم الدین نے وزارت بنائی تو نشتر بھی اس میں شامل ہوئے۔ ؎۴

۱۹۵۰ء میں جب پنجاب کے آخری انگریز گورنر سر فرانسس موڈی کی بدعنوانیوں کو پنجاب کے دو وزراء (میاں عبدالباری مرحوم وغیرہ) نے طشت از بام کیا اور وہ استعفیٰ دینے پر مجبور ہوا تو پنجاب کی گورنری کا قرعہ بھی سردار مرحوم پر ہی پڑا۔ ؎۵ اب انہوں نے پنجاب اور

؎۱ روزنامہ مشرق لاہور ۱۴ فروری ۱۹۰۶ء۔
؎۲ روزنامہ نوائے وقت لاہور ۱۴ فروری ۱۹۰۶ء
؎۳ پاکستان از سری پرکاش مطبوعہ دہلی ۱۹۶۴ء ص ۳۴
؎۴ روزنامہ نوائے وقت لاہور۔ ۱۴ فروری ۱۹۰۶ء۔ بے تیغ سپاہی ص ۴۹۰۔
؎۵ مسلم لیگ کا دور حکومت از صفدر محمود مطبوعہ لاہور ۱۹۰۳ء ص ۱۰۵۔

اور پنجاب نے انہیں بہت قریب سے دیکھا۔ اُن سے ملنے والوں، ان سے واسطہ پڑنے والے سرکاری اور غیر سرکاری لوگوں اور اُن کے جاننے والوں کی متفقہ رائے یہ تھی اور آج بھی ہے کہ سردار موصوف اپنی سادگی، شرافت، دیانت، راست بازی اور خوش اخلاقی کی وجہ سے قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کا نمونہ تھے۔ گورنر ہاؤس کے دروازے عوام کے لیے کھلے رہتے تھے پنجاب میں سب سے پہلے آپ نے بندش شراب کا حکم دیا اور پنجاب کا بجٹ اردو میں پیش کیا۔ اپنے فرزند کو ایک عوامی سکول میں داخل کرا کے ایک مثال قائم کی جو ایک دردمند عوامی رہنما کی شایانِ شان ہے۔ سکول جانے کیلئے بجائے سرکاری گاڑی کے ان کے صاحبزادے سائیکل پر جایا کرتے تھے۔ آپ کی گورنری ہی کے زمانے میں مادرِ ملت محترمہ فاطمہ جناح مرحومہ لاہور تشریف لائیں تو نشتر تمام سرکاری آداب سے بے نیاز لاہور ریلوے اسٹیشن پر خود ان کے استقبال کے لیے موجود تھے۔ اصرار تھا کہ مادرِ ملت گورنر ہاؤس ٹھہریں لیکن مادرِ ملت کے چہرے سے انکار کے تاثرات دیکھ کر بولے۔

"میں صرف گورنر ہی نہیں سردار نشتر بھی تو ہوں"

سردار صاحب کے اس خلوص کے نتیجہ میں مادرِ ملت کو گورنر ہاؤس میں قیام کرنا پڑا۔ وہ پنجاب کے پہلے مسلمان گورنر تھے جن کے دور میں گورنر ہاؤس پہلی مرتبہ صدائے اذان سے آشنا ہوا اور وہاں باقاعدہ پانچ وقت کی نماز ادا کی جانے لگی۔[۱]

۱۹۵۶ء کا آئین جب منظور ہو گیا تو آپ نے صدق دل سے اس کو قبول کر لیا لیکن بعض افراد نے جو اس آئین کے بنانے میں پیش پیش تھے اپنے اقتدار کو خطرہ میں محسوس کرتے ہوئے غیر آئینی حرکتیں کرنا شروع کر دیں سردار نشتر پہلے شخص تھے جنہوں نے اس کے خلاف آواز بلند کی سردار نشتر کی مخالفت کو دیکھتے ہوئے مغربی پاکستان کے وزیر اعلیٰ ڈاکٹر خان صاحب نے

---

[۱] روزنامہ نوائے وقت لاہور ۱۴ فروری ۱۹۶۲ء۔ روزنامہ مشرق لاہور ۱۴ فروری ۱۹۶۲ء۔

سرحدی گاندھی خان عبدالغفار خان کے اشارے پر پڑھی گئی تھی۔ وہ مسلم لیگ کو چند دنوں میں تباہ کردیں گے۔" سردار عبدالرب نشتر نے اس دھمکی کو اپنے جوتے کی نوک پر مارتے ہوئے کہا کہ ملک کے آئین کی منظوری کے آٹھ دن بعد گورنمنٹ ہاؤس میں یہ کہا گیا ہے کہ ہم مسلم لیگ کو تباہ کردیں گے۔ میں کہتا ہوں کہ پنڈت نہرو نے مسلم لیگ کو ختم کرنے کی قسم کھائی تھی لیکن ۱۹۴۷ء میں انہیں مسلم لیگ کے ساتھ سمجھوتہ کرنا اور اس کے نتیجہ میں قیام پاکستان کو قبول کرنا پڑا۔ مغربی پاکستان کے عوام کانگرسی وزیر اعلیٰ کو ناپسند کرتے ہیں عوام پر زبردستی مسلط رہنے کیلئے ارکان اسمبلی پر دباؤ ڈالا جارہا ہے بعض کو وزارتوں کا لالچ دیا جارہا ہے جو لوگ اس کے باوجود انکاری ہیں ان کے خلاف انتقامی کارروائیاں کی جارہی ہیں اور فوجداری مقدمات کھڑے کیے جارہے ہیں جن سے تنگ آکر ایک رکن اسمبلی نے خودکشی کرلی۔ یہ سب کچھ گاندھی کے چیلے ڈاکٹر خان صاحب نے کیا ہے جو اپنے آپ کو انصاف کا دیوتا بتاتے ہیں۔ اب معلوم ہوا کہ ان پر کوئی سیاسی رنگ نہیں تھا بلکہ اپنے بھائی کا رنگ تھا اور وہ خود غرضی میں دوسروں کا آلہ کار بنتے اور جو کچھ اُن کے آقا کرانا چاہتے تھے کرتے۔ بعد کے حالات نے ثابت کردیا کہ ڈاکٹر خان اور ان کے بھائی عبدالغفار خان کے متعلق سردار نشتر نے جن خیالات کا اظہار کیا تھا وہ بالکل صحیح تھے۔[1]

۱۹۵۴ء میں ملک غلام محمد گورنر جنرل نے جب خواجہ ناظم الدین مرحوم کی وزارت کو برطرف کرکے دستور ساز اسمبلی کو توڑ دیا تو آپ نے اعلانیہ مخالفت کی اور اس کارروائی کے خلاف سب سے پہلی صدائے احتجاج بلند کرنے والے سردار نشتر تھے غلام محمد نے سردار صاحب کو گفتگو کے لیے گورنر جنرل ہاؤس میں بلوایا اور انہیں وزارت اور عہدے کا لالچ دینے کی بھرپور کوشش کی مگر نشتر جس کا طوطیا تے چشم خاک مدینہ تھی، رام نہ ہوسکا۔ اس ملاقات کے بعد

---

[1] روزنامہ مشرق لاہور ۱۴ر فروری ۱۹۶۰ء۔

سردار نشتر نے احباب کو بتایا کہ :

" غلام محمد نے ہم سے وزارتیں چھین لیں آئین ساز اسمبلی بھی توڑ دی، ہمارے پاس قوم کی جو بھی امانت تھی، آمرانہ انداز میں سلب کر لی گئی۔ اب صرف میرا اپنا ذاتی وقار باقی تھا سو وہ بھی آج پامال ہو گیا ہیں ان کے الفاظ تو دوبارہ نہیں دہرا سکتا یہی سمجھو کہ غیر شریفانہ رویہ اور الفاظ سے نوازا گیا لیکن مجھے اس کا ذرہ بھر بھی صدمہ نہیں ہے وہ اس لیے کہ یہ میری ذاتی بے عزتی تھی، قوم کی امانت جو اس نے قوم سے چھینی ہے میں اسے ہرگز معاف نہیں کر سکتا۔ ساری زندگی میں اس کا مقابلہ کرتا رہوں گا " [1]

مولوی تمیز الدین خان مرحوم (سپیکر) نے جب اسمبلی توڑنے کے اس ناجائز حکم کے خلاف عدالت کا دروازہ کھٹکھٹایا اور سندھ ہائیکورٹ میں یہ مقدمہ جیتا تو حکومت نے اس فیصلے کے خلاف فیڈرل کورٹ میں اپیل دائر کی اس موقع پر سردار نشتر نے مولوی صاحب مرحوم کے مقدمہ کی پیروی بڑی جانفشانی اور محنت سے کر کے یہ بات ثابت کر دی کہ ان کی نظر میں ان کے تمام اصول تمام مادی عظیموں اور بلند عہدوں سے زیادہ اہمیت کے حامل ہیں۔ لوگوں نے دیکھا کہ قائد اعظم کا یہ جانثار ساتھی پاکستان کی سالمیت اور حاکمیت کے لیے عدالت عالیہ کے سامنے مفتوں پیش ہوتا رہا لیکن قضا و قدر کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ فیڈرل کورٹ نے حکومت کی اپیل منظور کرتے ہوئے فیصلہ مولوی تمیز الدین خاں کے خلاف دے دیا۔ [2]

ان حالات نے آپ کو سیاست سے بددل کر دیا اور آپ نے کنارہ کشی کر لی لیکن جب چوہدری محمد علی وزیر اعظم بنے تو انھوں نے اصرار کر کے سردار نشتر کو مسلم لیگ کی از سر نو

---

[1] روزنامہ مشرق لاہور ۱۴ فروری ۱۹۷۶ء قائد اعظم کے دست راست از محمد حنیف شاہد مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء ص ۲۳
• جنگ کراچی ۱۴ فروری ۱۹۷۱ء
[2] روزنامہ نوائے وقت، مشرق لاہور ۱۴ فروری ۱۹۷۶ء۔

تنظیم کے لیے مامور کیا۔ چنانچہ انہوں نے بحیثیت صدر مسلم لیگ پارٹی کی قیادت سنبھالی اور پورے ملک کے طوفانی دورے کیے اور عوام کو بار بار متنبہ کیا کہ

"ملک کی سیاست کو بیوروکریسی اور مفاد پرست سیاستدانوں کے پنجے سے نجات دلانا ضروری ہے اگر ایسا نہ ہوا تو ملک تباہ ہو جائے گا۔ آج ہمیں یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ اس ملک میں جمہوریت زندہ رہے گی یا آمریت کا پرچم لہرائے گا۔ اکثریت کی امنگوں کا احترام کیا جائے گا یا چند افراد کی سازشیں کامیاب ہوتی رہیں گی پاکستان کے مسائل کا حل یہ ہے کہ عوام کو صحیح نمائندے اسمبلیوں میں بھیجنے کا موقع دیا جائے چند افراد کے لیے حکومت کا حق محفوظ نہیں ہونا چاہیے۔" [1]

افسوس کہ اس وقت کے حکمرانوں نے طاقت کے نشے میں اس درویش کی پکار کو صدا بصحرا سمجھا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ صرف ڈیڑھ سال کی مختصر مدت میں ملک پر ایوب خان اور یحییٰ خان کی تقریباً تیرہ سالہ آمریت مسلط ہو گئی جس کے نتیجے میں ہمیں مشرقی پاکستان سے ہاتھ دھونے پڑے۔ مسلم لیگ کے صدر کی حیثیت سے انھوں نے تادم آخر قوم کو مفاد پرستوں اور ملک دشمن عناصر کی ریشہ دوانیوں سے باخبر رکھا۔ چونکہ آپ ملک کی انتظامیہ میں مختلف حیثیتوں سے شریک رہے تھے اس لیے وہ انتظامیہ میں موجود کالی بھیڑوں سے بخوبی واقف تھے جو سرکاری ملازم ہونے کے باوجود محض اپنے ذاتی فائدے کے لیے سیاست میں حصہ لیتے رہتے تھے۔ ایک موقع پر آپ نے تقریر کرتے ہوئے ایسے افراد کی نشاندہی کرتے ہوئے کہا کہ:

"انگریز اور بھارت کے ایجنٹ پاکستان کو ختم کرنے کی سازشیں کر رہے ہیں۔ یہ وہ عناصر ہیں جنہوں نے پراسرار طریقے سے ملک پر غلبہ حاصل کر لیا ہے۔ ان لوگوں نے اپنا سرمایہ لندن، بیروت اور سوئٹزرلینڈ کے بنکوں میں جمع کر رکھا ہے ملک

---

[1] روزنامہ نوائے وقت، مشرق لاہور ۱۴ ر فروری ۱۹۶۷ء

کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی سازش میں کامیاب ہونے کے بعد یہ عناصر اپنے اہل و عیال سمیت دوسرے ملکوں میں جا بسیں گے۔ اور حالت ایسی ابتر ہو جائے گی کہ تمام مسلمان دوبارہ ہندو کی غلامی میں مبتلا ہو جائیں گے۔ یہ صورت حال صرف اس لیے پیدا ہوئی ہے کہ ہم نے ہر ابھرتے ہوئے سورج کو سلام کرنا اپنا شیوہ بنا لیا ہے عوام اپنی طاقت کو پہچانیں اور حکمرانوں کو تبدیل کرنے کے جمہوری حق کو استعمال کرنے کی طاقت پیدا کریں۔" ؎۱

سردار صاحب ایک عمدہ سیاستدان اور اچھے مفکر ہی نہیں بلکہ ایک اچھے قومی شاعر بھی تھے۔ انہیں اردو زبان سے گہرا شغف تھا۔ آپ نے اردو، فارسی اور پشتو میں شعر کہے۔ آپ کے اشعار قومی امنگوں اور آرزوں کی ترجمانی کرتے ہیں۔ شاعری میں آپ نے اکبر الہ آبادی کی شاگردی اور حکیم الامت اقبال کا اتباع کیا۔ آپ بڑی صاف ستھری اردو لوتے تھے۔ اردو زبان و ادب کے وہ کس حد تک دلدادہ تھے اس کا اندازہ ان کی ایک تقریر کے اس اقتباس سے بہ آسانی ہو سکتا ہے۔

"میں پٹھان ہوں اردو نہیں جانتا بہرحال مجھے اردو سے محبت ہے اور یہ بھی جانتا ہوں کہ ان لوگوں سے جن کے دل میں اردو کی محبت نہیں ہے اردو کو ذریعہ تعلیم بنانے کی توقع نہیں رکھی جا سکتی۔ اردو کو ذریعہ تعلیم بنانے کے لیے ان لوگوں پر کام نہیں چھوڑا جا سکتا جو اس بات پر یقین نہیں رکھتے کہ اردو اس کی صلاحیت رکھتی ہے۔" ؎۲

سردار نشتر ایک پابند شریعت وضع دار مسلمان تھے۔ اُن کو اولیاء اللہ سے گہری عقیدت

؎۱ روزنامہ مشرق لاہور ۱۴ر فروری ۱۹۶۰ء۔
؎۲ " نوائے وقت " " " "

تھی اس کی ایک جھلک آپ کے اُس تعزیت نامے سے نمایاں ہوتی ہے جو آپ نے حضرت امیرِ ملّت پیر سیّد جماعت علیشاہ محدث علی پوری قدس سرہٗ کی وفات حسرت آیات ان کے صاحبزادے سراج الملّت پیر سیّد الحاج حافظ محمد حسین قدس سرہٗ کی خدمت میں ارسال کیا۔

ملاحظہ ہو۔

کیمپ گورنر پنجاب،
۳ ر ستمبر ۱۹۵۱ء
مکرمی!

السلام علیکم

اخبارات میں یہ پڑھ کر بہت صدمہ ہوا کہ حضرت پیر سیّد جماعت علی شاہ صاحب واصل بحق ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز فانی ہے اور ہر نفس کو موت کا ذائقہ چکھنا پڑتا ہے۔

جہاں تک پیر صاحب کا تعلق ہے، خداتعالیٰ نے ان کو اپنی عبادت اور لوگوں کو ہدایت کے لیے کافی عمر عطا فرمائی لیکن پھر بھی پیر صاحب جیسی نیک سیرت ہستی کا انتقال ہم سب کے لیے وجہِ ملال ہے کیونکہ ایسے نیک بندوں کا وجود ملک اور قوم کے لیے برکت اور ہدایت کا باعث ہوتا ہے۔

خداوند تعالیٰ ان کو غریقِ رحمت فرمائے اور آپ کو اور جملہ متعلقین کو صبرِ جمیل۔

احقر العباد نشتر
گورنر پنجاب

بنام مخدوم سیّد محمد حسین شاہ صاحب
علی پور سیداں۔ [1]

---

[1] سیرت امیرِ ملّت از سید اختر حسین مطبوعہ لاہور ۱۹۷۵ء ص ۵۱۵، ۵۱۶۔ ماہنامہ انوار الصوفیہ سیالکوٹ ستمبر ۱۹۵۱ء ص ۱۶۔

انہیں حضور ختمی رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے عشق کی حد تک لگاؤ تھا۔ دشمنانِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے سخت نفرت تھی، قادیانیوں کو شروع سے ہی مسلمانوں میں شمار نہیں کرتے تھے۔[۱] قرآن پاک کی بلاناغہ تلاوت ان کا معمول تھا۔ وہ اپنی درویشانہ طبعیت اور قلندرانہ مزاج کی وجہ سے ہر دلعزیز تھے بالآخر قائد اعظم کا یہ جاں نثار سپاہی پاکستان کا سچا محب قوم و ملت کا دردمند اور دین اسلام کا شیدائی ان حالات کی تاب نہ لا کر ۱۴ فروری ۱۹۵۸ء کو ہمیشہ کے لیے رخصت ہو کر قائد اعظم کے پہلو میں میٹھی نیند سو رہا ہے۔

ع خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

---

[۱] پاکستان از سری پرکاش مطبوعہ دہلی ۱۹۶۸ء ص ۱۲۴۔

خواجہ عبدالرحیم

خواجہ عبدالرحیم ۱۹۰۸ء میں امرتسر میں پیدا ہوئے۔ والدگرامی کا اسم مبارک خواجہ غلام محمد تھا۔ خواجہ صاحب نے گورنمنٹ کالج لاہور سے بی اے کرنے کے بعد کیمبرج یونیورسٹی سے اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور ۱۹۳۲ء میں انڈین سول سروس میں شامل ہو گئے۔ [1]

خواجہ صاحب نے کیمبرج میں دوران تعلیم ہی سیاسی امور میں حصہ لینا شروع کر دیا تھا۔ ۱۹۳۱/۳۲ء میں انگلستان میں چوہدری رحمت علی کے "تحریک پاکستان گروپ" کے سرگرم رکن بن گئے تھے۔ اور اس تحریک کی خاطر ملازمت تک کو خیرباد کہنے کا حلف اٹھایا۔ تحریک کے مقاصد و نظریے کے بارے میں پمفلٹوں کی تصنیف و تقسیم میں پیش پیش رہے۔ چوہدری رحمت علی کے تخلیق کردہ لفظ پاکستان کو رائج کرنے میں آپ نے بہت سرگرمی دکھائی۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ یہ لفظ اس وقت معرضِ وجود میں آیا جب شاعر مشرق علامہ اقبال راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کے سلسلہ میں انگلستان میں قیام فرما تھے جب علامہ مرحوم نے اس نام کو مسرت کے ساتھ پسند فرمایا تو گنتی کے چند محب اسلام نوجوانوں نے حکیم الامت کو لندن میں ان کی قیام گاہ میں خوشی سے اپنے کندھوں پر اٹھا کر پاکستان زندہ باد کے نعرے لگائے۔ اُن میں خواجہ عبدالرحیم بھی شامل تھے۔ [2]

انگلستان سے واپس آنے پر ۱۹۳۳ء میں جالندھر میں اسسٹنٹ کمشنر کی آسامی پر تعینات ہو اور سروس کے اسی ابتدائی دور میں ہر قسم کے خطرات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے "خالد سیف اللہ"

---

[1] روزنامہ نوائے وقت لاہور ۶ نومبر ۱۹۶۳ء

[2] روزنامہ نوائے وقت لاہور ۹ دسمبر ۵۳ء

کے قلمی نام سے برصغیر میں مسلمانوں کی الگ ریاست کے حق میں معرکۃ آلارا مضامین لکھتے رہے جن کو نہایت ہی پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ ؎۱

سروس کے دوسرے دور میں گجرات، لدھیانہ، فیروزپور اور لائلپور میں ڈپٹی کمشنر کے ذمہ دار عہدہ پر فائز رہے اور ملازمت کے ساتھ ساتھ تحریک پاکستان کی حمایت میں کام کرنے والی تنظیموں کی بھرپور حمایت کرتے رہے۔ لدھیانہ میں قیام کے دوران ایک بار پنجاب کے وزیر مال سر چھوٹو رام دورے پر آئے۔ سر سکندر حیات خان کی سربراہی میں اُس وقت کی صوبائی حکومت نے چھوٹے کاشت کاروں کو بنیئے کے چنگل سے بچانے کے لیے کچھ قانونی اقدام کیئے تھے جس کی زد زیادہ تر براہِ راست ہندو سرمایہ دار پر پڑتی تھی۔ ان قوانین کی تشہیر کی خاطر چوہدری چھوٹو رام ایک جلسہ سے خطاب کرنے والے تھے۔ بحیثیت ڈپٹی کمشنر آپ کو یہ اشارہ مل چکا تھا کہ کانگرسی عناصر اس جلسہ کو ناکام بنانے کی کوشش کریں گے چنانچہ جیسے ہی جلسہ کی کاروائی کا آغاز ہوا چند لوگوں نے انقلاب زندہ باد کا نعرہ لگایا۔ یہ سن کر آپ اپنی جگہ سے اُٹھے اور مائیک کی طرف لپکے اور حاضرین جلسہ سے مخاطب ہو کر کہا کہ " بہت ہی کمزور نعرہ تھا میرے ساتھ نعرہ لگا یئے۔ میں کہوں گا انقلاب اور آپ پورے زور سے کہیئے زندہ باد"۔ تین دفعہ زوردار نعرے لگوانے کے بعد کہا "لیکن میرے اور ان کے انقلاب میں فرق یہ ہے کہ میرا انقلاب چاہتا ہے کہ۔ ؎

اٹھو اور میری دنیا کے غریبوں کو جگا دو ۔۔۔ کاخِ امراء کے در و دیوار کو ہلا دو
جس کھیت سے دہقاں کو میسر ہو روزی ۔۔۔ اس کھیت کے ہر خوشہ گندم کو جلا دو

جونہی آپ شاعرِ مشرق کی یہ نظم نہایت پرجوش انداز میں سنا چکے۔ ہال میں سناٹا چھا گیا اور جلسہ ہر لحاظ سے کامیاب رہا۔ ؎۲

؎۱ روزنامہ نوائے وقت لاہور ۱۹ دسمبر ۱۹۷۴ء
؎۲ ایضاً " " "

لائلپور میں ۱۹۴۳ء تا ۱۹۴۵ء تک ڈپٹی کمشنر رہے۔ اسی دوران صوبائی مسلم لیگ پنجاب کا سالانہ اجلاس لائلپور میں ہوا۔ یہ اجلاس اس لحاظ سے اہم تھا کہ خود قائد اعظم اس میں شریک ہوئے اور صدارت کی۔ تحریک پاکستان اپنے عروج کی جانب بڑھ رہی تھی۔ برٹش حکومت کا یہ ڈپٹی کمشنر اس اجلاس کی کامیابی کا دلی خواہاں تھا۔ بلکہ غیر ضروری دلچسپی لے رہا تھا۔ مقامی منتظمین کی پس پردہ رہنمائی کے علاوہ ہر ضرورت کو پورا کرنے میں بھی آپ نے مدد کی۔ قائد اعظم جب لاہور سے بذریعہ ٹرین لائلپور پہنچے تو آپ نے اسٹیشن پر استقبال کیا۔ اس وقت کے مشہور انگریزی ہندو روزنامہ "ٹریبیون" نے پہلے صفحہ پر آپ کی موجودگی کی خبر دی۔ اس دور میں قائد اعظم کی ذاتی حفاظت کو بہت اہمیت دی جانے لگی تھی چنانچہ لائلپور میں قیام کے دوران قائد اور انکی ہمشیرہ محترمہ فاطمہ جناح مرحومہ کے لیے کھانا آپ کی کوٹھی سے جاتا رہا۔ [1]

تحریک پاکستان کے سلسلے میں آپ کی کن کن خدمات کا ذکر کیا جائے۔ ایک طرف آپ اخبارات میں مضمون لکھتے تھے، مسلم لیگ کا بجان و دل ساتھ دیتے تھے تو دوسری طرف گھر میں خصوصی رومال تیار کراتے تھے، جن کے ایک کونے میں برصغیر کے چھوٹے سے نقشے میں مجوزہ پاکستان کے علاقے سبز دھاگے کی کڑھائی سے دکھائے جاتے تھے۔ یہ رومال تمام ملک کے مختلف شہروں میں تحریک پاکستان کے اس وقت کے معدودے چند کارکنوں کو تحفہ کے طور پر دیتے۔ اسی طرح کتابچوں کو لفافوں میں بند کرنے اور ان کی ترسیل کا کام اپنے خاندان سے کرتے۔ [2] مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقعہ پر پاکستان کے معروف صحافی جناب میاں محمد شفیع (م ش) کا ایک اقتباس نقل کردوں، جو انہوں نے خواجہ صاحب کی رحلت پر لکھا تھا۔ جناب م ش رقمطراز ہیں:-

"خواجہ عبدالرحیم مرحوم و مغفور نہایت درجے کے سچے اور پکے مسلمان تھے جن دنوں

---

[1] روزنامہ نوائے وقت لاہور ۱۹ر دسمبر ۱۹۷۲ء

[2] ایضاً

برصغیر میں برطانوی امپیریلزم کے جھنڈے فضا میں لہرا رہے تھے اور انڈین سول سروس کو غیر ملکی سامراج کا سٹیل فریم متصور کیا جاتا تھا۔ انڈین سول سروس میں منسلک ہونے کے بعد انگلستان میں اپنی ٹریننگ کے دوران خواجہ عبدالرحیم نے کھلے بندوں میں پاکستان کی اصطلاح کے موجد چوہدری رحمت علی کا ساتھ دیا۔ خواجہ عبدالرحیم ان آدھ درجن کے قریب مسلمان نوجوانوں میں سے ایک تھے جنہوں نے تحریک پاکستان کو پروان چڑھانے کے لیے حلف اٹھایا تھا۔ اور یہ حقیقت ہے کہ یونی نسٹ پارٹی کے دورِ حکومت میں انہوں نے خطرات کی پرواہ نہ کرتے ہوئے قائداعظم کا ساتھ دیا تھا۔ مجھے وہ دن اچھی طرح سے یاد ہیں جب ۱۹۴۶ء کے پُر آشوب ایام میں بیڈن روڈ پر جہاں "نوائے وقت" کا دفتر تھا۔ روزانہ ہی شام کو ایک محفل جما کرتی تھی جس میں حمید نظامی مرحوم، راجہ حسن اختر مرحوم، خواجہ عبدالرحیم مرحوم، پروفیسر اختر، اور مولا بخش خضر تمیمی مرحوم شرکت فرمایا کرتے تھے۔ اور صوبے میں مسلم لیگ کے مسائل زیر بحث آیا کرتے تھے۔ اس دور میں جب کہ گورنمنٹ کی ساری مشینری مسلم لیگ کے خلاف حرکت کرتی تھی۔ راجہ حسن اختر اور خواجہ عبدالرحیم کی ہمدردیاں کھلے طور پر مسلم لیگ کے ساتھ تھیں۔" [1]

قیام پاکستان کے بعد آپ نے مہاجرین کی آبادکاری کے سلسلہ میں بڑی جانثاری سے کام کیا بقول جناب مرغوب صدیقی اس زمانہ میں جس نے بھی خواجہ صاحب کو ایک مجنونی کی حیثیت سے دن رات کام کرتے دیکھا تھا، وہ ان کی بے مثال حب الوطنی اور ان کے پاکستان کے نظریہ کے ساتھ مجنونانہ وابستگی کو کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔" [2]

برصغیر کی تقسیم کے وقت آپ باؤنڈری کمیشن میں بطور سیکریٹری اپنے فرائض سرانجام دیتے رہے اور ساتھ ہی ساتھ کشمیر کمیٹی کی سیکریٹری شپ کے فرائض بھی آپ کے ذمے تھے ۱۹۴۸ء میں

---

[1] روزنامہ نوائے وقت لاہور، نومبر ۱۹۶۴ء۔

[2] " " ، ۱۱ر نومبر ، تحریک پاکستان کا ایک باب : محمد سرور، مطبوعہ لاہور ۱۹۶۵ء ص ۲۰۰۔

راولپنڈی ڈویژن کے کمشنر مقرر ہوتے اس دوران میں آپ نے جہادِ کشمیر میں بے مثال کارنامے سرانجام دیئے۔ اس کے بعد پنجاب کے چیف سیکرٹری کے عظیم منصب پر فائز ہوتے جب پنجاب کے شریف النفس سیاستدان نواب افتخار حسین ممدوٹ کی حکومت پر مرکزی حکومت نے ظلم و تشدد کے پہاڑ توڑے تو جہاں ممدوٹ وزارت کو ختم کر دیا گیا۔ وہاں خواجہ صاحب کو بھی ممدوٹ حکومت کی حمایت کے الزام کے تحت ملازمت سے برطرف کر دیا گیا لیکن ان کے قدم بالکل نہیں ڈگمگائے۔ انہوں نے وکالت کے ذریعے روزی کمانا شروع کر دی اور نظریہ پاکستان کو مرتے دم تک سینے سے چمٹائے رہے[1]

عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیاء اللہ سے عقیدت و محبت آپ کو ورثے میں ملی تھی آپ کے والد ماجد کو آفتاب ہند حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے آستانے سے بے حد لگاؤ تھا۔ اور وہ آپ کو عرس کے موقعہ پر عموماً سرہند شریف اپنے ساتھ لے جایا کرتے تھے یہی عقیدت و محبت آپ کے راسخ العقیدہ مسلمان ہونے کا سبب بنی۔ اور کشاں کشاں حکیم الامت حضرت اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ تک لے گئی۔ اور آپ اقبال کے عشاق میں شامل ہو گئے ۱۹۳۸ء میں حکیم الامت کے وصال پر آپ کی اقبال کے گھرانے سے وابستگی کا اس امر سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جاوید منزل میں زندگی معمول کے مطابق شروع ہونے تک جاوید منزل کے مکینوں کے لیے صبح و شام کھانا آپ کے ہاں سے جاتا رہا حضرت علامہ کے وصال کے بعد آپ نے یوم اقبال کی تقریبات سے اپنے آپ کو اس طرح وابستہ کیا کہ قیام پاکستان کے بعد ربع صدی سے زائد عرصے تک ایک طرح سے تحریک اقبال کی علامت بن گئے تھے۔ آپ نے کبھی کسی دور میں اقبال کے کلام اور پیغام کے معاملے میں کسی طاقت سے مفاہمت کا تصور تک نہ کیا۔ اور حکومت کے کارندوں کی کھلی اور خفیہ مساعی کے باوجود یوم اقبال کی تحریک کو سرکاری مفاد کے لیے اکسپلائیٹ ہونے نہ دیا۔ آپ نے مجلس اقبال کی رکنیت کے لیے صرف ایسے لوگوں

---

[1] روزنامہ نوائے وقت لاہور ۱۱ نومبر ۱۹۸۳ء تحریک پاکستان کا ایک باب از محمد سرور مطبوعہ لاہور ۱۹۷۵ء ص ۲۰

کو شائستۂ التفات گردانا جن کی اقبال سے وفا شعاری ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر تھی یہی وجہ ہے کہ دوسری جماعتوں کے برعکس مجلسِ اقبال کبھی باہمی رقابتوں یا مطلب برآریوں کا اکھاڑہ نہ بن سکی۔ [1]

مزارِ اقبال کی تعمیر کے سلسلے میں آپ نے تاریخ ساز کردار ادا کیا۔ اپنے ذاتی مراسم کی بنا پر پنجاب کے گورنر کو نے سے اس مد میں رقوم فراہم کیں اور سرکاری درباری ذرائع سے حاصل ہونے والی ایک کوڑی بھی اس میں شامل نہ کی۔ اب لاہور میں ایک عظیم الشان اقبال ہال تعمیر کرنے کا ارادہ رکھتے تھے مگر موت کے بے رحم ہاتھوں نے دبوچ لیا۔ [2]

ع ہائے او موت تجھے موت ہی آئی ہوتی

۵ر نومبر ۱۹۷۴ء کو ملک کا یہ نامور قانون دان، مرکزیہ مجلس اقبال کا صدر، نظریہ پاکستان کا پرستار اور عظیم محب وطن اس عالم فنا سے عالم بقا کی طرف سدھار گیا۔ اِنا للہ و انا الیہ راجعون اور ۶ر نومبر ۱۹۷۴ء کو لاہور کی سرزمین میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ جہاں تحریک پاکستان کی بے شمار شخصیتیں آسودۂ خاک ہیں۔ جناب بشیر حسین ناظم ایم اے نے مندرجہ ذیل قطعۂ تاریخ وفات کہا۔ [3]

خواجہ رحیم آں عبدِ غفور — خادمِ شافعِ یومِ نشور
رفت ز دنیا سوئے جناں — از مئے عشقِ نبی مخمور
چوں پرسیدم از رضواں — سالِ رحیلِ آں مغفور
گفت بچشم بالتعجیل
جوہر معنی شد مستور

۱۳۹۴ھ

---

[1] روزنامہ نوائے وقت لاہور، ۷ر نومبر، ۱۹ر دسمبر ۱۹۷۴ء
[2] ایضاً ″ ″ ″
[3] ایضاً ″ ″ ″

مشہور صحافی جناب مرغوب صدیقی نے آپ کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے کہا۔
"خواجہ صاحب کے انتقال سے تحریکِ پاکستان اور پاکستان کے ایک نہایت مشکل اور ابتلاء کے دور کی ایک قابلِ فخر یادگار ہم سے چھن گئی ہے۔ خدا اُن کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ اور نئی نسل کو یہ توفیق دے کہ وہ اُن کا سا دردمند دل، ان کی سی ملک کے ساتھ پُرخلوص محبت، اُن کا سا حوصلہ، اُن کی سی نظریۂ پاکستان کے ساتھ والہانہ وابستگی کو اپنا سکے۔ آج یہ دیکھ کر دکھ ہوتا ہے کہ نئی نسل کا ایک حصہ نہ صرف بنیادی انسانی قدروں ہی کا پاس نہیں کرتا اور اپنے بھائیوں کے ساتھ محبت اور رواداری سے بیگانہ ہوتا جا رہا ہے جنہوں نے پاکستان کو جنم دیا۔ اور اس ضمن میں برصغیر کے مسلمانوں نے اپنے جان و مال کی جو عظیم قربانیاں پیش کی تھیں اُن کا احترام کرنے کی بجائے ان کا تمسخرانہ انداز میں ذکر کرتا ہے۔ اس نئی فضا میں خواجہ صاحب جیسے شخص کا اس دنیا سے اٹھ جانا ایک بہت بڑا المیہ ہے۔" [1]

روزنامہ "نوائے وقت" لاہور نے بھی اپنے اداریے میں زبردست خراجِ عقیدت پیش کیا۔
"تحریکِ پاکستان کے نامور کارکن اور ممتاز قانون دان خواجہ عبدالرحیم بار ایٹ لا گزشتہ روز اچانک انتقال کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم کی عمر ۶۶ برس تھی۔ وہ گورنمنٹ کالج لاہور اور کیمبرج یونیورسٹی کے فارغ التحصیل تھے۔ ۱۹۳۲ء میں وہ انڈین سول سروس میں شامل ہو گئے لیکن وہ اپنے زمانہ طالب علمی ہی سے برصغیر کے مسلمانوں کے مفادات کے لیے کام کرتے رہے۔ اسی جذبہ نے انہیں تحریکِ پاکستان سے وابستہ کر دیا تھا۔ اور وہ لندن میں چوہدری رحمت علی کے ساتھ ملکر پاکستان کے لیے کام کرتے رہے۔ انہوں نے تقسیم برصغیر کے وقت باؤنڈری کمیشن میں سیکرٹری

---

[1] روزنامہ نوائے وقت لاہور، ۱۷ر نومبر ۱۹۷۵ء۔

کے طور پر خدمات انجام دیں۔ قیام پاکستان کے بعد وہ پاکستان سول سروس میں مختلف عہدوں پر کام کرتے رہے اور چیف سیکرٹری حکومت پنجاب کے عہدہ سے ریٹائر ہوئے جس کے بعد انہوں نے وکالت کا پیشہ اختیار کر لیا۔ اور اپنی محنت اور لگن سے اس میدان میں بھی ممتاز مقام حاصل کر لیا۔ مرحوم ایک سچے مسلمان تھے۔ وہ مفکرِ اسلام علامہ اقبال کے بہت قریب رہے۔ اور ان کی وفات کے بعد اُن کے پیغام کو فروغ دینے کے لیے کام کرتے رہے۔ علامہ اقبال کی وفات کے بعد ان کے مزار کی تعمیر اور ان کے پیغام کی تشہیر کے لیے مرکزیہ مجلس اقبال کے نام سے جو تنظیم قائم ہوئی وہ شروع دن سے ہی اس کے اہم رکن رہے اور گزشتہ کئی برسوں سے اس تنظیم کے صدر کے عہدہ پر کام کر رہے تھے۔ انہوں نے علامہ اقبال پر اردو زبان میں ایک کتاب بھی تحریر کی۔ الغرض وہ اسلام اور اسلام کے شیدائیوں کے شیدائی رہے اور زندگی بھر اس نصب العین کے لیے کام کرتے رہے جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لیے مقرر کر رکھا ہے۔ مرحوم بے شمار خوبیوں کے مالک تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائیں اور انہیں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دیں۔ ادارہ مرحوم کے پسماندگان کے رنج و غم میں برابر کا شریک ہے اور اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے صبرِ جمیل کی دعا کرتا ہے۔" ؎۱

؎۱ روزنامہ نوائے وقت لاہور، ۲ نومبر ۱۹۶۴ء۔

مولانا عبدالشکور شیوہ

آپ کا اسم گرامی صدر عبدالشکور اور والد ماجد کا نام گل محمد خان ہے۔ آپ کی پیدائش ۱۵ ر نومبر ۱۹۰۶ء مطابق ۲۷ ر رمضان المبارک ۱۳۲۴ھ بروز جمعرات شیوہ ضلع مردان میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم گاؤں کی مسجد سے حاصل کرنے کے بعد موضع طوردبیں قاضی سلطان محمد و دیگر علماء کرام سے استفادہ کیا۔ حفظِ قرآن و فقہ کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد دارالعلوم سہارنپور میں داخلہ لیا اور ۱۹۲۶ء میں سندِ فراغت حاصل کی۔

۱۹۲۲ء میں جب کہ ابھی آپ زیرِ تعلیم تھے حاجی صاحب ترنگزئی رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ حق پرست پر سلسلہ عالیہ قادریہ میں بیعت ہوئے۔ ۱۹۳۰ء میں آپ نے سرخ پوش تحریک میں شمولیت اختیار کرلی مگر جب اس تحریک کے باطل نظریات اور گاندھی جی کی کاسہ لیسی کی داستانیں منظرِ عام پر آئیں تو آپ نے اس کو خیرباد کہہ کر مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کرلی اور جان و دل سے مسلم لیگ کی خدمت میں مصروف ہوگئے۔

مسلم لیگ میں آپ نے اس قدر جانفشانی سے کام کیا کہ مسلم لیگی لیڈر آپ کی خدمات کا اعتراف کئے بغیر نہ رہ سکے اور آپ کو پرائمری مسلم لیگ شیوہ کا صدر منتخب کرلیا گیا۔ صدر منتخب ہونے کے بعد آپ نے مسلم لیگ کا پیغام گھر گھر پہنچایا اور کانگریسی گماشتوں کے دامِ فریب کو تار تار کیا۔ اگرچہ آپ کو صدائے حق بلند کرنے کی وجہ سے گوناگوں مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑا مگر آپ نے ان کو پرکاہ کے برابر وقعت نہ دی۔ اور اپنے نصب العین سے مو برابر بھی متزلزل نہ ہوئے ۱۹۴۰ء میں قراردادِ پاکستان کا تاریخی اجلاس لاہور میں منعقد ہوا تو اپنے تمام رفقاء سمیت اس اجلاس میں شامل ہوئے اور ایک جانباز سپاہی کی طرح دورانِ اجلاس خدمات انجام دیتے رہے۔

قرارداد پاکستان کی منظوری کے بعد دیگر علماء اہل سنت کی طرح میدان عمل میں آ گئے اور اپنے علاقہ میں مسلم لیگ کے پیغام کو گلی گلی کوچہ کوچہ پہنچانے کے لئے مقدور بھر کوشش کی مرکزی رہنماؤں کے دورہ سرحد کے دوران ان کے ساتھ ہر ممکن تعاون کیا۔ اور اپنے مال و جان کے خطرات کو بالائے طاق رکھ کر ان کے جلسوں کو کامیاب کرایا۔ ان مرکزی رہنماؤں میں نواب بہادر یار جنگ، مولانا شوکت علی، مولانا عبدالحامد بدایونی، مولانا کرم علی ملیح آبادی، قائد اعظم اور نوابزادہ لیاقت علیخان شامل ہیں۔ ان رہنماؤں کے ساتھ آپ کی خط و کتابت بھی ہوتی رہی۔ ایک دفعہ قائد اعظم نے تحریک پاکستان کے لیے مالی امداد کی اپیل کی تو آپ نے اپنی خالص حلال کمائی میں سے چھ آنے بطور چندہ ارسال کئے۔ اور ساتھ ہی اپنی مالی حیثیت سے اپنے قائد کو آگاہ کیا۔ جواب میں قائد اعظم نے آپ کو شکریے کا خط لکھا۔

قیام پاکستان کے بعد آپ نے جہاد کشمیر میں بھی مردانہ وار حصہ لیا۔ اور راولپنڈی کے محاذ پر داد شجاعت دی۔ آج کل شبوہ میں ہی مذہب و ملت کی خدمت سر انجام دے رہے ہیں۔

مولانا محمد علم الدین فریدکوٹی

برصغیر پاک و ہند میں اسلام کی جو شمع روشن ہے وہ صوفیائے کرام اور علمائے ربانی کی ان تبلیغی محنتوں کا نتیجہ ہے جو انہوں نے اپنے آرام و آسائش سے منہ موڑ کر ملت اسلامیہ کی ظاہری و باطنی اصلاح کی خاطر جاری رکھیں اسلام کا پیغام گھر گھر پہنچایا اور اپنی خداداد روحانی طاقتوں سے گم گشتگانِ راہ کو صراط مستقیم پر گامزن کیا۔ انہیں نفوس قدسیہ کی جماعت میں حضرت مولانا محمد علم الدین فریدکوٹی رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل ہیں۔ آپ نے بھی اپنے اسلاف کی پیروی کرتے ہوئے دین اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے لیے گھر گھر جا کر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچایا۔

مولانا موصوف ۱۸۹۳ء میں مشرقی پنجاب (انڈیا) کے گاؤں قلعی ارائیاں ضلع فیروزپور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم وہاں ہی حاصل کی قرآن پاک مولانا خدا بخش سے پڑھا۔ ابتدا میں اپنے علاقے کے ممتاز عالم دین حضرت مولانا محمد سعید شبلی سے درس نظامی پڑھا۔ بعد ازاں تشنگی علم کشاں کشاں دہلی لے گئی۔ وہاں سے مراد آباد جا کر جامعہ نعیمیہ میں داخل ہو گئے اور صدر الافاضل حضرت مولانا سید محمد نعیم الدین رحمۃ اللہ علیہ کے حضور زانوئے تلمذ تہہ کیے اور باقی علوم کی تکمیل کی حضرت مولانا غلام قادر اشرفی لالہ موسیٰ اور مولانا محمد عبداللہ فریدکوٹی آپ کے ہم جماعت تھے۔ آپ نے اس زمانے کے مشہور مبلغ حضرت مولانا قطب الدین برہمچاری رحمۃ اللہ علیہ سے فن تقریر میں مہارت تامہ حاصل کی۔ اور ان کے ہمراہ شدھی تحریک کے خلاف بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور آریا مبلغوں سے مناظرے کیے اور ہزاروں سیدھے سادے مسلمانوں کو گمراہ ہونے سے بچایا۔ طریقت میں آپ نے حضرت صالح محمد نقشبندی مجددی ساکن ستراں والی ضلع سیالکوٹ سے بیعت کی۔ اس کے علاوہ آپ نے آستانہ عالیہ شرقپور شریف اور حضرت سید محمد اسمٰعیل

المعروف بہ حضرت کرمانوالہ سے بھی فیض حاصل کیا۔

آپ باوقار شخصیت کے مالک، تقویٰ و طہارت کے پیکر اور عالم باعمل تھے۔ آپ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ اسلام اور مسلک اہلسنت کے لیے وقف تھا۔ آپ اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور سادگی میں سلف کی یادگار تھے۔ کردار و اخلاق میں بلند مقام رکھتے تھے۔ قیام پاکستان سے پہلے ہندوستان کی سکھ ریاست فرید کوٹ میں سکونت پذیر تھے۔ اس وقت آپ کا عالم شباب تھا اور دین کی خدمت کا جذبہ افزوں تر تھا۔ ۱۹۳۴ء میں سکھ راجہ ہراندر سنگھ نے گائے کی قربانی پر پابندی عائد کردی بعض کانگرس نواز دیوبندی علماء نے فتویٰ دے دیا کہ سکھ ریاست میں گائے کی قربانی ضروری نہیں اس وقت آپ کی رگِ حمایت پھڑکی اور آپ میدان عمل میں کود پڑے اور وقت کے مطلق العنان راجہ سے ٹکر لی اور علانیہ راجہ کے خلاف تحریک چلائی اور راجہ کو اپنا حکم واپس لینے پر مجبور کردیا۔ ۱۹۳۵ء میں متعصب راجہ نے اپنی ایک کتیا کا نام زلیخا رکھ دیا تو آپ نے فوراً احتجاج کیا۔ اور راجہ کے خلاف بڑی جرأت و بیباکی سے تقریریں کرکے مسلمانوں میں ایمانی حرارت پیدا کی چنانچہ حالات کی نزاکت کے پیش نظر راجہ نے اپنے اس فعل بد پر مسلمانوں سے معافی مانگی۔

۱۹۳۶ء میں راجہ نے فرید کوٹ کی ایک مسجد میں دفتر میونسپل کمیٹی قائم کرنے اور مسجد کو شہید کرکے دکانیں بنانے کا منصوبہ بنایا۔ آپ مسجد کے تحفظ کی خاطر پھر میدان میں کود پڑے اور شہر کے مسلمانوں کو جمع کرکے بھرپور احتجاج کیا۔ راجہ کو اپنا منصوبہ ناکام ہوتا نظر آیا تو گرد و نواح کے مسلمانوں کا ایک اجلاس بلایا جس میں دربار سے منسلک کانگرسی مولویوں کو بھی مدعو کیا گیا۔ راجہ ہراندر سنگھ نے اپنے منصوبے کے جواز میں دلائل دیئے اور مسجد کے لیے متبادل جگہ دینے کا اعلان کیا۔ درباری مولویوں نے راجہ کی تائید کی۔ اس اجلاس میں آمر مطلق راجہ ہراندر سنگھ اور اس کے امراء، وزراء موجود تھے، سناٹا چھایا ہوا تھا کسی کی جرأت نہیں تھی کہ راجہ کے سامنے حق کی بات کہہ سکتے۔ آپ نے اپنی مومنانہ فراست کے ساتھ نتائج کی پرواہ کیے بغیر کھڑے ہو گئے اور راجہ کو کہا کہ آپ کا فیصلہ غلط ہے جس جگہ ایک دفعہ مسجد

تعمیر ہو جائے وہ جگہ قیامت تک کسی اور مصرف میں نہیں لائی جا سکتی۔ اس لیے مسلمان آپ کے سامنے کو ہرگز ہرگز قبول نہیں کریں گے اور نہ ہی مسجد کو شہید ہونے دینگے۔ اس حق گوئی و بیباکی کی پاداش میں آپ کو ریاست بدر کر دیا گیا۔ آپ جالندھر تشریف لے آئے اور وہاں مدرسۃ البنات کو اپنی خدمات پیش کر دیں۔ آپ نے دس سال جلا وطنی میں گزارے۔ اس دوران آپ کے تین سالہ اکلوتے بیٹے محمد رضا کا انتقال ہو گیا۔ اس صدمے کو بڑے ضبط و تحمل سے برداشت کیا اور اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی رہے۔

جلا وطنی کا عرصہ گزارنے کے بعد آپ نے فرید کوٹ میں مسلمانوں کے تعاون سے انجمن اصلاح المسلمین قائم کی اور اس کے جنرل سیکرٹری منتخب ہوئے۔ اس انجمن کے تحت ایک دینی درس گاہ اور پرائمری سکول کا اجرا کیا گیا۔ مسلم لیگ نے تحریک آزادی میں نئی روح پیدا کی تو دل و جان سے ساتھ دیا ۱۹۴۵ء میں کانگرس نے فرید کوٹ میں ایک جلسہ منعقد کیا اور مسٹر ڈیہرو کو مدعو کیا۔ آپ نے اس جلسہ کو ناکام بنا دیا اور اس مقابلے میں مسلم لیگی رہنماؤں کو فرید کوٹ بلا کر پاکستان کی حمایت میں زبردست تقریریں کیں۔ ۱۹۴۷ء میں تقسیم کے وقت جب مسلمان ہجرت کر کے پاکستان میں آنا شروع ہوئے تو آپ کو پاکستان جانے کا مشورہ دیا گیا۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ جب تک ریاست کے سب مسلمان پاکستان نہیں چلے جاتے میں نہیں جاؤں گا۔ پھر ۲۸ اگست ۱۹۴۷ء کو تحریک پاکستان کی زبردست حمایت کے الزام میں آپ کو گرفتار کر لیا گیا۔ چھ ماہ جیل میں رہے۔ عرصہ قید و بند میں جو مصائب آپ نے برداشت کیے قلم ان کو تحریر کرنے سے قاصر ہے۔ البتہ ایک واقعہ کا ذکر کرنا بے جا نہ ہوگا کہ جیل میں چکی پیسنے اور بان بانٹنے کی مشقت لی جاتی تھی۔ جس کی وجہ سے ہاتھوں میں چھالے پڑ جاتے تھے اور پورے چھ ماہ حجامت بنانے کی اجازت نہیں دی گئی۔ اور آپ کی حالت عجیب و غریب ہو گئی تھی۔

آپ فرماتے ہیں کہ :-

"ایک روز صبح کی نماز کے بعد میں نے اللہ تعالیٰ کے حضور گڑگڑا کر دعا کی۔ یا اللہ میں ایک کمزور اور گناہ گار انسان ہوں مجھ پر رحم فرما اور میری غلطیوں کو معاف فرما۔"

آپ کی یہ التجا فوراً قبول ہوئی۔ اسی روز ریاست کا حکمران راجہ جیل کا معائنہ کرنے آیا آپ کا کیس دیکھ کر آپ کی رہائی کا حکم صادر کر کے آپ کو پاکستان بھیج دیا گیا۔ ۲۲ رفروری ۱۹۴۸ء کو آپ پاکستان پہنچ گئے۔ اور اوکاڑہ آکر سکونت پذیر ہو گئے اور بقیہ عمر دینی، ملی اور سیاسی خدمات سرانجام دیتے رہے ۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ قیادت کے جرم میں گرفتار کر لیے گئے۔ پانچ ماہ قید رہنے کے بعد با عزت بری ہو کر واپس تشریف لے آئے آپ شہر میں مکتبۂ فکر کے لوگوں میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے ۱۹۷۱ء کی جنگ کے دوران شہر میں ہر مکتبۂ فکر کے لوگوں پر مشتمل ایک تنظیم جہاد کمیٹی کے نام سے تشکیل کی گئی۔ آپ جہاد کمیٹی کے صدر چنے گئے کمیٹی نے سٹیشن پر پاکستان کے جیالے فوجیوں کے لیے کھانے کا انتظام کیا۔ روزانہ تقریباً پانچ سو افراد کو کھانا کھلایا جاتا نیز دیگر ضروریات زندگی بطور امداد دی جاتیں۔ سیلاب کمیٹی کے بھی آپ صدر چنے گئے۔ آخر وقت تک آپ جمعیت علمائے پاکستان اوکاڑہ کے صدر رہے ۱۹۶۲ء میں آپ کو حج بیت اللہ اور زیارتِ روضۂ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف حاصل ہوا۔ آخر عمر میں آپ سرطان کے مہلک مرض میں مبتلا ہو گئے اور دو ماہ کی علالت کے بعد ۹ ذوالحجہ ۱۳۹۳ھ مطابق ۴ جنوری ۱۹۷۴ء بوقت شام اس عالم فانی سے عالم جاودانی کو سدھار گئے۔ رحمۃ اللہ علیہ [1]

---

[1] روزنامہ نوائے وقت لاہور ۸ دسمبر ۱۹۷۶ء۔

میاں عبدالباری

تحریک آزادی کے نامور مجاہد میاں عبدالباری ۲۲ ستمبر ۱۸۹۵ء کو اپنے ننھیال منصور پور ریاست کپور تھلہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد گرامی میاں غلام جیلانی منصف (جج) کے عہدہ پر فائز تھے۔ آپ کے بڑے بھائی مولوی غلام باری لائل پور میں وکالت کرتے تھے اور انہیں سرکار کی طرف سے خان بہادر کا خطاب ملا تھا جو انہیں کی نہیں بلکہ خاندان کی سرکار نوازی کا ثبوت تھا والد صاحب اور برادر بزرگوار کی خواہش تھی کہ آپ اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے کسی بڑے عہدہ پر فائز ہو اور دنیا میں خاندان کا نام روشن کریں لیکن ان کی تدبیر پر تقدیر مسکرا رہی تھی کیونکہ اس نے انھیں سرکار کی خدمت کی بجائے مخالفت کے لیے منتخب کر لیا تھا۔[1]

میاں صاحب نے لائل پور سے میٹرک کیا اور اعلیٰ تعلیم کے لیے گورنمنٹ کالج لاہور میں داخلہ لیا۔ دینی تعلیم نے ان میں اسلام سے محبت پیدا کی اور دنیوی تعلیم نے مسلمانوں کی حالت زار کا غم بخشا۔ ۱۹۱۴ء میں جب پہلی جنگ عظیم چھڑی تو میاں صاحب ایم اے عربی کے طالب علم تھے اس جنگ میں ترکی جرمن کا حلیف تھا اور برصغیر کے مسلمان ترکوں کو وحدت اور اسلام کی عظمت کی علامت سمجھتے تھے۔ اس لیے برصغیر کے مسلمانوں کے دل اور ان کی ہمدردیاں ترکوں کے ساتھ تھیں حکیم الامت علامہ اقبال کی نظموں نے ان کے دلوں کو اور گرما دیا اور وہ ترکوں کی حمایت اور برصغیر سے انگریزوں کو نکالنے کے منصوبے سوچنے لگے۔ میاں عبدالباری نے اپنے ہمنوا طلباء کا ایک گروہ بنایا کہ وہ اس ضمن میں کیا کردار ادا کر سکتے ہیں جب انہیں پتہ چلا کہ برصغیر

---

[1] روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲ر نومبر ۱۹۶۳ء۔

میں اس وقت صرف سولہ ہزار انگریزی فوج ہے تو انھوں نے افغانستان جانے کا پروگرام بنایا تاکہ شاہ افغانستان کو برصغیر پر حملہ کے لیے آمادہ کیا جائے اور انگریزوں کی غلامی سے ہمیشہ کے لیے نجات حاصل ہو اس گروہ کے طلبہ سے قرآن پاک پر حلف لیا کہ وہ کسی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے لہ

۵ر فروری ۱۹۱۵ء کو تمام ساتھی ریل کے ذریعے ہری پور پہنچے۔ پھر یہ قافلہ جلال آباد پہنچا یہاں ایک سرائے میں قیام کیا۔ ایک شام سب دوست سیر کو نکلے ہوتے تھے کہ ایک خوش پوش آدمی ملا۔ اُس کا نام شاہ آغا تھا۔ یہ شخص اردو میں بات چیت کرتا تھا وہ بڑے اخلاق کے ساتھ پیش آیا۔ اس ملاقات کے دوسرے ہی دن افغانی فوج نے اس سرائے کو گھیرے میں لے لیا۔ درحقیقت یہ ایک جاسوس تھا جسے حکومت ہندوستان کا یہ اعلان معلوم تھا کہ اگر ان مجاہدین کو زندہ یا مردہ انگریزوں کے حوالے کیا جائے تو بہت بڑا انعام و اکرام ملے گا" امیر افغانستان کو جب حریت پسندوں کی گرفتاری کی خبر ملی تو اس نے حکم دیا کہ انہیں بحفاظت کابل بھیج دیا جاتے ہے

ان دنوں امیر حبیب اللہ خاں کی حکومت تھی۔ یہ بڑا عیش پرست حکمران تھا۔ اس کی پالیسی دو رخی تھی اس کا خیال تھا کہ اگر پہلی جنگ عظیم میں جرمنی اور ترکی جیت گئے تو ان مجاہدوں کی مدد سے ہندوستان پر لشکر کشی کر دے گا اور اگر انگریز جیت گئے تو پھر انہیں انگریزوں کے حوالے کر کے ان کی خوشنودی حاصل کر سکے گا اس لیے بادشاہ نے ان نوجوانوں کو شاہی مہمان کی طرح رکھا لیکن وہ شاہی قیدی تھے انہیں دنوں ان مجاہدین کے قائد عبدالمجید خان ناگوار راستوں کے مصائب برداشت کر کے بیمار ہو گئے اور چند دن بعد داعی اجل کو لبیک کہہ گئے

لہ روزنامہ مشرق لاہور ۲۹ر اکتوبر ۱۹۶۶ء

ہے ایضاً " "

اس کی جگہ میاں عبدالباری کو قائد منتخب کیا گیا لہ

میاں صاحب اس دوران بادشاہ کے پاس جرمنی اور ترکی سے آنے والے وفود سے ملاقات بھی کرتے رہتے تھے۔ انہیں دنوں ایک ہندوستانی، ترکی جرمن مشن، یورپ اور ایران کے راستے کابل پہنچا۔ بنارس کا ایک جاگیردار راجہ مہندر پرتاپ اس کی قیادت کر رہا تھا اس مشن میں ترکی کے نمائندے کاظم بیگ اور جرمنی کا ایک نمائندہ بھی شامل تھا۔ یہ وفد بھی امیر افغانستان کو ہندوستان پر حملہ کی ترغیب دینے کے لیے آیا تھا۔

راجہ مہندر پرتاپ نے کابل میں ہندوستان کی جلاوطن حکومت قائم کر دی میاں عبدالباری اس حکومت کے وزیر خارجہ مقرر ہوئے۔ اس حکومت نے دو وفد باہر بھیجنے کا فیصلہ کیا ایک جاپان کے لیے اور دوسرا ترکی کے لیے۔ دوسرا وفد میاں صاحب کی قیادت میں روانہ ہوا جس میں میاں صاحب کے علاوہ ایک دوسرے ساتھی شجاع اللہ شامل تھے۔ پہلے وفد نے روس سے ہو کر جاپان پہنچنے کا فیصلہ کیا اور وفد کے ارکین شیخ عبدالقادر متھرا سنگھ تاشقند پہنچ گئے روس کے بادشاہ زار سے ملاقات ہوئی لیکن حکومت برطانیہ کی دخل اندازی اور دباؤ کی وجہ سے انہیں گرفتار کر کے انگریزوں کے حوالے کر دیا گیا۔ متھرا سنگھ کو پھانسی دے دی گئی اور عبدالقادر جیل کی صعوبتیں سہتے ہوئے اللہ کو پیارے ہو گئے۔

میاں عبدالباری کی منزل ترکی تھی۔ آپ نے براستہ خشکی، ایران میں داخل ہونے کا فیصلہ کیا کیوں کہ ان دنوں انگریزوں نے ہندوستان ایران افغانستان کی طویل سرحد پر دس دس میل کے فاصلے پر سرحدی چوکیاں قائم کر رکھی تھیں۔ ایران ان دنوں دو حصوں میں منقسم تھا شمالی حصہ پر روس قابض تھا اور جنوبی حصہ پر انگریزوں کا قبضہ تھا۔

میاں عبدالباری اور شجاع نے بلند پہاڑوں کی طرف سے داخل ہونے کا فیصلہ کیا۔

لہ روزنامہ نوائے وقت لاہور ۷ ر نومبر ۱۹۷۶ء

اس لیے اُن کے پاس سواری کے گھوڑے، پستول، ایک رہبر، ایک سکھ نوکر اور راشن تھا۔ سکھ نوکر کا نام انہوں نے جان محمد رکھا لیا تھا۔ فوجی دستوں سے بچتے بچاتے ہرات پہنچے اور وہاں سے نہایت خراب راستے اور پہاڑی پگڈنڈی پر چل پڑے مسلسل ۴۸ گھنٹے گھوڑے پر سفر کرتے رہے جب تھکاوٹ سے چور ہو گئے تو ایک گاؤں کی مسجد میں ستانے کے لیے اترے کسی مخبر نے ایرانی پولیس کو اطلاع کر دی اور انہیں گرفتار کر کے روسیوں کے حوالے کر دیا گیا۔ اب روسی فوجیوں نے جو اُن کا حشر کیا وہ صرف دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ ان کو اتنا مارا کہ جسموں سے خون جاری ہو گیا۔ راہبر کو گولی مار دی گئی اور میاں عبدالباری، شجاع اللہ اور سکھ نوکر کو انگریزوں کے حوالے کر دیا انگریزی حکومت پہلے ہی ان کے انتظار میں تھی جونہی یہ گرفتار کر کے بھیجے گئے اور انگریزوں نے جو اذیتیں پہنچائیں وہ ایک عام آدمی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ انگریز فوجی سوار ان کے ہاتھ رسیو کے ذریعے گھوڑوں کی دُموں سے باندھ کر گھوڑوں کو دوڑا کر ان کو گھسیٹتے تھے۔ اگر کوئی درد سے کراہتا تو قہقہے لگاتے تھے۔ سکھ نوکر اس اذیت ناک سزا کی تاب نہ لاتے ہوئے چل بسا۔ میاں عبدالباری اور شجاع اللہ کو پابہ زنجیر لاہور لایا گیا جب ان کو ریل گاڑی سے اتارا گیا تو سر فضل حسین کا بیٹا جو اس وقت ریلوے اسٹیشن پر موجود تھا، اس نے جو کچھ دیکھا لوں تھا۔

"میاں عبدالباری کے ہاتھوں اور پاؤں میں بیڑیاں تھیں جو چھنک رہی تھیں ان کے کپڑے پھٹے ہوئے تھے اور جسم پر زخموں کے نشان تھے خون اُن کے ٹخنوں سے رس رہا تھا اور پاؤں سے ننگے تھے۔ سر اور داڑھی کے بال پاگلو کی طرح بڑھے ہوئے تھے۔ اُن کے دائیں بائیں گوروں کی مسلح گارد تھی۔"

سر فضل حسین، میاں صاحب کے والد کے دوست تھے۔ انہیں آپ کی آمد کی اطلاع مل گئی تھی چنانچہ جب میاں باری اور شجاع اللہ کو پھانسی کا حکم ہوا تو سر فضل حسین کی بروقت مداخلت نے اس فیصلہ پر عملدر آمد نہ ہونے دیا۔ انہوں نے گورنر اور وائسرائے ہند کو ٹیلیفون کیا کہ اگر ان نوجوانوں کو پھانسی دے دی گئی تو پنجاب کے مسلمانوں کے مذہبی جذبات پر قابو

پانا مشکل ہو جائے گا۔

اس کے بعد کافی عرصہ میاں صاحب کو جیل میں رکھا گیا۔ وہ جس جیل میں منتقل کیے جاتے داروغہ ہندو ہوتا یا مسلمان، سب ان کی پیر یا دیوتا کی طرح عزت کرتے۔ کوئٹہ جیل کا داروغہ ہندو تھا۔ اس نے میاں صاحب کی بہت خدمت کی۔ اچھا کھانا کھلاتا اور ہر وقت ہاتھ باندھ کر کھڑا رہتا۔ ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی جو اس وقت لدھیانہ میں ہیڈ ماسٹر تھے، میاں صاحب کو لدھیانہ جیل میں ملنے گئے۔ اُن کے تاثرات روزنامہ نوائے وقت لاہور مورخہ ۱۵ جون ۱۹۶۶ء میں شائع ہوئے تھے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:۔

> میں اور پروفیسر عبدالحمید دونوں عصر کے بعد ریلوے کوارٹرز میں پولیس چوکی میں پہنچ گئے۔ وہاں ہم دونوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا، میاں صاحب کے ہاتھ میں قرآن پاک تھا اور وہ تلاوت کر رہے تھے۔ مگر اُن کو لوہے کی مضبوط کڑیوں میں جکڑا ہوا تھا کہ کہیں بھاگ نہ جائیں۔[ل]

میاں صاحب کی والدہ نے گورنر جنرل کے پاس اپیل کی تو میاں صاحب کو رہائی تو مل گئی مگر کئی سال تک گھر میں نظر بندی کا حکم دے دیا گیا۔ ان پر پولیس کی نگرانی کڑی کر دی گئی اور ان کی سرگرمیوں کی ہفتہ وار رپورٹ انسپکٹر جنرل پولیس اور صوبائی گورنر کو دی جاتی تھی۔ دن گزرتے گئے، میاں صاحب نے کھیتی باڑی میں دلچسپی لینا شروع کر دی اور نظر بندی کی میعاد ختم ہو گئی۔ اس قید و بند کا میاں صاحب کی صحت پر بہت بُرا اثر پڑا مگر اس دوران انہوں نے کافی دینی مطالعہ کر لیا تھا اور ایک پکے اور سچے مسلمان بن چکے تھے۔[ل]

نظر بندی ختم ہونے کے بعد میاں صاحب طویل مدت تک سیاست سے کنارہ کش رہے مگر جب مسلم لیگ نے علیحدہ وطن کو اپنا نصب العین بنایا تو آپ دوبارہ سیاست میں سرگرم

[ل] روزنامہ نوائے وقت لاہور ۔ نومبر ۱۹۶۶ء۔

ہو گئے۔ آپ لائل پور مسلم لیگ کے صدر، پنجاب مسلم لیگ کے جنرل سیکرٹری اور پاکستان بننے کے بعد پنجاب مسلم لیگ کے صدر رہے ۱۹۴۰ء میں قرارداد پاکستان کا ظہور ہوا اور تحریک پاکستان اپنے عروج پر پہنچی تو میاں صاحب اس کی کامیابی و کامرانی کے لیے ہراول دستے کے سپاہی تھے اور گوناگوں خدمات کی بدولت جلد ہی قائداعظم کے قریب ہو گئے۔ [1]

نومبر ۱۹۴۲ء میں آپ کی خواہش پر لائل پور میں پنجاب مسلم لیگ کی صوبائی کانفرنس منعقد ہوئی اس کانفرنس نے تاریخ کا دھارا بدل دیا۔ اس کانفرنس کی صدارت خواجہ ناظم الدین مرحوم نے کی نواب افتخار حسین ممدوٹ صدر صوبہ مسلم لیگ، سر سکندر حیات خان وزیراعظم پنجاب، میاں عبدالحی وزیر تعلیم پنجاب، مسٹر اصفہانی ایم ایل اے (بنگال) میاں بشیر احمد ممبر مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی میاں امیر الدین ایم ایل اے اور پنجاب اسمبلی کے بہت سے ارکان نے اس کانفرنس کی رونق کو دوبالا کیا۔ ۱۷ نومبر کی رات کو "پاکستان پارک" میں جلسہ عام ہوا۔ قائداعظم جب پنڈال میں تشریف لائے تو پچاس ہزار مسلمانوں کے جم غفیر نے "نعرۂ تکبیر" اور "قائداعظم زندہ باد" کے نعروں سے ان کا استقبال کیا۔ تلاوت قرآن مجید اور ترانہ ملی کے بعد میاں عبدالباری نے صدر مجلس استقبالیہ کی حیثیت سے معزز مہمانوں کا خیر مقدم کیا اور اپنے پرزور خطبے میں فرمایا:۔

"جو علم پاکستان یہاں قائداعظم فخر ملت محمد علی جناح کے ہاتھوں بلند ہو چکا ہے اُس کو پنجاب کے مسلمان انشاء اللہ تعالےٰ تائید ربانی کے ساتھ ہمیشہ سربلند رکھیں گے عرصہ دراز تک کسی نصب العین یا منزل مقصود کے بغیر ہندی مسلم، سیاسی نیند کی خواب غفلت میں گرفتار تھا جس سے فائدہ اٹھا کر مخالفین پاکستان نے پروپیگنڈے کی بوچھاڑ سے پاکستان کو بے حد بدنام کیا مگر اللہ پاک قائداعظم کو جزائے خیر دے کہ ان کی انتھک محنت نے پاکستان کے نظریے کو میدان استہزاء سے نکال کر عملی

---

[1] روزنامہ مشرق لاہور ۲۹ اکتوبر ۱۹۷۶ء مسلم لیگ کا دور حکومت از صفدر محمود، لاہور ۱۹۶۳ء ص ۱۹۲ –

سیلیاست کے درجے تک پہنچا دیا۔ اگر ہمارے ہندو بھائی علاقہ پاکستان میں اقلیت ہو کر رہنے سے خائف ہیں اور مسلمان پر اعتماد کرنے کو تیار نہیں تو وہ مسلمانوں سے کیوں توقع رکھتے ہیں کہ وہ سارے ملک ہندوستان کی مرکزی حکومت میں اقلیت بن کر رہنے پر رضامند ہوں گے اور ہندو بھائیوں پر اعتماد کریں گے اگر کانگرسی اور مہاسبھائی ہندو بھائی چاہتا ہے کہ مسلمان اس پر اعتماد کرے اور اس بدبخت ملک کی قسمت جاگے تو اُسے جھوٹ کا دامن چھوڑ کر حق و صداقت کا دامن پکڑنا چاہیئے اور تسلیم کرنا چاہیئے کہ اس ملک میں ایک قوم آباد نہیں۔

میں سکھ بھائیوں پر واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ سارے ہندوستان کی ایک مشترکہ حکومت کی نسبت پاکستان میں ان کو نیابت بہ لحاظ آبادی زیادہ ملے گی۔ پاکستان میں زیادہ نمائندگی چھوڑ کر اکھنڈ ہندوستان میں کم تعداد نمائندگان پر رضامند ہونا سیاسی فراست پر مبنی نہیں۔ اس کے علاوہ رہنمایانِ لیگ سکھ بھائیوں کے ساتھ ہر ایک منصفانہ فیصلے کے لیے تیار ہیں اور ہمیں یقین ہے کہ اس بہادر اور غیور قوم کے ساتھ یہ مسئلہ بہ طرزِ احسن جلد فیصل ہو جائے گا۔" [۱]

آپ کا سیاسی کردار ہمیشہ بے داغ رہا اور کبھی اصولوں پر سمجھوتہ نہ کیا۔ قیامِ پاکستان کے بعد جب آپ نے دیکھا کہ پنجاب کا انگریز گورنر سر فرانسس موڈی قومی سیاست میں زہر گھول رہا ہے تو آپ نے اُس کی برطرفی کی مہم چلائی۔ اکثر سیاست دانوں نے جو آزاد ہونے کے باوجود انگریز سے مرعوب تھے، میاں صاحب کی مخالفت کی مگر میاں صاحب اپنے موقف پر آہنی چٹان کی طرح ڈٹے رہے، نہ خوف انہیں دھمکا سکا اور نہ لالچ ڈگمگا سکا۔ آخر جیت ان کی ہوئی اور موڈی کو رخصت ہونا پڑا۔ آپ کو اصول اس قدر عزیز تھے کہ وہ ان کے لیے بڑی

---

۱ روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲۵ دسمبر ۱۹۷۶ء۔ مجلہ روشنی۔ گورنمنٹ کالج لائل پور قائداعظم نمبر ۱۹۷۶ء ص ۱۱۰ تا ۱۱۱۔

سے بڑی قربانی دینے سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے جب وہ پنجاب مسلم لیگ کے صدر بنے تو انہوں نے گورنر کے مشیر مقرر کیئے۔ جماعت کے افراد نے مشیروں کے خلاف مہم چلائی اور آخر ایک قرارداد منظور کرانے میں کامیاب ہو گئے۔ میاں صاحب نے صدارت سے استعفیٰ دے دیا۔ لوگوں نے بہت کہا، قرارداد آپ کے خلاف نہیں، مشیروں کے خلاف ہے مگر آپ نہ مانے۔ لہ

لیاقت علی خان کی خواہش کے تحت جب مسلم لیگ کی صدارت اور وزارت عظمیٰ کو یکجا کرنے کی تجویز پیش ہوئی اور خوشامدیوں نے اس تجویز کی حمایت میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیئے تو میاں صاحب نے اس کی بھرپور مخالفت کی اور کہا کہ :-

اس طرح ملک میں فسطائیت کا رحجان ابھرے گا اور وزارت محاسبے سے بچ جائے گی۔"

جب ان کی مخالفت کے باوجود یہ تجویز منظور ہو گئی تو انھوں نے مسلم لیگ سے بھی استعفیٰ دے دیا۔ میاں صاحب دس سال تک قومی اسمبلی کے رکن رہے مگر کسی قسم کا ذاتی مفاد نہ اٹھایا بلکہ اس کے ذریعے اپنے عزیز و اقارب کو فائدہ پہنچانا بھی گالی سمجھا۔ انہیں وزارت و سفارت کی پیشکش ہوئیں جنہیں انہوں نے مسترد کر دیا۔ وہ ایک عرصہ تک "وزیر اور سفیر" کے نام سے مشہور رہے۔ حکمرانوں نے ان کی خوشنودی کے لیے بھاری قیمت ادا کرنا چاہی مگر انہیں خریدنے والے خود بک کر بھی انہیں نہ خرید سکے۔ وہ استقامت کا پہاڑ تھے، جسے باطل کی کوئی قوت اپنی جگہ سے نہ ہٹا سکی۔ ان کی زندگی کا نمایاں پہلو یہ تھا کہ آپ سچے مسلمان تھے اور مادی زندگی پر روحانی زندگی کو ترجیح دیتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ سیاست کے میدان سے

لہ روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲ رمئی ۱۹۶۴ء۔ تاریخ ارائیاں از علی اصغر چوہدری مطبوعہ لاہور ۱۹۶۳ء ص ۳۲۲ مسلم لیگ کا دور حکومت ص ۱۶۵ تا ۱۶۱ -

جنت اور دوزخ دونوں کو راستے جاتے ہیں [۱]

مغربی پاکستان کے گورنر ملک امیر محمد خان سے اُن کے دیرینہ تعلقات تھے اور ملک صاحب اُن کے کردار کی وجہ سے ان کا بے حد احترام کرتے تھے۔ کردار بھی کیا چیز ہے؟ ازل سے یہ انسانی زندگی کی عظمت کا معیار چلا آ رہا ہے میاں صاحب چونکہ باکردار آدمی تھے۔ اس لیے ملک صاحب جیسا جابر اور رعب خان جیسا آمر بھی ان کا احترام کرتا تھا عوام تو ان سے محبت کرتے ہی تھے۔ ایک دفعہ ایک شخص حاضر خدمت ہوا۔ اُس وقت آپ چوہدری عبدالحمید (مالک مکتبہ کارواں، لاہور) کی کوٹھی پر بغرض علاج مقیم تھے۔ اس شخص نے کہا کہ آپ کے گورنر سے تعلقات ہیں میری ایک کام کے سلسلے میں سفارش کر دیں۔ آپ سوچ میں پڑ گئے اور چند منٹ بعد بولے میری ایک بات سن لو، پھر چلتے ہیں۔ اس شخص نے کہا فرمایئے۔ کہنے لگے کہ:۔

میں نے جب حزب اختلاف کے ٹکٹ پر قومی اسمبلی کا انتخاب لڑنے کا فیصلہ کیا تو ملک صاحب (ملک امیر محمد خان) نے دوستی کے طور پر کہا میاں صاحب آزاد امیدوار کی حیثیت سے انتخاب لڑو میں وعدہ کر چکا ہوں کہ حزب مخالف کا کوئی امیدوار کامیاب نہیں ہونے دوں گا پھر گلہ نہ کرنا۔ میں نے جواب دیا میں تو حزب مخالف کے امیدوار کی حیثیت سے ہی انتخاب میں حصہ لوں گا۔ چنانچہ انتخاب کے روز میرے ساتھ بھی وہی ہوا جو دوسرے حزب مخالف کے امیدواروں کے ساتھ ہوا یعنی رات کو ہی پولیس والے بی ڈی ممبروں کو اغوا کر کے لے گئے۔ اس کے بعد میں ملک صاحب کے اصرار کے باوجود اُن سے نہیں ملا۔ اس کی وجہ میری شکست نہیں بلکہ ان کا غیر منصفانہ سلوک ہے۔ اب آپ کہتے ہیں تو چلتے ہیں۔ مگر اس بات کے بعد جانے کا سوال ہی کہاں رہ گیا تھا۔ [۲]

---

[۱] روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲ نومبر ۱۹۷۰ء تاریخ راشیاں از علی اصغر چوہدری مطبوعہ لاہور ۱۹۷۰ء ص ۲۲۲ مسلم لیگ کا دورِ حکومت ص ۱۲۵ تا ۔۔۔

[۲] روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲ نومبر ۱۹۷۰ء

۱۹۶۲ء میں جب ایوب خان نے قوم پر ایک آمرانہ آئین ٹھونسنے کی کوشش کی تو ساتھ ہی اس کا یہ بھی ارادہ تھا کہ پاکستان کو سیکولر سٹیٹ بنا دیا جائے چنانچہ اس نے آئین میں سے ملک کے نام سے "اسلامیہ" کا لفظ خارج کر دیا۔ جب میاں صاحب کو پتہ چلا تو انھوں نے آمر سے ٹکر لینے کا فیصلہ کر لیا اور اراکین کو اس طرح قائل کیا کہ ایوب خان کو اسلامیہ کا لفظ شامل کرتے ہی بنی۔ اس طرح ملک اُن کی کوششوں سے سیکولر بنتے بنتے رہ گیا۔ ؎۱

ایوب خان کے دور سے ہماری سیاست نے ایک نیا رنگ اختیار کر لیا اور وہ یہ ہے کہ یا تو حکمران جسے پسند کریں خواہ وہ کچھ بھی کرتا ہو اور کہیں بھی ہو۔ اُسے سیاستدان بنا دیتے ہیں یا پھر لوگ حکمرانوں کی خوشنودی کے لیے سیاست کے میدان میں آ کودتے ہیں۔ اگرچہ راستے دو ہیں مگر دونوں راہوں کے مسافروں کی منزل ایک ہے۔ میاں صاحب ان دونوں راہوں سے زندگی بھر نا آشنا رہے۔ اُن کے نزدیک سیاست حکمرانوں کے محاسبے اور عوام کی خدمت کا نام تھی یہی وجہ تھی کہ انھوں نے تمام عمر سیاست کی اور سیاست کو بہت کچھ دیا۔ اپنا وقت، محنت، دولت، جوانی حتیٰ کہ بڑھاپا بھی اُن کی نذر کر دیا مگر لیا کچھ نہیں ؎

وے صورتیں الٰہی کس دیس بستیاں ہیں
جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں

ہماری سیاست کا المیہ ہی یہ ہے کہ اب میاں صاحب جیسے سیاستدان نہیں رہے جو سیاست کو دونوں جہانوں کے لیے نجات کا ذریعہ سمجھیں۔ یہی وجہ ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میاں صاحب کی وفات کا زخم گہرا ہوتا جا رہا ہے۔ حالانکہ وہ ۲۸ر اکتوبر ۱۹۶۶ء کو اس عالم فنا سے عالم بقا کی طرف سدھار گئے مگر ان کی یاد اب بھی ہر ایک دردمند پاکستانی کے دل میں موجزن ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

؎۱ روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲ر نومبر ۱۹۶۶ء۔

غازی عبدالرحمٰن شہید پشاوری

جنگ بلقان کے دوران مولانا محمد علی جوہر کی مساعی سے مسلمانانِ ہند نے ڈاکٹر مختار احمد انصاری کی قیادت میں ایک طبی وفد ترکی بھیجنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اراکین وفد کی تعداد گو بہت زیادہ نہ تھی لیکن یہ اہتمام کیا گیا تھا کہ ہندوستان کے ہر صوبے سے اراکین لیے جائیں تاکہ صحیح معنوں میں اسے کل ہند وفد کہا جا سکے۔ پشاور کی طرف سے اس میں پشاور کے مشہور ٹھیکیدار حاجی غلام صمدانی کے نوجوان فرزند عبدالرحمٰن نے شرکت کی تھی جن کا تذکرہ ذیل میں مقصود و مطلوب ہے۔

عبدالرحمٰن کی ولادت ۱۸۸۶ء میں پشاور میں ہوئی۔ ان کے والد گرامی حاجی غلام صمدانی بہت بڑے کاروباری اور مخیر شخص تھے۔ انھوں نے دو مسجدوں کی تعمیر کے لیے کثیر چندہ بھی دیا تھا حاجی صاحب آج کل کی اصطلاح میں کوئی بہت پڑھے لکھے بزرگ نہیں تھے مگر انھوں نے اپنے بچوں کی مذہبی و دنیاوی تعلیم کا ضروری بندوبست کیا تھا۔ ان کے گھر کا ماحول بہت مذہبی تھا۔ چنانچہ عبدالرحمٰن کو گھر پر ضروری مذہبی تعلیم دلانے کے بعد پشاور کے ایک اسکول میں داخل کروا دیا گیا۔ یہاں سے وہ علیگڑھ چلے گئے۔ پھر انہیں وہاں سے نکال دیا گیا اور شملہ چلے گئے اور پھر پشاور جا کر میٹرک کا امتحان پاس کیا اور پھر جب ۱۹۱۱ء میں ان کی علی گڑھ سے نکالے جانے کی میعاد ختم ہو گئی تو وہاں جا کر ایف اے میں داخلہ لے لیا۔

ابھی انٹر کے طالب علم ہی تھے کہ برطانیہ اور روس کے اشارے پر بلقان کی عیسائی حکومت نے سلطنت عثمانیہ کو بلقان سے نکال دینے کے لیے اس پر حملہ کر دیا کوئی سو برس سے روس اسی فکر میں تھا اور اس مقصد کے لیے اس نے کئی مرتبہ ترکوں سے جنگ بھی کی

کریمیا کی جنگ اسی مقصد کے لیے لڑی گئی مگر اس کو بری طرح ناکامی ہوئی کیوں کہ برطانیہ اور فرانس کسی طرح بھی بحر متوسط میں روسی اثر کو دیکھنا نہیں چاہتے تھے۔ ۱۸۷۷ء میں روس نے رومانیہ اور بلغاریہ کو اسی مقصد کے لیے استعمال کیا مگر معاہدہ برلن (۱۸۷۸ء) میں پھر اس کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ انگلستان کا وزیر اعظم گلیڈ اسٹون ترکوں کا سخت مخالف تھا اور اس نے اپنی انتخابی مہم میں ۱۸۷۴ء میں بلقان کے مسئلہ کو ایک اہم مسئلہ بنا کر پیش کیا تھا۔ اس مہم میں اس نے اس مشہور فقرے کا استعمال کیا تھا کہ "ترکوں کو یورپ سے بوریا بستر سمیت نکال دینا ہوگا۔"

گلیڈ اسٹون کی لبرل پارٹی کے ایک مشہور ممبر ایڈورڈ گرے ترک دشمنی میں بہت نامور تھے اور ۱۹۱۲ء میں مسٹر اسکوئتھ کی وزارت میں وزیر خارجہ تھے۔ انہوں نے ہی روس کی بلقان کی طرف پیشقدمی سے چشم پوشی کی۔ دوسری طرف روس نے بلقان کی ریاستوں کو ترکی پر حملہ کرنے کی شہ دی۔ اسودلکی جو زار روس کا وزیر خارجہ رہ چکا تھا اور اس کو روسی سیاست کا شیطان کہا جاتا تھا۔ اس وقت وہ فرانس میں روسی سفیر تھا۔ اس نے برطانیہ کے اشارہ سے بلغاریہ اور رومانیہ کو حملہ کے لیے تیار کر دیا لیکن جب بلغاری فوجیں ادرنہ سے آگے بڑھنے لگیں تو انگریزوں کو اپنی پالیسی کی کمزوری کا احساس ہوا اور انہوں نے بلقانی ریاستوں کے درمیان جو جھگڑا ترکی کے مفتوحہ علاقوں کی تقسیم کے بارے میں شروع ہو گیا تھا اس کو نمٹا کر ترکوں اور بلقانی ریاستوں کی صلح کروا دی تاکہ روس کا اثر آگے نہ بڑھنے پائے ابھی ترک طرابلس۔ الغرب میں اٹلی کے حملوں سے اچھی طرح نبرد آزما نہیں ہو سکے تھے کہ بلقان میں معرکہ حرب و ضرب گرم ہو گیا۔ مصر اس وقت عملی طور پر انگریزوں کے قبضہ میں تھا۔ عراق، شام اور عرب میں برطانیہ اور فرانس کی ریشہ دوانیاں ترکوں کے خلاف جاری تھیں لیکن اس کے باوجود عربوں کا خاصا حصہ ترکی فوج میں شامل تھا۔ ترک اُس وقت مجبوری کے عالم میں تھے۔

اس صورت حال میں ہندوستان کے مسلمانوں نے رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں ترکوں کی حمایت میں آواز اٹھائی۔ ہندوستانی مسلمان خود محکومی کی حالت میں تھے، اس لیے کوئی فوجی مدد نہیں کر سکتے تھے۔ لہٰذا ایک طبّی وفد بھیجنے کی تجویز ہوئی جو میدان جنگ میں ترک مجروحین کی مرہم پٹی اور ان کی باقاعدہ نگہداشت کرے۔ ڈاکٹر مختار احمد انصاری ہندوستان کے مشہور سرجن تھے۔ ان کی سرکردگی میں مولانا محمد علی جوہر نے ایک طبّی وفد ترتیب دیا۔ اس میں کوئی پچیس چھبیس افراد تھے جن میں پانچ ڈاکٹر تھے۔

عبدالرحمٰن اُس وقت علیگڑھ میں زیر تعلیم تھے۔ جوشِ ایمانی اور جذبۂ ملّی نے انہیں وفد میں شامل ہونے پر مجبور کیا۔ دسمبر ۱۹۱۲ء کے آخر میں یہ وفد استنبول پہنچا اور اس کا بڑے جوش وخروش کے ساتھ استقبال کیا گیا۔ عبدالرحمٰن نے دوسرے رفقاء کے ساتھ استنبول کے قریب ایک کیمپ ہسپتال میں زخمیوں کی عیادت اور خدمت کچھ اس دلجوئی کے ساتھ کی کہ ترکی کے عام لوگ اُن کے گرویدہ ہو گئے۔

بلقان کی جنگ کے بعد جب وفد واپس لوٹا تو ان کی آزادی پسند طبیعت اور باشندگانِ ترکی سے محبت ولگاؤ نے واپس نہ آنے دیا۔ اسی دوران ان کی ملاقات ترکی کے مشہور امیر البحر رؤف بے سے ہوئی جو حمیدیہ جہاز کے بے مثال کارناموں سے تمام یورپ میں مشہور ہو چکے تھے۔ رؤف بے اور عبدالرحمٰن کے خیالات میں اتنی ہم آہنگی تھی کہ رؤف بے (م ۱۱ر جولائی ۱۹۶۴ء) نے انہیں اپنا بھائی بنا لیا۔ وہ انہی کے خاندان میں ٹھہرے۔ فوج میں بھرتی ہوتے اور ترقی کر کے اعلیٰ عہدے تک جا پہنچے۔

پہلی عالمی جنگ کے دوران عبدالرحمٰن نے عراق میں انگریزوں کے خلاف ایک ترکی فوج کے دستے کے ساتھ لڑائی میں حصہ لیا۔ جہاں انہیں برطانوی ہند کے ہندوستانیوں نے پکڑ لیا مگر عبدالرحمٰن نے اس موقعہ پر انتہائی ذہانت سے کام لیا اور ہندوستانی سپاہیوں کے ساتھ پنجابی میں گفتگو کر کے انہیں جھانسہ دیا اور اُن کے نرغے سے نکلنے میں کامیاب

ہو گئے۔

اوّل جنگ عظیم میں جب انور پاشا کی پارٹی ملک چھوڑنے پر مجبور ہوئی اور اس پارٹی کے افراد تتر بتر ہو گئے تو بھی عبدالرحمٰن ترکی میں مقیم رہے۔ اس وقت برسر اقتدار آنے والی جماعت کمال پارٹی نے بھی انہیں عزت و احترام سے دیکھا اور اپنی طرف سے سفیر بنا کر افغانستان بھیج دیا۔ کچھ عرصے تک افغانستان میں مقیم رہنے کے بعد وہ ترکی بلائے گئے اور دوبارہ فوج میں خدمات انجام دینے لگے۔ ۲۱، ۲۲ مئی ۱۹۲۵ء کی درمیانی شب شہر سے باہر راستہ چلتے میں کسی ظالم ارمنی نے گولی کا نشانہ بنایا۔ اور ایسے وقت کہ زور کی بارش ہو رہی تھی اور سڑک پر کوئی شخص دکھائی نہ دیتا تھا۔ چار گھنٹے تک بارش میں پڑے رہنے کے بعد انہیں ہسپتال پہنچایا گیا۔ بہترین ڈاکٹر علاج کرتے رہے لیکن موت نے پیچھا نہ چھوڑا تو ۳؍ جون ۱۹۲۵ء کو اس دنیائے فانی سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہو گئے۔

ترکی میں غازی عبدالرحمٰن کی ہر دلعزیزی کا یہ عالم تھا کہ بقول رؤف پاشا :۔

"اگر اس ظالم ارمنی کو یقین ہوتا کہ سڑک پر عبدالرحمٰن چل رہا تھا تو وہ ہرگز فائر نہ کرتا۔ اُس نے نواسے میرے ہم شکل ہونے کے دھوکے میں شہید کیا۔ وہ مجھ پر قربان ہو گیا"

رؤف پاشا جب جامعہ ملیہ اسلامیہ کی دعوت پر ہندوستان تشریف لائے تو غازی عبدالرحمٰن کی ذاتی ڈائری بھی ساتھ لائے تھے۔ وہ ان سے غازی عبدالرحمٰن کے برادر بزرگ میاں عبدالعزیز بیرسٹر مرحوم نے حاصل کر لی اور پھر پتہ نہ چلا کہ ان اوراق زریں کا کیا حشر ہوا۔ رؤف پاشا فرماتے تھے کہ اگر

"کہ اگر وہ ڈائری چھپ جاتی تو دنیا کی چند مشہور ترین ڈائریوں میں شمار ہوتی۔ عام طور پر خیال کیا گیا کہ وہ اوراق میاں صاحب کے

کے توسط سے حکومت ہند کے قبضے میں پہنچ گئے تھے [1]

آپ کے بھائی محمد یوسف (مقیم کراچی) کے پاس آپ کی تین نادر تصویریں تھیں جو انہوں نے حال ہی میں نیشنل میوزیم کو بطور عطیہ دے دی ہیں پہلی تصویر جنگ آزادی کے دنوں کی ہے اس میں عبدالرحمٰن ترک رہنماؤں رؤف بک، سمیع بک اور رفعت پاشا کے ساتھ کھڑے ہیں۔ رؤف بک اور سمیع بک ان دنوں ترکی کی قومی حکومت کے وزیر اعظم اور وزیر خارجہ تھے۔ دوسری تصویر بمبئی سے طبی مشن کی روانگی کی ہے جو ۱۵ دسمبر ۱۹۱۲ء کو بمبئی کی بندرگاہ پر اتاری گئی تیسری تصویر میں وہ ترک فوج کے کرنل کی وردی پہنے ہوئے ہیں [2]

---

[1] سرحد اور جدوجہد آزادی از اللہ بخش یوسفی مطبوعہ لاہور ۱۹۶۸ء ص ۱۲۴، ۱۲۵۔
روزنامہ نوائے وقت لاہور ۵ جون ۱۹۶۶ء۔ روزنامہ امروز لاہور ۴ جون ۱۹۶۶ء

[2] روزنامہ امروز لاہور ۸ اپریل ۱۹۶۶ء۔

قاضی محمد عیسیٰ

قائداعظم کے معتمد ساتھی، بلوچستان کے مرد مجاہد اور نظریۂ پاکستان کے عظیم پرستار قاضی محمد عیسیٰ ۱۳ اپریل ۱۹۱۳ء کو پشین میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والد قاضی جلال الدین قاضی (خان) قلات اور بعد میں پولیٹیکل ایجنٹ کے عہدوں پر فائز رہے کچھ عرصہ ریاست قلات کے وزیراعظم بھی رہے۔ ؎۱

قاضی محمد عیسیٰ نے ابتدائی تعلیم سنڈیمان ہائی سکول اور گورنمنٹ ہائی سکول کوئٹہ میں حاصل کی ۱۹۳۳ء میں انگلستان گئے اور ۱۹۳۹ء میں بار ایٹ لا کر لیا۔ وہاں سے بمبئی گئے اور پہلی مرتبہ قائداعظم سے ملے۔ قائداعظم کے نظریات اور شخصیت سے اس درجہ متاثر ہوئے کہ اپنی زندگی تحریک پاکستان ، مسلم لیگ ، کے لیے وقف کر دی ؎۲ آپ قائداعظم کی مسلم لیگ ورکنگ کمیٹی کے سب سے کم عمر رکن تھے لیکن اپنی خداداد صلاحیتوں اور لگن کے باعث جلد ہی نمایاں مقام حاصل کر لیا۔ ؎۳ قائداعظم ان پر خاص طور سے اس لیے مہربان تھے کہ انہوں نے بلوچستان میں مسلم لیگ کی بڑی خدمت کی تھی اور قیام پاکستان کے لیے بڑا نمایاں کردار انجام دیا تھا۔ آل انڈیا مسلم لیگ کی ہائی کمان میں آپ بلوچستان کے مسلمانوں کی نمائندگی نہایت خوش اسلوبی سے کیا کرتے تھے ۱۹۴۰ء میں جب آل انڈیا مسلم لیگ کا تاریخی اجلاس لاہور میں منعقد ہوا اور قرارداد لاہور پیش ہوئی تو بلوچستان کے مسلمانوں کی طرف سے آپ نے ہی اس کی پرزور تائید کی تھی۔ ان کی یہ تاریخی تقریر جدوجہد آزادی کی تاریخ میں اب بھی محفوظ ہے آپ نے

؎۱،۲ روزنامہ امروز لاہور (کالم پس منظر) ۲۱ رجون ۱۹۷۶ء۔ بے تیغ سپاہی ص ۳۰۸

؎۳ روزنامہ نوائے وقت لاہور، ۲۰ رجون ۱۹۷۶ء۔ روزنامہ وفاق لاہور ۱۰ رجولائی ۱۹۷۶ء

مجلہ روشنی، گورنمنٹ کالج لائل پور، قائداعظم نمبر ۱۹۷۶ء ص ۹۹ –

قرارداد لاہور کی تائید کرتے ہوئے کہا تھا کہ :-

"جب اکثریتی صوبوں کے مسلمان آزادی اور خود مختاری حاصل کرلیں گے تو ان صوبوں کے مسلمانوں کو جو اقلیت میں ہیں کبھی فراموش نہیں کریں گے کیوں کہ بلوچستان کے مسلمان ہندوستان کے دربان ہیں اس لیے وہ درّہ بولان پر پہرہ دیتے ہیں اور ان کی حفاظت کرتے ہیں۔ اس لیے ہم پر فرض ہوگا کہ ہم بطور دربان اپنے ان مسلمان بھائیوں کی پوری پوری حفاظت کریں جو ہندوستان کے ہندو اکثریتی صوبہ میں بطور اقلیت کے رہ جائیں گے"

قاضی صاحب کی اس تقریر کی قائد اعظم نے خصوصیت کے ساتھ بڑی تعریف کی اور ان کے خلوص اور جذبہ حریت کے پیش نظر ہمیشہ اپنے قریب رکھا۔ کیوں کہ آپ کی سیاسی تربیت قائد اعظم مرحوم و مغفور نے خود کی تھی اس لیے وہ صحیح معنوں میں قائد اعظم کے پیروکار تھے۔ قائد اعظم کی ورکنگ کمیٹی میں یہ نوجوان رکن جب بھی لب کشائی کرتا تو سب ارکان ہمہ تن گوش ہو جاتے تھے۔ حالانکہ مسلم لیگ کی مرکزی مجلس عاملہ میں ہندوستان کے منجھے ہوئے سیاستدان اور مدبر موجود ہوتے تھے آپ نے اپنی تمام سیاسی زندگی قائد اعظم کے ساتھ گزاری اور مرتے دم تک مسلم لیگ کا پرچم تھامے رکھا یہی آپ کی عظمت کی دلیل کافی ہے [1]

۱۹۴۵ء کے عام انتخابات کے وقت آپ مسلم لیگ کی سہ رکنی مجلس عمل کے رکن تھے آپ نے انتخابی مہم کے دوران نہایت اہم کردار انجام دیا۔ بلوچستان میں مسلم لیگ کو منظم کرنے اور بلوچستان کے عوام کی خواہشات کے عین مطابق اس کے پاکستان سے الحاق کا سہرا آپ ہی کے سر ہے ۱۹۴۷ء میں صوبہ سرحد کے تاریخی ریفرنڈم میں بھی آپ نے تاریخ ساز کردار ادا کیا قیام پاکستان کے بعد آپ کو گورنر جنرل کے ایجنٹ کا مشیر مقرر کیا گیا۔ آپ برازیل میں پاکستان

---

[1] روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲۶ جون ۱۹۷۶ء مضمون عالم علی سید "میدان سیاست کا قلندر"

کے سفیر بھی رہے۔ انجمن اسلامیہ کوئٹہ کے صدر بھی تھے۔ اس انجمن نے بلوچستان میں کئی تعلیمی اور رفاہی ادارے قائم کئے۔ ایوبی مارشل لاء سے قبل آپ کو پاکستان مسلم لیگ کا جنرل سیکریٹری منتخب کیا گیا تھا۔ مارشل لاء کے بعد آپ عملی سیاست سے ریٹائر ہو گئے اور وکالت پر تمام تر توجہ مبذول کر دی۔ آپ کا شمار ممتاز وکلاء میں ہوتا تھا۔ [لہ]

قاضی صاحب کے دل میں قائد اعظم اور پاکستان کے لیے محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی وہ قائد اعظم کی تعلیمات اور نظریہ پاکستان کے بیباک مبلغ تھے ۱۹۷۶ء کو سال قائد اعظم قرار دیا گیا تو آپ نے اس سال قائد کی حیات پر دو تین تقریریں کوئٹہ، اسلام آباد اور لاہور میں کیں۔ لاہور میں ۲۳ مارچ ۱۹۷۶ء کو گورنمنٹ کالج لاہور کے بخاری آڈیٹوریم میں قائد اعظم سیمینار میں انہیں مدعو کیا گیا۔ وہ خاص طور سے کوئٹہ سے لاہور تشریف لائے اور سیمینار میں شرکت کی۔ آپ سے پہلے جسٹس منیر، جسٹس ایس اے رحمان، چوہدری نذیر احمد خان اور دیگر مقررین نے مقالے پڑھے۔ آخر میں قاضی صاحب کی باری آئی۔ چونکہ زیادہ تر مقالے اور تقریریں انگریزی زبان میں ہو رہی تھیں اس لیے آپ نے بحالت مجبوری انگریزی میں بولنا شروع کیا۔ آپ نے کہا کہ :-

"۱۹۴۰ء میں اس لاہور میں آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں جو تاریخی قرارداد پیش ہوئی تھی اُس کی تائید کرنے والوں میں غالباً میں آخری مسلم لیگی کارکن ہوں جو آپ کی عدالت میں پیش ہوں"

یہ کہتے ہوئے آپ کی آواز بھرا گئی۔ آنکھوں میں آنسو آ گئے مگر صاحب دل تھے اپنے کو سنبھال کر گئے اور پھر فی البدیہہ ایسی تقریر کی کہ ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔ آپ نے قائد اعظم کی زندگی کے چند ایسے واقعات سنائے جو شاید تاریخ کے اوراق میں بھی نہ ملیں۔ آپ نے اپنی جادو بیانی کا وہ طلسم دکھایا کہ سننے والے محو حیرت رہ گئے۔ لاہور میں یہ آپ کی آخری تقریر تھی۔ آپ جب

لہ روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲۰ جون - امروز لاہور ۲۰/۲۱ جون ۱۹۷۶ء، ۲۷ جون ۱۹۷۶ء۔

سٹیج پر سے اترے تو کالج کے طلباء اور طالبات نے آپ کو عقیدت کے ساتھ گھیر لیا۔ قائداعظم کے ساتھی کی یہ آخری پذیرائی تھی۔ اس تقریر کے دوران آپ نے اس بات پر خاص طور پر زور دیا کہ

"یہ مملکت ایک نظریاتی مملکت ہے۔ قائداعظم نے یہ ارضِ پاک ایک خاص نظریہ کے تحت حاصل کی تھی اور نظریاتی مملکت میں یہ اصول ہے (جیسا کہ کمیونسٹ ممالک میں ہے) کہ جو لوگ اس نظریہ پر یقین نہیں رکھتے ان لوگوں کو اس ملک میں رہنے کا حق نہیں دیا جاتا مگر ہم نے پاکستان میں ان لوگوں کو گلے سے لگایا جو نظریہ پاکستان کے مخالف تھے۔ قائداعظم کے دشمن تھے۔ اور اس کا نتیجہ دیکھ لیا۔ لہٰذا اب بھی وقت ہے کہ ہم یہ اصول طے کریں کہ جو لوگ پاکستان کے نظریہ کے مخالف تھے، انہیں پاکستان میں رہنے کا حق تو ضرور دے دیں۔ مگر انہیں کم سے کم "ووٹ" دینے کا حق نہیں دینا چاہیے۔ جو لوگ قائداعظم کے نظریہ سے ہی متفق نہیں انہیں پھر اس ملک کی سیاست میں حصہ لینے کا حق کیسے مل سکتا ہے؟"[1]

قائداعظم کے دیرینہ ساتھی کی یہ بات بڑی وزن دار ہے۔ مگر جمہوریت کے دلدادگان کو شاید یہ بات پسند نہ آئے۔ بہرحال آج یہ بات کہنے والا بھی دنیا سے اُٹھ گیا۔ قائداعظم نے ایک ایک کر کے اپنے ساتھیوں کو اپنے پاس بلا لیا۔ قدرت کو یہی منظور تھا ؎

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تو نے وہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کیے؟

۱۹ / جون ۱۹۷۶ء مطابق ۲۰ / جمادی الثانی ۱۳۹۶ھ بروز ہفتہ کی صبح پی آئی اے کے کوئٹہ آفس میں راولپنڈی کے لیے نشست بک کرانے کے لیے گئے تو اچانک دل کا دورہ پڑا ہسپتال

---

[1] روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲۶ / جون ۱۹۷۶ء مضمون عالم علی سید بعنوان "میدانِ سیاست کا قلندر"

ے جایا جا رہا تھا کہ راستے ہی میں جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔[1] انا للہ وانا الیہ راجعون۔
آپ کی نمازِ جنازہ کوئٹہ میں ادا کی گئی اور ۲۰ر جون کو پشین سے تین میل دور واقع اُن کے آبائی قبرستان میں سپردِ خاک کر دیا گیا۔ پسماندگان میں ایک بیوہ، تین صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں چھوڑیں۔[2]

روزنامہ نوائے وقت لاہور نے اپنی ۲۱ر جون ۱۹۷۶ء کی اشاعت میں ادارتی کالموں میں آپ کو زبردست خراجِ تحسین پیش کیا۔ ملاحظہ ہو۔

آہ! قاضی محمد عیسیٰ

قاضی محمد عیسیٰ نے ۱۹ر جون کو اس عالمِ فانی سے عالمِ جاودانی کی طرف رحلت کی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

قاضی عیسیٰ بلوچستان میں ارباب کرم خاں مرحوم کے بعد دوسری ممتاز شخصیت تھے۔ جنھوں نے بلوچستان میں مسلم لیگ کا علم اس وقت بلند کیا۔ جب بلوچستان کے اس علاقے میں جو انگریز دن کے زیرِ نگیں تھا۔ عبدالصمد خاں اچکزئی (بلوچستانی گاندھی) کا اثر بہت زیادہ تھا ارباب کرم خاں عمر رسیدہ بزرگ تھے اور زیادہ تگ و دو نہ کر سکتے تھے کہ اچانک قاضی عیسیٰ ایک عزم و ولولے کے ساتھ اٹھے اور انہوں نے برٹش بلوچستان میں کانگرسی اثرات کو نسیاً منسیاً کر دیا آج سے چھتیس برس پہلے جب کہ ان کی عمر صرف ۲۸ برس تھی۔ انہوں نے مسلم لیگ کے اس اجلاس میں جو لاہور میں مارچ ۱۹۴۰ء میں منعقد ہوا تھا، بلوچستان کی نمائندگی کرتے ہوئے جو تقریر کی تھی حضرت قائدِ اعظم اس سے اتنے متاثر ہوئے کہ قاضی عیسیٰ کو آل انڈیا مسلم لیگ کی کونسل کا رکن بنا لیا گیا۔ قیامِ پاکستان کے بعد قاضی عیسیٰ کچھ عرصہ بلوچستان میں گورنر جنرل کے ایجنٹ کے مشیر

---

[1] روزنامہ نوائے وقت، امروز لاہور ۲۰ر جون ۱۹۷۶ء
[2] 〃 〃 ۲۱ر جون ۱۹۷۶ء۔

رہے اور کچھ مدت انھوں نے برازیل میں سفارت کے فرائض انجام دیئے اور جیسا کہ وزیر اعظم پاکستان نے ان کی وفات پر اپنے تعزیتی پیغام میں کہا، وہ اب پھر ایک اہم ذمہ داری سنبھالنے والے تھے لیکن قضا نے مہلت نہ دی اور وہ عالم آخرت کو سدھارے۔ قاضی عیسیٰ نے سیاسیات کے علاوہ بھی اہم سماجی خدمات بھی سرانجام دیں۔ وہ انجمن اسلامیہ کوئٹہ کے صدر بھی رہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور اُن کے پسماندگان کو صبر کی توفیق کے ساتھ ساتھ اُن کا نام زندہ رکھنے کی ہمت بھی دے۔"

روزنامہ امروز لاہور نے بھی اپنے اداریے میں عقیدت کے پھول پیش کیے۔

قاضی عیسیٰ کی رحلت

قاضی محمد عیسیٰ رحلت کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ وہ قائد اعظم کے آزمودہ کار، مخلص اور وفادار معتمد تھے۔ تحریک پاکستان سے اُن کی وابستگی عشق کے درجے کو پہنچی ہوئی تھی۔ انھوں نے برصغیر کے طول و عرض میں لاکھوں میل کا سفر کیا۔ قریہ قریہ بستی بستی قائد اعظم کا پیغام پہنچایا اور اور جوانوں کے دلوں کو سوز یقین سے گرمایا۔ ان کی حریت پسندی اور قائد اعظم سے محبت نے برصغیر کے مسلمانوں کو اُن کا والہ و شیدا بنا دیا تھا۔ تمام حلقے ان کی تکریم کرتے تھے اور ان کی بے لوثی اور بے ریائی کے معترف تھے۔ قیام پاکستان کے بعد انھوں نے مختلف حیثیتوں میں قوم اور ملک کی خدمت جاری رکھی، بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ وہ در اصل وہ تعمیر وطن کے جذبے سے سرشار رہے۔ پیری اور ضعف کے سبب زندگی کے آخری برسوں میں سیاسیات میں ان کا عمل دخل کم ہو گیا تھا مگر دلچسپی میں کبھی کمی نہ آئی۔ انگریزوں کے دور میں بلوچستان میں مسلم لیگ کا قیام [illegible] اُن کا ایک ایسا کارنامہ تھا جو پاکستان میں بلوچستان کی شمولیت کا اہم محرک بنا۔ سیاست کے ساتھ ساتھ وہ تعلیم کے فروغ اور رفاہی کاموں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے [illegible] فرصت [illegible] وطن کا اُٹھ جانا ایک قومی سانحہ ہے [illegible] ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ [illegible] قوم کو [illegible] توفیق دے۔ [illegible]

۵۱ روزنامہ امروز لاہور ۱۲ [illegible]

مخدوم علمدار حسین گیلانی

گیلانی خاندان اور ملتان کی سیاست میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اور ملتان کی تاریخ اس خاندان کے روحانی اور سیاسی کارناموں سے مرتب ہے جب کہ ملتان کے عوام پر ان کے عظیم احسانات ہیں۔ اس خاندان کے مقتدر صاحب احترام بزرگوں نے جہاں اس سرزمین کو اپنے روحانی فیوض و برکات سے سرسبز و شاداب کیا وہاں جہالت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں بھٹکنے والے عوام کے دلوں میں شمع علم کو منور کرنے اور ان میں سیاسی سوجھ بوجھ پیدا کرنے کا سہرا بھی انہیں کے سر ہے۔

مخدوم زادہ سید علمدار حسین گیلانی بھی اس چرخ سیادت کے تابندہ ستارے ہیں۔ سیادت انہیں ورثہ میں ملی تھی اور سیاست کی گود میں انہوں نے آنکھ کھولی یہی وجہ ہے کہ بچپن ہی سے انہیں عوامی فلاح و بہبود سے گہرا شغف رہا ہے۔ ان کے سیاسی شعور اور قومی خدمت کے جذبہ اور ان کی مدبرانہ صلاحیتوں کو دیکھ کر ۱۹۳۶ء میں جب کہ وہ فرسٹ ایر کے طالبعلم تھے مسلم لیگ نے انہیں اپنی آغوش میں لے لیا اور مخدوم زادہ صاحب ڈسٹرکٹ مسلم لیگ ملتان کے نائب صدر بنا دیے گئے۔ انہوں نے اس ذمہ داری کو بطریق احسن نبھایا اور ہمیشہ مسلم عوام کے مقاصد کے لیے جان لڑاتے رہے۔ قوم میں ایسے نوجوان کبھی کبھی پیدا ہوتے ہیں جو گفتار سے زیادہ کردار کے غازی ہوں۔ آپ مارکیٹ کمیٹی ملتان کے چیرمین اور ڈسٹرکٹ کونسل ملتان کے رکن منتخب ہو گئے۔ اراکین کونسل نے آپ کو تعلیمی سب کمیٹی کا صدر چن لیا اور پھر مسلسل کئی سال تک اس عہدہ پر کام کرتے رہے۔

انجمن اسلامیہ کا بہت سا انتظام بھی آپ کے سپرد تھا۔ اس طرح انجمن کے منیجر کی حیثیت

سے ملتان کے عوام کو زیادہ سے زیادہ تعلیمی سہولتیں فراہم کرنے میں کوشاں رہے۔ یہ ان کی ملی خدمات میں دلچسپی کا نتیجہ تھا کہ قوم نے انہیں بہت جلد پنجاب مسلم لیگ کونسل اور پھر آل انڈیا مسلم لیگ کا رکن منتخب کیا۔ یہاں قابل ذکر بات یہ ہے کہ مخدوم شہر ہونے کی حیثیت سے یا اپنی خاندانی وجاہت اور احترام کے پیش نظر کسی محاذ پر آپ نے نامزد ہونا پسند نہ کیا بلکہ ہمیشہ قوم کی آواز نے آپ کو اپنا رہبر تسلیم کیا۔ آپ نے باقاعدہ انتخابات جیتنے کے بعد ہی کسی اعزاز کو قبول کیا اور پھر اُسے قومی فریضہ سمجھ کر اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برا ہونے کی سر توڑ کوشش کرتے رہے۔

۱۹۴۰ء میں مسلم لیگ کے اجلاس لاہور میں قرارداد پاکستان پیش کی گئی تو ملتان کے عوام کی طرف سے اس کی تائید کرنے والوں میں آپ وہاں موجود تھے اور ۱۹۴۳ء میں کراچی آل انڈیا مسلم لیگ کا عظیم الشان جلسہ ہوا تو مخدوم ملتان اس میں بھی شریک تھے۔ آپ کو اکثر ملتان کے عظیم اور غمخوار رہنما مخدوم راجن شاہ گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ قائد اعظم سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ آپ کا کہنا ہے کہ:-

"قائد اعظم ہمیشہ مشفقانہ طور پر ملتے تھے اور میرے دادا محترم مخدوم راجن شاہ کا بڑا احترام کرتے تھے۔ ایک مرتبہ میرے دادا سے جو انگریزی بہت کم جانتے تھے کہنے لگے مخدوم صاحب! میں اردو اس لیے سیکھ رہا ہوں تاکہ آپ سے کچھ حاصل کروں! اور یہ حقیقت ہے کہ وہ میرے دادا کے مفید اور قابل قدر مشوروں سے استفادہ کیا کرتے تھے۔"

۱۹۴۷ء کی تحریک سول نافرمانی میں گیلانی خاندان کے بزرگوں نے قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔ اس موقعہ پر مخدوم زادہ سید علمدار حسین گیلانی بھی بھرپور جذبہ حب الوطنی کے ساتھ میدان عمل میں موجود تھے اور ان کا نام ڈکٹیٹروں کی فہرست میں شامل تھا۔ یہ زمانہ مسلم لیگ کے لیے مسلسل عذاب تھا اور مسلم لیگی جلسوں اور جلوسوں میں حکومت انگریزی کی اس قدر مداخلت تھی کہ خیمہ دوز، دریاں تک کرایہ پر نہیں دیتے تھے اور حکومت سے ڈرتے ہوئے

بہت سے سرکردہ اشخاص مسلم لیگ کے جلسوں میں صدارت کے فرائض ادا کرنے سے انکار کر دیتے تھے۔ ان کٹھن راہوں کو عبور کرنے اور طرح طرح کی مشکلات کا مقابلہ کرنے کے بعد بالآخر مسلم لیگ دشمنانِ اسلام کے ناپاک ارادوں کو خاک میں ملانے میں کامیاب ہوگئی اور بفضلہ تعالیٰ مملکت خداداد پاکستان معرضِ وجود میں آگئی۔ پاکستان بننے کے بعد جن لوگوں نے اس کی تعمیر میں نمایاں حصہ لیا، ان میں مخدوم علمدار حسین گیلانی کا نام ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔ آپ تقریباً تین سال تک صحت، بلدیات اور سماجی بہبود جیسے اہم شعبوں کے صوبائی وزیر کے طور پر خدمات انجام دیتے رہے۔

آپ بڑے فرض شناس، محب وطن اور قابلِ قدر عوامی نمائندے ہیں۔ اور ہمیشہ لوگوں میں گھل مل کر رہتے ہیں صداقت کا پتلا اور شرافت کا مجسمہ ہیں۔ بڑے دردمند دل کے مالک ہیں پاکستان کے قیام پر جب پنجاب کے ۸۵ فیصد ڈاکٹر جو غیر مسلم تھے، ہندوستان سدھار گئے تو شہری علاقوں میں ڈاکٹر برائے نام رہ گئے اور دیہی علاقوں میں تو ڈاکٹر ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتا تھا۔ مخدوم علمدار حسین نے قلمدان وزارت سنبھالا تو ڈاکٹروں کی کمی کی طرف توجہ دی نشتر میڈیکل کالج جس کی بنیاد سردار عبدالرب نشتر نے رکھی تھی۔ اس کی تکمیل کا سہرا بھی مخدوم صاحب کے سر ہے۔ آپ نے اس کالج کی تعمیر اور وسعت میں گہری دلچسپی لی۔ ایک ہال اور تیراکی کے تالاب کا سنگ بنیاد رکھا اور اسے پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں بھی رکاوٹ پیدا نہ ہونے دی پنجاب بھر کے میڈیکل کالجوں میں طلباء کی نشستوں کی تعداد دگنی کر دی۔ تفصیل یوں ہے۔

نمبر شمار	نام میڈیکل کالج	سابقہ تعداد	نئی تعداد
۱	نشتر میڈیکل کالج ملتان	۵۶	۱۰۰
۲	کنگ ایڈورڈ کالج لاہور	۶۵	۱۰۰
۳	فاطمہ جناح کالج لاہور	۵۰	۱۰۰

میڈیکل کالجوں کی نشستوں میں ایک دم اضافہ ہوگیا ڈاکٹروں کو کھلا اٹھے اور مخدوم صاحب

پر اعتراضات کا سلسلہ شروع کر دیا حتیٰ کہ اسمبلی میں بھی یہ سوال اٹھایا گیا کہ مخدوم صاحب کی فراخدلی سے ڈاکٹری پیشہ کے وقار کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ خود ڈاکٹروں نے ان سے کہا کہ اس طرح تو ڈاکٹر گلیوں میں پھیری لگایا کریں گے مگر مخدوم صاحب نے ان اعتراضات کی کوئی پرواہ نہ کی بلکہ یہی کہا کہ ہمارے ملک کے غریب مریضوں کے لیے ڈاکٹروں کی فیس کم کرانے کا یہی طریقہ ہے۔ اس سے عام لوگوں کو طبی سہولتیں میسر آسکیں گی چنانچہ ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹرز پر بھی ہسپتال قائم کئے گئے۔ میڈیکل کالجوں میں نشستوں کے اضافہ کے باوجود ڈاکٹر دیہاتوں میں جانے کا نام نہ لیتے تھے اس پر مخدوم صاحب نے لاہور میں ایل ایس ایم ایف کلاس کا اجراء کیا جسے بعد میں بہاول پور منتقل کر دیا گیا۔ اس کے علاوہ عوام کو طبی سہولت مہیا کرنے کے لیے آپ نے بہت سے دیگر مفید کام کیے۔

اہالیان ملتان پر اس دردمند انسان کے بے شمار احسانات ہیں اور ملتان میں ولایت حسین اسلامیہ کالج، علمدار حسین اسلامیہ کالج اور گیلانی اسلامیہ لاء کالج کی تشکیل آپ کی رہین منت ہے قاسم باغ میں میونسپل لائبریری کا سنگِ بنیاد رکھ کر آپ نے ملتان کے عوام کو خوشگوار ماحول اور معطر فضا میں ایک شاندار مطالعہ گاہ فراہم کر دی۔ آپ کی خداداد صلاحیتوں کے پیش نظر مئی ۱۹۵۵ء میں آپ کو ملک کی آئین ساز اسمبلی کا ممبر بنا دیا گیا۔ ۱۹۵۶ء میں آپ نے قومی اسمبلی کا انتخاب جیتا۔ اسی سال عالمی پارلیمانی امور کی یونین کے رکن چُنے گئے اور اس حیثیت میں آپ نے دنیا کے بہت سے ممالک کے دورے کئے۔ ۱۹۵۷ء میں آپ کو وزیر مملکت کا عہدہ سونپ دیا گیا اسی سال ایوبی مارشل لاء نافذ ہوا تو مخدوم صاحب کی سیاسی خدمات اور قوم کے درمیان ایک دبیز پردہ حائل ہو گیا کئی سال بعد پابندیاں ہٹا دی گئیں تو آپ ڈسٹرکٹ مسلم لیگ ملتان کے صدر کی حیثیت سے پھر میدانِ عمل میں اتر آئے اور ملکی استحکام و سلامتی کے لیے کئی سال تک بھرپور جدوجہد کرتے رہے[۱]۔ آپ کی وفات ۸ اگست ۱۹۷۸ء کو ہوئی[۲]

---

[۱] معلومات مولف مخدوم ملتان ۲۶ جنوری ۱۹۶۴ء [۲] نوائے وقت ۱۰ اگست ۱۹۷۸ء

چودھری غلام عباس

کھلتا ہوا گندمی رنگ، کتابی چہرہ اونچی پیشانی، ابھری ہوئی بھنویں، بادامی آنکھیں، چوڑا چکلا سینہ اور کسرتی جسم۔ یہ تھے چودھری غلام عباس مرحوم۔ آپ کی پیدائش ۴ فروری ۱۹۰۴ء کو جموں شہر کے ایک متوسط گھرانے میں چودھری نواب خاں کے ہاں ہوئی۔ پرنس آف ویلز کالج جموں سے بی اے کرنے کے بعد آپ نے پنجاب یونیورسٹی لاء کالج سے ایل ایل بی کر کے جموں شہر میں وکالت شروع کر دی۔ [1]

آپ نے سیاسی معاملات میں زمانۂ طالب علمی سے ہی حصہ لینا شروع کر دیا تھا ۱۹۲۲ء میں ریاست جموں و کشمیر کی سب سے پہلی نیم سیاسی تنظیم "ینگ مینز مسلم ایسوسی ایشن" کے صدر منتخب ہوئے۔ ریاستی عوام میں سیاسی شعور پیدا کرنے میں اس انجمن نے خاصا کردار ادا کیا۔ ڈوگرہ حکومت نے آپ کو سب جج کے عہدہ کی پیشکش کی تو اس درویش منش انسان نے یہ جواب دیا۔

برو ایں دام بر مرغ دگر نہ
کہ عنقا را بلند است آشیانہ

۱۹۳۱ء میں توہین قرآن پاک کا المناک حادثہ ہوا۔ سرینگر سنٹرل جیل کے سامنے ڈوگرہ پولیس نے نہتے کشمیری مسلمانوں کے سینے گولیوں سے چھلنی کر دیئے۔ اس وقت آپ فوراً سرینگر پہنچے۔ احتجاجی مظاہرہ کا زبردست پروگرام مرتب فرمایا۔ لیکن ۱۳ جولائی کو راتوں رات ڈوگرہ پولیس نے آپ کو معہ مستری یعقوب علی اور سردار گوہر الرحمٰن گرفتار کر لیا۔ [2]

---

[1] افکار راولپنڈی ڈائریکٹری ۱۹۶۲ء ص ۲۹۰۔ روزنامہ نوائے وقت لاہور ۱۹، ۲۰ دسمبر ۱۹۶۷ء روزنامہ نوائے وقت لاہور ۱۰ دسمبر ۱۹۶۷ء کشمکش از چودھری غلام عباس مطبوعہ لاہور ۱۹۵۱ء ص ۱۹۔ ہفت روزہ زندگی لاہور ۱۹ جنوری ۱۹۷۰ء [2] روزنامہ نوائے وقت لاہور ۱۹، ۲۰ دسمبر ۱۹۶۰ء ۱۸ دسمبر ۱۹۶۵ء۔ پنجاب کی سیاسی تحریکیں از عبداللہ ملک مطبوعہ لاہور ستمبر ۱۹۷۱ء ص ۱۲۳ –

۲۳ اکتوبر ۱۹۳۲ء کو آپ نے شیخ محمد عبداللہ سے مل کر آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کی بنیاد رکھی شیخ صاحب اس کے صدر اور آپ جنرل سیکرٹری مقرر ہوئے۔ دوسرے سال آپ صدر اور شیخ صاحب جنرل سیکرٹری چُنے گئے۔ ۹ مارچ ۱۹۳۴ء کو "یوم کشمیر" منانے کے سلسلے میں آپ کو ایک سال قید کی سزا ہوئی۔ ۱۹۳۵ء میں ریاستی مسلمانوں کے مستقبل نے مخدوش حالات کا سامنا کیا۔ شیخ صاحب کی ذہنی کیفیت نے جب اپنی حقیقت ظاہر کی تو انھوں نے مسلم کانفرنس کو ختم کر کے نیشنل کانفرنس کی بنیاد رکھی۔ جب آپ نے دیکھا کہ شیخ صاحب نیشنل کانفرنس کے روپ میں کانگرس کے پروگرام کو ریاست میں لا رہے ہیں۔ تو آپ نے ۱۹۴۰ء میں دوبارہ مسلم کانفرنس کا احیاء کیا اور ریاست کے چپہ چپہ میں نیشنل کانفرنس کے پروگرام کا پردہ چاک کیا۔ یہاں سے شیخ صاحب اور آپ کے راستے جدا ہو گئے۔ اور نیشنل کانفرنس اور مسلم کانفرنس کے درمیان دو قومی نظریہ کی بنیاد پر جو معرکہ آرائی ہوئی۔ وہ تاریخ کا ایک ناقابل فراموش باب ہے۔ اس کشمکش سے ہماری قومی تحریک کو جو دھچکا لگا۔ وہ ایک خونچکاں داستان ہے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اگر شیخ صاحب اس وقت کانگرس کی جھولی میں نہ گرتے تو آج ریاست کا نقشہ کچھ اور ہوتا۔ اور ریاست کے بدقسمت مسلمانوں کو حق خودارادیت کے لیے اس قدر طویل اور کٹھن مصائب کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔ [1]

آپ کئی بار مسلم کانفرنس کے صدر منتخب ہوئے۔ ۹ فروری ۱۹۴۲ء کو آپ نے مسلم کانفرنس کے تاریخی سالانہ اجلاس کے موقعہ پر خطبہ صدارت میں تحریک پاکستان کی مکمل اور پرزور حمایت کرتے ہوئے اعلان فرمایا کہ "۳۵ لاکھ مسلمانانِ ریاست جموں و کشمیر کو پاکستان کا ایک حصہ سمجھتے ہیں۔ اس کے سوا اور کوئی راستہ انہیں قبول و منظور نہیں ہے"۔ [2]

---

[1] روزنامہ نوائے وقت لاہور ۱۸ دسمبر ۱۹۶۵ء۔ کاروانِ احرار جلد اول مطبوعہ لاہور ۱۹۶۵ء ص ۳۱۸، ۳۴۲، ۲۱۰، ۲۱۴۔ روزنامہ روشنی کراچی استقلال نمبر ۱۴ اگست ۱۹۵۸ء ص ۲۲۔ ظہور پاکستان از چوہدری محمد علی مطبوعہ لاہور ۱۹۶۷ء ص ۳۳۸، ۳۳۹۔

[2] روزنامہ نوائے وقت لاہور ۱۹-۲۰ دسمبر ۱۹۶۷ء ہفت روزہ زندگی لاہور ۹ جنوری ۱۹۷۰ء ص ۲۰

مئی ۱۹۴۴ء میں جب قائداعظم کشمیر کے دورہ پر تشریف لاتے تو مسلم کانفرنس نے قائداعظم کا شاندار استقبال کیا اور چوہدری صاحب کی ہی معیت میں قائداعظم نے جموں و کشمیر کے طول و عرض میں عوامی اجتماعات سے خطاب کیا۔ ایک عظیم اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے قائداعظم نے اعلان کیا کہ۔

" خوش قسمت ہے وہ قوم جسے چوہدری غلام عباس جیسا رہنما میسر ہے"

اور آپ کو یہ فخر بھی حاصل ہے کہ آپ کی صدارت میں قائداعظم نے ۱۱ر جون ۱۹۴۴ء کو مسلم کانفرنس کے سالانہ اجتماع سے خطاب کیا۔ [1]

آپ نہایت ہی دردِ دل رکھنے والے مسلمان[2]، پابند صوم و صلوٰۃ اور درویش طبع انسان تھے آپ نے اعلیحضرت امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری رحمۃ اللہ علیہ کے دست حق پر بیعت کی ہوئی تھی۔ اپنے مرشد سے حد درجہ عقیدت تھی۔ چنانچہ ۱۹۴۴ء میں جب قائداعظم کشمیر کے دورہ پر تشریف لائے تو انہیں دنوں حضرت امیر ملت قدس سرہٗ بھی سرینگر جلوہ افروز تھے۔ آپ قائداعظم کو ساتھ لیکر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت نے قائداعظم کی شاہانہ دعوت کی اور پھر مسلم لیگ اور قائداعظم کی کامیابی کے لیے دعا کی۔ [3]

آپ کی عمر عزیز کا بیشتر حصہ ڈوگرہ جیل میں گزرا مگر آپ نے کبھی اپنے نصب العین، حریت کشمیر اور الحاق پاکستان سے منہ نہ موڑا اور ریاست میں دو قومی نظریہ کی تحریک کے علم کو بلند رکھا۔ آپ کی جماعت کا مسلک آل انڈیا مسلم لیگ کے اصولوں پر مبنی تھا

---

[1] روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲۰ر دسمبر ۱۹۶۷ء - ۱۸ر دسمبر ۱۹۷۵ء
[2] مکاتیب بہادر یار جنگ مطبوعہ کراچی ۱۹۶۷ء ص ۵۰۸
[3] سیرت امیر ملت مطبوعہ لاہور ۱۹۷۵ء ص ۴۸۴ - افکار راولپنڈی ڈائریکٹری ۱۹۶۲ء ص ۲۹۷ -

اس لیے انہوں نے مسلم کانفرنس کے پلیٹ فارم سے ہر برانڈ کی نیشنلسٹ تحریکوں کی بڑی پامردی سے مخالفت کی اور جہاں ڈوگرہ حکومت کی اذیتیں برداشت کیں وہاں آپ نے کھنہ نیشلسٹ؟ لیکن دراصل پاکستان کی مخالف قوتوں کا بھی نہایت جرأت اور استقلال سے سامنا کیا۔ [۱]

۲۷ر جولائی ۱۹۴۶ء کو مسلم کانفرنس کے ایک خصوصی کنونشن میں (جس کی صدارت آپ نے کی) قراردادِ آزادیٔ کشمیر پاس کرتے ہوئے ریاست کے مسلمانوں کو اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے کا آزادانہ حق دینے کا مطالبہ کیا اور ساتھ ہی واضح کیا کہ اگر یہ مطالبہ تسلیم نہ ہوا تو مسلم کانفرنس پوری قوت سے آزادیٔ کشمیر کے لیے جدوجہد کرے گی۔ قرارداد کے منظور ہوتے ہی ڈوگرہ ایوان میں لرزہ طاری ہوا اور آپ کو گرفتار کر لیا گیا۔ [۲]

آپ کے حکم کے مطابق ریاستی عوام نے پاکستان کے لیے بیش بہا قربانیاں دیں اور شیخ عبداللہ کے برسراقتدار آنے کے بعد نومبر ۱۹۴۷ء میں جموں میں لاکھوں مسلمانوں نے جامِ شہادت نوش کیا۔ قیام پاکستان کے وقت اگرچہ آپ جیل میں تھے۔ مگر آپ کے دلوالوں اور پروانوں نے آپ کی قید کے دوران ہی آزاد کشمیر کا علاقہ ڈوگرہ غلامی سے آزاد کرا لیا۔ ۱۹۴۸ء میں آپ قیدیوں کے تبادلہ میں پاکستان آ گئے تو قائدِ اعظم نے آپ کو آزاد کشمیر کا سپریم ہیڈ بنا دیا۔ آپ نے ہزاروں مہاجرین کے قافلوں کی دیکھ بھال اور آزاد کشمیر حکومت کی تشکیل کے لیے بے پناہ کام کیا۔ [۳]

۱۹۴۹ء میں کراچی میں پاکستان کی مرکزی کابینہ کا اجلاس بلایا گیا۔ جس میں کشمیر کی جنگ بندی پر غور کرنا تھا۔ آپ یہ سمجھتے تھے کہ یہ تجویز ریاست کے مستقبل کو مخدوش بنا

---

[۱] روزنامہ نوائے وقت لاہور ۱۸ر دسمبر ۱۹۶۵ء

[۲] روزنامہ نوائے وقت لاہور ۱۸ر دسمبر ۱۹۶۵ء روزنامہ نئی روشنی کراچی استقلال نمبر ۱۴ر اگست ۱۹۸۰ء ص ۲۲

[۳] روزنامہ نوائے وقت لاہور ۱۸ر دسمبر ۱۹۶۴ء۔ روزنامہ نوائے وقت لاہور ۱۸ر دسمبر ۱۹۶۵ء، ۱۹۶۶ء

دے گی۔ اس رئیے کہ جب ۱۹۴۶ء میں آپ کی صدارت میں قرارداد آزاد کشمیر منظور ہوئی اور آپ نے اعلان کیا کہ ریاستی عوام تحریک پاکستان کے خطوط پر اپنی جانیں قربان کر دیں گے تو بے سروسامانی کے عالم میں کشمیر کی پہاڑیاں پاکستان زندہ باد کے نعروں سے گونج اٹھیں اور آزاد کشمیر کا فیصلہ اسی تحریک کا نقطہ آغاز تھا۔ چنانچہ آپ نے کراچی پہنچ کر جنگ بندی کی شدید مخالفت کی۔ اور کہا کہ۔

"آج ڈوگرہ سے آزادی حاصل کرنے کا جو جذبہ ریاستی عوام میں موجزن ہے۔ اگر جنگ بند کر دی گئی تو یہ جذبہ سرد ہو جائے گا۔ اور ہم مسئلہ کشمیر حل نہ کرا سکیں گے"

لیکن بدقسمتی سے سردار محمد ابراہیم نے لیاقت علی خان کو جنگ بندی کا مشورہ دیا۔ جس پر آپ واک آؤٹ کر گئے کچھ عرصہ بعد سپریم ہیڈ کے عہدے سے مستعفی ہو گئے اور سیاست سے علیحدگی اختیار کر لی۔ [۱]

کچھ عرصہ بعد آزاد کشمیر کی سیاست اور مقبوضہ کشمیر کے مسلمانوں کی حالتِ زار نے انہیں دوبارہ سیاست کی پُرخار وادی میں قدم رکھنے پر مجبور کر دیا۔ آپ نے حدِ متارکہ کے اس طرف مسلم کانفرنس کو منظم کیا ۱۹۵۵ء میں جب کہ ملک فیروز خان نون پاکستان کے وزیراعظم تھے۔ پاکستان اور بھارت کے وزراء خارجہ کے مابین دہلی اور کراچی میں ملاقاتیں ہوئیں اور ایسا نظر آیا کہ کشمیر کو تقسیم کیا جا رہا ہے تو آپ نے وزیراعظم کو خطوط لکھے مگر مایوسی ہوئی۔ پھر آپ نے ۱۵ر جنوری ۱۹۵۸ء کو کے ایل ایم کی مشہور تحریک کا آغاز کرتے ہوئے اعلان فرمایا کہ۔

"کشمیری عوام سیز فائر توڑ کر ریاست کی حفاظت کریں گے"

اس تحریک کا آغاز ہوتے ہی سارے آزاد کشمیر اور پاکستان میں جذبات بھڑک اٹھے اور ہزاروں مسلم کانفرنسی رضاکاروں نے حدِ متارکہ کی جانب مارچ شروع کیا۔ آزاد کشمیر

---

[۱] روزنامہ نوائے وقت لاہور ۱۸ر دسمبر ۱۹۶۴ء اور ۱۰ر دسمبر ۱۹۶۵ء، ۱۹۶۶ء
روزنامہ نئی روشنی کراچی۔ استقلال نمبر ۱۴ر اگست ۱۹۵۸ء ص ۲۲۔

میں اُس وقت سردار محمد ابراہیم خان صدر تھے۔ انھوں نے اس تحریک کی حوصلہ افزائی کرنے کی بجائے اسے اپنے خلاف قرار دیا۔ رضا کاروں پر تشدد اور گرفتاریاں شروع ہوئیں آپ دس ہزار رضا کاروں کے ہمراہ گرفتار ہو گئے۔ ؎۱

اکتوبر ۱۹۵۸ء میں مارشل لا کے نفاذ کے بعد ایوب خان برسر اقتدار آئے تو آزاد کشمیر میں سردار محمد ابراہیم خان کی بجائے آپ نے مسٹر کے ایچ خورشید (خورشید الحسن خورشید) کا نام تجویز کیا اور خورشید صاحب کو کرسی صدارت مل گئی۔ مگر بدقسمتی سے خورشید صاحب نے اپنا راستہ الگ کر لیا پاکستان کے بعض ارباب اقتدار و اختیار نے بھی آپ سے جو نارو ا رویہ رکھا اور وزارت امور کشمیر کے ذریعے آپ کو جو ذہنی اور فکری پریشانیاں اٹھانی پڑیں شدید وہی انہیں کینسر کے موذی مرض میں مبتلا کرنے کا موجب بنیں۔ باوجود ان حالات کے آپ نے کبھی بھی کسی حاکم کے سامنے سر نگوں نہیں کیا۔ ؎۲

قوموں کی تقدیر وہ مردِ درویش
جس نے نہ ڈھونڈی سلطاں کی درگاہ

اس درویش منش عظیم رہنما نے پاکستان میں کوئی جائیداد بنانے کی بجائے ریاست جموں و کشمیر کو مستقبل پاکستان سے وابستہ کرنے کے لیے اپنی جوانی کو بڑھاپے میں تبدیل کیا۔ گونا گوں آلام کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ انتہائی نامساعد حالات کا سامنا کرنے کے باوجود کشمیری مسلمانوں یعنی مسلم کانفرنس کے کارکنوں کو ہمیشہ یہی درس دیا کہ غلام عباس پہلے پاکستانی ہے اور پھر کشمیری اے کاش کہ پاکستان کے ارباب اقتدار قائد ملت رحمۃ اللہ علیہ کے مقام، اُن کے فکر اور اُن کے مشن کو سمجھنے کی کوشش کرتے۔

آخر عمر میں آپ کینسر کے موذی مرض کا شکار ہو گئے تھے۔ آپ بغرض علاج لندن

؎۱ روزنامہ نوائے وقت لاہور ۱۸ دسمبر ۱۹۶۷ء۔ ہفت روزہ زندگی لاہور ۱۹ جنوری ۱۹۷۰ء ص ۲۱

؎۲ ایضاً۔

بھی گئے مگر مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی" اور آخر کار اسلامیانِ کشمیر کا یہ عظیم اور محبوب رہنما، ہم وفا ایام کی صاعقہ ریزیوں اور اپنوں کی زیادتیوں کا نشکار ہو کر ۱۵ رمضان المبارک ۱۳۸۷ھ مطابق ۸ دسمبر ۱۹۶۷ء کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے میٹھی نیند سو گیا[1]۔ جس کی ساری زندگی علامہ اقبال کے اس شعر کی مکمل تصویر بنی رہی۔

نگہ بلند سخن دلنواز، جاں پُر سوز
یہی ہے رختِ سفر میر کارواں کیلئے

آپ کی آخری آرام گاہ فیض آباد کے قریب راولپنڈی میں بنائی گئی اور وصیت کے مطابق قرآن پاک، جائے نماز اور تسبیح بھی ساتھ ہی دفن کر دی گئی[2]۔ آپ کی وفات حسرت آیات پر ملک بھر کے اخبارات نے خراجِ تحسین پیش کیا۔ جناب رئیس امروہوی نے مندرجہ ذیل قطعہ تاریخ وفات کہا۔[3]

سکۂ فتح بنامِ عباس — خطبۂ جنگ پیامِ عباس
قید کی شام تھی عباس کی صبح — عزم کی صبح تھی شامِ عباس
۔۔۔ وادیٔ کشمیر کا شیر — روضۂ خلد مقامِ عباس
زندگی عالمِ مرگِ مرحوم — موت ہے عمرِ دوامِ عباس

اشک رودادِ زعیمِ کشمیر
آہ عنوان غلامِ عباس
۱۳۸۷ھ

---

[1] روزنامہ نوائے وقت ۱۸ دسمبر ۱۹۶۵ء

[2] روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲۰ دسمبر ۱۹۶۷ء ہفت روزہ طاہر لاہور ۲۹ دسمبر ۱۹۶۵ء ص ۱۱

[3] عالمی معلومات از زاہد حسین انجم مطبوعہ لاہور ۱۹۶۵ء ص ۴۰۸ ۔ روزنامہ جنگ کراچی ۲۱ دسمبر ۱۹۶۷ء ۔

سید محمد عثمان کلکتوی

سید صاحب کی پیدائش اگست ۱۹۰۵ء میں موضع اوگاواں ضلع پٹنہ (عظیم آباد) میں ہوئی۔ آپ سادات کے انتہائی معزز خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ یہ خاندان شیر شاہ سوری کے وقت سے قاضی القضاۃ کے عہدہ پر مامور تھا۔ اس لیے یہ لوگ قاضی کہلاتے تھے۔ مالی حیثیت سے متوسط زمینداروں کا خاندان تھا۔

ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں کے مڈل سکول میں حاصل کرنے کے بعد اپنے والد کے ایک دوست حاجی رحیم بخش تاجر کے پاس کلکتہ چلے گئے اور وہاں انگریزی تعلیم شروع کی۔ چونکہ خاندان میں اسلامی تعلیم کا زیادہ چرچا تھا۔ اس لیے طبیعت میں اسلامی جذبہ نمایاں تھا۔ تعلیم کے زمانے ہی میں اپنے دوست اور ہم جماعت مولانا راغب احسن مرحوم کے ساتھ مسلم یوتھ لیگ کی بنیاد ڈالی جس کے آپ صدر منتخب ہوئے۔ اور اس کا منشور کلکتہ سے شائع کیا تو اس کو دیکھ کر حضرت حکیم الامت علامہ اقبال نے تحریر فرمایا کہ آپ کی تحریک مبارک ہے عجب نہیں کہ عالمگیر ہو جائے۔ [1]

۱۹۲۱ء میں تحریک خلافت کے عہد میں آپ علی پور (کلکتہ) کی جیل میں اسیر فرنگ ہوئے آپ کے ساتھ مولانا راغب احسن، مولانا محمد اکرم خان و دیگر رہنما بھی قید و بند کے روز و شب گزار رہے تھے۔ آپ نے تمام ساتھیوں کے ساتھ عہد کیا کہ ہم علم تعلیم حاصل کریں گے اور اپنی تمام تر زندگی ملتِ اسلامیہ کی خدمت گزاری کے لیے وقف کر دیں گے۔ اور کبھی انگریز

---

[1] روزنامہ نوائے وقت لاہور ۵ رجون ۱۹۶۵ء ص ۳ — ۹ راکتوبر ۱۹۶۵ء ص ۷ ۔

کی ملازمت نہیں کریں گے" چنانچہ آپ نے اپنے اس عہد کو تا زیست نبھایا۔ ؎۱

۱۹۳۰ء میں تعلیم سے فارغ ہوئے، معاشیات اور سیاسیات میں ایم اے کیا اور پھر امتیازی حیثیت سے ایل ایل بی کیا۔ مگر اپنے عہد کو نبھانے کی خاطر ایک دن بھی کچہری کا منہ نہ دیکھا۔ جب گول میز کانفرنس کے موقع پر مولانا محمد علی جوہر کا انتقال ہو گیا۔ تو بہت متاثر ہوئے اور سیاسیات میں حصہ لینے کا عزم کیا۔ کلکتہ جہاں تقریباً دس لاکھ مسلمان آباد تھے۔ وہاں مسلمانوں کا ایک بھی تعلیمی ادارہ نہیں تھا۔ آپ نے ذکریا سٹریٹ میں پریذیڈنسی مسلم ہائی سکول کے نام سے مسلمان طلباء کے لیے ادارہ قائم کیا۔ شروع سے ۱۹۴۷ء تک اس کے ہیڈ ماسٹر رہے۔ جہاں سے نہایت نامی گرامی لوگ پیدا ہوئے جنھوں نے مسلم لیگ کی نشاۃ ثانیہ میں بہت بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ؎۲

دوسری گول میز کانفرنس کی تیاری ہو رہی تھی۔ الہ آباد میں ڈاکٹر شفاعت احمد خاں مرحوم کے مکان پر مسلم لیگ کے قائدین کا جلسہ تھا۔ قائد اعظم بھی جلسے میں شریک تھے۔ جو اس وقت تک جداگانہ انتخاب کے حق میں نہیں تھے۔ اور اہل جلسہ میں سے کسی کی ہمت نہیں تھی کہ قائد اعظم سے بحث کرے۔ ڈاکٹر شفاعت احمد خاں مرحوم نے بطور خاص آپ کو بلایا کہ قائد اعظم سے گفتگو کریں۔

آپ نے ہندوؤں کے انفرادی اور اجتماعی مظالم کے واقعات بیان کیے۔ آخر دو گھنٹے کی گفتگو کے بعد قائد اعظم نے فرمایا کہ ان حالات میں میں بھی جداگانہ انتخاب کی تائید کروں گا۔ ؎۳

۱۹۴۳ء میں آپ کلکتہ مسلم لیگ کے جنرل سیکرٹری مقرر ہوئے اور پاکستان بننے

؎۱-۲ روزنامہ نوائے وقت لاہور ۵ رجون ۱۹۷۵ء ص ۳ - ۹ راکتوبر ۱۹۷۵ء ص ۷۔

؎۳ روزنامہ نوائے وقت لاہور ۹ راکتوبر ۱۹۷۵ء ص ۷۔

تک یہ خدمت انجام دیتے رہے اسی طرح ۱۹۴۲ء میں مسلم لیگ کی طرف سے کلکتہ کارپوریشن کے کونسلر منتخب ہوئے اور ۱۹۴۶ء میں کارپوریشن کے میئر مقرر ہوئے۔ ان پانچ سالوں میں مسلمانوں کے محلّوں میں کارپوریشن کی طرف سے ہر قسم کی آسائش کا انتظام کیا۔ اور اس پانچ سالہ دور میں بھی بے داغ زندگی گزار دی۔[1]

۱۶ اگست ۱۹۴۶ء کو جب یوم راست اقدام منایا گیا۔ تو آپ پیش پیش تھے کلکتے میں فساد شروع ہو گیا۔ اور آپ کے گھر ریجو سکول کی بالائی منزل میں تھا۔ برلا ہاؤس سے گولیوں کی بوچھاڑ کر دی گئی مگر آپ مسلمانوں کے محلّوں کو بچانے میں اتنا مصروف تھے کہ تین دن تک اپنے بال بچوں کی خبر بھی نہ لے سکے۔ پورا کلکتہ ہندو اور مسلم زون میں تقسیم ہو چکا تھا فساد ہوتا رہا۔ گولیاں چلتی رہیں اور وہ یہ زمانہ تھا جب آپ عام طور پر اٹھارہ گھنٹے اور کبھی کبھی بیس ۲۰ اور بائیس ۲۲ گھنٹے تک کام کرتے رہے۔ جتنی دیر آرام کرتے اس میں بھی سرہانے ٹیلیفون کی گھنٹی بجتی اور آواز آتی کہ مسلمانوں کا فلاں محلہ بچائیے۔ کام کی زیادتی اور بروقت کھانے پینے کا انتظام نہ ہونے سے اُن کی صحت پر اثر پڑنا شروع ہوا جس کی انہوں نے کبھی پرواہ نہ کی۔[2]

۱۹۳۶ء سے آل انڈیا مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کے رکن رہے اس لیے قائد اعظم اور آل انڈیا مسلم لیگ کے تمام قائدین سے مراسم رہے۔ تقسیم ملک کے بعد آپ نے ایک ایسا کارنامہ سرانجام دیا، جو تاریخ کا درخشاں باب ہے۔ تقسیم کے بعد کلکتہ سے مسلم لیگ کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ جناب حسین شہید سہروردی مرحوم بے دست و پا ہو گئے ہندوؤں نے کھلم کھلا مسلمانوں کی مخالفت شروع کر دی۔ اِن حالات میں مسٹر گاندھی وہاں آ گئے بہار میں فساد ہو چکا تھا مسٹر گاندھی کا بیان شائع ہوا کہ نواکھلی میں آگ لگی ہوئی ہے۔ اور میں وہاں جا رہا ہوں تاکہ دو لوٹے پانی ڈال کر اس آگ کو بجھاؤں۔ اس شرارت آمیز بیان سے آپ کو سخت تشویش ہوئی سہروردی دہلی میں تھے اور آپ پر کلکتہ کے مسلمانوں کی حفاظت کی ذمہ داری تھی۔ مسٹر گاندھی تک

---

[2] روزنامہ نوائے وقت لاہور ۹ اکتوبر ۱۹۰۵ء ص ۷۔

پہنچنے کا راستہ بند تھا کیوں کہ ہندو اپنے محلوں میں مسلمانوں کا قتل عام کر رہے تھے۔ اس حالت میں ایک اسلامی جذبے سے سرشار ڈرائیور کو ساتھ لے کر ہندوؤں کے محلوں سے گزرتے ہوئے گاندھی کے پاس پہنچے۔ اُن سے گفتگو کی اور ان کو مجبور کر دیا کہ نواکھلی کی آگ سے پہلے کلکتہ کی آگ کو بجھائیں، جو اُن کی ہندو قوم نے وہاں لگا رکھی ہے۔ اور مسٹر گاندھی سے یہ اعلان کرا دیا کہ " میں اور سید محمد عثمان مسلمانوں کے محلے میں ایک ہی مکان میں رہیں گے اور امن قائم کریں گے اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ فوری طور پر امن قائم ہو گیا اور پھر آپ نے مسلمانوں کو تلقین کی کہ آپ لوگ اگر چاہیں تو پاکستان کو ہجرت کر جائیں۔ [1]

آپ اردو، انگریزی اور بنگلہ زبان میں فی البدیہہ تقریر کیا کرتے تھے۔ آپ کی پر جوش تقریروں نے مسلم لیگ کی تحریک میں جان ڈال دی تھی۔ بنگال اور بہار اور اڑیسہ کے ایسے علاقوں میں گئے، جہاں مسلم لیگی نہیں پہنچے تھے اور نتیجہ یہ نکلا کہ گاؤں گاؤں میں مسلم لیگ کا ہلالی پرچم لہرانے لگا۔ [2]

حیدر آباد دکن، تقسیم ہند کے بعد بحرانی دور سے گزر رہا تھا۔ اتحاد المسلمین اس کو ہندوؤں کے قبضے سے بچانے کی کوشش میں لگی ہوئی تھی۔ آپ کو وہاں بلایا گیا۔ اور اتحاد المسلمین کی طرف سے میر لائق علی مرحوم وزیر اعظم دکن نے آپ کو ممالک اسلامیہ کے مشن پر بھیجا، چونکہ یہ معاملہ خفیہ تھا اور آپ نے کبھی اس کی وضاحت نہیں کی۔ اس لیے اس سفر کی وضاحت نہیں کی جا سکتی۔ اگر کچھ کہا تو صرف یہ کہا کہ "حیدر آباد کے مسئلہ پر اگر کبھی پاک بھارت جنگ ہوتی تو پاکستان فتحیاب ہوتا۔" [3]

بیرون ملک ان کو یہ اطلاع ملی کہ ان کی گرفتاری کے لیے بھارت کی پولیس مسلسل ان کے

---

[1] روزنامہ نوائے وقت لاہور ۹ اکتوبر ۱۹۶۵ء ص ۷۔
[2،3] ایضاً ، ، ،

گھر پر چھاپے مار رہی ہے۔ اور ان کے بچوں کو ہراساں کر رہی ہے۔ اس لیے آپ نے کراچی کا رُخ کیا اور اپنے ایک عزیز کے مکان میں قیام پذیر ہوئے۔ آپ کے بچوں کو آپ کے ایک عزیز کلکتہ سے نکال کر چاٹگام لے جانے میں کامیاب ہو گئے اور وہاں سے پھر کراچی میں لے آئے اور پھر آپ مستقل طور پر کراچی میں قیام پذیر ہو گئے۔ ۱ے

خواجہ ناظم الدین جب مشرقی پاکستان کے وزیر اعظم منتخب ہوئے تو آپ کو مشرقی پاکستان بلوایا اور وزارتِ تعلیم کے قلمدان کی پیشکش کی مگر یوم راست اقدام کے وقت سے اب تک رات دن کام میں مشغولیت کی وجہ سے ان کی صحت خراب ہو گئی تھی۔ بیری بیری کا مرض لاحق ہوا، ایک کان پر اثر ہوا اور ثقل سماعت کا مرض ہو گیا۔ اس وجہ سے خواجہ صاحب کی پیشکش کو قبول نہ کر سکے۔

قائدِ اعظم کے بعد جب خواجہ ناظم الدین گورنر جنرل ہو کر آئے تو انھوں نے آپ کو مختلف ملکوں کے لیے سفارت کی پیشکش کی۔ پہلے مصر بھیجنا چاہا پھر مغربی جرمنی اور بعد میں انڈونیشیا مگر آپ کی اہلیہ سخت بیمار رہنے لگیں۔ اس بنا پر آپ ان خدمات کو قبول نہ کر سکے۔ اور بالآخر ۱۴ اگست ۱۹۵۱ء کو وہ انتقال کر گئیں۔ دو لڑکے اور دو لڑکیاں چھوڑیں۔ ۱۹۵۴ء میں آپ نے دوسری شادی کی جس سے تین لڑکے اور چار لڑکیاں ہوئیں۔ ۲ے

آپ بہت سادگی پسند تھے۔ عمر بھر قمیص، پاجامہ، شیروانی اور ترکی ٹوپی اور جناح کیپ استعمال کرتے رہے۔ کبھی بھی سوٹ زیب تن نہیں کیا اور نہ ہی پتلون پہنی۔ اپنے خاندان کے مربی عزیزوں کے ہمدرد اور ہر ملنے والے کے بہی خواہ تھے ۱۹۵۹ء میں حج کی سعادت سے بھی مشرف ہوئے تھے۔ طبیعت اتنی غیور تھی کہ انتہائی نامساعد حالات میں بھی کسی کے سامنے اپنی حالت کا اظہار نہیں فرمایا۔ ۳ے

آخری ایام انتہائی کسمپرسی اور تنگدستی کے ساتھ گزرے۔ جیسا کہ ایک مراسلہ نگار نے

۱،۲ے روزنامہ نوائے وقت لاہور ۹ اکتوبر ۱۹۷۵ء ص ۷۔ ۳ے ایضاً

"نوائے وقت" میں لکھا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تمام مراسلہ من وعن نقل کر دوں تاکہ تحریک پاکستان کے اس عظیم مجاہد کے آخری ایام کی تصویر اور قوم کی بے حسی کا اظہار سامنے آجاتے۔ چنانچہ مراسلہ نگار لکھتا ہے کہ

"۳۱ مئی ۱۹۷۵ء کو سابق میئر کلکتہ اور سابق جنرل سیکرٹری کلکتہ مسلم لیگ اور ممبر آل انڈیا مسلم لیگ سید محمد عثمان ایم اے، ایل ایل بی، کراچی کے ساتھ ایک دل دوز حادثہ پیش آیا۔ سید محمد عثمان صاحب شیر شاہ کالونی کراچی نمبر ۲۸ میں مقیم ہیں۔ ان کے ساتھ ان کی اہلیہ، چار بچیاں اور چار بچے رہتے ہیں۔ ایک لڑکا سید مقبول احمد جو اسکول میں پڑھتا تھا، کسی ساحل سمندر پر اپنے ایک دوست کے ساتھ گیا۔ رات کو واپس آتے ہوئے موٹر کے حادثہ میں سید مقبول احمد اور اس کے دوست دونوں شہید ہو گئے۔ اس حادثہ جانکاہ نے سید محمد عثمان صاحب کی حالت مزید غیر بنا دی ہے۔ ویسے سید محمد عثمان صاحب بیمار چلے آرہے ہیں ان کی حالت اتنی خراب ہے کہ آنکھ سے دیکھنا بھی مشکل ہے اور سماعت بھی بہت کمزور ہو گئی ہے۔ بہت مشکل سے بات سنتے اور سمجھتے ہیں اور فی الحال قید تنہائی میں زندگی گزار رہے ہیں۔ اہلیہ اور بچوں کے ساتھ ایک چھوٹے مکان ۱۸/۴۸ بلاک سی شیر شاہ کالونی کراچی نمبر ۲۸ میں مشکل سے گزر کر رہے ہیں۔ تمام ذرائع آمدنی مسدود ہیں۔ اور انتہائی غربت اور افلاس سے دوچار ہیں۔ ادھر ان کی حالت اتنی خراب ہے کہ مشکل سے باہر نکلتے ہیں۔ حیرت ہے کہ اب تک کسی نے اس عظیم الشان شخصیت پر توجہ نہیں دی اور ٹوٹے پھوٹے مکان میں جہاں روشنی کا بھی انتظام نہیں ہے، زندگی کاٹ رہے ہیں۔ یہ اس شخص کی حالت ہے جو ایک وقت سیکنڈ سٹی آف ایمپائر کلکتہ کا میئر تھا اور جس کے نام سے مخالفین پاکستان خائف رہتے تھے۔ پاکستان کے قیام کے آخر وقت میں سید محمد عثمان صاحب نے گاندھی کے ساتھ پیس موومنٹ، شانتی تحریک چلائی اور اس کے بدولت بنگال، آسام اس محشرستانی سے بچ گیا جو پنجاب اور دہلی میں ظاہر ہوئی۔" ؎۱

؎۱ روزنامہ نوائے وقت لاہور ۱۵ر جون ۱۹۷۵ء (مراسلات)

آپ کی وفات حسرت آیات ۲۹ر اگست ۱۹۰۵ء کو ہوئی اور تیسر شاہ کالونی میں سپرد خاک کر دیئے گئے۔[1] یہ تھا انجام اس شخص کا جس نے اپنا تن من دھن پاکستان کی خاطر لٹا دیا لیکن حکومت اور پاکستانی عوام نے اس کے ساتھ جو سلوک کیا وہ قابل صد افسوس ہی نہیں بلکہ قابل مذمت بھی ہے اگر اکابرین کے ساتھ ہمارا یہی سلوک رہا تو تاریخ ہمیں کبھی بھی معاف نہیں کرے گی۔ ؎

نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندی مسلمانو
تمہاری داستان تک بھی نہ ہو گی داستانوں میں

آخر میں وہ اداریہ نقل کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ جو روزنامہ نوائے وقت لاہور نے آپ کی وفات پر لکھا تھا۔ مذکورہ روزنامہ لکھتا ہے کہ:۔

"دنوں کی گردش کی ایک کرشمہ آرائی ناموروں کو گمنام بنا دینے کے انداز میں بھی ظاہر ہوتی ہے اس کا احساس اخبارات میں کلکتہ کارپوریشن کے سابق میئر اور ایک زمانہ میں مسلم لیگ کے بے حد ممتاز رہنما سید محمد عثمان کے کراچی میں وفات پانے کی بہت ہی مختصر خبر دیکھ کر ہوا ہے۔ جناب سید محمد عثمان ایم اے۔ ایل ایل بی۔ اپنی ہمت اور قومی خدمت کے سبب سے بڑے آدمی بنے تھے۔ کلکتہ ہندو بنگال کا مرکز تھا۔ اور آزادی سے پہلے کسی ایسے مسلمان کا اس کی کارپوریشن کا میئر منتخب ہونا کوئی معمولی کارنامہ نہیں تھا۔ جو مسلمانوں اور ان کی قومی جماعت مسلم لیگ کی خدمت کی وجہ سے نیک نام ہو۔ اور یہ وہ زمانہ بھی تھا جب مطالبہ پاکستان کی وجہ مسلمانوں کے لیے ہندوؤں کی مخالفت جنون کی حدوں کو چھو رہی تھی کلکتہ میں جناب عثمان کی یہ شان بھی تھی کہ مسلم بنگال کے تمام بڑے لیڈر بھی ان کی دوستی کو اپنے لئے باعث فخر سمجھتے تھے لیکن ہجرت کے بعد جب وہ پاکستان تشریف لائے، تو آہستہ آہستہ

---

[1] روزنامہ نوائے وقت لاہور ۳۰ر اگست ۱۹۰۵ء۔

وہ اس لیے گوشۂ گمنامی میں چلے گئے کہ نہ متروکہ املاک کی لوٹ کھسوٹ کی دوڑ میں شامل ہوئے اور نہ ہی اُن کی غیرتِ طبع نے سابقہ قومی خدمات کو موقعہ پرستانہ سیاست کی بنیاد بنانا گوارا کیا مزید برآں وہ فرزندِ سرزمین بھی نہیں تھے، اس لیے جب سیاسی معاملات میں علاقائی تعلق کو اہمیت حاصل ہوگئی تو مشرقی پاکستانی لیڈروں نے بھی اپنے بہاری نژاد اس بہت بڑے محسن محترم سے آنکھیں پھیر لیں۔ یہ اپنی جگہ بہت بڑا المیہ ہے کہ جناب عثمان ایسے بے لوث خادمانِ ملک وملت کی قدر افزائی اور ان کے شایانِ شان عزت و تکریم کے سوتے اب رواں دواں نہیں رہے لیکن جہاں بھی برصغیر کے مسلمانوں کی تحریکِ آزادی کے خادموں اور مجاہدوں کا تذکرہ ہوگا۔ واقفِ حال حلقوں میں جناب محمد عثمان کو خراجِ تحسین پیش کرنا ضروری سمجھا جائے گا۔ [1]

---

[1] روزنامہ نوائے وقت لاہور ۳۱ اگست ۱۹۰۵؁ء (اداریہ)

سیّد غلام مصطفٰے خالد گیلانی

سیّد غلام مصطفٰے خالد گیلانی کا شمار اُن گنے چُنے مجاہدینِ آزادی میں ہوتا ہے جنہوں نے اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر کشتِ آزادی کی آبیاری کی اور سوائے خدا کے کسی کے سامنے سرنگوں نہ کیا۔ آپ نے ۱۹۰۷ء میں سیّد حسین شاہ گیلانی آف موضع دولو کے تحصیل پسرور ضلع سیالکوٹ کے ہاں جنم لیا۔ مڈل پاس کرنے کے بعد آپ کے چچا سیّد غلام مرتضٰے گیلانی تحصیلدار کہوٹہ ضلع راولپنڈی نے آپ کو مدرسہ پٹوار کہوٹہ میں داخل کر دیا۔ یہ امتحان آپ نے نمایاں کامیابی سے پاس کر لیا اور کہوٹہ میں ہی پٹواری لگ گئے۔

ابھی ملازمت کو دو سال ہی ہوتے تھے کہ برصغیر میں تحریک خلافت کا غلغلہ بلند ہوا۔ گیلانی صاحب کی حساس اور غیور طبیعت نے ملازمت کو خیرباد کہہ کر تحریک خلافت میں شمولیت کر لی۔ ۱۹۲۵ء میں آپ کو خلافت رضاکاروں کا سالارِ اعلیٰ اور خلافت کمیٹی کہوٹہ کا جنرل سیکرٹری بنا دیا گیا۔ تھوڑے ہی عرصہ بعد آپ کو کہوٹہ سے راولپنڈی طلب کر لیا گیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ہندوستان کے گلی کوچوں میں "فوج اور پولیس کی نوکری حرام ہے" کا طوفان بپا تھا۔ "بولی اماں محمد علی کی بیٹا خلافت پہ جان دینا" اور "غازی مصطفٰے کمال وے تیریاں دور بلائیاں" کے ہنگامی نعروں کی دھوم مچی ہوئی تھی۔ گیلانی صاحب بھی ایسے ہی نعروں کی تکرار میں پہلی بار جیل کی تنگ و تاریک کوٹھڑی میں ٹھونس دیئے گئے الغرض جیل ہی سے آپ کی سیاسی زندگی میں تلاطم پیدا ہوا۔ باعزت رہائی کے فوراً بعد آپ کو خلافت کمیٹی ضلع راولپنڈی کا جنرل سیکرٹری اور ڈویژنل خلافت کمیٹی کا آرگنائزر

بنادیا گیا۔ ساتھ ہی صوبہ خلافت کمیٹی کا رکن نامزد کر دیا گیا۔ اور ایک قلیل عرصہ کے اندر ہی آپ نے اپنی پرجوش تقریروں اور قید و بند کے مصائب و آلام مردانہ وار جھیلنے کے باعث غیر معمولی شہرت حاصل کر لی۔

تحریک خلافت کے بعد گیلانی صاحب نے "تحریک نوجوانانِ اسلام" کے نام سے ایک نئی جماعت کی تنظیم کی جس میں جذبۂ جہاد سے سرشار اور اکثر پختہ کار خلافتی نوجوانوں نے سرگرمی سے حصہ لیا۔ اس جماعت نے خدمتِ خلق اور نماز کی تحریک شروع کر کے بہت کام کیا اور ملک و ملت کے مذہبی مسائل میں گہری دلچسپی لے کر شہرت پائی۔ اس جماعت کی قیادت کا سہرا ابھی ایک طویل عرصہ تک گیلانی صاحب ہی کے سر رہا۔ اس کے بعد تحریک آزادی کشمیر میں سرگرمی سے حصہ لیتے ہوئے پھر جیل چلے گئے۔ ایک سال کی قید و بند کے بعد رہا ہوئے تو مجلسِ احرار معرضِ وجود میں آ چکی تھی۔ آپ اپنے تمام پرجوش ساتھیوں کے ساتھ مجلس احرار میں شامل ہو گئے لیکن ابھی مجلس احرار کی سرگرمیوں کو ایک دو سال ہی گزرے تھے کہ سکھوں نے مسجد شہید گنج کو مسمار کر دیا۔ اس مرحلہ پر مجلس احرار دو حصوں میں منقسم ہو گئی۔ گیلانی صاحب اور ان کے دیگر ہزاروں ساتھیوں نے مسجد شہید گنج کی حمایت میں مجلسِ احرار سے علیحدہ ہو کر "مجلس اتحادِ ملت" کے نام سے نئی جماعت کی داغ بیل ڈالی جس کے رضا کار (نیلی پوش مجاہدین) سکھوں سے بھڑ گئے۔ اس جماعت کی ہندوستان کے طول و عرض میں تین سو سے زائد شاخیں پھیلی ہوئی تھیں۔ آپ کو نیلی پوشانِ ہند کا سر عسکر اعلیٰ بنادیا گیا۔ اس منصبِ جلیلہ پر فائز ہوتے ہی آپ نے تمام ہندوستان میں نیلی پوشوں کو منظم کر کے ملک کی سیاسی فضاؤں میں ایک ارتعاش پیدا کر دیا۔ غرض مجلس اتحاد ملت ہند کے معزز اراکین نے حصول مسجد شہید گنج کی ہمہ گیر اور مؤثر تحریک میں گولیاں کھائیں اور قید و بند کی بے پناہ مصیبتیں برداشت کیں۔ آپ ہمیشہ صفِ اوّل میں رہے۔

دوسرے دور میں مجلس اتحاد ملت ہند کے بائیس ۲۲ رہنماؤں کو غیر معینہ عرصہ کے لئے

پھر نظر بند کر دیا گیا جن میں آپ کو بھی گرفتار کر کے حصار کے تاریخی قلعہ میں نظر بند کر دیا گیا پورے ایک سال کی نظر بندی کے بعد جب آپ حضرت قائد اعظم محمد علی جناح کی کوششوں سے رہا کئے گئے تو آپ اپنے مجاہد ساتھیوں کے ہمراہ لاہور پہنچے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب علی برادران نے کانگریس سے علیحدہ ہو کر مسلمانان ہند کو مسلم کانفرنس کے پلیٹ فارم پر منتظم اور اکٹھا کرنے کی مہم شروع کر رکھی تھی۔ اور اس سلسلہ میں امیر حزب اللہ حضرت پیر فضل شاہ جلال پوری رحمۃ اللہ علیہ کی سیاسی سرگرمیاں بھی قابل رشک نگاہوں سے دیکھی جاتی تھیں علی برادران کی اس نئی تحریک کو ناکام بنانے کے لیے فرقہ پرست ہندوؤں کی طرف سے شدھی اور سنگھٹن کی وطن دشمن تحریکیں جنم لے چکی تھیں۔ اور کانگرس کے گندم نما جو فروش ہندو لیڈر در پردہ ان تحریکوں کی پیٹھ ٹھونک رہے تھے۔ ہندو سکھ اور انگریز گٹھ جوڑ مسلمانوں کا اتحاد ختم کرنے کے لیے میدان میں مصروف کار تھا۔ اسی وجہ سے قائد اعظم نے نیلی پوشان ہند کی ایک فعال اور نمائندہ جماعت اتحاد ملت کو اپنانے کے لئے ہی نیلی پوشوں کو رہا کرایا تھا۔

دہلی کے ایک لاکھ پتی سیٹھ گڈوڈیہ نے چاندنی چوک دہلی کی تاریخی جامع مسجد فتحپوری سے ملحق سرائے بنگش خرید کر مندر کی تعمیر کا آغاز کر دیا۔ کانگرسی علما۔ سیٹھ مذکور کے ہاتھ بک چکے تھے۔ سیٹھ نے مسجد کی عقبی دیوار کے ان گنت مینار گرا کر اس کے اوپر ہی مندر کی دیوار کا چناؤ شروع کر دیا تھا۔ دہلی کے ایک ضعیف العمر مجاہد سیٹھ احمد میمن نے پوسٹروں کے ذریعے مسجد پر تعمیر مندر کی اندھیر گردی کو بے نقاب کیا۔ فرقہ پرست ہندوؤں نے سیٹھ احمد میمن پر کئی بار حملے کیے مگر اس نے حوصلہ نہ ہارا اچانک ایک دن مولانا ظفر علیخاں اور گیلانی صاحب نیلی پوش کا پوری مجاہدین کا ایک دستہ لیکر لاہور آتے ہوئے دہلی پہنچے اور سیٹھ احمد میمن نے تمام واقعہ سنایا جسے سنکر گیلانی صاحب بیتاب ہو گئے۔

دوسری رات مسجد فتحپوری میں جلسہ عام کا اعلان کیا گیا۔ لاکھوں مسلمان جمع ہو گئے۔ اُدھر انگریز حکومت کانگریس اور جمعیت علماء ہند کی پشت پناہی کر رہی تھی۔ اور مندر کی تعمیر زور وشور سے جاری تھی۔ اِدھر یہ تاریخی اجلاس حضرت مولانا عبدالغنی بہاری ممبر سنٹرل اسمبلی کی زیر صدارت ہوا۔ مولانا ظفر علیخان، سید حسن امام آف پٹنہ، مولانا مرتضےٰ بہادر آف مدراس ممبران سنٹرل اسمبلی، مولانا مولا بخش خطیب جامع مسجد راولپنڈی، مولانا عبدالغفور ہزاروی ثم وزیر آبادی اور مسٹر ابوسعید انور وغیرہ نیلی پوش رہنماؤں نے مندر کی تعمیر کے خلاف ہنگامہ خیز تقاریر کیں۔ رات کے دو بجے جب تمام رہنما تقاریر کر چکے تو سب سے آخر میں گیلانی صاحب نے اپنے مخصوص اور جوشیلے انداز میں مختصر تقریر کے بعد فوراً اعلان کر دیا۔ آپ کے ایمان پرور اعلان کے الفاظ یہ تھے۔"

"دہلی کے غیور مسلمانو! تقریروں کا وقت گزر چکا ہے۔ اب عمل کا وقت آن پہنچا ہے تمہاری اسلامی حمیت کو کانگرسی ملاؤں نے زنگ آلود کر دیا ہے۔ سامنے انگریزی حکومت کی منظم پولیس کے حلقہ میں مشرکین مسجد کی دیوار کے سینکڑوں میناروں کو صاف کر کے شرک و کفر کا ایک مرکزی بت خانہ تعمیر کر رہے ہیں۔ اس کے خلاف صرف ایک ضعیف مسلمان احمد میمن تنہا جنگ کر رہا ہے مگر اس کفرستان کے نقار خانے میں طوطی کی آواز کون سنتا ہے میرے ماتحت اس وقت بیس کانپوری نیلی پوش نوجوان ہیں، جو لاہور میں مسجد شہید گنج کے تحفظ کے لیے کفن بر دوش ہو کر جا رہے ہیں۔ آج ہم نے لاہور جانے کا ارادہ ترک کر دیا ہے۔ کل صبح ٹھیک نو بجے یا تو مندر کی تعمیر کا سلسلہ ختم ہو جانا چاہیے بصورت دیگر میں ببانگ دہل اعلان کرتا ہوں کہ ۲۹ فٹ کی بلندی پر پہنچ کر ہم تعمیر مندر کا سلسلہ قوت بازو سے ختم کر دیں گے کل صبح نو بجے اینٹوں کی جگہ یا نیلی پوش مجاہدوں کے سر لگیں گے یا

مندر کی تعمیر رک جائے گی۔ فضول اور طویل بے معنی تقریروں سے یہ مسئلہ حل نہیں ہوگا۔"

اس مجاہدانہ اعلان کے سنتے ہی ہر طرف سناٹا چھا گیا۔ حکومت کے ایوانوں میں کھلبلی مچ گئی۔ تمام مذکورہ نیلی پوش رہنماؤں نے گیلانی صاحب سے اختلاف کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ کیسے ممکن ہے؟ انگریزی حکومت ہے۔ تعمیر ۱۲۹ فٹ کی بلندی پر شب و روز جاری ہے۔ پولیس کا ایک منظم حصار مندر کے تعمیر کنندوں کا محافظ ہے۔ آئین و قانون کو ہاتھ میں لینے کے اقدام کی نفی کرتے ہوئے گیلانی صاحب کو اپنا مجاہدانہ اعلان واپس لینے پر مجبور کیا گیا۔ آخر کار گیلانی صاحب پھر اُٹھے تو رات کے تین بج چکے تھے۔ انہوں نے اپنی گونجدار آواز میں مکرر فرمایا۔

"اے دلی کے مسلمانو! اگر سترہ برس کا محمد بن قاسم عرب سے آکر سندھ کا علاقہ فتح کر سکتا ہے تو ہمارے سامنے ۱۲۹ فٹ کی بلندی کیا حقیقت رکھتی ہے۔ ہم کل صبح ٹھیک نو بجے اپنے سر پیش کریں گے، آپ صرف تماشہ دیکھنے آئیں۔ انگریزی پولیس گولیاں چلانے آئے، ہم اپنے اعلان کے مطابق گولیاں کھانے آئیں گے۔ یا تو تعمیر مندر رک جائے گی یا ہم مسجد فتحپوری کی حفاظت کرتے ہوئے جام شہادت نوش کرلیں گے۔ ہمارے رہنما خدا معلوم موت سے کیوں ڈرتے ہیں؟ خدا نے چاہا تو ہم اس ناممکن کام کو ممکن کر دکھائیں گے۔"

یہ اعلان نہیں تھا بلکہ جنگ کا بگل تھا۔ جلسہ گاہ لاکھوں مسلمانوں کے پرجوش نعروں سے گونج رہی تھی۔ صبح ہوتے ہی لاکھوں مسلمان مسجد فتحپوری میں پہنچ گئے۔ پولیس نے مسجد اور مندر کو محاصرے میں لے رکھا تھا۔ تین سو نیلی پوش کفن بردوش مجاہدین نیلی وردیاں پہن کر باوضو ہو کر ذوق شہادت میں سرشار اپنے سالار اعظم گیلانی صاحب کا انتظار کر رہے تھے کہ اچانک گیلانی صاحب اپنے دفتر سے غائب ہو کر معہ قاری عبدالرحمن و سلطان میاں

پولیس اور تمام ہندوؤں اور سکھوں کو جُل دے کر مندر میں داخل ہو گئے جب تینوں مجاہد اپنی عزیز ترین جانوں کو دشمن کے نرغے سے بچا کر ۱۲۹ فٹ کی بلندی پر نمودار ہوتے تو تین ۳ نیلی پوش مجاہدین نے اپنے سرفروش لیڈر کا حکم سنتے ہی تعمیر کرنے والے ہندوؤں اور سکھوں پر ٹوٹ پڑے۔ آناً فاناً گوکی رسیاں کاٹ دی گئیں تعمیر کنندہ معمار ۲۹ فٹ کی بلندی سے خود بخود کودنے لگے جب پولیس بھی لاٹھی چارج کے لئے اوپر چڑھی تو نیلی پوشوں نے جوابی حملہ کر دیا۔ جس سے چالیس ۴ پولیس مین گر کر زخمی ہو گئے اور ایک نیلی پوش کو بھی شدید زخم آئے پولیس کے ایک اعلیٰ افسر نے گیلانی صاحب کے نیچے اسّی فٹ کی بلندی پر پہنچ کر کئی فائر کئے مگر خدا تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے انہیں محفوظ رکھا۔ ۸۰ فٹ دلوار مندر جو رات ہی رات تعمیر ہو چکی تھی گرا دی گئی۔ ہندو سکھ تعمیر کنندہ معمار گرتے پڑتے اکثر زخمی ہو گئے۔ حکومت نے اپنی شکست مان کر خود متنازعہ دلوار گرانے کا حکم دے دیا۔ اس عظیم الشان کارنامہ کی بنا پر گیلانی صاحب کو لاکھوں مسلمانوں کے فتح مند اجلاس میں خالد کا خطاب دیا گیا۔ آپ کی ہزاروں تصاویر فروخت ہوئیں۔ اہل دہلی نے نیلی پوش مجاہدین پر پھولوں کی بارش کی۔

اس تاریخی واقعہ نے دہلی سے کانگریس کا جنازہ نکال کر مسلم لیگ کے پاؤں جما دیئے اور اسی کارنامے کی بدولت قائد اعظم نے نیلی پوشان ہند کو اپنی تنظیم مسلم لیگ میں سمو لینے کا فرمان صادر کیا۔ چنانچہ ۱۹۳۸ء آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ کلکتہ میں مولانا عبد الغفور ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ نے اس تنظیم کو مسلم لیگ میں مدغم کر دینے کا اعلان کیا۔ مجلس اتحاد ملت ہند کی ۳۲۴ شاخوں کو توڑ کر ہزاروں نیلی مجاہدین نے مسلم لیگ نیشنل گارڈ کا لباس زیب تن کر لیا۔ اور تمام نیلی پوش رہنما مسلم لیگ کے مبلغ بنکر ہندوستان کے طول و عرض میں کانگرس کو پچھاڑنے لگے۔ کانگرس اور اس کی ہمنوا طاقتیں بوکھلا اُٹھیں۔ اور مسلم لیگ کی انگریز پرستی کے تمام کانگرسی الزامات خود بخود دھلنے لگے

بالآخر ہندوستان کے دس کروڑ مسلمانوں کی عظیم اکثریت مسلم لیگ کے جھنڈے تلے جمع ہو گئی جس سے قائد اعظم کی قیادت کو چار چاند لگ گئے اور پاکستان کی منزل قریب سے قریب تر نظر آنے لگی۔

اسی اثناء میں متحدہ پنجاب کی خضر گورنمنٹ کے خلاف مسلم لیگ کی طرف سے سول نافرمانی کی تحریک شروع کی گئی تمام پنجاب میں گرفتاریوں کا بے پناہ سلسلہ شروع ہوا۔ آخرکار ملک خضر حیات نے مسلم لیگ تحریک کو ناکام بنانے کے لیے مزید گرفتاریاں بند کر دیں۔ اس ہمہ گیر تحریک میں مسلمان مرد و خواتین نے برابر کا حصہ لیا تھا۔ طلباء و طالبات نے غیر معمولی قسم کے پُرجوش مظاہرے کئے مگر گرفتاریاں بند ہونے کی چال سے تحریک قدرے مدھم پڑ گئی جس پر اکابرین مسلم لیگ نے اس تازہ صورت حال پر غور کر کے حضرت قائد اعظم کی منظوری سے ایک نمائندہ وفد لاہور بھیجا۔ گیلانی صاحب جو زیر زمین سیاسی سرگرمیوں میں مصروف تھے انہیں بلوا کر خفیہ تحریک کی قیادت و رہنمائی کا فریضہ سونپ دیا۔ جس کو کامیاب طور پر سرانجام دے کر گیلانی صاحب نے بڑا نام پیدا کیا۔ آپ نے چند یوم کے اندر مواصلات کا نظام درہم برہم کرنے کی پُرامن تحریک شروع کر دی جس سے متاثر ہو کر ہزاروں لوگوں نے ریلوے پٹڑیوں پر ڈیرے ڈال دیئے۔ مویشی باندھ دیئے۔ قدم قدم پر زنجیریں کھینچ کر ریلیں رک دی گئیں غرض گیلانی صاحب نے ایک ماہ کے اندر خضری حکومت کو پھر گرفتاریاں کرنے پر مجبور کر دیا۔ جس سے از سر نو ہنگامے اور مظاہرے تیز ہو گئے۔ تلاش بسیار کے باوجود سابق پنجاب کے ۲۹ اضلاع کی پولیس مسلسل ایک ماہ تک گیلانی صاحب کو گرفتار نہ کر سکی۔ حالانکہ آپ بھرے پبلک جلسوں میں اچانک پہنچ جاتے تھے۔ اور کئی کئی گھنٹے ہنگامہ خیز تقریریں کرنے کے بعد غائب ہو جاتے تھے۔ جس دن آپ اپنے انقلابی دورہ کی آخری تقریر گوجرانوالہ میں فرما رہے تھے۔ تو قومی طوفان کی تاب نہ لا کر خضری وزارت نے ہتھیار ڈال دیئے اور مسلم لیگ نے فتح و نصرت کے شادیانے بجانے شروع کر دیئے۔ تمام اکابرین مسلم لیگ رہا کر دیئے گئے۔ اس زیر زمین تحریک

کی بھاگ دوڑ ۔ ۔ ۔ ۔ اور کوشش میں گیلانی صاحب نے جو مصائب و آلام برداشت کئے، اس کی تفصیل کے لیے کئی دفتر درکار ہیں۔

خضر وزارت کے دم توڑتے ہی ہندو سکھ انگریز تگڈم گھبرا گیا۔ اور کانگرسی ہندوؤں کی شہ پر سکھوں نے مسلمانوں پر منظم حملے شروع کر دیئے۔ اس وقت اس عظیم خطرے کے انسداد کا کام بھی خفیہ طور پر آپ کے ہی سپرد کر دیا گیا۔ آپ نے متحدہ پنجاب کے ۲۹ اضلاع کے مسلمانوں کو بیدار کیا۔ مارچ ۱۹۴۷ء کے فسادات میں آپ کا گھر لوٹ لیا گیا۔ آپ کا خاندان بمشکل جانیں بچا کر نکل سکا۔ آپ اس وقت گورداسپور کے دیہات میں اپنے مشن کی تکمیل میں مصروف تھے۔ ایک ہندو لو ہدراج کے قتل کا مصنوعی مقدمہ بنا کر زیر دفعہ ۳۰۲ تعزیرات ہند آپ کے وارنٹ گرفتاری جاری کر دیئے گئے۔ اور مارچ ۱۹۴۷ء میں آپ کو گرفتار کر لیا گیا۔ مسلسل کئی ماہ تھانہ صدر بیرونی راولپنڈی کی حوالات میں زیر تفتیش رکھ کر ہر قسم کے مظالم کئے گئے مگر آپ کے پائے ثبات میں ذرہ بھر فرق نہ آیا۔

جب تھانہ صدر بیرونی کی حوالات میں آپ کو کئی ماہ گزر گئے تو اچانک گورنمنٹ پنجاب کے حکم سے آپ کو سنٹرل جیل راولپنڈی کی پھانسی کی کوٹھڑی میں پہنچا دیا گیا۔ اس وقت فسادات ۱۹۴۷ء کے سلسلے میں مختلف طبقوں کے تعلق رکھنے والے تقریباً پانچ ہزار مسلمان جیل میں بند تھے۔ جن پر تعزیرات ہند کے تحت ہندوؤں اور سکھوں کے قتل عام اور سازشوں کے شدید الزامات عائد کئے گئے تھے۔ اس وقت جیل کے اعلیٰ حکام میں صرف ایک اعلیٰ افسر مسلمان تھا۔ باقی تمام ہندو اور سکھ تھے۔ ڈی سی اور ایس پی دونوں انگریز تھے۔ سیشن جج اور دیگر اعلیٰ افسر بھی ہندو سکھ تھے۔ سازش یہ تھی کہ مذکورہ پانچ ہزار مسلمانوں کو جن میں سے دو سو کے قریب اعلیٰ طبقہ کے لوگ تھے۔ مقدمات کی سرسری سماعت کے بعد تختہ دار پر لٹکا دیا جاتے۔ اس سازش کے انکشاف کے باعث تمام حوالاتیوں کے حوصلے گر گئے۔ اس وقت کوئی پرسان حال نہ تھا جب ہندو اور سکھ افسروں نے محسوس کیا کہ تمام مسلمان

قیدیوں کے حوصلے پست ہو گئے ہیں تو اُنھوں نے انتہائی ذلت آمیز طریقوں سے اُن کو ستانا اور تنگ کرنا شروع کر دیا۔ ان کے پژمردہ چہروں کو دیکھ کر آنسو بہانے سے مسلمان افسر کا دل جلتا تھا مگر وہ بے بس تھا جب گیلانی صاحب کے اچانک سنٹرل جیل میں پہنچنے کی خبر تمام مسلمان حوالاتیوں نے سُنی تو مارے خوشی کے اُچھل پڑے۔ آپ نے خفیہ طور پر تمام قیدیوں سے رابطہ پیدا کیا۔ چنانچہ سب کے حوصلے بلند اور عزائم پختہ ہو گئے اس طرح جیل کے تمام ہندو اور سکھ افسروں کی بولتی پھر بند ہو گئی اور حوالاتیوں کے کیمپوں کی طرف ان کا آنا مشکل ہو گیا۔ آپ نے حوالاتیوں کی قیادت و رہنمائی اس خوبصورت اور پُرامن انداز سے فرمائی کہ ہندو سکھ انگریز تکڑدم کسی ایک مسلمان کو بھی تختۂ دار پر لٹکانے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ یہاں تک کہ ۱۴ راگست کی مبارک صبح طلوع ہوئی اور پاکستان ایک روشن حقیقت بن کر افق عالم پر اُبھر آیا۔ سنٹرل جیل راولپنڈی کے دروازے کھُل گئے اور گیلانی صاحب اپنے پانچ ہزار قیدی ساتھیوں کے جلوس کی قیادت کرتے ہوئے پاکستان زندہ باد، قائدِ اعظم زندہ باد اور ہندو سکھ انگریز سازش مُردہ باد کے پُرجوش نعرے لگاتے ہوئے باہر نکل آئے۔ آپ کے اس عظیم کارنامے نے آپ کی ملکی و ملّی شہرت میں غیر معمولی اضافہ کر دیا۔ ؎

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

تحریک پاکستان کے دوران ایک ایسا وقت بھی آیا کہ سندھ کے جی ایم سید نے انتخابات میں مسلم لیگ کو چیلنج کیا کہ اگر خود جناح صاحب میرے مقابلے پر آئیں تو میں اُن کی بھی ضمانت ضبط کرا دوں گا۔ قائدِ اعظم نے اس چیلنج کو قبول کرتے ہوئے اپنی جماعت سمیت ساری توجہ صوبہ سندھ پر مرکوز کر دی ادھر آل انڈیا کانگرس بھی جی ایم سید کی حمایت میں مقابلے پر ڈٹ گئی۔ اس عام مہم میں مسلم لیگ و کانگرس کی کھلم کھلا ٹکر ہوئی۔ مسٹر جی ایم سید کے

حلقۂ انتخاب میں جن مخلص لیڈروں اور کارکنوں نے سرگرم حصہ لیا آپ بھی ان میں شامل تھے آپ کے انتخابی قافلہ میں جہلم کے چند بے لوث کارکنوں کے علاوہ بیس طلباء علیگڑھ کے تھے جنکی قیادت پروفیسر عبدالعزیز کر رہے تھے۔ اور اس منظم تاریخی قافلے نے آپ کی سربراہی میں نصف ماہ چنے کی خوراک اور دریائے سندھ کے پانی پر گزارہ کیا مگر انتخابی مہم کے ساتھ ساتھ قاتلانہ حملوں کا بھی مقابلہ کرتے رہے بالآخر اپنے عزم و عمل سے کانگرسی اُمیدوار مسٹر جی ایم سید کو شکست فاش دی مسلم لیگ کے اُمیدوار قاضی محمد اکبر کی غیر معمولی کامیابی نے صوبہ سندھ میں مسلم لیگ کی سیاسی عظمت کو چار چاند لگا دیئے۔ (یاد رہے کہ اس مہم میں پیر غلام مجدد سرہندی، پیر عبدالرحمٰن و عبدالرحیم بھرچونڈوی، پیر سید مغفور القادری، پیر محمد حسن جان سرہندی اور محمد اسمٰعیل روشن سرہندی قدس اسرارہم نے بھی نمایاں حصہ لیا تھا۔ ان حضرات کے حالات حصہ اول میں آ چکے ہیں) اس ملکی و ملی کامیابی کا سہرا بھی آپ کی مجاہدانہ قیادت کے سر تھا۔ اور اسی عظیم خدمت کی بنا پر حضرت قائداعظم نے بذریعہ تار آپ کو "فاتح سندھ" قرار دیا تھا۔ مسٹر جی ایم سید کی اس اچانک شکست نے سندھ کانگرس اور دیگر فرقہ پرست ہندوؤں کی تمام ناپاک سازشوں کو ناکام و نامراد بنا دیا۔

تحریک پاکستان کی تاریخی مہم میں آپ نے ہندوستان کے طول و عرض میں وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے، جن سے تاریخ پاکستان کا ایک باب قائم ہو گیا۔ قائداعظم کے سرینگر سے لاہور واپسی تک کے تمام پروگرام بھی آپ کی باوقار اور پرجوش قیادت کے رہین منت تھے۔ آپ نے صرف پندرہ یوم کے اندر اندر کوہالہ سے شاہدرہ تک سینکڑوں میل کی مسافت کو محرابوں، خوبصورت دروازوں، پرامن جلوسوں کے ذریعے قائداعظم کے اس تاریخی استقبال کو وہ رونق بخشی جس کی یاد دیکھنے والوں کے دلوں سے کبھی محو نہ ہو سکے گی۔ قائداعظم نے آپ کے حسن انتظام اور خدمات کا اکثر اعتراف کیا۔ آپ پر ہمیشہ نظر عنایت فرماتے رہتے۔

آپ نے راولپنڈی میں مسلم لیگ کا جھنڈا اس وقت بلند کیا جب مسلم لیگ کے کارکنوں کی حالت اُن یتیموں سے ملتی جلتی تھی جنکا کوئی پُرسان حال نہیں ہوتا۔ خوشنودی انگریز اور ذاتی اغراض کے پرستاروں کا دور دورہ تھا۔ پنجاب کے اندر سر میاں فضل حسین کے بعد سر سکندر حیات کا طوطی بول رہا تھا۔ اُس وقت صرف ملک برکت علی ایڈووکیٹ مرحوم پیر تاج دین صاحب بیرسٹر مرحوم، میاں رمضان علی پی ایم جی مرحوم، میاں امیر الدین رئیس لاہور، نواب سر محمد شاہنواز خاں مرحوم والئی ممدوٹ مسلم لیگ کے لیڈر تھے۔ راولپنڈی ڈویژن میں صرف آپ ہی تھے جو شروع سے لیکر آخر تک اپنے مسلک پر قائم دائم رہے جن کے دامنِ سیاست پر کبھی داغ نہیں آیا۔ جن صبر آزما مرحلوں اور آزمائشوں کے دور سے آپ کو گزرنا پڑا اور جس دلیری اور پامردی کے ساتھ ساری عمر قید و بند اور اقتصادی بدحالی کے طوفانوں سے ٹکراتے رہے۔ اس کا صدقِ دل سے اعتراف نہ کرنا سخت بد بے انصافی ہوگی۔ آپ اقبال کے اس شعر کی عملی تصویر ہیں۔ ؎

باطل سے دبنے والے اے آسمان نہیں ہم
سو بار کر چکا ہے تو امتحان ہمارا

قیام پاکستان کے بعد مہاجرین کی آبادکاری میں پوری دلجمعی سے حصہ لیا۔ ۱۹۵۱ء کے عام انتخابات میں پنجاب لیجسلیٹو اسمبلی کا انتخاب راولپنڈی تحصیل کے حلقہ نمبر ۲ سے بھاری اکثریت سے جیتا۔ اپنے تین چار مخالفین کو بُری طرح شکست دی۔ پنجاب اسمبلی میں آپ نے عوام کی نمائندگی کرتے ہوئے پرجوش، تعمیری اور قابل عمل تقریریں کیں، ان سے معمورہ آفاق آج بھی گونج رہا ہے۔ پنجاب اسمبلی کے خاتمہ کے بعد جب مغربی پاکستان اسمبلی کا چناؤ ہوا تو آپ اپنے دیگر پانچ ساتھیوں سمیت دوبارہ کامیاب ہوتے۔ اسی زمانہ میں سکندر مرزا نے اپنی صدارت کو محفوظ کرنے کے لیے ہر قسم کی ناجائز کاروائیاں شروع کر رکھی تھیں۔ ارکان اسمبلی کو خریدا جا رہا تھا۔ ان حالات میں جن حضرات نے ثابت قدمی

کا مظاہرہ کیا اُن میں آپ کا نام صفِ اوّل میں لیا جا سکتا ہے۔ سکندر مرزا۔ ملک فیروز خاں نون (وزیرِ اعظم) اور ڈاکٹر خان صاحب (وزیرِ اعلیٰ مغربی پاکستان) کے مظالم کے باوجود آپ کے مجاہدانہ طرزِ تخاطب میں کوئی فرق نہ آیا۔ آپ کو بارہ فوجداری مقدمات میں پھنسا کر مسلم لیگ سے رابطہ چھوڑنے پر مجبور کیا گیا۔ اور مفرور قرار دے کر آپ کا گھر قرق کر لیا گیا۔ آپ کے اخبارات روزنامہ "جدید پرواز" اور "ویکلی پرواز" بند کر دیئے گئے دفاتر کو لوٹ کر مقفل کر دیا گیا لیکن ان ہتھکنڈوں کے باوجود آپ کے عزم و ثبات کو کوئی چیز متزلزل نہ کر سکی اور آپ نے مسلم لیگ سے آخری وقت تک فولادی رشتہ قائم کر کے ضلع راولپنڈی کی عزت و آبرو رکھ لی۔ ۵

آئینِ جوانمرداں حق گوئی و بیباکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

۱۹۵۸ء میں اکابرینِ مسلم لیگ (جن میں آپ سب سے پیش پیش تھے) نے سارے ملک میں ری پبلکن پارٹی اور عوامی لیگ کے ساتھ ساتھ صدرِ پاکستان سکندر مرزا کے خلاف ایک عوامی تحریک چلائی۔ حکومت اور مذکورہ جماعتوں پر زبردست تنقید کی اور پشاور سے کراچی اور ڈھاکہ سے چٹاگانگ تک اس انقلابی مہم میں آپ نے اپنی پرجوش اور تاریخی تقریروں سے حکومت کے ایوان ہلا دیئے۔ ابھی تک لاکھوں ایسے مسلمان موجود ہوں گے جو اس دور میں آپ کی جراءت مندانہ تقاریر کے عینی شاہد ہیں اس مہم کی آخری کڑی گجرات مسلم لیگ کے ماتحت وہ ۳۲ میل لمبا جلوس تھا۔ جو سرائے عالمگیر سے لے کر گجرات جا کر ختم ہوا۔ جس کے بعد پاسل باغ میں تاریخی جلسہ ہوا۔ اس میں اکابرینِ مسلم لیگ نے خطاب کیا۔ آخری تقریر آپ کی تھی، جو تین بجے رات ختم ہوئی۔ آپ نے اپنی باطل شکن تقریر میں پیشگوئی کی کہ "مسلم لیگ برسرِ اقتدار آئے یا نہ آئے مگر ری پبلکن حکومت کا غیر جمہوری دور مستقبل قریب میں ٹھپ ہونے والا ہے۔ ادھر یہ تقریریں ہو رہی

بھیں یاد ھے، ۷ اکتوبر ۱۹۵۸ء کو مارشل لا نافذ ہو گیا اور ۲۷ اکتوبر کو سکندر مرزا ملک بدر کر دیئے گئے۔ اس طرح ملک ایک شدید بحران سے بچ گیا۔

جب ایوب خان نے چور دروازے سے داخل ہو کر کنونیشن مسلم لیگ کی بنیاد ڈالی اور اس کی صدارت بھی خود ہی سنبھال لی تو محب وطن لیڈروں کو اس میں شامل کرنے کے لئے ہر قسم کے ناجائز حربے استعمال کئے جانے لگے ظلم و ستم کی انتہا کر دی گئی۔ ایسے حضرات کو اقتصادی لحاظ سے مفلوج کر دیا گیا۔ ان ستم زدہ لوگوں میں آپ بھی شامل تھے آپ کے روزنامہ "جدید پرداز"، ہفت روزہ "پرداز" اور "افکار" کے ڈیکلریشن منسوخ کر دیئے گئے۔ آپ کو اس قدر پریشان کیا گیا کہ آپ ترک سکونت کر کے کمالیہ ضلع لائل پور میں قیام پذیر ہو گئے اور اپنی چار مربعہ اراضی کی کاشت کرنے لگے۔ لیکن کونسل مسلم لیگ سے اپنا رشتہ نہ توڑا۔ ۶

در پہ شاہوں کے نہیں جاتے فقیر اللہ کے

یحییٰ خان کے دور میں جب کونسل مسلم لیگ کے صدر میاں ممتاز محمد خان دولتانہ منتخب ہوئے اور پنجاب کونسل مسلم لیگ کی صدارت سردار شوکت حیات کے سپرد ہوئی تو آپ کو پنجاب کا نائب صدر منتخب کیا گیا۔ مگر سردار شوکت حیات کی غلط پالیسیوں کی وجہ سے آپ کی اُس سے نہ بن سکی۔ اس کے بعد جب دولتانہ نے آپ کی خدمات کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے سردار شوکت حیات کی حمایت کی تو آپ نے کونسل مسلم لیگ سے استعفیٰ دے کر سیاست سے عملاً کنارہ کشی اختیار کر لی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حج بیت اللہ اور زیارت روضۂ نبوی کی سعادت سے بھی بہرہ ور کیا ہے آج کل گھر لیا مور ہی میں مصروف رہنے میں۔ آپ کو سیاست کے ساتھ ساتھ ادب سے بھی گہرا لگاؤ رہا ہے آپ کے خدمات کا ذکر گزر چکا ہے ان کے علاوہ آپ نے ۱۹۶۲ء میں افکار راولپنڈی ڈائریکٹری شائع فرما کر علمی دنیا سے خراج تحسین وصول کیا ہے۔ [1]

---

[1] (۱) افکار راولپنڈی ڈائریکٹری مطبوعہ راولپنڈی ۱۹۶۲ء (۲) سوانح مولانا داؤد غزنوی از سید ابوبکر غزنوی لاہور ۱۹۷۰ء ص ۸۰ (۳) پیش سیاسی از نوابزادہ صدیق علی خاں مطبوعہ کراچی ۱۹۷۰ء ص ۲۰۵ (۴) مسلم لیگ کا دور حکومت از صفدر محمود مطبوعہ لاہور ۱۹۷۵ء (۵) مجلہ برگ گل اردو کالج کراچی قائد اعظم نمبر ۱۹۷۶ء ص ۳۶۱۔

مولانا فقیر اللہ نیازی

آپ کی پیدائش ۱۸۹۲ء میں قلعہ سوبھا سنگھ ضلع سیالکوٹ میں ہوئی۔ والد گرامی کا اسم مبارک حضرت مولانا غلام محمد نیازی رحمۃ اللہ علیہ تھا جو سلسلہ قادریہ نوشاہیہ کے عظیم روحانی پیشوا اور جید عالم تھے۔ اُن کی ساری زندگی مذہب و ملّت کی خدمت میں گزری۔

مولانا فقیر اللہ نیازی بچپن ہی سے ذہین و فطین تھے۔ رسم بسم اللہ کے لیے آپکو والد گرامی اپنے مرشد کامل حضرت خواجہ سچیار نوشاہی رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں لے گئے۔ اور انھوں نے بسم اللہ پڑھائی۔ ابتدائی کتابیں والد گرامی سے پڑھنے کے بعد دارالعلوم نقشبندیہ علی پور سیداں، دارالعلوم نعمانیہ لاہور اور دارالعلوم منظر الاسلام بریلی شریف تعلیم حاصل کرتے رہے پچیس ۲۵ سال کی عمر میں قرآن و حدیث اور علوم متداولہ سے فراغت حاصل کر لی۔ اور مذہب حنفیہ کی تبلیغ و ترویج میں مشغول ہو گئے۔

آپ نے حضرت پیر سید جماعت علی شاہ ثانی علی پوری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کر کے اجازت و خلافت حاصل کی۔ آپ ایک جامع زندگی کے مالک تھے۔ نصف شب کے بعد بیدار ہو کر یاد الٰہی میں مصروف ہو جاتے اور فجر کی نماز مسجد میں اپنے عقیدت مندوں کے ساتھ ادا کرتے اس کے فوراً بعد درس و تدریس میں مشغول ہو جاتے۔ اس کے بعد رات گئے تک عقیدت مندوں سے میل ملاقات کا سلسلہ جاری رہتا۔

۱۹۳۵ء میں تحریک کشمیر میں آپ نے مولانا محمد مسعود البرٹری۔ مولانا نورالحسن سیالکوٹی و دیگر علماء کرام کے شانہ بشانہ کام کیا۔ اس سے قبل حضرت امیر ملّت محدث علی پوری رحمۃ اللہ علیہ کی زیر قیادت تحریک خلافت، تحریک شدھی، فتنہ ارتداد اور مسجد شہید گنج کی تحریک

میں سرگرم رکن کی حیثیت سے حصہ لیا۔ اور قید و بند کی تکالیف خندہ پیشانی سے برداشت کیں۔

تحریک پاکستان کا دور آیا تو مسلم لیگ کے پرچم تلے مولانا محمد یوسف، مولانا عزیز احمد ہاشمی، فقیہ اعظم مولانا محمد شریف کوٹلوی اور مولانا امام الدین کوٹلوی کے ساتھ ملکر گاؤں گاؤں مسلم لیگ کی کامیابی کے لیے کام کرتے رہے اور مسلمانوں میں جذبہ آزادی کی سرعت تیز کرنے کی کوشش کی۔ نظریہ پاکستان کی تبلیغ و اشاعت کے ساتھ ساتھ آپ مسلم لیگ نیشنل گارڈ کے کمانڈر کی حیثیت سے نوجوانوں کو تربیت دے کر فلسفہ جہاد سے آگاہ کرتے رہے۔ اس مقدس فرض کی ادائیگی کی پاداش میں متعدد بار پابند سلاسل بھی ہوئے مگر آپ کے عزم و استقلال میں سر مو فرق نہ آیا۔

۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت شروع ہوئی تو دیگر علماء حق کے ساتھ آپ بھی چھ ماہ قید بامشقت کے سزاوار ٹھہرے۔ دو ماہ ڈسٹرکٹ جیل سیالکوٹ اور باقی مدت ڈسٹرکٹ جیل راولپنڈی میں کاٹی۔ رہائی کے بعد سیالکوٹ شہر میں ملک و ملت اور دین اسلام کی خدمت کے لیے وقف ہو کر رہ گئے۔ آپ ۱۴ اگست ۱۹۶۲ء کو خالق حقیقی سے جا ملے۔ نماز جنازہ مولانا محمد یوسف۔ حافظ محمد عالم اور مولانا محمد یعقوب خان نے علیحدہ علیحدہ ہزاروں آہوں اور سسکیوں کے درمیان پڑھائی اور حضرت سید برہان الدین قادری رحمۃ اللہ علیہ کے بائیں طرف قبرستان شہیداں میں سپرد خاک کیے گئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔ [1]

---

[1] روزنامہ مساوات لاہور ۹، نومبر ۱۹۷۵ء۔

شیرِ بنگال مولوی فضل الحق

مولوی فضل الحق ۲۹ راکتوبر ۱۸۷۳ء کو سونتر باد ستور یہ ضلع باقر گنج باریسال (مشرقی پاکستان) میں پیدا ہوئے۔ ویسے آپ کا آبائی وطن اسی علاقہ کا مقام چکھار ہے۔ آپ کے والد ماجد مولوی واجد صاحب کا شمار مشرقی بنگال کے نامور وکلاء میں ہوتا تھا۔ چالیس سال تک باریسال ضلع کے گورنمنٹ پلیڈر اور پبلک پراسیکیوٹر رہے۔ آپ کے دادا مولوی محمد اکرم صاحب بھی فارسی کے اچھے ادیب اور لائق وکیل مانے جاتے تھے۔ آپ کے پردادا نظامت بنگالہ میں نواب ناظم بنگالہ مرشد آباد کے ماتحت قاضی تھے۔ اس وجہ سے آپ کا خاندان قاضی خاندان کہلاتا تھا۔ [1]

مولوی صاحب نے عربی اور فارسی کی تعلیم گھر میں اپنی والدہ سیدۃ النساء خانم کی نگرانی میں حاصل کی جو بہت نیک اور پارسا خاتون تھیں ۱۸۸۶ء میں آپ نے باریسال کے ضلع ہائی سکول سے فرسٹ گریڈ میں اعلیٰ امتیاز کے ساتھ میٹرک کا امتحان پاس کر کے وظیفہ حاصل کیا۔ اس کے بعد ۱۸۹۰ء میں پریذیڈنسی کالج کلکتہ سے ایف اے کا امتحان فرسٹ ڈویژن میں پاس کیا۔ اسی کالج سے ۱۸۹۲ء میں بی اے کا امتحان تین مضامین فزکس کیمسٹری اور ریاضیات میں آنرز کے ساتھ پاس کیا اور تینوں میں فرسٹ کلاس حاصل کی۔ ۱۸۹۴ء میں آپ نے کلکتہ یونیورسٹی سے ریاضیات میں ایم اے کیا۔ غالباً آپ پہلے مسلمان

---

[1] حصول پاکستان از پروفیسر احمد سعید مطبوعہ لاہور ۱۹۷۵ء ص ۳۲۵۔ روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲۹ اپریل ۱۹۶۲ء روزنامہ مغربی پاکستان لاہور، ۲۷ اپریل ۱۹۶۲ء۔ ماہنامہ پیام حق کراچی اپریل ۱۹۷۰ء ص ۱۴

تھے جنھوں نے اس یونیورسٹی میں ایم اے کا امتحان پاس کیا تھا۔

۱۸۹۷ء میں یونیورسٹی لاء کالج کلکتہ سے ایل ایل بی کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد آپ اپنے آبائی وطن میں پریکٹس کرنے لگے ۱۹۰۰ء میں آپ نے کلکتہ ہائیکورٹ میں پریکٹس شروع کی ۱۹۰۱ء میں آپ بلدیہ باریسال اور ڈسٹرکٹ بورڈ کے ممبر منتخب ہوئے ۱۹۰۴ء میں راج چندر کالج کے پروفیسر ہوئے ۱۹۰۶ء میں میمن سنگھ میں مجسٹریٹ مقرر ہو گئے اور اس کے بعد اسسٹنٹ رجسٹرار کی حیثیت سے کام کرتے رہے ۱۹۱۱ء میں تقسیم بنگال کی تنسیخ پر ایجی ٹیشن اور احتجاج کا سلسلہ شروع ہوا تو آپ نے سرکاری ملازمت سے استعفیٰ دے دیا اور دوبارہ وکالت کا آغاز کیا۔ علاوہ ازیں ایک ہفت روزہ رسالہ بالک کے ایڈیٹر اور ایک اور بنگالی ہفت روزہ بھارت سرید کے جائنٹ ایڈیٹر کے طور پر کام کرتے رہے۔ ؎۱

مولوی فضل الحق شروع ہی سے برصغیر کے ممتاز سیاسی لیڈروں کے ساتھ رہے آپ برجستہ تقریر کے بادشاہ تھے۔ آپ کی حاضر جوابی اور نادر الکلامی عدیم النظیر تھی حاضرین کے مزاج اور دالوان کی پسند کے مطابق تقریر کرنے میں ان کا کوئی ہمسر نہیں تھا۔ انگلش اردو اور بنگلہ میں تقریر کی یکساں قدرت رکھتے تھے۔ آپ اپنی تقریروں سے سامعین کو اس طرح موہ لیتے تھے کہ آپ کا دوسرا نام بنگال کا جادوگر مشہور ہو گیا تھا۔ ۱۹۰۶ء میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس میں جو ڈھاکہ میں ہوئی تھی آپ نے نمایاں کردار ادا کیا۔ ۱۹۱۲ء میں آپ بنگال قانون ساز کونسل کے ممبر منتخب ہوئے۔ اس کے بعد جتنے انتخابات لڑے ان میں نمایاں کامیابی حاصل کی اور ۱۹۵۴ء تک مسلسل بنگال کی مجلس قانون ساز کے ممبر رہے۔

؎۱ روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲۸، ۲۹ اپریل ۱۹۶۲ء ماہنامہ پیام حق کراچی اپریل ۱۹۶۷ء ص ۱۴

مسجد کانپور کی شہادت (جولائی ۱۹۱۳ء) کے واقعہ کے بعد آپ نے مسلمانوں کی حمایت میں سارے ہندوستان کا دورہ کیا۔ آپ آل انڈیا مسلم لیگ کے قیام کے بعد ۱۹۱۳ء سے ۱۹۱۶ء تک بنگال پراونشل مسلم لیگ کے سیکرٹری رہے ۱۹۱۴ء میں آپ آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس لکھنؤ میں شریک ہوئے۔ جس کی صدارت قائد اعظم نے کی تھی اور جس میں مسلم لیگ کانگرس پیکٹ لاہور منظور کیا گیا تھا۔ اسی سال آپ آل انڈیا نیشنل کانگرس کے جنرل سیکرٹری منتخب ہوئے اور ایک سال تک کانگرس کے سیکرٹری رہے ۱۹۱۶ء میں مسلم لیگ اور کانگرس کے درمیان لکھنؤ میں جو معاہدہ ہوا اس پر دستخط کرنے والوں میں آپ بھی شامل تھے۔

۱۹۱۹ء میں آپ نے آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس دہلی کی صدارت کی جس میں تحریک خلافت مسئلہ جزیرۃ العرب، ترکی اور مقامات مقدسہ اسلام کے مسائل زیر بحث آئے تھے۔ ۱۹۲۰ء میں خلافت کمیٹی کی کلکتہ کانفرنس کی صدارت بھی آپ ہی نے کی تھی لیکن ۱۹۲۱ء میں آپ خلافت کمیٹی اور کانگرس کی تحریک، ترک موالات خصوصاً کالجوں سکولوں اور کونسلوں کے بائیکاٹ کے اختلاف کی وجہ سے خلافت کمیٹی اور کانگرس دونوں سے علیحدہ ہو گئے۔

۱۹۲۲ء میں مولوی صاحب نے بنگال کی صوبائی کونسل کا انتخاب جیتا اور ۱۹۲۴ء میں آپ کو صوبہ کا وزیر تعلیم بنا دیا گیا۔ آپ نے مسلمانوں کی تعلیمی ترقی میں بے لوث دلچسپی لی۔ متعدد سکول، مسلم ہوسٹل اور کالج قائم کرائے۔ مسلمانوں کی تعلیم کی ترقی و نگرانی کے لیے ایک سپیشل ڈائرکٹریٹ قائم کیا۔ کلکتہ اسلامیہ کالج، فضل الحق ادینہ کالج، فضل الحق کالج چکھار (باریسال)، براورن گرلز کالج کلکتہ، ڈھاکہ لاء کالج اور سنٹرل وومن کالج ڈھاکہ آپ کی تعلیمی یادگاریں ہیں۔ آپ نے ڈھاکہ یونیورسٹی کے قیام کی خاطر بھی بہت کام کیا۔ ؎۱

۱۹۳۱ء میں آپ مرکزی اسمبلی دہلی کے ممبر منتخب ہوئے اور ۱۹۳۶ء تک ممبر رہے

۱؎ روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲۸، ۲۹ اپریل ۱۹۶۲ء حصول پاکستان ص ۳۲۶ -

۳۱-۱۹۳۰ء میں انڈین گول میز کانفرنس لندن میں مندوب کی حیثیت سے شریک ہوئے اور ہندوستانی مسلمانوں کی مؤثر ترجمانی کی۔ ۱۹۳۴ء میں کلکتہ کارپوریشن کے پہلے مسلمان میئر منتخب ہوئے لیکن ہندوؤں کے ایجی ٹیشن پر بنگال گورنمنٹ نے اس الیکشن کو منسوخ کر دیا۔ اگلے سال آپ دوبارہ کلکتہ کارپوریشن کے ممبر اور میئر منتخب ہو گئے۔ آٹھ ماہ بعد آپ نے ملازمتوں میں مسلمانوں کے حقوق کے سوال پر کارپوریشن سے استعفیٰ دے دیا۔

۱۹۳۴ء میں آپ نے کرشک پرجا پارٹی بنائی، جسے ۱۹۳۶ء میں مسٹر حسین شہید سہروردی جو اس وقت بنگال مسلم لیگ کے جنرل سیکرٹری تھے، نے جدوجہد سے پرجا پارٹی کے عوامی وفلاحی پروگرام کو مسلم لیگ کے جماعتی پروگرام میں داخل کر کے مسلم لیگ کو بنگال کی سب سے طاقتور جمہوری تنظیم بنا دیا۔ اس طرح پرجا پارٹی خود بخود ختم ہو گئی اور اسی سال مولوی صاحب بنگال مسلم لیگ کے صدر منتخب ہو گئے۔

اکتوبر ۱۹۳۷ء میں آپ صدر بنگال مسلم لیگ کی حیثیت سے مسلم لیگ کے اجلاس لکھنؤ میں شریک ہوئے اور اپنی تقریر میں اعلان کر دیا کہ:-

"ہندو کانگرس منسٹریاں ہندو صوبوں کے مسلمانوں پر ظلم بند کر دیں ورنہ ہم بنگال میں اس کا بدلہ لیں گے۔"

لوگوں نے اس پر آپ کو شیر بنگال کا لقب دیا۔ ۱۹۳۷ء سے ۱۹۴۳ء تک آپ بنگال کے پہلے مسلمان وزیر اعظم رہے۔ آپ نے قانونِ مزارعت "BENGAL TENANCY ACT" کی ترمیم کا بل پاس کرایا۔ اس دوران میں غریب مسلم کاشتکاروں کی ہر ممکن امداد کی اور انہیں ہندو مہاجنوں کے قرضوں سے نجات دلانے کے لیے پرانے قرضوں کے تصفیہ کا قانون منظور کرایا۔ [1]

---

[1] روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲۸، ۲۹ اپریل ۱۹۶۲ء۔ حصول پاکستان ص ۳۲۸۔
مسلم لیگ کا دورِ حکومت ص ۳۰۔

مولوی فضل الحق کا ایک اہم کارنامہ کانگرسی وزارتوں کے خلاف تحقیقات کروا کر اس کی رپورٹ شائع کروانا ہے۔ یہ رپورٹ ۱۹۳۹ء میں کانگرسی وزارتوں کے استعفیٰ کے بعد شائع ہوئی اور اپنے موضوع پر ایک اہم دستاویز ہے جس میں کانگرسی تعصب کے تفصیلی حالات بیان کئے گئے ہیں۔[1]

۱۹۳۹ء میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ کا اجلاس جب کلکتہ میں ہوا تو مولوی صاحب نے اس میں خطبہ استقبالیہ پڑھا۔ مسلمانوں کی تعلیم کے مسئلہ پر یہ خطبہ یادگار حیثیت کا حامل ہے۔ ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس لاہور میں قرارداد پاکستان پیش کرنے کا شرف بھی آپ کو حاصل ہوا۔ اس اجلاس میں جب آپ تشریف لائے تو قائد اعظم تقریر کر رہے تھے، اچانک بہت شور اٹھا قائد اعظم نے پوچھا کہ یہ شور کیسا ہے، ایک شخص اٹھ کر باہر گیا۔ اور واپس آ کر انگریزی میں کہنے لگا کہ شیر بنگال آئے ہیں۔ اس کے اصل الفاظ تھے "THE TIGER OF BENGAL HAS COME" اتنے میں مولوی فضل الحق جھومتے ہوئے پنڈال میں داخل ہوئے۔ کلکتہ سے لاہور تک سفر کی کوفت چہرے سے عیاں تھی۔ اسٹیشن سے سیدھے یہاں چلے آ رہے تھے، شیو نہ بنانے کی وجہ سے داڑھی بڑھی ہوئی تھی، اور بغیر پھندنے کی ترکی ٹوپی پر حسب معمول ایک ایک انچ میل چڑھا ہوا تھا چہرے کی سیاہ رنگت کے ساتھ سپید انگرکھا عجیب بہار دکھا رہا تھا۔ قائد اعظم نے ان کو اس شان سے آتے دیکھا تو کہنے لگے کہ :-

جب شیر آئے تو میمنے کو چھپ جانا چاہیئے "۔ اصل الفاظ انگریزی میں یوں تھے۔ "when the lion comes the lamb should hide"

یہ کہہ کر کرسی پر بیٹھ گئے۔ جب مولوی صاحب کو جگہ مل گئی اور وہ اطمینان

---

[1] تاریخ پاکستان از شیخ محمد رفیق وغیرہ، لاہور ۱۹۷۳ء ص ۳۲۳

سے بیٹھ گئے تو قائداعظم یہ کہہ کر پھر کھڑے ہو گئے کہ "اب شیر کو زنجیروں میں جکڑ دیا گیا ہے۔ اس لیے میمنا پھر باہر نکل آیا ہے۔"
NOW THE LION IS CHAINED THE LAMB SHOULD COME OUT."
حاضرین ہنس ہنس کر بے حال ہو گئے۔ [1]

مولوی صاحب نے قرارداد پر اردو میں تقریر کرتے ہوئے جب مسلمانوں کی تکلیفوں کا ذکر کیا تو الوزہی کے یہ دو شعر بھی پڑھے اور فضا شیر بنگال زندہ باد کے نعروں سے گونج اٹھی۔

ہر بلائے کہ ز آسماں راند   گرچہ بر دیگرے قضا باشد
بر زمین نارسیدہ می گوید   خانہ الوزہی کجا باشد

مولوی فضل الحق کی تائید میں چوہدری خلیق الزماں نے خلاف معمول بڑی پر جوش اور جذبات سے مرصع تقریر کی۔ قائداعظم کا قاعدہ تھا کہ لیگ کے سالانہ اجلاس پر اہم ترین تجویز کی حمایت میں ہندوستان کے ہر صوبے سے ایک نمائندے کی تقریر کرایا کرتے تھے۔ اس قرارداد کی حمایت کرنے والوں میں بمبئی سے ابراہیم اسمٰعیل چندریگر، سی۔ پی سے عبدالرؤف شاہ مدراس سے عبدالحمید خان، سرحد سے سردار اورنگ زیب خان، آسام سے عبدالمتین چوہدری بہار سے محمد عاشق وارثی، پنجاب سے مولانا ظفر علیخاں، بلوچستان سے قاضی محمد عیسیٰ، یو پی سے مولانا عبدالحامد بدایونی، دہلی سے بیگم صاحبہ محمد علی جوہر، سندھ سے سر عبداللہ ہارون وغیرہم نے کی۔ ان کے علاوہ نواب اسمٰعیل خان بھی تائید کرنے والوں میں شامل تھے۔ قرارداد مندرجہ ذیل تھی۔

"قرار پایا کہ غور و خوض کے بعد آل انڈیا مسلم لیگ کے اس اجلاس کی یہ رائے ہے

---

[1] چند یادیں چند تاثرات از ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی مطبوعہ لاہور ۱۹۶۹ء ص ۲۴۹۔ حصول پاکستان ص ۳۲۷۔

کہ کوئی بھی آئینی منصوبہ بغیر اس کے اس ملک میں قابل عمل اور مسلمانوں کیلئے قابل قبول نہیں ہوگا جب تک وہ مندرجہ ذیل بنیادی اصولوں پر مبنی نہ ہو۔ یعنی یہ کہ جغرافیائی حیثیت سے ایسے متصل علاقے جن کی ضرورت کے مطابق ملکی لحاظ سے اس طرح حد بندی کر دی گئی ہو کہ جن علاقوں میں تعداد کے اعتبار سے مسلمانوں کی اکثریت ہے جیسا کہ شمال مغربی اور مشرقی حصوں میں ہے وہ خود مختار حکومت قرار دے دیئے جائیں اور جن کے اجزائے ترکیبی اور قطعی طور پر خود مختار اور با اختیار ہوں اور یہ کہ ان علاقوں اور منطقوں کے اجزائے ترکیبی میں اقلیتوں کے مذہبی ثقافتی اقتصادی سیاسی انتظامی اور دوسرے حقوق کے تحفظ کے لیئے معقول موثر اور واجب التعمیل تحفظات معین طور پر دستور میں داخل کئے جائیں جن سے اُن کے مذہبی ثقافتی اور سماجی حقوق کا تحفظ ہو سکے۔" لہ

کچھ عرصے سے قرارداد لاہور پر بحث کا ایک لمبا سلسلہ چل نکلا ہے جس میں چند حضرات یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں کہ اس قرارداد میں ایک کی بجائے دو ریاستوں کا تصور موجود ہے۔ اس سلسلہ میں پہلی بات تو یہ ہے کہ ۱۹۴۱ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ مدراس جو قرارداد پاس کی گئی اس میں ایک ریاست کے قیام پر زور دیا گیا۔ قرارداد مندرجہ ذیل تھی۔

"آل انڈیا مسلم لیگ کا عقیدہ ہے کہ مسلمان انڈیا کی ایک واحد قومیت ہیں اس نظریہ کو بدلنے کی ہر کوشش ناکام بنا دی جائے گی ہر شخص کو یہ بات غور

لہ حصول پاکستان ص ۲۲۰، چند یادیں چند تاثرات ص ۲۵۱۔ تاریخ پاکستان از شیخ محمد رفیق وغیرہ مطبوعہ لاہور ۱۹۶۳ء ص ۳۰۸ پاک و ہند کی اسلامی تاریخ از ریاض الاسلام ایم اے رحیم، عبدالحمید مطبوعہ لاہور ص ۷۰۰۔ مسلم لیگ کا دور حکومت از صفدر محمود مطبوعہ لاہور ۱۹۷۳ء ص ۳۴۔ ظہور پاکستان از چوہدری محمد علی مطبوعہ لاہور ۱۹۷۲ء ص ۵۵۔ بے تیغ سپاہی ص ۲۱۰۔

سے سُن لینی چاہیئے کہ ہم ایک آزاد اور خود مختار مسلم ریاست کے . . . قیام کی کوشش کر رہے اور اس برصغیر میں یہ ریاست قائم ہو کر رہے گی" [1]

اس کے بعد اپریل ۱۹۴۶ء میں دہلی میں مسلم لیگ کے ممبران قانون ساز اسمبلی کے کنونشن میں قرارداد لاہور میں لفظ ریاستوں کی بجائے ایک ریاست کا لفظ استعمال کیا گیا۔ [2]

۱۹۴۱ء میں وائسرائے ہند نے وار کونسل قائم کی تو مولوی فضل الحق کو اس میں شامل کر لیا گیا۔ ۱۹۴۳ء میں گورنر سے اختلافات کی بنا پر وزیر اعلیٰ کے عہدہ سے مستعفی ہو گئے قیام پاکستان کے بعد کلکتہ سے ڈھاکہ چلے آتے۔ آپ کو پاکستان کی پہلی قانون ساز اسمبلی کا ممبر بنایا گیا۔ ڈھاکہ ہائیکورٹ میں پریکٹس بھی شروع کر دی۔ ۱۹۵۲ء میں آپ کو مشرقی پاکستان کا ایڈووکیٹ جنرل بنا دیا گیا۔ ۱۹۵۴ء کے عام انتخابات میں آپ نے اپنی نو تشکیل شدہ کرشک سرامک پارٹی مسٹر سہروردی کی عوامی لیگ اور نظام اسلام پارٹی کی مدد سے متحدہ محاذ بنا کر برسر اقتدار لیگی حکومت کو شکست دی اور وزیر اعلیٰ بنے۔ ۱۹۵۵ء میں چوہدری محمد علی نے مرکز میں مخلوط وزارت بنائی تو آپ وزیر داخلہ مقرر ہوتے۔ آئین کی ترتیب و تدوین اور نفاذ تک اسی عہدہ پر فائز رہے۔ مارچ ۱۹۵۶ء میں آئین کے نفاذ کے بعد مشرقی پاکستان کے گورنر مقرر ہوتے اور ۱۹۵۸ء تک اسی منصب پر رہے حتیٰ کہ ملک فیروز خان نون وزیر اعظم بنے تو انہوں نے آپ کی جگہ مسٹر سلطان الدین کو گورنر بنایا۔ [3] ۲۷ر جنوری ۱۹۶۰ء کو ان کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے انہیں ہلال پاکستان کا اعزاز دیا گیا۔ [4]

---

[1] حصول پاکستان ص ۲۲۰ تا ۲۲۸ بحوالہ سیاست ملیہ از محمد امین زبیری مطبوعہ آگرہ ۱۹۴۱ء ص ۵۱۵
[2] مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو حصول پاکستان ص ۲۲۰ تا ۲۲۹۔
[3] تاریخ پاکستان ص ۳۰۳، ۳۰۴۔ ماہنامہ پیام حق کراچی اپریل ۱۹۶۲ء ص ۱۴۔ روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲۸، ۲۹ر اپریل ۱۹۶۲ء۔
[4] روزنامہ مغربی پاکستان لاہور ۲۷ر اپریل ۱۹۶۲ء۔

مولوی فضل الحق جنگ آزادی کے نامور سپاہی تھے۔ بہادر، نڈر اور جوش اسلام سے سرشار تھے۔ اُن کے مزاج میں تلون ضرور تھا۔ مگر وہ کسی نہ کسی نوعیت سے ملک و قوم کی خدمت کرتے ہی رہے۔ ان کی گرج شیر کی گرج تھی۔ وہ واقعی شیر بنگال تھے۔ ان کی آواز سے کانگرس کے ایوان لرز اٹھتے تھے۔ عروج و اقتدار کی بہت سی بہاریں اُن کے دم سے وابستہ تھیں۔ مذہب تو ان کی گھٹی میں پڑا تھا۔ اسلام کے نام پر وہ بڑی جلدی آستینیں چڑھا لیا کرتے تھے۔ اسلامی مدارس کی امداد میں پیش پیش رہتے تھے۔ علماء کے احترام میں ان کو سکون حاصل ہوتا تھا۔ مشہور عالم دین سلطان الواعظین مولانا عبدالاحد پیلی بھیتی (خلیفۂ مجاز اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہٗ) کے بے حد معتقد تھے۔ پیلی بھیت سے اُن کو کلکتہ بلا کر ہفتوں ان کی خدمت میں حاضر رہتے۔ مدرسہ عالیہ کلکتہ کے نامور مدرس مولانا مشتاق احمد کانپوری جو مولانا نثار احمد کانپوری کے بڑے بھائی تھے۔ اُن سے دینی امور میں ہمیشہ مشورہ کیا کرتے تھے۔ [1]

آپ کی زندگی نہایت سادہ اور فقیرانہ تھی۔ غریبوں اور حاجت مندوں کی خدمت ان کا شیوہ تھا۔ بے شمار طالب علموں کو مالی امداد دے کر زیور تعلیم سے بہرہ ور فرمایا۔ بھاری بھرکم جسم پر شیروانی اور ترکی ٹوپی ان کا لباس تھا۔ ہاتھ کا "سونٹا" کبھی نہیں چھوٹا۔ لاہور کے ریلوے اسٹیشن پر مارچ ۱۹۴۰ء میں استقبال کرنے والوں سے فرمایا:۔

"اگر حصول پاکستان کے لیے ضرورت ہوئی تو یہ "سونٹا" بھی استعمال کیا جائیگا۔ [2]

مولوی صاحب کو امساک بول کی شکایت ہو گئی تھی۔ اسی مرض میں مبتلا ہو کر ۲۶ مارچ ۱۹۶۲ء کو ڈھاکہ میڈیکل کالج ہسپتال میں داخل کیے گئے اور ۲۷ اپریل ۱۹۶۲ء مطابق ۲۰ ذیقعد ۱۳۸۱ھ بروز جمعۃ المبارک دس بجکر چالیس منٹ پر صبح آپ نے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کردی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ خبر وفات ملتے ہی مشرقی پاکستان میں تمام تعلیمی اور

[1،2] ماہنامہ پیام حق کراچی اپریل ۱۹۶۲ء ص ۱۵۔

سرکاری ادارے بند کر دیئے گئے اور قومی پرچم سرنگوں کر دیئے گئے۔ تقریباً دو لاکھ افراد نے نماز جنازہ میں شرکت کی اور ڈھاکہ ہائیکورٹ کے احاطہ میں آپ کو سپرد خاک کر دیا گیا۔ [1]

روزنامہ نوائے وقت لاہور نے آپ کی رحلت پر مندرجہ ذیل اداریہ لکھا۔

"مولوی فضل الحق کے انتقال سے پاکستان ایک بزرگ سیاست دان، ایک بوقلموں اور دلچسپ شخصیت، ایک مقبول و ہردلعزیز انسان، ایک بہت بڑے ایثار پیشہ خادم سے محروم ہو گیا ہے۔ مولوی صاحب مرحوم برصغیر کے اُن معدودے چند سیاستدانوں میں تھے، جو اپنی ذات میں ایک انجمن کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اگرچہ ان سے سیاسی، نظریاتی، شخصی اختلاف بھی کیا جاتا رہا لیکن دلوں میں ان کا احترام ہر حالت میں برقرار رہا۔ مولوی فضل الحق نصف صدی سے زیادہ عرصہ تک قومی مطلعِ سیاست پر جلوہ گر رہے۔ ان کی ہردلعزیزی کا آفتاب کبھی مرتبہ پوری آب و تاب سے جگمگایا۔ ان کی بعض پالیسیوں بالخصوص سیمابی تلون طبعیت کے باعث ان سے بارہا سخت اختلاف بھی کیا گیا لیکن اُن کی شخصیت بڑی دلکش، متفنا طیسی اور مقتدر و محترم رہی۔ اُن کی خدمات بالخصوص تعلیمی میدان میں اتنی عظیم و شاندار تھیں کہ جب کبھی وہ کسی قومی و عوامی تحریک سے وابستہ ہوئے، بے پایاں ارادت و مقبولیت نے انہیں خوش آمدید کہا۔ ان کی زندگی سیاسی عروج و زوال کا ایک [illegible] مرقع ہے۔ خدا تعالیٰ سے دعا ہے کہ انہیں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا [illegible]۔" [2]

---

[1] حصول پاکستان ص ۲۸۳۔ ماہنامہ پیام حق کراچی اپریل ۱۹۶۲ء ص ۱۵۔ روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲۸، ۲۹ اپریل ۱۹۶۲ء۔ روزنامہ مغربی پاکستان لاہور ۲۷ اپریل ۱۹۶۲ء۔

[2] روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲۹ اپریل ۱۹۶۲ء۔

ڈاکٹر فرید بخش

ارائیں قوم نے مذہب و ملت اور سیاست کے میدان میں جو کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ان کا احاطہ کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ حضرت شاہ عنایت قادری (مرشد بابا بلھے شاہ قصوری) میاں شیر محمد شرقپوری، سائیں کرم الٰہی عرف کانواں والی سرکار گجرات، مہر محمد صوبا لاہوری خواجہ غلام مرتضیٰ قلعہ والے لاہور، مولانا نبی بخش حلوائی لاہوری (رحمۃ اللہ علیہم)، سر محمد شفیع مرحوم اور چوہدری محمد علی سابق وزیر اعظم پاکستان ایسی شخصیتوں سے کون واقف نہیں، یہ سب کے سب اسی قوم کے گل سر سبد ہیں۔ اسی قوم کے ایک اور مایۂ ناز فرزند ڈاکٹر فرید بخش بھی تھے جن کا تذکرہ ذیل میں کیا جا رہا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کی ولادت باسعادت ۱۸۶۳ء میں لدھیانہ (مشرقی پنجاب، انڈیا) میں ہوئی۔ حصول تعلیم کے بعد انڈین آرمی میں کمپونڈر کی حیثیت سے بھرتی ہو گئے اور بڑی تندہی سے خدمات انجام دینے کے باعث افسران بالا کی نگاہوں میں قابل احترام رہے۔ ریٹائر ہونے کے بعد ۱۸۹۹ء میں لدھیانہ سے ترک سکونت کر کے ساندل بار کے علاقہ چک نمبر ۲۴۳ نزد پیر محل ضلع لائل پور آباد ہو گئے۔ اس نئی جگہ پہنچ کر ڈاکٹر صاحب نے محسوس کیا کہ ہندو تعلیمی اور مالی لحاظ سے بروز مستحکم ہو رہے ہیں، ملازمتوں پر چھا رہے ہیں، مسلمان ناخواندگی کے باعث تجارتی میدان میں بھی ہندوؤں کے مقابلہ میں صفر ہیں۔ ڈاکٹر صاحب رات دن کڑھتے تھے کہ مسلمانوں کی ترقی کیونکر ہو اور انہیں جہالت کے عمیق گڑھے سے کیسے نکالا جائے۔

۱۹۰۸ء میں انجمن حمایت اسلام لاہور کے سالانہ جلسہ میں آپ بھی شریک ہوئے۔ اس جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے اردو کے مایۂ ناز ادیب اور مسلمانوں کے عظیم محسن سر عبدالقادر نے

مسلمانوں پر زور دیا کہ:۔

"اگر ایک زندہ قوم کی حیثیت سے برصغیر میں رہنا چاہتے ہو تو سب سے پہلے اپنے بچوں کی تعلیم کی طرف توجہ فرمائیں۔"

یہ تقریر ڈاکٹر فریدبخش کے سمندِ شوق کے لئے تازیانہ ثابت ہوئی اور انہوں نے اپنے گاؤں واپس آتے ہی چند احباب کے تعاون سے غوثیہ اسلامیہ پرائمری سکول کی بنا ڈالی۔ اور انجمن غوثیہ قائم کر کے سکول کی کامیابی و کامرانی کا بیڑا اٹھایا۔ اگرچہ ڈاکٹر صاحب کاشتکاری اور پریکٹس بھی کرتے تھے مگر ان کی تمام تر توجہ سکول کی طرف مبذول رہتی تھی۔

۱۹۱۲ء میں اس سکول کو مڈل کا درجہ دیا گیا۔ اس کے پہلے ہیڈ ماسٹر مولوی محمد یعقوب خان تھے جو بعد میں سول اینڈ ملٹری گزٹ کے ایڈیٹر بھی رہے سکول کی گوناگوں کامیابیوں کی بدولت ۱۹۲۰ء میں اسے ہائی سکول کا درجہ دے دیا گیا۔ ۱۹۲۶ء تک اس ادارہ نے ڈاکٹر صاحب کی رہنمائی میں خوب ترقی کی انجمن غوثیہ کے سربراہ کی حیثیت سے ڈاکٹر صاحب نے کسی بھی قربانی سے دریغ نہ کیا۔ اپنی شبانہ روز کوششوں سے نو ایکڑ اراضی حاصل کر کے ہائی سکول کی شاندار عمارت تعمیر کروائی کچھ عرصہ بعد ایک عالی شان ہوسٹل بھی تعمیر کیا جس میں کم و بیش تین سو طلباء کی رہائش کا بندوبست تھا کھیلوں کے میدان میں طلباء کے لیے کافی سہولتیں مہیا کیں۔

پاکستان بننے کے بعد غالباً اولین دور میں اس سکول کو انٹر کالج کا درجہ دے دیا گیا۔ لائل پور کے علاقہ کے بہت سے نوجوان تعلیم مکمل کرنے کے بعد حصول روزگار کے سلسلہ میں برطانیہ میں مقیم ہیں۔ ان میں سے بہت سے نوجوانوں نے ڈاکٹر صاحب کے سکول سے ہی تعلم حاصل کی چنانچہ ڈاکٹر صاحب کو خیال آیا کہ کیوں نہ ان نوجوانوں سے امداد حاصل کی جائے۔ چنانچہ ۹۵ سال کی عمر میں برطانیہ کا سفر کیا اور وہاں سے چندہ جمع کر کے انٹر کالج کے لیے ایک لاکھ روپے کا سائینس کا سامان لے کر واپس لوٹے۔ لندن کے ایک اخبار "سٹار" نے آپ کا انٹرویو لے کر ایک مضمون شائع کیا تو ڈاکٹر صاحب کی تصویر کے نیچے یوں لکھا:۔

"DR. FARAID BAKHSH 95 IN YEARS 18 AT HEART"

وطن واپسی پر آپ نے ایوب خان سے ملاقات کا پروگرام بنایا اور جب ملاقات کے لیے جناب قدرت اللہ شہاب کے پاس پہنچے تو انہوں نے کہا کہ آپ کو صرف ۱۵ منٹ ملاقات کا وقت ملا ہے لیکن ڈاکٹر صاحب نے ۴۵ منٹ بات کی۔ ایوب خان نے دس ہزار روپے انعام بھی دیا۔

محکمہ تعلیمات نے سائنس بلاک کے لیے کالج کو پچاس ہزار روپے کی امداد دی تھی لیکن عمارت کے لیے اراضی نہ دی چونکہ یہ دونوں کام صوبائی حکومت سے تعلق رکھتے تھے اس لیے صدر نے فوراً اس وقت کے گورنر ملک امیر محمد خان کے نام چٹھی لکھ دی۔ بعد میں اسی سال صدر ایوب خان مرحوم نے ڈاکٹر صاحب کو راولپنڈی بلا کر "ستارۂ خدمت" عطا کیا۔

۱۹۶۲ء میں ڈاکٹر صاحب اور ان کے رفقاء کی کوششوں سے انٹر کالج کو ڈگری کالج کا درجہ دے دیا گیا لیکن اس وقت تک ڈاکٹر صاحب کی عمر ایک سو پانچ سال سے تجاوز کر چکی تھی لہٰذا انھوں نے کالج کو سرکاری تحویل میں دے دیا۔ ان کی خواہش تھی کہ یہ کالج یونیورسٹی کا درجہ حاصل کرے مگر افسوس کہ عمر نے وفا نہ کی۔

ڈاکٹر صاحب نے تعلیمی خدمات کے ساتھ ساتھ سیاسی تحریکوں میں بھی بھرپور حصہ لیا ۱۹۰۶ء میں مسلم لیگ معرض وجود میں آئی تو ڈاکٹر صاحب اس کے ہم نوا ہو گئے۔ ۱۹۱۹ء میں لاہور میں مارشل لاء نافذ ہوا پھر جلیانوالہ باغ امرتسر کا سانحہ وقوع پذیر ہوا تو دوسرے لوگوں کی طرح ڈاکٹر صاحب بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے تحریک خلافت میں بھی مقدور بھر حصہ لیا۔ ۱۹۲۶ء تک کا بیس سال کا عرصہ ڈاکٹر صاحب کی سیاسی زندگی کا سنہرا باب ہے۔ اس عرصہ میں ڈاکٹر صاحب اور ان کے ساتھیوں کو تحریک آزادی میں حصہ لینے کے "جرم" کی پاداش میں طرح طرح سے پریشان کیا گیا۔ دو سال کے لیے صوبہ بدر کیا گیا لیکن ان کے پائے استقامت میں لغزش تک نہ آئی۔

آئین جوانمرداں حق گوئی و بیباکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

۱۹۴۲ء میں جب قائد اعظم لائل پور تشریف لائے تو اس وقت ڈاکٹر صاحب نیشنل گارڈز کے ضلعی سالار تھے جب قائد اعظم کو ایک لاکھ ایک ہزار ایک سو ایک روپے کی تھیلی پیش کی گئی تو ڈاکٹر صاحب نے فرطِ جوش سے اپنی تلوار بطورِ چندہ کے پیش کر دی۔ اسی وقت اس کی بولی شروع ہوئی تو نوابزادہ ولایت علی خان نے اڑھائی سو روپیہ میں آخری بولی دے کر ڈاکٹر صاحب کی تلوار حاصل کر لی حضرت قائد اعظم نے جب یہ منظر دیکھا تو انہوں نے مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے صدر سے ایک تلوار قیمتاً حاصل کی اور ایک لاکھ کے عظیم اجتماع میں ڈاکٹر صاحب کو سٹیج پر بلا کر یہ تلواران کے حوالے کر دی۔ اگلے روز ہندو اخبارات نے شور مچا دیا کہ رات جلسہ میں قائد اعظم نے ایک بوڑھے وہابی کو تلوار پیش کرتے ہوئے کہا کہ:۔

"اس تلوار سے ہندوؤں اور سکھوں کے سر قلم کرنے ہیں۔"

انگریز حکومت نے ڈاکٹر صاحب کو خان بہادر کا خطاب دینے کی کوشش کی لیکن ڈاکٹر صاحب نے نہایت حقارت سے ٹھکرا دیا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ:۔

"اگر میں انگریز سے گیارہ مربعہ اراضی لے لیتا تو میں انگریزوں کے خلاف کبھی زبان نہیں کھول سکتا تھا۔"

اسی انا اور خودداری کے باعث ڈاکٹر صاحب نے تمام عمر تنگ دستی میں گزار دی۔ جب رحلت فرمائی تو صرف پانچ ایکڑ موروثی اراضی کے مالک تھے۔ زیادہ تر سفر میں رہنے کی وجہ سے نہ تو وہ اپنی اولاد کو اعلیٰ تعلیم ہی دلا سکے، نہ ہی ورثہ میں ان کے لیے کوئی بڑی جائیداد چھوڑی۔

آپ کی رحلت یکم جون ۱۹۶۹ء کو ہوئی۔ تمام علاقہ میں آپ کی رحلت پر خون کے آنسو بہائے گئے۔ ہزاروں آہوں اور سسکیوں کے دوران سانڈل بار

کہ اس سرِ ستید کو آپ کے چک میں ہی سپردِ خاک کر دیا گیا۔ اگرچہ آپ اس دنیا میں نہیں ہیں لیکن ان کی گوناگوں خدمات کی بدولت ان کا نام ہمیشہ زندہ و تابندہ رہے گا۔ [1]

---

[1] تاریخ ارائیاں از علی اصغر چوہدری مطبوعہ لاہور ۱۹۶۳ء ص ۲۳۸، ۳۵۱۔
روزنامہ نوائے وقت لاہور ۶ نومبر ۱۹۶۶ء۔ مجلہ روشنی گورنمنٹ کالج لائل پور قائد اعظم نمبر ۱۹۶۶ء ص ۱۳۸۔

سیّد قاسم رضوی

تحریک پاکستان کے ممتاز رہنما اور نظریۂ پاکستان کے شیدائی اور برصغیر کی ممتاز اسلامی شخصیت سیّد غلام بھیک نیرنگ رحمۃ اللہ علیہ کے بھتیجے سیّد قاسم رضوی تقریباً ۱۹۲۷ء میں انبالہ کے مشہور سیّد خاندان میں پیدا ہوئے آپ کے والد گرامی کا اسم مبارک خان بہادر سیّد صدیق حسن تھا جو اپنے زمانے کے بہت مشہور آدمی تھے آپ کے نانا سیّد غلام بھیک نیرنگ رحمۃ اللہ علیہ تحریک پاکستان کے نامور رہنما، حکیم الامت علامہ اقبال اور قائد اعظم کے رفیق اور اردو کے مشہور شاعر تھے۔[1]

سیّد قاسم رضوی نے ابتدائی تعلیم مسلم ہائی سکول انبالہ میں حاصل کرنے کے بعد اسلامیہ کالج لاہور سے بی اے کیا۔ زمانۂ طالب علمی میں آپ اردو اور انگریزی کے بہت اچھے مقرر تھے۔ اسلامیہ کالج کے جریدہ "کریسنٹ" کے ایڈیٹر بھی رہے۔ پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے نائب صدر بھی منتخب ہوئے۔ ۱۹۴۲ء میں آل انڈیا سٹوڈنٹس فیڈریشن کے اجلاس میں طلباء کی سرگرمیوں سے متعلق جو رپورٹ پیش کی۔ وہ اتنی جامع و مانع اور شستہ و رفتہ تھی کہ قائد اعظم نے اُسے بے حد سراہا اور آپ کے اسلوب و اظہار کی تعریف کی۔ پھر ۱۹۴۳ء میں آل انڈیا مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے جنرل سیکرٹری منتخب کئے گئے آپ کا سب سے بڑا کمال یہ تھا کہ طالب علموں کو منظم کرنے کی ناقابل فراموش

---

[1] روزنامہ نوائے وقت لاہور ۷ جون ۱۹۷۵ء۔ ۱۳ جون ۱۹۷۵ء روزنامہ وفاق لاہور ۱۰ جون ۱۹۷۵ء روزنامہ نوائے وقت لاہور ۶ جون ۱۹۷۶ء۔

صلاحیتوں سے بہرہ مند تھے۔ آپ کی بدولت مسلمان طلباء میں تحریک پاکستان کو ایسی جلا ملی کہ حضرت قائدِ اعظم نے آپ کو اپنی خوشنودی کے خطوط لکھے۔ ؎۱

آپ نگہ بلند اور سخن دل نواز کے مالک تھے۔ تقریر کرنے کھڑے ہوتے تو محفل پر سحر طاری کر دیتے اور خاتمہ کلام پر پہنچتے تو طلباء کے جمِ غفیر کی نبض ان کے ہاتھ میں ہوتی اور آپ کے صرف ایک اشارے پر سارا اسلامیہ کالج سڑکوں پر نکل آتا تھا۔ پھر یہ سیل بے پناہ "پاکستان زندہ باد" کے نعرے لگاتا ہوا جس طرف بھی گزرتا، رائے عامہ کو پاکستان کے حق میں بیدار کرتا جاتا۔ پنجاب اسمبلی ہال کے سامنے آپ نے ایسے کئی مظاہرے کرائے اور پاکستان کا مطالبہ انگریز حکام اور یونینسٹ حکومت کے اعصاب پر سوار کر دیا۔ ؎۲

۱۹۴۵ء-۴۶ء کے مرکزی اور صوبائی انتخابات کی مہموں میں مسلم لیگ کے لیے بھرپور کام کیا۔ اسلامیہ کالج لاہور کے طلباء نے گاؤں گاؤں جاکر مسلم لیگ کا پیغام پہنچایا۔ ان طلباء کی قیادت آپ کے ہاتھ میں تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس انتخاب میں مسلم لیگ کی ہمہ جہت کامیابی نے ہی پاکستان کا حصول آسان بنایا اور اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ اس کامیابی میں قاسم رضوی اور ان کے ساتھی طلباء کی فوج ظفر موج کا بہت حصہ تھا۔ ؎۳ ۱۹۴۷ء میں خضر حیات ٹوانہ کی حکومت کے خلاف سول نافرمانی کی تحریک میں پرجوش حصہ لیا اور مجاہد ملت مولانا عبدالستار خان نیازی، مولانا محمد ابراہیم علی چشتی اور میاں عبدالباری وغیرہم کے ساتھ گرفتار ہوئے۔ ؎۴

؎۱ ہفت روزہ چٹان لاہور ۱۶ جون ۱۹۷۵ء روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲۰ جون ۱۹۷۵ء روزنامہ نوائے وقت لاہور ۶ جون ۱۹۷۶ء ۔ بے تیغ سپاہی از صدیق علی خان، کراچی ۱۹۷۱ء ص ۲۵۱

؎۲، ۳ روزنامہ نوائے وقت لاہور ۱۸ جون ۱۹۷۵ء۔

؎۴ پاکستان انقلاب سے پہلے اور بعد، از اشرف عطا۔ قیوم نظامی مطبوعہ لاہور ۱۹۶۹ء ص ۱۳۹

قیام پاکستان کے بعد آپ قائد اعظم کے حکم پر سول سروس میں شامل ہو گئے۔ اور خدمت عامہ کا عمدہ نمونہ پیش کیا۔ ملتان، ساہیوال، سیالکوٹ، لائل پور اور سرگودھا، وغیرہ میں ڈپٹی کمشنر رہے۔ ایوب خان کے زمانہ میں مرکزی محکمہ اطلاعات کے ڈائریکٹر جنرل مقرر ہوئے تو ان کی بدولت آزاد خیال جرائد و صحائف کو قدرے اطمینان کی فضا نصیب ہوئی۔ لیکن اس وقت کے دانش وروں نے انہیں وہاں ٹکنے نہ دیا اور وہ سرگودھا کے کمشنر ہو کر واپس آ گئے۔ پھر یحییٰ خان کے زمانے میں ملتان کے کمشنر مقرر ہوتے۔ اس کے بعد پاکستان سول سروس اکیڈمی کے ڈائریکٹر مقرر کئے گئے جب پیپلز پارٹی کے اقتدار کی صبح طلوع ہوئی تو جہاں اور بہت سے گنہگار مارے گئے وہاں سید قاسم رضوی بھی بے گناہ ہونے کی پاداش میں رخصت کئے گئے۔ ان کا واحد جرم یہ تھا کہ وہ نظریہ پاکستان کے زبردست علمبردار۔ اسلامی تصور زندگی کے شیدائی و فدائی اور اقبال و قائد کے جانثار و فدا کار تھے۔ انہیں صرف اس لیے جواں عمری میں ملازمت سے محروم ہونا پڑا کہ ایک ریٹائرڈ میجر جنرل کی اشتراکی ذہنیت کو ان کے اسلامی تصورات سے بغض و اختلاف تھا۔ جس سے مقامی طور پر ذہنی مخاصمت کی لہروں میں ٹکراؤ ہو گیا۔ [۱]

ملازمت سے برخاست ہونے کے بعد انہوں نے ایل ایل بی کا امتحان پاس کر کے وکالت شروع کر دی۔ سقوط مشرقی پاکستان کے غم نے انہیں نڈھال کر دیا۔ اور تادم زیست خون کے آنسو روتے رہے۔ وفات سے کچھ عرصہ قبل انہوں نے حزب اختلاف کا ساتھ دینے کی ٹھانی اور مسلم لیگ کے ایک کنونشن میں ان کی آواز بھی سنی گئی۔ لیکن اچانک ان پر دل کا دورہ پڑا اور عین عالم شباب میں ۶ جون ۱۹۷۵ء کو موت کی آغوش میں چلے گئے۔ اور وہ وہاں چلے گئے جہاں ان سے پہلے قائد اعظم، سردار عبدالرب نشتر، خواجہ ناظم الدین اور نواب افتخار حسین ممدوٹ جیسے پاکستان کے شیدائی چلے گئے تھے۔

---

[۱] ہفت روزہ چٹان لاہور ۱۶ جون ۱۹۷۵ء ص ۱۱۔

ع - آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے۔ [۱]

۷ رجون ۱۹۷۵ء کو اس عظیم انسان، نظریہ پاکستان کے پرستار اور پاکستان کے عاشق صادق کو صبح کے وقت قبرستان میانی صاحب لاہور میں سپرد خاک کیا گیا۔ نماز جنازہ میں تحریک پاکستان کے کارکنوں، سرکاری ملازمین، وکلاء اور صحافیوں نے بھاری تعداد میں شرکت کی جب کہ عام لوگوں کی تعداد بے شمار تھی۔

آپ کی وفات پر ملک کے بے شمار اخبارات نے آپ کو زبردست خراج تحسین پیش کیا طوالت کے خوف سے چند ایک پرچوں کے اقتباسات نقل کیے جا رہے ہیں۔ سب سے پہلے آغا شورش کاشمیری کا ہدیۂ عقیدت ملاحظہ ہو۔

"قاسم کی موت بلاشبہ ایک سچے محب الوطن کی موت ہے۔ ہم سے ایک عبقری چلا گیا۔ ایک نابغہ اُٹھ گیا۔ اور ہم ایک سچے مخلص انسان سے محروم ہو گئے جس کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ مدت ہوئی وہ سانچہ ہی ٹوٹ چکا ہے جس میں اس قسم کے انسان ڈھلا کرتے ہیں۔

فروغِ شمع تو باقی رہے گا صبح محشر تک
مگر محفل تو پروانوں سے خالی ہوتی جاتی ہے [۲]

روزنامہ نوائے وقت" لاہور نے ایک معرکۃ الآرا اداریہ لکھا۔ جو من و عن نذرِ قارئین ہے۔

---

[۱] روزنامہ نوائے وقت لاہور ۸ رجون ۱۹۷۵ء

[۲] ہفت روزہ چٹان لاہور ۱۶ رجون ۱۹۷۵ء ص ۱۲۔

تحریک پاکستان کے ایک ممتاز ترین طالب علم لیڈر سید محمد قاسم رضوی اچانک حرکت قلب بند ہو جانے سے وفات پا گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم قیام پاکستان کے بعد مختلف اعلیٰ عہدوں پر ملک و قوم کی گرانقدر خدمات سرانجام دیتے رہے اور ہر دور میں اپنی محنت اور لگن کے باعث نیک نام اور مقبول رہے۔ لیکن انہیں جو شہرت اور عظمت تحریک پاکستان کے زمانہ میں طلباء کے محاذ کو منظم اور سرگرم کرنے کی وجہ سے حاصل ہوئی اور جس کی قدر افزائی خود قائداعظم نے بھی بارہا فرمائی۔ اسے بہت اعلیٰ عہدوں پر فائز ہونے کے دور میں بھی ہمیشہ فوقیت حاصل رہی اور ان کا ذکر عام طور پر اعلیٰ افسر کے بجائے تحریک پاکستان کے ممتاز طالب علم لیڈر کے حوالے سے ہی ہوتا رہا۔ وہ نہ صرف زمانہ طالب علمی سے ہی اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں بہت اچھے مقرر تھے۔ بلکہ سرکاری ملازمت کے دور میں بھی جب وہ اپنے منصبی فرائض کے سلسلہ میں خطاب کرتے تھے۔ خاص طور پر جب اُن کا موضوع پاکستان ہوتا تھا۔ تو سامعین گوش برآواز رہتے تھے۔ آخر میں یک بیک جان لیوا ثابت ہونے والا عارضہ قلب انہیں عرصہ سے لاحق تھا لیکن اوائل ۱۹۷۲ء میں جب انہیں اچانک جبری ریٹائرمنٹ کے ساتھ سے دوچار ہونا پڑا، تو سقوط مشرقی پاکستان کے قومی صدمے کے ساتھ اس ذاتی المیہ نے بھی ان کے اعصاب پر بہت ناگوار اثر ڈالا تحریک پاکستان کے زمانہ میں مشکلات کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کرنے کا عزم و جذبہ پیدا ہو چکا تھا۔ وہ اس ذاتی المیے میں بھی اُن کے لیے مشعل راہ ثابت ہوا۔ انہوں نے لاء کالج میں داخلہ لے لیا اور فارغ التحصیل ہونے کے بعد پریکٹس کرنے لگے۔ کچھ عرصہ سے ان کی صحت نے خاصی تشویشناک صورت اختیار کر لی تھی۔ لیکن اُن کے احباب اور قدردان ذہنی طور پر انہیں جواں سال اور جوان ہمت ہی سمجھتے تھے۔ اس لیے اُن کے انتقال کی وحشت اثر خبر سننے کے لیے تیار نہیں تھے۔ اب وہ مرحوم کے لیے دعائے مغفرت کرنے کے ساتھ جب ان کی قومی خدمات اور انسانی خوبیوں کو یاد کریں گے تو بے اختیار یہ کہنے پر بھی مجبور ہوں گے ؎[1]

ہاں اے فلک پیر جواں تھا ابھی قاسم کیا تیرا بگڑتا جو نہ مرتا کوئی دن اور

---

[1] اداریہ۔ روزنامہ نوائے وقت لاہور ۸ رجون ۱۹۷۵ء۔

اسلامیہ کالج لاہور کی انجمن طلبائے قدیم نے آپ کی یاد میں سال بھر کے لیے دو وظائف دینے کا اعلان کیا ہے۔ ۵۰ روپے کا ایک وظیفہ اسلامیہ کالج ریلوے روڈ کے طالب علم کو دیا جائے گا، اور اسی مالیت کا ایک وظیفہ اسلامیہ کالج سول لائنز کے طالب علم کو۔ اُمید ہے کہ انجمن طلبائے قدیم اس سلسلہ کو مستقل بنانے کا کچھ انتظام کرے گی۔ اس کالج کے سابق طلباء میں سید قاسم رضوی کی خدمات کے معترف اور قدر دان اصحاب کی کمی نہیں۔ اگر وہ صرف سال سال کے لیے عطیات دینے کا حوصلہ کریں، تو اس قومی کالج کے ایک عظیم فرزند کی یاد تازہ رکھنے کا یہ کارِ خیر عرصہ تک جاری رکھا جا سکتا ہے۔[1]

---

[1] اداریہ۔ روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲۳ دسمبر ۱۹۷۵ء

پیر محمد قاسم مشوری

آپ کی ولادت با سعادت ماہ ربیع الاول ۱۳۱۶ھ شب دوشنبہ کو بمقام مشوری شریف ضلع لاڑکانہ میں ہوئی۔ والد گرامی کا اسم مبارک الحاج محمد عثمان تھا جو رند بلوچ قبیلہ کی شاخ مشوری سے تعلق رکھتے تھے۔

پیر محمد قاسم نے والدین سے ناظرہ قرآن خوانی کے بعد گیارہ برس کی عمر میں سندھ کی مشہور دینی درس گاہ دارالفیض سونا جتوئی ضلع لاڑکانہ میں داخل ہو کر ۱۳۳۹ھ میں تمام علوم عقلیہ و نقلیہ میں فراغت حاصل کر لی اور پیر پگارا خاندان کے عظیم روحانی رہنما حضرت پیر سید امام الدین شاہ راشدی قادری نقشبندی سجادہ نشین درگاہ عالیہ بھلاہ شریف ضلع لاڑکانہ کے دست حق پر بیعت فرما کر خرقہ خلافت حاصل کیا۔

ایک سال تک مدرسہ دارالفیض سونا جتوئی میں تدریس و فتویٰ نویسی کی خدمات سرانجام دینے کے بعد ۱۳۴۰ھ میں درگاہ عالیہ مشوری شریف میں اپنے استاد گرامی حضرت مولانا ابوالفیض غلام عمر جتوئی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں مدرسہ عربیہ قاسم العلوم کا سنگ بنیاد رکھوایا اس درسگاہ سے آج تک علم و عرفان کی نہریں بہہ رہی ہیں اور بے شمار تشنگان علوم ظاہری و باطنی اپنی پیاس بجھا رہے ہیں آپ کے دست اقدس پر ہزاروں فاسق و فاجر بیعت ہو کر تائب ہو چکے ہیں اور ہزاروں کافر و مشرک اور مرتد تائب ہو کر دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے ہیں۔

آپ نے تحریک پاکستان میں بھی گرانقدر خدمات سرانجام دی ہیں۔ انجمن اسلام لاڑکانہ جو اہل سنت و جماعت کی نمائندہ تنظیم ہے کے پلیٹ فارم سے مسلم لیگ کی جدوجہد میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اور جلسے جلوسوں کے ذریعے تحریک پاکستان کی گاڑی کو آگے بڑھانے کی بھرپور

سعی کی۔ مسلم لیگ صوبہ سندھ کے زعماء پیر الٰہی بخش مرحوم اور محمد ایوب کھوڑو وغیرہم اس انجمن کے جلسوں میں حاضر ہوتے اور ایک کارکن کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔ آپ نے اس انجمن کے پلیٹ فارم سے قیام پاکستان کے لیے قرار دادیں پاس کرائیں اور لوگوں کو تحریک پاکستان سے روشناس فرمایا حتیٰ کہ لوگ کانگرس سے بیزار ہو کر مسلم لیگ کے سپاہی بن گئے۔

پاکستان معرضِ وجود میں آیا تو آپ اس انجمن کے صدر بن گئے اور تاحال اس عہدہ پر فائز ہیں۔ صدر انجمن کی حیثیت سے آپ نے مہاجرین کی آبادکاری کے لیے شب و روز نہایت جانفشانی سے کام کیا۔ مہاجرین کو نقدی، اجناس، پارچہ جات و دیگر ضروریات زندگی فراہم کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ آپ کے معتقدین نے اس سلسلہ میں جس جانثاری کا ثبوت دیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ یاد رہے کہ تحریک خلافت میں بھی آپ نے دامے، درمے، قدمے، قلمے اور سخنے بھرپور حصہ لیا تھا۔

قیام پاکستان کے بعد جب کراچی میں جمعیت علماء پاکستان کے زیر اہتمام کشمیر کانفرنس منعقد ہوئی تو آپ نے اُس کے خصوصی اجلاس میں سندھ کی ممتاز روحانی گدی پیر پگارا کے سجادہ نشین حضرت سید سکندر علی شاہ مردان ثانی اور اُن کے برادر خورد سید نادر علی شاہ کی لندن سے پاکستان واپسی اور گدی کی بحالی کیلئے ایک پُرزور قرارداد گورنر سندھ جناب دین محمد شیخ کی موجودگی میں پاس کرائی جس کے نتیجہ میں گدی بحال ہوئی اور پیر صاحب پگارا اپنے بھائی کے ہمراہ انگلینڈ سے واپس لائے گئے۔

ایوبی دور میں کراچی میں مشائخ کانفرنس منعقد ہوئی تو آپ نے اس خدشے کو مکمل طور پر رد فرمایا کہ پاکستان میں مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے ہوتے ہوئے کس فرقہ کی حکومت قائم کی جائے۔ آپ نے فرمایا کہ اسلام کے بنیادی احکامات پر تمام فرقے متفق ہیں اس لیے ہم فوری طور پر اسلامی قانون کو نافذ کر سکتے ہیں۔ اس بات کو دلائل سے ثابت کرتے ہوئے فرمایا کہ موجودہ سائنسی دور میں بھی اسلام مکمل نظام حیات کے طور پر جاری و ساری ہو سکتا ہے۔

وقف املاک لاڑکانہ کی حالت بہت خراب ہو چکی تو ۱۹۵۸ء میں آپ کو سیشن کورٹ کے حکم کے تحت تمام املاک کا نگران مقرر کیا گیا۔ آپ نے لاڑکانہ مسلم وقف سوسائٹی تشکیل دی جس کے آپ صدر منتخب ہوئے آپ نے وقف املاک کی حالت درست کرانے کے علاوہ کئی دینی مدارس اور مساجد تعمیر کرائیں۔ بیوہ، یتیم اور لاوارث لوگوں کی امداد فرمائی۔ آپ تا حال اس سوسائٹی کی صدارت پر فائز ہیں۔

۱۹۶۵ء میں بھارت جیسے کمینہ دشمن نے پاکستان پر اچانک حملہ کر دیا تو لاڑکانہ میں آل پارٹیز کانفرنس آپ کی صدارت میں منعقد ہوئی جس میں تمام سیاسی، سماجی اور مذہبی تنظیموں کے نمائندوں نے شرکت کی اور جہاد کمیٹی قائم کی گئی۔ اس کمیٹی نے مجاہدین کو بھرتی کر کے عسکری تربیت دی اور حکومت کو ان کی خدمات پیش کر دیں اس کے علاوہ لاکھوں روپیہ چندہ اکٹھا کر کے دفاعی فنڈ میں دیا۔

جمعیت علماء پاکستان سے آپ کا تعلق شروع سے ہی رہا جب لاڑکانہ میں ضلعی سطح پر جمعیت کی تنظیم معرض وجود میں آئی تو آپ کو صدر منتخب کیا گیا۔ آپ نے مولانا عبدالحامد بدایونی، مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی (والد گرامی مولانا شاہ احمد نورانی) مولانا ابو الحسنات قادری و دیگر علماء کرام کی رفاقت میں تحفظ نظریہ پاکستان کے لیے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ۱۹۶۹ء میں سوشلزم کا شور اٹھا تو آپ نے جمعیت علماء پاکستان کے قائدین کو اس فتنہ کی سرکوبی کیلئے بھرپور احساس دلایا چنانچہ آپ نے مولانا شاہ احمد نورانی، پیر عبدالرحیم بھرچونڈوی مرحوم، مجاہد ملت مولانا عبدالستار خان نیازی و دیگر رہنماؤں کے ساتھ مختلف شہروں کے دورے کر کے اس فتنہ کو کچلنے کی بھرپور سعی کی۔

جون ۱۹۷۰ء میں ٹوبہ ٹیک سنگھ (دارالسلام) میں آل پاکستان سنی کانفرنس منعقد ہوئی تو آپ نے دوسرے علماء و مشائخ کی طرح اس میں نہ صرف شرکت کی بلکہ اس کی کامیابی و کامرانی کے لیے بھرپور تگ و دو کی۔ اور ایک اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے فرمایا کہ:-

"اب وقت آگیا ہے کہ ہم حجروں سے نکل کر میدان میں آئیں اور ملت کی کشتی کو سنبھالا دیں ؎

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیری
کہ فقر خانقاہی ہے فقط اندوہ و دل گیری

اس کے بعد ۱۸ جولائی ۱۹۷۰ء کو سکھر میں آل سندھ علماء و مشائخ کے نمائندہ اجتماع میں آپ کو جمعیت علماء پاکستان صوبہ سندھ کا صدر منتخب کیا گیا جس کے بعد آپ نے پورے سندھ میں طوفانی دورے کر کے سوشلزم کے دام فریب کو تار تار کیا۔ آج کل گوشہ نشین ہو کر عوام کی روحانی تربیت پر ہی تمام تر توجہ فرما رہے ہیں۔

آپ نے مندرجہ ذیل کتابیں بھی لکھیں جو سب کی سب سندھی زبان میں ہیں۔

ا۔ مطبوعہ:۔ (۱) معلم الغرائض (۲) رحمتی رات شب برات (۳) ارشاد العباد (۴) اتحاد الاشراف (۵) ہدیۃ الابرار فی ان المصطفیٰ نور الانوار (۶) البینات الواضحات فی استحباب الجہر بالذکر لبعد المکتوبات (۷) ہدایۃ الناس فی جواز المیلاد والاعراس (۸) کتاب فی طریقہ قادریہ نقشبندیہ (۹) البکش کی شرعی حیثیت (فتوی بابت البکش)

ب۔ غیر مطبوعہ:۔ (۱) پردہ عورت (۲) فتح اللہ الودود فی تحقیق امرۃ المفقود (۳) کتاب فی تحقیق الرضاع (۴) نفی الریب فی بحث علم الغیب (۵) نبات النبی (۶) تفقیص اللحیۃ وتسوید اللحیۃ (۷) الدلیل المعقول فی تحریم الطبول (۸) نہج الصواب فی تحقیق العذاب (۹) فتاوی قاسمیہ مشوری (۱۰) قطع المشاجرۃ فی تحقیق حرمۃ المصاہرۃ۔

مولانا قاری احمد پیلی بھیتی

مولانا حکیم قاری احمد پیلی بھیتی ۱۹۱۱ء میں گنج مراد آباد (انڈیا) میں پیدا ہوئے والد گرامی کا نام نامی مولانا عبدالاحد پیلی بھیتی تھا جو برصغیر کے ممتاز محدث مولانا وصی احمد محدث سورتی کے صاحبزادے اور فاضل بریلوی اعلیحضرت مولانا شاہ احمد رضا خان کے شاگرد و خلیفہ تھے۔ مولانا حکیم قاری احمد کی والدہ محترمہ تیرھویں صدی کے ولی کامل قطب الاقطاب حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی کی نواسی اور ممتاز عالم دین مولانا شاہ عبدالکریم گنج مراد آبادی کی صاحبزادی تھیں۔ مولانا قاری احمد کے والد کو ان کے مخصوص اندازِ خطابت اور شعلہ بیانی کی وجہ سے فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاں نے "سلطان الواعظین" کا خطاب مرحمت فرمایا تھا جو ان کے نام کے ساتھ اس طرح وابستہ و پیوستہ ہوا کہ لوگ اصل نام سے کم اور "سلطان الواعظین" کے لقب سے زیادہ شناسا تھے۔

مولانا حکیم قاری احمد نے ابتدائی تعلیم مدرسۃ الحدیث پیلی بھیت میں مولانا عبدالحیٔ پیلی بھیتی خلف الرشید مولانا عبداللطیف سورتی اور ابوالمساکین مولانا ضیاء الدین پیلی بھیتی سے حاصل کی۔ ۱۹۲۷ء میں گولڑہ شریف کا سفر اختیار کیا اور حضرت قبلہ عالم پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی کی خدمت میں حاضر ہو کر سعادتِ بیعت حاصل کی۔ گولڑہ شریف میں قیام کے دوران سرزمینِ پنجاب کے نامور قاری مولانا غلام رسول سے قرأت کی تعلیم حاصل کی۔ رامپور کے مدرسہ عالیہ میں مولانا افضال الحق سے صرف و نحو مکمل کیا۔ ۱۹۳۲ء میں مدرسہ امینیہ دہلی میں داخلہ لیا اور مفتی کفایت اللہ سے حدیث کی سند حاصل کی۔ مدرسہ امینیہ میں قیام کے دوران آپ نے مختلف علوم و فنون میں مولانا احمد سعید دہلوی، مولانا ضیاء الحق اور مولانا عبدالغفور سے بھی استفادہ کیا۔ ۱۹۳۶ء میں طبیہ کالج

لکھنؤ سے حکمت کی سند حاصل کی اور پھر اپنے آبائی شہر پیلی بھیت میں طبابت کا آغاز کیا۔

مولانا قاری احمد مذہب و سیاست کو لازم و ملزوم سمجھتے تھے اس لئے پیلی بھیت میں مسلم لیگ کی کامیابی و کامرانی کے لیے مقدور بھر کوششیں کیں ضلعی مسلم لیگ کے صدر منتخب ہو کر گرانقدر خدمات انجام دیں۔ قائد اعظم محمد علی جناح جب ۱۹۳۹ء میں علی گڑھ سے واپسی پر مسلم لیگ کے تنظیمی دورے پر بریلی تشریف لائے تو مولانا حکیم قاری احمد صدہا کارکنوں کا ایک جلوس لیکر پیلی بھیت سے بریلی پہنچے اور قائد اعظم کے پرجوش استقبال میں حصہ لیا۔ قائد اعظم کی بریلی آمد کی تفصیلات آپ نے اپنی کتاب تاریخ پاک و ہند میں یوں درج کی ہیں:۔

"۱۹۳۹ء میں جناح صاحب علی گڑھ سے بریلی تشریف لائے بے شمار مسلمانوں نے اسٹیشن پر ان کا خیر مقدم کیا۔ اللہ اکبر! اسلام اور مسلم لیگ کے نعروں سے پورا شہر گونج اٹھا۔ بدایوں۔ شاہ جہاں پور، مراد آباد اور قرب و جوار کے قصبوں کے ہزارہا مسلمان بریلی پہنچ گئے تھے۔ راقم الحروف بھی پیلی بھیت سے صدہا کارکنوں اور مسلمانوں کے ساتھ شریک استقبال ہوا۔ قائد اعظم اسٹیشن سے باہر کھلی گاڑی میں کھڑے ہوتے تو گلے میں ہاروں کی کثرت سانس بند کئے دے رہی تھی۔ قریب ہی کھڑے ہوئے ایک صاحب خلیل اللہ خاں پیلی بھیتی نے بڑی عجلت سے آگے بڑھ کر ہار ہلکے کر دیئے جناح صاحب نے ان کا شکریہ ادا کیا۔

رات کو عظیم الشان اجلاس منعقد ہوا جناح صاحب نے اردو میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:۔

"انگریز کیا چاہتا ہے؟ ہندو کیا چاہتے ہیں؟ اور ہم کیا چاہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ انگریز چاہتے ہیں کہ ہندو مسلمان لڑتے رہیں اور ہم حکومت کرتے رہیں ہندو چاہتے ہیں کہ انگریز کے زیر سایہ ہماری حکومت مسلمانوں پر قائم رہے اور ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہم نہ انگریز کے غلام رہیں اور نہ ہندو کے بلکہ ہندوستان

میں آزاد قوم کی طرح ہمارا وجود قائم اور منظم ہو۔" (ص ۳۹۵ - ۳۹۶)

۱۹۳۹ء کے اواخر میں کانگرس حکومت کے خاتمہ پر مسلمانانِ ہند نے قائد اعظم کی اپیل پر نہایت جوش و خروش کے ساتھ یوم نجات منایا۔ پیلی بھیت میں یوم نجات کے موقعہ پر مولانا نے ایک طویل جلوس نکالا اور جلسہ منعقد کیا۔ نتیجتاً گرفتار ہوئے۔

قیام پاکستان کے بعد مولانا مرحوم ہجرت کر کے کراچی آ گئے۔ مولانا عبدالحامد بدایونی مرحوم سے دیرینہ مراسم کی بنا پر جمعیت علمائے پاکستان کی سرگرمیوں میں پر جوش حصہ لیا۔ ۱۹۴۹ء میں پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کے اجلاس میں جمعیت کے مبصر کی حیثیت سے شریک ہوئے اور قرار داد مقاصد کی تائید کی۔

۱۹۵۰ء میں کراچی سے جاری ہونے والے ایک مذہبی ماہنامہ "الاسلام" کے نائب مدیر مقرر ہوئے اور مذہبی و تاریخی موضوعات پر مختلف مضامین قلم بند کیے۔ ۱۹۵۳ء میں حج بیت اللہ کی سعادت سے سرفراز ہوئے اور "مشاہداتِ حرمین" کے نام سے سفرنامہ حج تحریر کیا جو قیام پاکستان کے بعد کراچی سے شائع ہونے والا پہلا سفرنامہ حج تھا۔ فروری ۱۹۵۵ء میں قرآن محل کراچی کے مالک محمد سعید کی فرمائش پر ماہنامہ پیام حق کی ادارت سنبھال لی اور خاموشی کے ساتھ اس حیثیت سے تادم مرگ کام کرتے رہے۔

مولانا نے مذہبی و تاریخی موضوعات پر تقریباً بائیس کتابیں تحریر کیں جن میں بخاری شریف جلد اوّل اور شیخ ولی الدین ابی عبداللہ محمد بن عبداللہ خطیب کی تصنیف "اکمال فی اسماء الرجال" کا ترجمہ بھی شامل ہے۔ یہ تمام کتابیں کراچی کے مطبع قرآن محل و رابین برادرس سے شائع ہوئی ہیں۔ اس کے علاوہ مولانا مرحوم نے ایک درجن سے زائد کتابوں پر مبسوط مقدمے تحریر فرمائے۔ ان کتابوں میں سراج الامت حضرت امام ابوحنیفہ کی کتاب مسندِ امام اعظم، ابن تیمیہ کی سیاست شرعیہ، ابن خلدون کی سیرت الانبیاء، امام جزری کی حصن حصین، شاہ مانامیاں کی اعلیحضرت شاہ احمد رضا بریلوی، مولانا امجد علی کی اصولِ حدیث اور مفتی انتظام اللہ شہابی کی مجالس المومنین وغیرہ شامل ہیں۔

تاریخ رد سکھنڈ، قادیانی فتنہ کا ارتداد اور علماء تابعین، مولانا حکیم قاری احمد کی غیر مطبوعہ کتابیں ہیں جن کے قلمی مسودات مولانا کی لائبریری میں محفوظ ہیں۔

تصنیف و تالیف کے علاوہ مولانا مرحوم ایک اچھے طبیب و خطیب تھے۔ کراچی کے علاقے کاغذی بازار میں سورتی دواخانہ کے نام سے پابندی کے ساتھ گزشتہ ۲۵ سال سے مطب کر رہے تھے جو مولانا کا ذریعہ معاش تھا۔ بادامی مسجد میٹھادر، ترک مسجد بی مارکیٹ اور رحمت مسجد بھیم پورہ سے آپ بحیثیت خطیب وابستہ رہے کئی سال سے قرآن مجید کی تفسیر پر کام کر رہے تھے۔ چھٹے پارے کے ساتویں رکوع کی تفسیر زیر قلم تھی کہ ۱۳ جمادی الاول ۱۳۹۶ھ مطابق ۱۴ مئی ۱۹۷۶ء کو اچانک حرکت قلب بند ہو جانے کی وجہ سے اللہ کی رحمت میں پہنچ گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ [۱]

آپ کے انتقال پُر ملال پر ڈیلی ڈان کراچی کے علاوہ روزنامہ جنگ، مشرق اور حریت کراچی نے جلی خبریں شائع کرتے ہوئے بھرپور خراج تحسین پیش کیا۔ پیلی بھیت (انڈیا) کے ممتاز شاعر جناب احمد سعید خان سعید پیلی بھیتی نے یہ قطعہ تاریخ وصال کہا۔ ؎

مختصر تعریف ہے مرحوم کی — کانِ حکمت مخزنِ علم و شعور
سالِ رحلت سے ہے ظاہر مغفرت — قاری احمد کل تھے اب عبد الغفور

۱۳۹۶ھ

کراچی کے نوجوان شاعر جناب نصیر ترابی نے قطعہ تاریخ یوں کہا۔ ؎

جو پئے تبلیغ سرانجام روز و شب ہوئے — وہ عمل سارے قبول بارگاہ رب ہوئے
کی جو فکرِ سالِ رحلت آئی ہاتف کی صدا — قاری احمد گلشن جنت میں داخل ہوئے

۱۹۷۶ء

---

[۱] روزنامہ جنگ کراچی ۱۸ مئی ۱۹۷۶ء۔

آپ نے تین بیٹے اور پانچ بیٹیاں یادگار چھوڑیں سب سے بڑے صاحبزادے خواجہ رضی حیدر نے آپ کی علمی مسند کو سنبھالا ہے۔ رضی صاحب ۵ر فروری ۱۹۴۷ء کو پیلی بھیت میں پیدا ہوئے ۱۹۶۷ء میں جناح کالج کراچی سے بی اے اور ۱۹۶۹ء میں جامعہ کراچی سے اردو میں ایم اے کیا۔

۱۹۶۷ء سے روزنامہ حریت کراچی سے بطور سب ایڈیٹر وابستہ ہیں لکھنا اور پڑھنا ان کا محبوب مشغلہ ہے ۱۹۷۶ء میں قائد اعظم کی صد سالہ سالگرہ کے موقعہ پر ان کی اولین کتاب "قائد اعظم کے ۷۲ سال" طبع ہو کر اہل علم حضرات سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہے۔ اس کے علاوہ "قائد اعظم کے سوانح نگار" "تذکرہ علماء سورت" "تذکرہ محدث سورتی" اور "سیر چراغاں" نامی کتابیں عنقریب منصہ شہود پر جلوہ گر ہونے والی ہیں۔

خواجہ رضی حیدر کو شاعری سے بھی علاقہ ہے۔ غزل کی طرف طبیعت زیادہ مائل ہے ایک غزل کے چند اشعار پیش خدمت ہیں۔

دشتِ تنہائی میں وحشت بھی پرائی کم ہے
دل میں کچھ درد زیادہ گرانی کم ہے

ابر آیا ہے مرے شہر کو جل تھل کرنے
اور آنکھوں میں مری آج ہی پانی کم ہے

کنجِ فرقت میں برابر یہ خیال آتا ہے
شوقِ عریاں ہے بہت اور جوانی کم ہے

میری افسانہ طرازی پہ کہا تھا اُس نے
تیرے قصوں میں مگر ایک کہانی کم ہے

کس لئے آج فسردہ ہے یہ لہجہ تیرا
بات کیا ہے جو طبیعت میں روانی کم ہے

اُس کی نسبت سے جو شہرہ ہوا شہروں شہروں
اب غزل میں بھی رضی شعلہ بیانی کم ہے

ملک لال خاں

ملک لال خاں ۱۸۸۹ء میں ضلع گجرات کے دور افتادہ گاؤں مرجان کے ایک اعوان خاندان میں پیدا ہوئے حصول تعلیم کے بعد انھوں نے اپنی زندگی کی ابتداء محکمہ مال میں ملازمت سے کی لیکن جلد ہی ملازمت کو خیر باد کہہ کر سیاسی زندگی کا آغاز کیا۔ انھوں نے لائل پور کی ،،پگڑی سنبھال او جٹا،، کی کسانوں کی مالیہ میں اضافے کی تحریک سے لیکر مسلم لیگ کی انقلابی تحریک پاکستان تک تمام تحریکوں میں حصہ لیا۔ تحریک خلافت، تحریک ہجرت اور تحریک شہید گنج میں ان کا نام متحدہ ہندوستان کے کونے کونے میں گونجتا تھا۔[۱]

۱۹۱۷ء میں جب وہ پہلی مرتبہ گرفتار کر کے جیل بھیجے گئے تو غالباً وہ سیاسی الزام میں جیل جانے والوں میں سب سے کم عمر کے نوجوان تھے۔ ۱۹۱۹ء کی تحریک عدم تعاون میں پیش پیش تھے جس کی وجہ سے مارشل لاء کے تحت انہیں گرفتار کیا گیا اور انگریزوں کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے۔ تحریک خلافت کا غلغلہ بلند ہوا تو دل و جان سے اس میں شامل ہو گئے پنجاب خلافت کمیٹی کے محاسب اعلیٰ اور سیکرٹری کی حیثیت سے انھوں نے جو کارنامے انجام دیئے ان کا احاطہ کرنے کے لیے کئی دفتر درکار ہیں۔ ان کا عقیدہ تھا کہ خلافت اسلام کے سیاسی نظام کا ایک جزو لاینفک ہے۔ چنانچہ جنگ عظیم کے نتیجے میں خلافت عثمانیہ اتحادیوں کے نرغے میں آئی تو ملک لال خان نے علی برادران کا دل و جان سے ساتھ دیا۔ اس زمانے میں خلافت اور ہجرت کی جو تحریکیں چلیں اُس نے برطانوی امپیریلزم کی جڑیں

---

[۱] روزنامہ نوائے وقت لاہور ۴ جنوری ۱۹۷۶ء، روزنامہ مشرق لاہور ۱۲ نومبر ۱۹۷۵ء۔

ہلا کر رکھ دیں۔ ملک لال خان اس عظیم تحریک کے صفِ اوّل کے قائد تھے۔ یہ انہیں کے حسنِ انتظام کا ایک غیر فانی کارنامہ ہے کہ انہوں نے تحریک خلافت میں قید ہونے والے تمام کارکنوں کے گھروں میں ہر ماہ باقاعدگی سے خرچ پہنچانے کا انتظام کیا۔ یہ ایک وجہ ہے کہ تحریک خلافت میں قید ہونے والوں میں معافی مانگ کر گھر آنے والوں کی تعداد بے حد کم تھی ورنہ عموماً یہ ہوتا تھا کہ لوگ جوش میں آکر قید تو ہو جایا کرتے تھے لیکن جب ان کی غیر موجودگی میں ان کے بیوی بچوں پر فاقے آنے لگتے تو وہ لامحالہ معافی مانگ کر باہر آجایا کرتے تھے۔ ملک صاحب کو لوگوں کی اس قسم کی مجبوریوں کا علم تھا اس لیئے وہ جب کوئی تحریک شروع کرتے تو سب سے پہلے فنڈوں کا انتظام کیا کرتے تھے۔[۱]

ملک صاحب نے ہجرت کمیٹی کے صدر، پنجاب کانگرس کے صدر نیلی پوش تحریک اور اتحادِ ملت کے سیکرٹری کی حیثیت سے جدوجہد آزادی میں جو کردار ادا کیا وہ نئی پود کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ انہوں نے ۱۹۲۳ء میں ڈاکٹر سیف الدین کچلو اور ڈاکٹر سیتہ پال کی گرفتاری کے بعد صوبہ کانگرس کمیٹی کے صدر کے فرائض بھی انجام دیتے تھے۔ یہ وہ دور تھا جب کہ خلافت کمیٹی اور کانگرس برطانوی امپیرلزم کے خلاف شانہ بشانہ سرگرمِ عمل تھیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ملک صاحب نے مختلف تحریکوں کے دوران لاکھوں روپیہ بطور چندہ اکٹھا کیا اور جب بھی ان سے مطالبہ کیا گیا انھوں نے قوم کے سامنے ایک ایک پائی کا حساب پیش کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک اعلیٰ پایہ کے منتظم کی خوبیوں سے نوازا تھا۔ ان کی اپنی نجی زندگی بے حد منظم تھی اور وہ جس تحریک اور پراجیکٹ سے متعلق ہوتے اس کے انتظامات کو بہتر سے بہتر بنانے میں وہ کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتے تھے۔[۲]

---

[۱] روزنامہ نوائے وقت لاہور ۴ جنوری ۱۹۷۶ء، روزنامہ مشرق لاہور ۲۱ نومبر ۱۹۷۵ء

[۲] روزنامہ نوائے وقت لاہور ۴ جنوری ۱۹۷۶ء۔

مسجد شہید گنج، پنجاب کی سیاسی اور مذہبی تاریخ کا ایک بہت اہم باب ہے جب مسجد شہید گنج کا مسئلہ کھڑا ہوا تو ملک لال خان پیش پیش تھے۔ انہوں نے مسجد کے تحفظ کے لئے نیلی پوش کے نام سے ایک تنظیم بنائی جس کے وہ خود سیکرٹری مقرر ہوئے۔ یہ تنظیم اس بات کی خواہشمند تھی کہ یہ مسئلہ خوش اسلوبی سے حل ہو جائے لیکن دوسری طرف سکھ مسجد کو شہید کرنے پر تلے ہوئے تھے صورت حال جب بہت سنگین ہو گئی تو گورنر پنجاب نے مولانا ظفر علیخان اور ملک لال خان کو بلایا اور ان کو صورت حال بہتر بنانے میں معاونت کرنے کی درخواست کی ملک صاحب نے گورنر کو واضح الفاظ میں کہا کہ آپ کی حکومت اس مسئلہ میں جانبدار ہے اور وہ سکھوں کا ساتھ دے رہی ہے ان دونوں کے شدید احتجاج پر گورنر پنجاب نے مولانا ظفر علی خان کو وزیر آباد کے قریب کرم آباد اور ملک لعل خان کو نوشہرہ ورکاں (گوجرانوالہ) میں نظر بند کر دیا۔ ملک لال خان ڈاک بنگلہ میں بند تھے۔ وہاں انہوں نے حفاظتی عملہ کے ارکان اور دوسرے لوگوں کو ملا کر ڈاک بنگلہ میں مسجد تعمیر کر دی جو آج بھی وہاں موجود ہے۔ اس دوران ان کا ڈپٹی کمشنر گوجرانوالہ سے جھگڑا ہو گیا تو ڈی سی نے گورنر سے درخواست کی کہ ملک صاحب کو گجرات میں ان کے آبائی گاؤں مرجان میں نظر بند کیا جائے چنانچہ انہیں مرجان منتقل کر دیا گیا۔ وہاں بھی انہوں نے حفاظتی عملہ کے تعاون سے ایک مسجد تعمیر کر دی۔ [1]

ملک صاحب کی سیاسی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ ان کی تحریک پاکستان سے وابستگی تھی اگرچہ ان کی تمام سیاسی عمر کانگرس کے لیڈروں کی رفاقت میں بسر ہوئی تھی اور وہ گاندھی جی، سی آر داس اور مولانا ابوالکلام آزاد کے ذاتی دوستوں میں شمار ہوتے تھے لیکن جب کانگرس نے اپنی تاریخ کو جھٹلاتے ہوئے مسلمانوں کے سیاسی حقوق کا سرے سے

---

[1] روزنامہ مشرق لاہور ۲۱ نومبر ۱۹۰۵ء۔

ہی انکار کرنا شروع کیا تو ملک لال خان نے ۱۹۴۵ء میں مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کر کے تحریک پاکستان میں سرگرم حصہ لیا۔ ملک صاحب اپنے سیاسی پس منظر کے ساتھ ایک محبوب سماجی شخصیت کے بھی مالک تھے۔ ان کے احباب اور دوستوں کا طول و عرض ملک میں دسیع دائرہ تھا۔ وہ ملک کے سیاسی اور سماجی حلقوں میں انتہائی احترام اور محبت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ چنانچہ ان کی مسلم لیگ میں شمولیت سے تحریک پاکستان کو بہت تقویت حاصل ہوئی۔

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو جب آزادی کا سورج طلوع ہوا تو ملک صاحب نے نئی مملکت کے استحکام و بقاء کیلئے مقدور بھر کام کیا۔ مہاجرین کی آباد کاری کے لیے اپنی زندگی کے شب و روز اور تمام تر مساعی صرف کر دیں۔ اس کے بعد مغربی پاکستان مسلم لیگ کے نائب صدر کے عہدہ جلیلہ پر فائز ہو کر گرانقدر خدمات انجام دیں۔ [۱]

ملک صاحب کو تعمیر مساجد کا بہت شوق تھا۔ انہوں نے کئی جگہ شاندار مسجدیں تعمیر کرائیں گوجرانوالہ ضلع کچہری میں ایک اونچے چبوترہ پر بنی ہوئی مسجد لاکھوں افراد نے دیکھی ہوگی لیکن بہت کم ایسے ہوں گے جو یہاں پر مسجد کی تعمیر کی تحریک کرنے والے کو جانتے ہوں گے اس کی تاریخ یوں ہے کہ سرکاری زمین کا ایک ٹکڑا خالی پڑا تھا جس کے بارے میں لوگوں نے کئی بار سوچا کہ وہاں چبوترہ بنا کر اس کو نماز پڑھنے کے استعمال میں لایا جائے۔ ملک صاحب نے عوام کی خواہش پر ایک رات کو خالی جگہ پر چبوترہ بنا دیا جس پر بعد میں مسجد کی تعمیر ہوئی۔ ملک صاحب کی اس دلیرانہ کوشش پر گوجرانوالہ کے مسلمانوں نے ان کو زبردست خراج تحسین پیش کیا اور اس کے ساتھ ہی ایک بھاری ذمہ داری بھی انہیں سونپ دی وہ ذمہ داری یہ تھی کہ انجمن اسلامیہ گوجرانوالہ کے مدرسہ کا نظم و نسق ان کے سپرد کر دیا گیا۔

---

[۱] روزنامہ نوائے وقت لاہور ۴ر جنوری ۱۹۶۰ء۔

ملک صاحب نے رات دن محنت کر کے نہ صرف مدرسہ کا قرضہ اتارا بلکہ اس کو بڑی کامیابی سے چلایا اور یوں یہ مدرسہ ایک طویل عرصہ تک مسلمانوں کے لیے بیش بہا علمی خدمات انجام دیتا رہا۔

اا راگست ۱۹۱۷ء کو زراعتی کالج لائل پور کے پرنسپل نے حکم جاری کیا تھا۔ کہ کالج میں مسجد تعمیر نہیں کی جا سکتی جس کی وجہ سے مسلمان طلباء نماز با جماعت ادا نہیں کر سکتے تھے طلباء کا ایک وفد گوجرانوالہ ملک لال خان کے پاس آیا اور انہیں صورت حال سے آگاہ کیا۔ ملک صاحب ان کے ہمراہ لائل پور گئے اور پرنسپل سے ملے لیکن پرنسپل کسی صورت میں اپنا حکم واپس لینے پر رضامند نہ ہوا۔ ملک صاحب نے پنجاب کے گورنر کو خط لکھا کہ اگر چیف کالج سنٹرل ٹریننگ کالج، وٹرنری کالج اور میو ہسپتال میں مساجد ہو سکتی ہیں جہاں طلباء کو نماز ادا کرنے کی بھی اجازت ہے تو زراعتی کالج میں اجازت کیوں نہیں دی جا رہی لیکن ملک صاحب کی ان کوششوں کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ انہوں نے مقامی لوگوں، طالب علموں اور پنجاب اسمبلی کے ایک رکن سید راجن شاہ گیلانی (ملتان) کو ساتھ ملا کر کالج میں ایک پختہ چبوترہ تعمیر کر دیا جو بطور مسجد کے استعمال ہونا شروع ہو گیا۔ آج زرعی یونیورسٹی کی مسجد بھی اسی جگہ واقع ہے۔

جب پنجاب میں عدم تعاون کی تحریک نے زور پکڑا تو گوجرانوالہ کے ایک ہندو لالہ حاکم رائے بھی پکڑے گئے۔ عدالتیں کام کر رہی تھیں اور ہر کسی کو سزائے موت یا عمر قید کی سزا کا حکم سنایا جاتا تھا۔ لالہ حاکم رائے بہت گھبرائے۔ ملک صاحب اُن سے ملے اور کہا! کہ تم وعدہ کرو کہ اگر تم سزایاب ہونے سے بچ گئے تو اپنی شہر والی زمین مسجد کی تعمیر کے لیے دے دو گے؟ لالہ جی نے وعدہ کر لیا۔ اللہ کی کرنی کہ لالہ جی اپنے چند ایک دوسرے رفقاء کے ساتھ بری ہو گئے۔ چنانچہ انہوں نے وعدہ کے مطابق وہ زمین مسجد کیلئے دے دی وہ آج مسجد ملک لال خان کے نام سے مشہور ہے۔

بیرون شاہ عالم مارکیٹ لاہور مسلمانوں نے ایک ہی رات میں مسجد کی تعمیر کر دی جس

پر پورے شہر میں سخت کشیدگی پھیل گئی اور ہندو مسلم فساد کا شدید خطرہ پیدا ہو گیا۔ معاملہ طول پکڑ گیا حکومت بھی اس ضمن میں اپنے آپ کو بے بس سمجھنے لگی۔ اسی دوران ڈپٹی کمشنر نے ملک صاحب سے درخواست کی کہ وہ اس سلسلے میں مداخلت کریں۔ ملک صاحب نے دونوں فریقوں سے بات چیت شروع کی اور ایک طویل کوشش کے بعد دونوں میں مصالحت کرا دی۔

پنجاب پبلک سروس کمیشن کے چیئرمین مرزا عبدالرب کی خواہش تھی کہ اس علاقے میں کوئی مسجد تعمیر کرائی جائے۔ انہوں نے شملہ پہاڑی کے دامن میں ایک جگہ مسجد کی تعمیر کے لیے حاصل کی۔ بعدازاں ملک صاحب نے مخیر حضرات سے عطیہ جمع کر کے مسجد تعمیر کرائی۔ [1]

ملک صاحب کی تعلیم اگرچہ واجبی تھی لیکن انہیں بڑے بڑے علماء کرام سے نیازمندی حاصل تھی۔ حافظہ بے پناہ تھا۔ دراصل بات یہ تھی کہ انہیں بچپن سے ہی روزانہ ڈائری لکھنے کا شوق تھا۔ وہ رات کو سونے سے پہلے اپنے دن بھر کی مصروفیات کو ڈائری میں لکھا کرتے تھے اس لیے ان کے کاغذات تاریخی اہمیت کے حامل ہیں جنہیں محفوظ کر لیا جانا ضروری ہے۔ ملک صاحب کی ذہانت اور فہم و فراست کے لوگ گرویدہ تھے چنانچہ گوجرانوالہ میونسپل کمیٹی کے انتخاب میں سب سے زیادہ مقتدر خاندان کے نمائندے کو شکست دے کر کمیٹی کی صدارت میں کامیابی حاصل کی۔

ملک صاحب کو مذہب سے وابستگی نے انہیں عمر کے اس حصے میں جب کہ ان کی صحت ایک گرتی ہوئی دیوار تھی ۱۹۷۵ء میں حج بیت اللہ کے سفر پر آمادہ کیا۔ انہوں نے مکہ معظمہ کے مدرسہ صولتیہ کے لئے ایک لاکھ روپے کا چندہ دیا تھا۔ اس سفر میں انہوں نے مدرسہ مذکور میں اپنے چندے سے بنائے گئے ونگ کا افتتاح کیا جو انہیں کے . . .

---

[1] روزنامہ مشرق لاہور ۲۱ ر نومبر ۱۹۷۵ء۔

نام سے ہی موسوم ہے۔ [1]

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ ملک صاحب کو برصغیر کے بڑے بڑے علماء کرام سے نیاز مندی حاصل تھی۔ ان علماء کرام کی صحبتوں نے ملک صاحب کو ایک کھرا اور صاف ستھرا آدمی بنا دیا تھا۔ وہ شریعت کے احکام کی سختی سے پابندی کرتے تھے کہیں سگریٹ تک کو منہ نہ لگایا ہمیشہ کھدر پہنتے تھے اور وضعداری کا یہ عالم تھا کہ خدا کے فضل سے جب دولت کی فراوانی ہوئی تو انھوں نے کار کی بجائے عام سواری کو ترجیح دی۔ ہمیشہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں اس زندگی اور آخری زندگی کا راز پنہاں ہے۔ [2] استاذی حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ کے قول کے مطابق ملک صاحب نے آخیر عمر میں حضرت میاں علی محمد چشتی نظامی دتبی شریف مدفون پاکپتن شریف) رحمۃ اللہ علیہ کے دست اقدس پر سعادت بیعت بھی حاصل کر لی تھی۔

ملک صاحب نے اپنی طویل عمر مذہب و ملت کی خدمت میں بسر کر کے ۲ جنوری ۱۹۷۶ء مطابق ۲۹ ذوالحجہ ۱۳۹۶ھ بروز جمعہ فالج گرنے کے باعث لاہور میں داعی اجل کو لبیک کہا اور میانی صاحب کے قبرستان میں سپرد خاک کر دیئے گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ [3]

روزنامہ نوائے وقت لاہور نے انہیں یوں شاندار خراج عقیدت پیش کیا۔

"ملک لال خاں صاحب جو بیسویں صدی کے دوسرے دہے میں ایک سیاسی کارکن کی حیثیت سے روشناس خلق ہوئے اور تیسرے دہے میں خلافت اور ہجرت کی تحریکوں میں صف اول کے رہنماؤں میں شمار ہونے لگے تھے جمعہ کے دن طویل عمر پا کر عالم آخرت کو سدھارے! وہ کوئی دس برس سے

---

[1] روزنامہ مشرق لاہور ۲۱ نومبر ۱۹۷۵ء۔ روزنامہ نوائے وقت لاہور ۴ جنوری ۱۹۷۶ء۔

[2،3] روزنامہ نوائے وقت لاہور ۴ جنوری ۱۹۷۶ء۔

گوشہ گیر تھے لیکن مسلمانوں کی ساٹھ ستر برس کی سیاسی تاریخ کے امین تھے۔ ان کا ذخیرۂ کتب، ان کی یادداشتیں اور ان کے ملفوظات ہماری قومی زندگی کا ایک بیش قیمت سرمایہ ہیں۔ اس سرمایہ کو انھوں نے ہمیشہ سینے سے لگائے رکھا۔ بسا اوقات انہیں سیاسی معاملات میں اکابر سے اختلاف بھی پیدا ہوا ہے لیکن وہ اختلاف عناد کی حد کو کبھی نہ پہنچا۔ اُن کا آخری سیاسی لگاؤ آل انڈیا مسلم لیگ سے تھا اور قیام پاکستان تک انہوں نے اسی کے پرچم تلے جو کچھ اُن سے بن آیا کیا۔ قیام پاکستان کے بعد وہ سیاسی زندگی سے کنارہ کش ہو گئے۔ یوں بھی اُن کے قویٰ پر اضمحلال طاری ہونے لگا تھا۔ اُن کے داماد مولانا نصر اللہ خاں عزیز (المتوفی ۱۹۷۶ء) بھی اب صحت کے اعتبار سے اس قابل نہیں کہ ان کے سرمایہ علمی کی حفاظت کر سکیں ممکن ہے ان کے پسماندگان میں سے خدا کسی کو یہ توفیق بخشے کہ وہ سرمایہ بہرحال تحفظ و ابلاغ کا متقاضی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔"[۱]

---

[۱] روزنامہ نوائے وقت لاہور ۴ر جنوری ۱۹۷۶ء (اداریہ)

خواجہ محمد رفیق

خواجہ محمد رفیق امرتسر کے ایک متوسط کشمیری گھرانے میں ۱۹۲۲ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد ایم اے او کالج امرتسر میں داخلہ لے لیا۔ اپنی گوناگوں خوبیوں کے باعث کالج میں معروف طالب علم لیڈر کی حیثیت سے ابھرے۔ لاء کرنے کے دوران ہی شیخ صادق حسن مرحوم و مغفور کے جلوہ میں تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لینا شروع کیا اور خضر حیات کی وزارت میں سول نافرمانی کے سلسلے میں گرفتار ہوئے مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے اپنی شعلہ نوائیوں سے امرتسر کے علاقہ میں بے شمار لوگوں کو نظریہ پاکستان کا ہمنوا بنایا کانگرسی مسلمانوں کے باطل نظریات پر کاری ضربیں لگائیں پاکستان کے قیام تک شب و روز مسلم لیگ کے لیے کام کرتے رہے۔ ؎

قیام پاکستان کے بعد جناح مسلم لیگ میں شامل ہو کر حسین شہید سہروردی کے ساتھ جمہوریت کش حکمرانوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے رہے۔ ایوبی دور میں جب بڑے بڑے جغادری سیاستدان خاموشی کو ہی اپنی عافیت سمجھتے تھے خواجہ صاحب شیروں کی طرح میدان میں گونجے۔ قید و بند کی تکالیف انہیں کسی وقت بھی کلمہ حق کہنے سے باز نہ رکھ سکیں۔ انہوں نے جابر حکمرانوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ان کی غلط پالیسیوں پر گرفت کی موچی دروازہ لاہور کا عظیم میدان اس بات کا علینی شاہد ہے کہ کس طرح ہر دور میں خواجہ محمد رفیق نے ظلم و جور کے خلاف آواز حق بلند کی، اس قحط الرجال اور ہوا و ہوس کی تاریک رات میں بلاشبہ وہ آذان سحر تھے۔

" یہ فیلڈ مارشل ایوب ہے کون؟ ہم جو پاکستان کے بنانے والے ہیں اور جنہیں قائد اعظم کے ادنیٰ

؎ روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲۱ر دسمبر ۱۹۷۲ء، ۲۱ر دسمبر ۱۹۷۶ء، ۲۵ر دسمبر ۱۹۷۷ء

؎ والد گرامی کا نام خواجہ غلام محمد تھا۔

رضاکار ہونے کا لافانی شرف حاصل ہے، اس کی پیٹی اُتار کر اُسے ملزموں کے کٹہرے میں کھڑا کریں گے" ناظرین کو یہ بات مدِنظر رکھنی چاہیئے۔ کہ یہ اس دور کی بات ہے جب کہ ایوب خان کا آفتابِ اقتدار پورے عروج پر تھا۔ [1] ایوب شاہی کو ختم کرنے کے سلسلے میں خواجہ صاحب نے جس استقلال پامردی اور عزم محکم کا ثبوت دیا وہ تاریخ جمہوریت کا زریں باب ہے جبکہ دور میں جب قومی جمہوری محاذ، عوامی لیگ جسٹس پارٹی اور نظام اسلام پارٹی کا انضمام ہوا اور پاکستان جمہوری پارٹی کے نام سے نئی جماعت معرضِ وجود میں آئی تو آپ نے اس پارٹی کے لیے خون جگر دے کر کام کیا۔ اور ۱۹۷۰ء کے عام انتخابات میں حلقہ ۵ لاہور سے قومی اسمبلی کا انتخاب لڑا مگر قائدِ اعظم کے جان نثار اور پاکستان کے اس قدرتی مجاہد کو مختلف ہتھکنڈوں کے ذریعے ناکام بنادیا گیا۔ بعد میں اختلافات کی بنا پر جمہوری پارٹی سے مستعفی ہو گئے اور "اتحاد پارٹی" کے نام سے نئی سیاسی جماعت بنائی اور اس کے سربراہ منتخب ہوئے۔ [2]

اتحاد پارٹی کے قیام کے بعد آپ نے ملک میں جمہوری اقدار کی حفاظت کے لیے تن من دھن کی بازی لگادی اور اسی مقصد کے تحت ۲۰ دسمبر ۱۹۷۲ء کو لاہور میں تحریک استقلال کے زیر اہتمام نکلنے والے پُرامن جلوس میں شرکت کی اس جلوس کی قیادت تحریک استقلال کے سربراہ ایئر مارشل اصغر خان نے کی۔ جلوس نیلا گنبد سے ہوتا ہوا اسمبلی ہال کے سامنے تین بجکر چالیس منٹ پر منتشر ہو گیا جلوس نے راستے میں نگلر دیش نامنظور کے نعرے لگائے جلوس پر غنڈوں نے پتھر پھینکے۔ پٹاخے چھوڑے اور نعرہ بازی کی۔ جلوس کے اختتام کے تقریباً ۲۵ منٹ بعد خواجہ صاحب اپنے ساتھیوں اور رشتہ داروں کے ہمراہ منٹگمری روڈ سے واپس جا رہے تھے کہ اچانک سات آٹھ افراد پر مشتمل ایک گروہ نے خواجہ صاحب اور ان کے ساتھی اشفاق بٹ پر حملہ کر دیا۔ اشفاق بٹ کو لاٹھیوں اور خنجروں سے زخمی کر دیا گیا جب خواجہ صاحب نے مزاحمت کی تو دو افراد نے اُن پر گولی چلادی۔ ایک گولی

---

[1], [2] روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲۱ دسمبر، ۲۳ دسمبر ۱۹۷۲ء معلوماتی کتابچہ بسلسلہ انتخابات قومی اسمبلی ضلع لاہور مطبوعہ لاہور ۱۹۷۰ء ص ۱۷۔

آن کے سر میں لگی اور دوسری اُن کے دل کے قریب لگی جس سے وہ فوراً گر پڑے۔ ایک اور گولی ان کے ساتھی اشفاق بٹ کی ران میں پیوست ہو گئی اور وہ بھی وہیں گر پڑے حملہ آور بھاگ نکلے اور غائب ہو گئے۔

عینی شاہدوں کا کہنا ہے کہ قاتلوں کا گروہ اعلانیہ پستول اور خنجر ہوا میں لہرا رہا تھا۔ خواجہ صاحب کے گرتے ہی ہزاروں لوگ وہاں جمع ہو گئے اور بعض راہگیر خواجہ صاحب کو اپنی کار میں ڈال کر میو ہسپتال لے گئے لیکن ہسپتال پہنچتے ہی ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ رحلت کی خبر سنتے ہی اندرون شہر کہرام مچ گیا۔ اپوزیشن لیڈروں اور شہریوں کی بھاری تعداد میو ہسپتال پہنچنا شروع ہو گئی جس پر وہاں پولیس کی بھاری جمعیت متعین کر دی گئی۔ خواجہ صاحب کے دوست اور ساتھی ان کی نعش زبردستی اپنے ساتھ گھر لے گئے اور نعش کا پوسٹ مارٹم کرنے کی اجازت نہیں دی۔ نعش جونہی اندرون شہر پہنچی لوگ اپنے گھروں سے نکل آئے اور آن کی آن میں خواجہ صاحب کی رہائش گاہ لوہاری دروازہ میں عوام کا جم غفیر جمع ہو گیا۔ اور لوگ حکومت کے خلاف نعرے لگانے لگے۔ اپوزیشن کے ممتاز لیڈر مجاہد ملت مولانا عبدالستار خان نیازی مدظلہ سیکرٹری جنرل جمعیت علماء پاکستان، نوابزادہ نصراللہ خان صدر جمہوری پارٹی ایئر مارشل اصغر خان، ملک محمد قاسم جنرل سیکرٹری مسلم لیگ وغیرہ بھی پہنچ گئے اور تعزیت کرنے والے ہزار ہا لوگوں کے ہجوم سے خطاب کرتے ہوئے مولانا نیازی، ایئر مارشل، ملک محمد قاسم اور میاں طفیل محمد نے خواجہ صاحب کے قتل کو سیاسی قتل قرار دیتے ہوئے اس کی ذمہ داری حکومت پنجاب پر ڈالی۔ [1]

دوسرے دن لاکھوں انسانوں کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر نے گول باغ لاہور میں مجاہد ملت حضرت مولانا عبدالستار خان نیازی مدظلہ کی اقتدا میں آہوں اور سسکیوں کے دوران

---

[1] روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲۱ ر دسمبر ۱۹۷۲ء

نماز جنازہ پڑھی۔ اپوزیشن کی اپیل پر تمام شہر میں مکمل ہڑتال رہی۔ اس موقعہ پر نوائے وقت لاہور کا اقتباس درج کرنا ضروری ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خواجہ صاحب کی شخصیت سے عوام کو کس قدر عقیدت و محبت تھی۔

"مرحوم کے حق میں دعائے مغفرت اور خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے نماز جنازہ میں لاکھوں افراد نے شرکت کی جلوس میں شریک لاہور کے عمر رسیدہ شہری یہ کہتے سنے گئے کہ لاہور کے در و دیوار نے غازی علم الدین شہید کے جنازہ کے بعد اتنا بڑا اجتماع نہیں دیکھا۔ جنازہ کے شرکاء "شمع حریت زندہ باد، شہید جمہوریت زندہ باد" کے علاوہ "غنڈہ گردی مردہ باد اور حکومت کے خلاف زبردست نعرے لگا رہے تھے۔ ہزاروں نوجوان سینہ کوبی کر رہے تھے اور ہر آنکھ اشکبار تھی کلمہ طیبہ کا ورد جاری تھا اور تکبیر کے نعرے بلند ہو رہے تھے۔ مرحوم کے سوگ میں اور غنڈہ گردی کے خلاف احتجاج کے طور پر آج اندرون شہر اور انارکلی میں مکمل ہڑتال رہی اپوزیشن پارٹیوں میں سے کوئی جماعت ایسی نہ تھی جس کے رہنما جنازہ میں شریک نہ تھے۔" [1]

نماز جنازہ کے بعد مولانا عبدالستار خان نیازی مدظلہ و دیگر رہنماؤں نے خطاب کرتے ہوئے اپیل کی کہ سب جماعتیں اکٹھی ہو کر آمریت کا مقابلہ کریں۔ اس کے بعد جلوس حکومت کے خلاف نعرے لگاتا ہوا قبرستان میانی صاحب پہنچا اور اشکبار آنکھوں کے ساتھ خواجہ صاحب کو حمید نظامی مرحوم کے پہلو میں سپرد خاک کر دیا۔ مجاہد ملت مولانا عبدالستار خان نیازی مدظلہ، ایئر مارشل اصغر خان، نوابزادہ نصر اللہ خان اور دیگر لیڈروں نے زار و قطار روتے ہوئے شہید کی قبر پر مٹی ڈالی۔ [2]

موت اس کی جس کا زمانہ کرے افسوس
یوں تو سب آئے ہیں دنیا میں مرنے کیلئے

---

[1] روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲۲ دسمبر ۱۹۷۲ء [2] ایضاً ۲۱ دسمبر ۱۹۷۲ء [3] روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲۲ دسمبر ۱۹۷۵ء

جمہوریت اور حق و صداقت کے اس پرستار کی شہادت پر تمام ملک میں صف ماتم بچھ گئی تعزیتی اجلاسوں، قراردادوں اور ایصال ثواب کی خبروں سے اخبارات کئی دن تک بھرپور نظر آتے رہے ملک کے تمام اپوزیشن لیڈروں نے گہرے رنج و الم کا اظہار کیا۔ اخبارات نے اپنے اداریوں میں شہید کو زبردست خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے قاتلوں کو سخت سزا دینے کا مطالبہ کیا۔ روزنامہ نوائے وقت "لاہور نے اپنی ۲۲ دسمبر ۱۹۷۲ء کی اشاعت کے اداریہ میں "انتہائی افسوس ناک" کے زیر عنوان یہ اداریہ سپرد قلم کیا۔

"ملک کے ایک انتہائی مخلص، بے لوث اور نڈر سیاسی کارکن، پاکستان کے شیدائی، عظیم محب وطن، جمہوریت کے پرستار اور سیاست میں اخلاق و شائستگی کے علمبردار خواجہ محمد رفیق گزشتہ روز تحریک استقلال کے پرامن جلوس میں شرکت کے بعد گھر جاتے ہوئے غنڈوں کی گولیوں کا نشانہ بن کر ہمیشہ کے لیے ہم سے رخصت ہو گئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

خواجہ رفیق کا سانحہ ارتحال محض ایک بے لوث مخلص اور دیانتدار سیاسی کارکن کی موت نہیں یہ ایک ایسا سانحہ ہے جس پر ملت کا ہر وہ شخص خون کے آنسو بہائے گا۔ جسے وطن عزیز میں بدامنی لاقانونیت، غنڈہ گردی اور فسطائیت کی بجائے شرافت و شائستگی اور امن و جمہوریت عزیز ہے یہ محض ایک شخصیت کا المیہ نہیں۔ یہ جمہوریت پر حملہ ہے۔ سیاست میں شرافت و شائستگی پر حملہ ہے جس بدبخت نے اس ممتاز شخصیت کی جان لی ہے۔ اس نے اصل میں اعلیٰ جمہوری اقدار کو ختم کرنے کی ناپاک کوشش کی ہے۔

ہم ان کالموں میں اکثر یہ گزارش کرتے رہتے ہیں کہ پاکستان اس وقت جس نازک دور سے گزر رہا ہے۔ گزشتہ سال اسلامی تاریخ کے سب سے بڑے سانحہ کے بعد ہم جس اضمحلال و بحران کا شکار ہیں، ہمارے روز اول کے دشمن ہمیں ختم کرنے کے لیے تخریب و سازش کے جو جال پھیلائے ہیں اور ہمیں مفلوج و اپاہج کرنے کی جو مذموم کوشش کی جا رہی ہے، اس کا اولین تقاضا یہ ہے

کہ ہم اپنی صفوں میں اتحاد و یکجہتی پیدا کریں لیکن بڑی ہی تکلیف دہ حقیقت ہے کہ رہے سہے پاکستان میں جمہوری سیاست اور سیاست میں شرافت و شائستگی تحمل و بردباری برداشت اور رواداری کی بجائے تشدد و لاقانونیت غنڈہ گردی اور انتشار کے منحوس عفریتوں نے ناچنا شروع کر دیا ہے۔ اپوزیشن کی بات سننے اور اسے اپنے موقف کا اظہار کرنے سے روکنے کی غرض سے اسیری و نظر بندی، مقدمات بندشوں اور پابندیوں کا جو اہتمام کیا گیا اس کا فطری و لازمی نتیجہ یہی ہو سکتا تھا کہ لوگ اپنے جذبات کا اظہار کرنے کے لیے سڑکوں پر نکل آئیں چنانچہ سب سے پہلے طلباء نے بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے کے ضمن میں ریڈیو ٹیلیویژن اور اخبارات میں سرکاری مہم کے خلاف مظاہروں کا اہتمام کیا۔ انتظامیہ نے اظہار کا یہ راستہ بھی مسدود کرنے کی کوشش کی اور طلباء کے مظاہروں کو پولیس نے تشدد کے ذریعے دبانے کی کوشش کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پہلے وکلاء اور پھر تمام اپوزیشن جماعتیں بھی احتجاجی جلوسوں کا اہتمام کرنے لگیں صوبائی دار الحکومت پنجاب میں طلباء کے بعد وکلاء بھی تشدد کا نشانہ بنے۔ ابھی غنڈہ گردی کا نشانہ بننے والے وکیل ہسپتال سے ڈسچارج نہیں ہوئے تھے کہ خواجہ رفیق غنڈوں کی گولیوں سے چھلنی ہو گئے۔

پنجاب کے دار الحکومت لاہور میں تحریک استقلال کے جلوس سے گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ پیشتر کسی روک ٹوک کے بغیر شاہراہِ قائداعظم پر ایک سیاسی جماعت (پیپلز پارٹی) کے کارکن جس طرح پولیس کی موجودگی میں دفعہ ۱۴۴ کا احترام کرتے رہے۔ ان عناصر نے تحریک استقلال کے جلوس کے سامنے ٹولیوں کی شکل میں جمع ہو کر جس طرح اشتعال انگیز نعرے لگائے جلوس پر روڑے، آلو اور پتھر پھینکے اور دھماکے سے پھٹنے والے پٹاخے چھوڑے۔ پولیس اگر ان کا بروقت نوٹس لیتی تو غنڈوں کے حوصلے پست ہو جاتے اور شاید انہیں خواجہ رفیق کو گولیوں کا نشانہ بنانے کا موقعہ نہ ملتا۔

خواجہ محمد رفیق زندگی بھر جمہوریت کے لیے جدوجہد کرتے رہے۔ وہ تحریک پاکستان کے سپاہی تھے۔ قیام پاکستان کے بعد وہ مسلم لیگ کی قیادت کو جمہوریت کی راہ پر گامزن کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ ایوب خانی آمریت کے خلاف آواز بلند کرنے والوں میں وہ پیش پیش تھے۔ اور

اس "جرم" کی پاداش میں ان پر "غداری" کا مقدمہ بھی چلایا گیا لیکن آمریت کی مشینری عدالت میں اُن کا جرم ثابت نہ کر سکی۔ وہ اب بھی مکمل جمہوریت کی بحالی کے لیے جدوجہد کر رہے تھے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اگر ہمارے وابستگانِ اقتدار و اختیار اور ارباب سیاست اگر اس پرستار جمہوریت کی افسوسناک موت سے کوئی سبق حاصل کر سکیں۔ اور سیاست میں خواجہ مرحوم کے مسلک شرافت و شائستگی۔ کو اختیار کر سکیں تو اسمبلی چیمبرز کے عقب میں بہنے والا خون رائیگاں نہیں جائے گا۔

آخر میں ہم یہ گزارش بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ خواجہ محمد رفیق اپنے خاندان کا واحد سہارا تھے وہ کوئی سرمایہ دار یا امیر آدمی نہیں تھے، متوسط طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کا ایک چھوٹا سا پریس تھا جس کا بیشتر حصہ اُن کی اسیری و نظر بندی کے زمانے میں خاندان والے فروخت کرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ اس لیے سب سے زیادہ ضرورت اس بات کی ہے کہ اُن کے پسماندگان کے باعزت نان و نفقہ کا کوئی معقول اہتمام کیا جائے۔ یہ بات نہ صرف ارباب اقتدار و اختیار بلکہ اپوزیشن رہنماؤں کی فوری توجہ کی متقاضی ہے۔"

تحریک پاکستان کے نامور سپاہی اور ملک کے بزرگ صحافی جناب میاں محمد شفیع (م ش) نے خواجہ صاحب کو یوں خراج عقیدت پیش کیا۔

"میں نے جب بدھ وار کی شام کو ریڈیو پاکستان سے بطل حریت، مجاہد جمہوریت، شیر ببر خواجہ محمد رفیق کی ایک پُرامن جلوس کے خاتمہ پر گولی لگنے سے شہادت کی خبر سُنی، تو غم سے میرا کلیجہ شق ہو گیا۔ اس ایج گروپ میں میں نے خواجہ محمد رفیق سے بڑھ کر کسی آدمی کو بہادر، غیرت مند بے خوف، نڈر اور رجیالا نہیں پایا۔ میں نے انہیں فیلڈ مارشل ایوب خان کی ڈکٹیٹرشپ کے خلاف موچی گیٹ کے باہر جلسوں میں اس وقت دھاڑتے دیکھا جب سابق صدر کے رعب اور دبدبہ سے بڑے بڑے حریت پسندوں کا پتا پانی ہو جایا کرتا تھا، اور جب بڑے بڑے ناموں والے انقلابی فوجی ڈکٹیٹر کے سامنے راکھ کا ڈھیر ہوا کرتے تھے۔ میری آنکھوں کے سامنے

اس وقت اُس رفیق کی تصویر گھوم رہی ہے جو موچی گیٹ کے باہر ایک مجمع کو خطاب کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "یہ فیلڈ مارشل ایوب خان ہے کون؟ ہم جو پاکستان کے بنانے والے ہیں اور جنہیں قائدِ اعظم کے ادنیٰ رضاکار ہونے کا لافانی شرف حاصل ہے، اس کی پیٹی اتار کر اسے ملزموں کے کٹہرے میں کھڑا کر دیں گے۔" یہ وہ دور تھا جب ایوب کا آفتاب اقتدار نصف النہار پر چمک رہا تھا۔

خواجہ محمد رفیق ایک عظیم مجاہد وطن تھے، وہ امرتسر کے ایک متوسط کشمیری گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ انہوں نے پاکستان سے قبل شیخ صادق حسن مرحوم و مغفور جیسے مخلص مسلم لیگی لیڈر کے جلو میں تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا۔ قیام پاکستان کے بعد انہوں نے حسین شہید سہروردی (مرحوم) کے ساتھ مل کر جمہوریت کے فروغ کے لیے دل و جان سے کام کیا۔ اور جب ملک پر فوجی ڈکٹیٹرشپ مسلط ہو گئی تو خواجہ محمد رفیق نے شیروں کی سی تندی کے ساتھ جمہوریت کی بحالی کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔ ان میں سیاسی کام کے لیے بے پناہ لگن تھی، انہوں نے دائیں بائیں دیکھنا نہیں سیکھا تھا۔ وہ ناک کی سیدھ چلنے والا شیر دل جوان تھا۔ جب اس کا پی ڈی ایم سے اختلاف ہوا تو اس نے اپنی طرز کے ایثار پیشہ جواں سال لوگوں کے ساتھ مل کر پاکستان اتحاد پارٹی کی داغ بیل ڈالی اور وہ جوانوں کے سے جوش و خروش کے ساتھ اپنی نئی سیاسی تنظیم کے قیام کے لیے دن رات کام میں جُت گیا۔ انہوں نے عہد کر رکھا تھا کہ ملک میں جب تک غیر مشروط جمہوریت بحال نہیں ہو جاتی اور جب تک لوگوں کو ان کے بنیادی حقوق حاصل نہیں ہو جاتے وہ اپنی جدوجہد جاری رکھیں گے۔ انہوں نے ۲۰ دسمبر کے روز بھی اسی جذبہ کے تحت احتجاجی جلوس میں شمولیت اختیار کی تھی لیکن آہ! کسی شقی القلب کی گولی نے پاکستان کو اس کی ایک عظیم متاع، ایک پاکباز، پاک دل فرزند سے محروم کر دیا۔ میرا یہ ایمان ہے کہ خواجہ محمد رفیق کی شہادت پاکستان میں غیر مشروط جمہوریت کی تمہید بنے گی اور دنیا کی کوئی طاقت کسی قسم کی منظم سیاسی غنڈہ گردی اور کوئی خفیہ ناپاک منصوبہ پاکستان کے لوگوں کو ان کے بنیادی حقوق سے محروم نہیں رکھ سکیں گے۔ خواجہ محمد رفیق شہید جمہوریت وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے پاکستان کی تاریخ میں زندہ رہیں گے۔

اس موقع پر میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ پنجاب کے گورنر مسٹر غلام مصطفٰے کھر کو اس وقت تک چین سے بیٹھنا نہیں چاہیے جب تک کہ وہ شہید جمہوریت خواجہ محمد رفیق کے قاتلوں کا سراغ نہیں لگا لیتے آج پنجاب ہی نہیں پاکستان کا بچہ بچہ ان سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ شہید جمہوریت خواجہ محمد رفیق کے قاتلوں کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لیے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں۔" [1]

مسٹر غلام مصطفٰے کھر نے پنجاب کی گورنری کے دوران جس طرح جمہوریت کی مٹی پلید کی وہ کسی بھی چشم بینا سے مخفی نہیں ہے۔ طلباء، وکلاء، علماء اور سیاسی لیڈروں کے ساتھ جیل میں جو انسانیت سوز اور ناقابل تحریر سلوک کیا گیا۔ اس کے تصوّر سے ہی روح کانپ اٹھتی ہے۔ تاریخ بڑے بڑے ڈکٹیٹروں کے تاریک کردار اور بھیانک چہروں سے بھری پڑی ہے مگر ایسی مثال پوری تاریخ میں ہی نہیں ملتی۔ ڈاکٹر نذیر احمد ایم۔ این۔ اے ڈیرہ غازی خان، جاوید مذیر شہید (لاہور کے طالب علم) اور خواجہ محمد رفیق کے قتل تو مسٹر کھر کے دورِ مظالم کی ایک ادنیٰ داستان ہیں۔ ان کے دور اقتدار کے اخبارات آج بھی آٹھ آٹھ آنسو رونے پر مجبور کر دیتے ہیں۔

قیامت خیز ہے افسانہ پُر درد و غم میرا
نہ کھلواؤ زبان میری نہ اٹھواؤ قلم میرا

خواجہ محمد رفیق کے قاتلوں کو مسٹر کھر نے پورا پورا تحفظ دیا اور نامعلوم اس کیس کو کس سرد خانے میں ڈلوا دیا کہ آج جب کہ مسٹر کھر کمال بے عزتی سے ایوانِ اقتدار سے نکالے جا چکے ہیں اور خواجہ صاحب کی شہادت کو پانچ برس گزر چکے ہیں ابھی تک قاتلوں سے کوئی باز پرس نہیں ہو سکی مسٹر کھر جس طرح بے آبرو ہو کر کوچۂ اقتدار سے نکالے گئے اور جس طرح آج کسمپرسی اور گمنامی و ذلت کی زندگی گزار رہے ہیں اگر اسے ان بے گناہ مظلوموں کے خون ناحق کی گرفت سمجھ لیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ اور نہ معلوم انہیں فطرت و قدرت کی طرف سے مزید کن حالات سے دوچار ہونا پڑے جو

---

[1] روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲۳ ردسمبر ۱۹۷۲ء۔

لوگ اقتدار و حکومت کے نشے میں فوراً بدمست ہو جاتے ہیں ان کے لیے اس سے زیادہ تازیانہ عبرت اور کیا ہو سکتا ہے؟ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

ع دیکھو اسے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو

اکتوبر ۱۹۷۵ء میں مسٹر کھر نے حلقہ نمبر ۶ لاہور کی صوبائی نشست کے لیے ضمنی انتخاب لڑا۔[ع] تو انہوں نے اپنے دوستوں (مسٹر افتخار تاری) کے ذریعے بیگم خواجہ محمد رفیق کے گھر جا کر معافی مانگنے کی اجازت چاہی مگر بیگم صاحبہ نے انکار کر دیا اور حکومت سے مطالبہ کیا کہ مسٹر کھر پر خواجہ صاحب کے قتل کا مقدمہ چلایا جائے، مگر افسوس کہ حکومت نے کوئی ایکشن نہ لیا۔[۱]

خواجہ صاحب نے پسماندگان میں ایک بیوہ اور دو لڑکے چھوڑے۔ بڑے لڑکے سعد رفیق کی عمر ۱۵ سال اور چھوٹے لڑکے سلیمان رفیق کی عمر ۱۲ سال ہے۔ اگرچہ خواجہ محمد رفیق ہمارے اندر موجود نہیں ہیں لیکن اپنے ایثار، قربانی، خلوص اور دیانت کی بدولت وہ ہزاروں دلوں میں زندہ و تابندہ ہیں۔

---

[۱] روزنامہ امروز لاہور ۱۵ / اکتوبر ۱۹۷۵ء

[ع] مسٹر کھر نے یہ الیکشن آزاد امیدوار کی حیثیت سے لڑا تھا۔

سردار محمد حسین گنجیانوالہ

نواب بہادر یار جنگ مرحوم نے کہا تھا کہ "ہمیں اُن کی ضرورت نہیں، جو شجرِ ملت پر پھول بنکر چمکنا چاہتے ہوں اور پھل بنکر کام و دہن کو شیریں کرنا چاہتے ہوں ہمیں اُن کی ضرورت ہے جو کھاد بنیں، جو زمین میں جذب ہوتی ہے اور جڑوں کو مضبوط بناتی ہے، جو مٹی اور پانی میں ملکر رنگین پھول پیدا کرتی ہے۔ جو خود فنا ہوتی ہے اور پھلوں میں لذّت و شیرینی پیدا کرتی ہے۔

ہم کو اُن کی ضرورت نہیں، جو کاخ و ایوان کے نقش و نگار بنکر نظارہ بین نگاہوں کو خیرہ کرنا چاہتے ہوں، ہم بنیاد کے اُن پتھروں کو چاہتے ہیں جو ہمیشہ کے لیے زمین میں دفن ہو کر اور مٹی کے نیچے دب کر اپنے اوپر عمارت کی مضبوطی کی ضمانت قبول کرتے ہیں۔"

سردار محمد حسین مرحوم کی شخصیت بلا شبہ انہی مردان احرار کا علمی نمونہ ہے جن کا ذکر نواب بہادر یار جنگ نے کیا ہے کیوں کہ انھوں نے کشتِ ملت کی آبیاری اپنے خون اور پسینے سے کی تعمیر وطن کی خاطر تن من دھن کی بازی لگا دی اور تادمِ آخر اسی نصب العین پر قائم رہے اپنے وسائل سے بڑھ کر تعمیر ملت میں حصہ لیا۔

سردار صاحب ضلع قصور کے مشہور گاؤں گنجہ کلاں (نواح عثمانوالہ ریلوے سٹیشن) کے نامور گنجہ (ارائیں) خاندان میں ۱۹۰۴ء میں پیدا ہوئے اور ۶۵ برس کی عمر پاکر مذہب و ملت کی مقدور بھر خدمت کر کے ۱۵ر جولائی ۱۹۶۹ء کو صبح دس بجے فیروز پور روڈ لاہور پر ٹریفک کے ایک حادثے میں جاں بحق ہو گئے۔ اُن کی موت نے لاکھوں انسانوں کو غمزدہ

کردیا کیوں کہ ان کی موت صرف اُن کے خاندان کے لیے ہی باعث رنج والم نہ تھی بلکہ اُن کے لاکھوں مداحوں اور عقیدتمندوں کے لیے بھی ایک عظیم سانحہ تھی، ہر آنکھ اشکبار تھی اور کیوں نہ ہوتی جب کہ غریبوں کا غم خوار اور یتیموں کا سہارا اس دنیا سے اُٹھ چلا تھا۔

سردار صاحب نے اپنی سیاسی زندگی کا آغاز ۱۹۳۷ء میں پنجاب لیجسلیٹو اسمبلی میں تحصیل چونیاں ضلع لاہور کے حلقہ سے بلا مقابلہ منتخب ہو کر کیا تھا۔ اور ۱۹۶۲ء تک مسلسل بلا مقابلہ منتخب ہوتے رہے تھے۔ جس سے اُن کی ہر دلعزیزی کا ثبوت ملتا ہے اسی طرح ۱۹۳۷ء سے ۱۹۵۷ء تک لاہور ڈسٹرکٹ مسلم لیگ کے صدر منتخب ہوتے رہے ۱۹۶۴ء کے الیکشن میں کسی سازش کے تحت ان کو مسلم لیگ کا ٹکٹ نہ دیا گیا تو انہوں نے آزاد اُمیدوار کی حیثیت سے اُس وقت کے گورنر (ملک امیر محمد خان) کی مخالفت کے باوجود انتخاب لڑا۔ مگر حکومت کی مشینری نے حرکت میں آکر عوام کے اس محبوب رہنما کو ناکام بنا دیا۔ لیکن پھر بھی سردار صاحب نے حق و صداقت اور انصاف کی شمع فروزاں رکھی۔

۱۹۳۷ء میں جب سکندر حیات کی یونینسٹ وزارت قائم ہوئی تو آپ نے چند ماہ یونینسٹ پارٹی میں رہ کر محسوس کیا کہ سکندر وزارت عوامی خدمات کی بجائے انگریزی حکومت کی خدمت کو اپنا مقصدِ وحید بنائے ہوئے ہے اس لیے سردار صاحب اپوزیشن میں جا بیٹھے۔ پھر نہ صرف اسمبلی بلکہ پبلک جلسوں میں بھی حکومت کی غلط پالیسیوں کو طشت از بام کرتے رہے۔ اس اعلانِ حق کی پاداش میں ڈسٹرکٹ بورڈ کے الیکشن میں حکومت نے اُن کی زبردست مخالفت کی مگر پھر بھی یہ مردِ حق گو اپنی پارٹی کے ستر فیصد ممبروں کے ساتھ کامیاب ہوا۔

اسی دوران سکندر وزارت نے جب آبیانہ کی شرح دگنی کر دی تو سردار صاحب آگے بڑھے اور فیروز پور ہیڈ سے نکلنے والی نہر دیپال پور کا پانی نہ لینے کی تحریک شروع کر دی۔ جگہ جگہ جلسے کرکے لوگوں کو تحریک کی کامیابی کے لیے آمادہ کیا۔ چنانچہ لوگوں نے اپنے اپنے گاؤں کے موگھے بند کر دیئے۔ ناچار حکومت نے سردار صاحب کو گفتگو کے لیے بلایا

چنانچہ آپ کی زیر قیادت ایک وفد نے سر سکندر حیات سے ملاقات کی اور حکومت نے تمام ناجائز آبیانہ وٹیکس ختم کر دیا۔

خضر وزارت کے خلاف جب مسلم لیگ نے سول نافرمانی کی تحریک شروع کی تو آپ نے ضلع لاہور میں اس تحریک کو کامیاب بنایا۔ آپ کی دعوت پر لوگوں نے ہزاروں کی تعداد میں اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کیا۔ حتیٰ کہ حکومت کثیر تعداد میں گرفتاریوں سے تنگ آ گئی اور آپ کو گرفتار کر کے قصور جیل بھیج دیا گیا۔ جہاں میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ، نواب افتخار حسین ممدوٹ اور ملک فیروز خان نون جیسے قائدین پہلے ہی موجود تھے۔ چند دن بعد جب خضر وزارت دم توڑ گئی تو آپ بھی دیگر لیڈروں کے ساتھ رہا ہو گئے۔

قائداعظم نے جب مسلم لیگ کی عنان سنبھالی اور مسلم لیگ کی تنظیم کی مہم شروع کی تو ضلع لاہور میں آپ سب سے پہلے مسلم لیگ میں شامل ہوئے اور ضلع لاہور میں بڑی محنت اور جانفشانی سے مسلم لیگ کی شاخیں قائم کیں اور باتفاق رائے ضلعی صدر چنے گئے اور پورے بیس سال تک صدر رہے۔ دیہات میں مسلم لیگ کے اثر کو پھیلانے کے لیے سب سے پہلے موضع محمود پورہ نزد قصبہ کھڈیاں تحصیل قصور میں ایک شاندار جلسے کا اہتمام کیا جس میں میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ اور نواب افتخار حسین ممدوٹ نے عوام سے خطاب کیا۔ دوسرا جلسہ پتوکی میں کیا۔ اس میں بھی قائدین مسلم لیگ نے خطاب کیا۔ حکومت کی شدید مخالفت کے باوجود جلسے نہایت کامیاب رہے اور لوگ ہزاروں کی تعداد میں جوق در جوق مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔

قیام پاکستان کے بعد آپ نے مہاجرین کی جو خدمت کی وہ قابل صد ستائش ہے آپ نے اپنے آرام کی پرواہ نہ کرتے ہوئے مہاجرین کو ہر قسم کی سہولتیں بہم پہنچائیں۔ مہاجر کیمپ قائم کر کے قیام و طعام وغیرہ کا پورا بندوبست کیا۔ تقریباً دو سال تک ہندوستان جا کر مسلمان عورتوں اور بچوں کو تلاش بسیار کے بعد واپس لاتے رہے۔ اسی طرح

قیام پاکستان کے بعد آپ نے ہزاروں رضا کار بھرتی کر کے دو سال تک ضلع لاہور کی سرحدوں کی حفاظت کی۔ حکومت نے آپ کو آنریری کرنل بنا دیا تھا۔ چنانچہ دو سال تک سرحدی جھڑپوں میں ہندوستان کو منہ توڑ جواب دیا۔

آپ محض ایک سیاسی رہنما ہی نہ تھے بلکہ بحیثیت انسان اُن میں تمام خوبیاں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ وہ اقبال کا مرد مومن تھے۔ منڈی عثمانوالہ کے علاقہ کی تبلیغی سرگرمیاں آپ کی ہی رہین منت ہیں۔ آپ نے بے شمار مذہبی جلسوں کا انعقاد کر کے علاقہ میں مذہبی روایات کو از سر نو زندہ کیا۔ علماء مشائخ سے اُن کو والہانہ عقیدت تھی۔ مناظر اسلام حضرت مولانا محمد عمر اچھروی رحمۃ اللہ علیہ سے گہرے تعلقات تھے۔

آپ کی عوام دوستی اور رفاہی کاموں کا اعتراف خود اُن کے مخالفین نے بھی کیا ہے کیوں کہ آپ نے ذاتی تعصب سے بالاتر ہو کر عوام کی خدمت کی۔

مفتی سید مسعود علی قادری

مفتی سید مسعود علی قادری ۱۹۰۹ء میں یوپی کے مشہور شہر علی گڑھ کی نواحی ریاست بوڑھا گاؤں میں متولد ہوئے۔ والد ماجد کا اسم گرامی حافظ سید احمد علی بن سید قاسم علی بن سید ہاشم علی تھا۔ ابتدائی تعلیم مارہرہ شریف میں حاصل کی۔ عربی تعلیم ۱۹۱۹ء میں مدرسہ لطیفیہ جامع مسجد علیگڑھ میں شروع کی ۱۹۲۱ء میں دادوں ضلع علیگڑھ میں نواب ابوبکر خاں شروانی کے قائم کردہ مدرسہ عربیہ قادریہ میں مولانا وجیہ الدین احمد خان رام پوری اور قاری محی الدین سے اکتساب علم کیا اور ۱۹۲۵ء تا ۱۹۳۱ء مدرسہ عالیہ رام پور میں جامع المعقول والمنقول علامہ عبدالحق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے صاحبزادے مولانا افضال الحق خیر آبادی سے تعلیم حاصل کر کے سند فراغت حاصل کی۔ ؎۱
فارغ التحصیل ہونے کے بعد ۱۹۳۲ء سے ۱۹۳۴ء تک مدرسہ نعمانیہ دہلی اور ۱۹۳۴ء سے ۱۹۴۱ء تک مدرسہ عالیہ قادریہ بدایوں اور ۱۹۴۱ء سے ۱۹۵۰ء تک مدرسہ عربیہ دادوں ضلع علیگڑھ میں تدریس و افتاء اور انتظامی امور کے فرائض سرانجام دیتے رہے ۱۹۵۱ء میں پاکستان آگئے اور ۱۹۷۰ء تک آپ مدرسہ عربیہ انوار العلوم ملتان میں تدریس و افتاء کے علاوہ انتظامی خدمات بھی سرانجام دیتے رہے ۱۹۷۰ء میں پیرانہ مرض ذیابیطس کی زیادتی کے باعث قلبی عارضہ بھی لاحق ہو گیا چنانچہ آپ اپنے صاحبزادے مفتی سید شجاعت علی قادری کی گزارش پر مع اہل و عیال کراچی مستقل طور پر منتقل ہو گئے یہاں دارالعلوم

؎۱ ماہنامہ ترجمان اہل سنت کراچی مارچ ۱۹۷۳ء ص ۱۸-۱۹۔

؎۲ حضرت مفتی صاحب نے اپنے استاد مولانا وجیہ الدین احمد خان کے پیر حکمن میاں بریلوی سے بیعت کی تھی اور اجازت و خلافت حاصل کی تھی۔

امجدیہ میں مسندِ تدریس و افتاء سنبھالی اور ساتھ ہی مع مسجد قصاباں صدر میں خطابت کے فرائض انجام دینے شروع کیے جو آخر تک باقی رہے۔ ۵۲

حضرت مفتی صاحب نے تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا۔ ۱۹۳۴ء سے ۱۹۴۱ء تک مدرسہ عالیہ قادریہ بدایوں میں تدریسی فرائض سرانجام دیتے تھے۔ اسی نسبت سے مولانا عبدالحامد بدایونی کے رفیق کار رہے۔ اکثر جلسوں میں مولانا موصوف کے ساتھ تقریریں فرمایا کرتے۔ آپ کٹر مسلم لیگی تھے۔ آپ کے بڑے صاحبزادے مولانا سید سعادت علی قادری لکھتے ہیں۔

ایک مرتبہ انھوں نے تحریک پاکستان کے واقعات بیان کرتے ہوئے مجھے بتایا کہ "اس زمانہ میں مجھے ان علماء اور مسلمانوں پر حیرت ہوتی تھی جو اسلام کا دعویٰ کرتے اور اپنی کوششوں سے ہندوؤں (کانگرس) کو فائدہ پہنچاتے تھے"۔ ۵۳

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت مفتی صاحب ۱۹۴۱ء میں دادوں ضلع علی گڑھ تشریف لے گئے تھے۔ وہاں آپ درس و تدریس کی ذمہ داریاں پوری کرنے کے ساتھ ساتھ دیہاتوں میں جاکر مسلم لیگ کے لیے کام کرتے تھے۔ ۵۴ اور قیام پاکستان تک آزادی حاصل کرنے کے لیے میدان عمل مصروف کار رہے۔ اس دوران نامعلوم کتنی رکاوٹیں ان کی راہ میں حائل ہوئیں مگر آپ کے آہنی عزائم کو متزلزل نہ کرسکیں۔

۱۹۵۰ء میں جب آپ ملتان تشریف لے آئے تو جمعیت علماء پاکستان کے احیاء کی کوششیں شروع تھیں آپ بھی ان میں شامل ہوگئے۔ چنانچہ جمعیت از سر نو میدان میں آئی تو آپ کو مرکزی مجلس شوریٰ کا رکن اور ملتان جمعیت کا صدر منتخب کیا گیا۔ ۱۹۷۰ء کے عام انتخابات

---

۵۲ ماہنامہ ترجمان اہلسنت کراچی مارچ ۱۹۷۳ء ص ۱۸، ۱۹

۵۳ ، ۵۴ مکتوب بنام مؤلف از کراچی مورخہ ۲۵ جنوری ۱۹۷۵ء ۵۴ ایضاً

میں مولانا حامد علیخاں مدظلہ آپ ہی کی تحریک پر قومی اسمبلی کا انتخاب لڑنے کے لئے آمادہ ہوئے آپ ان کے تمام انتخابی جلسوں میں علالت کے باوجود شریک ہوتے رہے۔ اور انتخابی امور کے لیے شب و روز کام کرتے رہے۔

۹ رفروری ۱۹۷۳ء مطابق ۵ محرم الحرام ۱۳۹۳ھ کو نماز جمعہ پڑھائی اور حسب معمول تقریر فرمائی۔ جمعہ کے بعد حسب عادت کھانا تناول فرمایا۔ تھوڑی دیر بعد دل کا دورہ پڑا اور بغیر کسی اضطرابی کیفیت کے پرسکون انداز میں جان، جان آفریں کے سپرد کردی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

آپ کی وفات پر ملک بھر میں رنج والم کی لہر دوڑ گئی۔ تعزیتی پیغاموں کا تانتا بندھ گیا جا بجا تعزیتی اجلاس منعقد ہوئے۔ شعراء نے مرثیے لکھے اور تاریخیں کہیں۔ طوالت کے خوف سے صرف جناب صابر براری کی کہی ہوئی تاریخ وصال درج کی جاتی ہے۔

(۱) غلشِ آبِ غم
۱۹۷۳ء

(۲) جناب مولانا مفتی سید مسعود علی قادری
۱۳۹۳ھ

سراج الملّۃ سیّد محمد حسین علیپوری

آپ کی ولادت باسعادت ۱۸۷۶ء کو علی پور سیداں ضلع سیالکوٹ میں اعلیحضرت امیر ملت پیر سید حافظ جماعت علی شاہ محدث علی پوری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم علی پور شریف میں حاصل کرنے کے بعد مولانا نور احمد امرتسری رحمۃ اللہ علیہ سے اکتساب علم کیا۔ اس کے بعد تفسیر، حدیث، تحفۂ ادب اور فلسفہ کی تکمیل آپ نے مدرسہ امینیہ دہلی میں کی اور اسی مدرسہ سے سند فراغت حاصل کی۔

تحصیل علم کے بعد مدرسہ نقشبندیہ علی پور شریف کے مہتمم اور صدر مدرس مقرر ہوئے آپ کو عربی و فارسی پر مہارت تامہ حاصل تھی۔ تحریر و تقریر میں اہل زبان کی طرح ید طولیٰ رکھتے تھے۔ آپ کی فصاحت و بلاغت پر بڑے بڑے علماء و فضلاء کو حیرانی ہوتی تھی۔ آپ کا انداز تدریس سہل اور ایسا جامع ہوتا کہ فوراً طالب علموں کی سمجھ میں آجاتا۔

آپ نے سلسلہ نقشبندیہ کے معروف بزرگ حضرت بابا فقیر محمد چوراہی رحمۃ اللہ علیہ کے دست اقدس پر بیعت کر کے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ اُن کی رحلت کے بعد والد گرامی یعنی حضرت امیر ملت قدس سرہ کے دست مبارک پر بیعت کی اور اجازت و خلافت سے نوازے گئے۔ حضرت امیر ملت قدس سرہٗ کی حیاتِ ظاہری ہی میں آپ کے علم و عرفان کی دھوم مچ گئی تھی۔ ہزاروں لوگ آپ سے بیعت کر کے گمراہی و گم گشتگی سے نجات حاصل کر کے صراط مستقیم پر گامزن ہو گئے۔

آپ نے حضرت امیر ملت قدس سرہٗ کے شانہ بشانہ تمام دینی، ملی و سیاسی تحریکوں میں حصہ لیا۔ فتنۂ ارتداد، تحریک خلافت، سارداایکٹ، تحریک شہید گنج اور تحریک

پاکستان وغیرہ میں بھرپور کردار ادا کیا فتنۂ ارتداد کے زمانہ میں عرصہ تک آگرہ میں مقیم رہ کر ہزاروں مرتدوں کو داخلِ اسلام کیا۔[1] تحریکِ شہید گنج میں والد گرامی کے شانہ بشانہ کام کیا اور اُس تاریخی جلوس میں نمایاں طور پر حصہ لیا جو حضرت امیرِ ملّت قدس سرہٗ کی زیرِ قیادت ۸، نومبر ۱۹۳۵ء کو ننگی تلواروں کے ساتھ نکلا اور انگریز کے اوسان خطا ہو گئے۔[2]

تحریکِ پاکستان کا دور آیا تو حضرت امیرِ ملّت قدس سرہٗ اپنے صاحبزادوں، پوتوں اور عقیدت مندوں کے ساتھ میدان میں نکل آئے حضرت سراج الملّت رحمۃ اللہ علیہ نے رات دن ایک کر کے مسلم لیگ کی تائید و حمایت میں یارانِ طریقت کو اور عامۃ المسلمین کو تحریکِ پاکستان کا ہمنوا بنایا ۱۹۴۶ء کے الیکشن میں ضلع روہتک میں مسلم لیگی امیدوار کی حمایت میں دل کھول کر کام کیا۔ پھر ضلع فیروزپور میں نواب ممدوٹ کے حلقہ میں تشریف لے جا کر اُن کی کامیابی کے لیے دورے فرمائے۔ اس کے بعد قصور میں میاں افتخار الدین کے حلقہ میں اس خوبی سے کام کیا کہ مخالف بھی عش عش کر اُٹھے۔ یہ اللہ تعالےٰ کا فضل تھا کہ آپ کے تینوں امیدوار غالب اکثریت سے کامیاب و کامران ہوئے۔[3] پیر صاحب مانکی شریف رحمۃ اللہ علیہ نے جب قائدِ اعظم کو مانکی شریف میں دعوت کی اور ایک عظیم الشان جلسہ کا انعقاد فرمایا تو اس تاریخی جلسہ کی صدارت کا شرف بھی حضرت سراج الملّت کو حاصل ہوا۔ آپ نے اس جلسہ میں حضرت امیرِ ملّت کی طرف سے قائدِ اعظم کو تحائف بھی پیش کئے۔ (سیرتِ امیر ملّت ص ۴۸۳)

۱۔ سیرت امیر ملت مطبوعہ ۱۹۷۵ء ص ۴۲۹ - ۴۶۳

۲۔ ،، ،، ایضاً

۳۔ سیرت امیر ملت ص ۴۸۶ -

آپ نے کئی کتابیں تصنیف فرمائیں ان میں صرف افضل الرسل ہی زیورِ طبع سے آراستہ ہو سکی اس کے کئی ایڈیشن شائع ہوتے ہیں اور بڑے بڑے علماء و فضلاء سے دادِ تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ علاوہ ازیں آپ مختلف رسالوں (خصوصاً انوار الصوفیہ) میں بلند پایہ مضامین بھی لکھتے تھے۔

آپ کی وفات حسرت آیات ۶ رجمادی الاوّل ۱۳۸۱ھ مطابق ۱۶ اکتوبر ۱۹۶۱ء بروز سوموار قریباً ساڑھے پانچ بجے شام بعمر ۸۳ سال علی پور سیداں میں ہوئی اور والد گرامی کے پہلو میں سپردِ خاک ہوئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

آپ کی رحلت پر بہت سے شعرائے کرام نے تاریخی قطعات کہے۔ لسان الحسان مولانا ضیاء القادری رحمۃ اللہ علیہ کا قطعہ تاریخ نذرِ قارئین ہے۔ ؎

راہی ہوئے بہشت بریں کو ہزار حیف — بزمِ جہاں سے آج محمد حسین شاہ
نورِ نگاہِ پیرِ جماعت علی تھے آپ — تھے آپ شیخِ کامل و اکمل خدا گواہ
تھے نقشبندیوں کے عظیم الشرف بزرگ — بے مثل تھے جہاں میں باندازہ نگاہ
بعدِ وصال خدا ان کی مغفرت کرے — مثلِ جہاں جناں میں بھی زائد ہو عز و جاہ

سالِ وصال کہیے ضیاء آنجناب کی
جنت نصیب میر محمد حسین شاہ
۱۳۸۱ھ

نوٹ! آپ کے تفصیلی حالات کے لیے ملاحظہ ہو (۱) سیرت امیر ملت از سید اختر حسین علی پوری
۲- امیر ملت اور ان کے خلفاء از محمد صادق قصوری (زیر طبع)

مولا بخش خضر تمیمی

مولا بخش نام[1] خضر تخلص تمیم قبیلہ تھا آپ کی ولادت باسعادت ۱۸۹۶ء میں چنیوٹ ضلع جھنگ میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم چنیوٹ میں حاصل کرنے کے بعد اسلامیہ کالج لاہور سے ایم اے کر کے لاء کالج لاہور میں داخل ہو گئے۔ ایل ایل بی کرنے کے بعد شعر و شاعری اور صحافت کی وادی میں قدم رکھا۔ اپنی محنت، دیانت اور ذہانت کے بل بوتے پر خوب ناموری حاصل کی۔ جناب ڈاکٹر عبدالسلام خورشید اپنی کتاب "رُوے صورتیں الٰہی" میں لکھتے ہیں کہ:۔

"خضر تمیمی لاہور کے نامور وکیل تھے لیکن وہ اپنی مزاحیہ شاعری کی بنا پر ادبی حلقوں میں جانے پہچانے جاتے تھے۔ شاعری کی ابتداء کالج سے ہوئی تعلیم سے فراغت کے بعد بھی یہ شغل جاری رہا اور کسی زمانے میں مشاعروں میں ان کی مانگ اتنی ہی زیادہ تھی جتنی بعد میں۔ حاجی لق لق، ضمیر جعفری اور سید محمد جعفری کو نصیب ہوئی۔ وکالت کے پیشے نے شعر و شاعری کو ٹھپ کر دیا اور اس کے بعد نجی محفلوں میں تو اپنا کلام سنا دیتے تھے لیکن مشاعروں میں نہیں جاتے تھے۔ خضر تمیمی کی ایک اور خصوصیت یہ تھی کہ ملتانیوں سے بات کرتے تو یوں محسوس ہوتا کہ ساری عمر سرائیکی ہی میں گفتگو فرماتے رہے ہیں۔ اور پوٹھوہار جاتے تو پوٹھوہاری بولی بولتے۔ یہاں تک کہ ہریانہ پرانت (انبالہ ڈویژن) کی بولی پر بھی حاوی تھے پنجابی ادب کی کلاسیکی کتابوں کا گہرا مطالعہ کر رکھا تھا خواجہ غلام فرید کی کافیاں بڑے ذوق و شوق کے ساتھ نجی محفلوں میں سناتے اور سب کو لوٹ پوٹ کر دیتے تھے انہیں ہیں جاننا تو دیر سے تھا لیکن قریب اس وقت آیا جب "پنچایت" کا ایڈیٹر

---

[1] والد ماجد کا نام میاں اللہ دتہ تھا۔

مقرر ہُوا ۔ان دنوں موصوف ڈویژنل انسپکٹر پنچایت (ایجوکیشن) کے عہدے پر فائز تھے۔ مجھے دو تین مرتبہ ان کے ساتھ ملتان ڈویژن کے دورے کا اتفاق ہُوا اور خوب مزہ رہا۔ محکمہ پنچایت میں بھی جب فارغ ہوتے تو اپنی صحبت سے فیضیاب فرماتے۔ اصل نام مولا بخش تھا لیکن "خضر تمیمی" اتنا مقبول تھا کہ "مولا بخش" پسپا ہوگیا۔ رہن سہن سادہ رہا۔ مدتوں افلاس میں زندگی گزاری۔ پاکستان بننے کے بعد وکالت کا پیشہ اختیار کیا۔ تو مالی حالات کسی قدر سُدھر گئے۔ بہر حال پریشانیوں کے عالم میں بھی ان کی شگفتگی برقرار رہی" ۔[1]

خضر تمیمی نے جس دور میں صحافت کی وادی میں قدم رکھا اس وقت انگریز کی غلامی کے خلاف تحریکیں چل رہی تھیں اور قومی پریس ملکی عوام کے جذبات کی عکاسی میں مصروف تھا۔ ظاہر ہے کہ ان ایام میں محض قصیدہ گوئی سے کام نہ چل سکتا تھا۔ عوام کے جذبات و احساسات کے پیش نظر غیر ملکی حاکموں پر کڑی تنقید کی ضرورت درپیش تھی۔ اس ضرورت کو پورا کرنے کیلئے خضر تمیمی نے مزاح کا سہارا لیا اور اس دور کے روزناموں "احرار"، "جمہور"، "حریت" اور ہفتہ وار "جہاں نما" میں کام کرنے لگے۔ ان اخبارات و رسائل میں وہ ایک وطن دوست صحافی اور شاعر کی حیثیت سے کام کرتے رہے اور بطور مزاح نویس اُردو دان طبقے سے روشناس ہو گئے بعد میں آپ نے اختر شیرانی مرحوم کے ساتھ ملکر ماہنامہ "خیالستان" میں بھی کام کیا۔ ان کی طبیعت میں بھی چونکہ مزاح تھا۔ اس لئے انہوں نے اپنے دور کے مشہور مزاحیہ پرچوں ہفت روزہ "شیرازہ" اور ہفت روزہ "نمکدان" میں بھی اپنی آنشر تحریفات شائع کرائیں جنھیں پڑھنے والوں نے بے حد پسند کیا۔ آپ نے نثر میں آبِ حیات کی پیروڈی اس فنکارانہ چابکدستی سے کی کہ سارے برصغیر پاک و ہند میں سراہی گئی۔

آپ کی ہر دلعزیز ادبی خدمات کے پیش نظر حکومت پنجاب نے اپنے محکمے "دیہات سدھار پنچایت" کیلئے ان کی خدمات حاصل کرلیں۔ آپ نے اس محکمے میں جو گرانقدر خدمات انجام دیں وہ

[1] وے صورتیں الٰہی از ڈاکٹر عبدالسلام خورشید، لاہور سنہ ۱۹۷۶ء ص ۱۴۷۔

آپ زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ بحیثیت تعلیمی آفیسر آپ محکمہ کے ترجمان اخبار "پنجابیت" کو بھی ایڈٹ کرتے تھے اور پنجاب بھر کے گاؤں کے دورے بھی، ان دوروں کے دوران انہیں جگہ جگہ دیہات سدھار کے سلسلے میں تقریریں بھی کرنی پڑتی تھیں۔ ؎۱

۱۹۳۰ء میں روزنامہ زمیندار لاہور کے نائب مدیر بھی بنے ۱۹۳۶ء میں چنیوٹ سے اپنا ماہنامہ چناب جاری کیا۔ پیروڈی کے ماہر تھے اور ہر بڑے شاعر کی غزل و نظم کی پیروڈی کر لیتے تھے حضرت اکبر الہ آبادی کی مشہور نظم "آب لوڈور" کی پیروڈی آپ نے اپنی نظم "ہاتھ کی روانی" میں یوں کی تھی۔ ؎

یہ ہے آج ہی رات کی داستان — کہ تھے مہماں میرے اکبر مہرباں
دکھاؤں میں حضرت کے کھانے کا ڈھنگ — لکھوں ان کے لقمے اڑانے کا رنگ
پلیٹوں میں ہنچل مچاتا ہوا — وہ چمچے سے چمچہ لڑاتا ہوا
پلاؤ میں سالن ملاتا ہوا — وہ جل تھل کا عالم رچاتا ہوا
وہ بوٹی پہ چڑھ کر لپٹا ہوا — وہ روٹی سے بڑھ چمٹ ہوا
فقط شوربے سے کھسکتا ہوا — مربّے سے جا کر چپکتا ہوا
سمجھ کر میرے گھر کو جائے وغا — "نہ ہاٹا، نہ ملّا نہ جنبد زجا"
غرض اس طرح ہیں میرے مہرباں — بس اب دیکھ لیں شاعر نکتہ داں

وہ سودا دا اکبر کا آب لوڈور
یہاں خضر کی بے زبانی کا زور

خضر تمیمی کی ایک پیروڈی "سارنگی اور طبلہ" چوہدری خوشی محمد ناظر کی نظم جوگی کی پیروڈی ہے۔ اس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

؎۱ روزنامہ امروز لاہور ۲۰ فروری ۱۹۷۷ء۔

دنیا بھر کے بے فکروں نے کل بزم سرود سجائی تھی
کیا دل کو مسلتا تھا طبلہ، کیا سارنگی گھبرائی تھی
بسمل کی رگِ جاں بنتی تھیں، طاؤس کی تاریں لرزش سے
چائے کا پیالہ دور میں تھا، حقے نے دھوم مچائی تھی
رندوں نے جھنڈے گاڑے تھے، زہاد نے ڈیرے ڈالے تھے
اس دیر و حرم کی محفل میں، موسیقی گانے آئی تھی
یاں اشکوں سے پُر سارنگی یاں پیچ و تاب میں تھا طبلہ
گز بھر کی زباں یاں چلتی تھی واں ہاتھوں کی بن آئی تھی
سارنگی بولی طبلے سے تم یونہی شور مچاتے ہو
اے منہ پھٹ طبلے دلوانے! کیوں کان ہمارے کھاتے ہو
آواز تمھاری کوے سی اور شکل چھلاوے سی تیری
ان میٹھی میٹھی تانوں کے تم رنگ میں بھنگ ملاتے ہو
لعنت ہے تمہارے جینے پر آرام نہیں عزت بھی نہیں
میں گودوں میں جا پلتی ہوں تم سر اپنا پٹواتے ہو
میں راج دلاری البیلی ناری ہوں پر تم کنیا ہوں
تم مونڈی کاٹے مرد کہ ہر جا پر دھکے کھاتے ہو
جب سارنگی نے طبلے سے یوں دل شکنی کا کلام کیا
کچھ دیر تو وہ خاموش رہا پھر بھابھی جاں کو سلام کیا
یوں کہنے لگا سارنگی سے جلتی پر تیل گراتی ہو
ہم رنج و الم کے مارے ہیں تم آکر اور ستاتی ہو

کچھ لطف ہے سینہ کوبی میں سر پھوڑنے میں مستوں کو
بی ! یہ تو عشق کے زیور ہیں تم یونہی ہم کو بناتی ہو
عزت پہ ہماری حرف زنی ! اللہ غنی اللہ غنی !
وہ وقت بڑی بی بھول گئیں جب کان اپنے کھجواتی ہو
ہے ملکہ موسیقی سے مجھے نزدیک تریں تجھ سے رشتہ
ہم راہ پہ تجھ کو لاتے ہیں جب لے سے جھنک سی جاتی ہو
القصہ بچھڑے دوست ملے نہ جھگڑا تھا نہ شکوہ تھا
نہ تن تنا تن تن تن تھی نہ تا کرٹ تا کرٹ دھپا تھا

تحریک پاکستان میں بھی آپ نے بڑی گرم جوشی سے حصہ لیا۔ وہ قبل ازیں پنجاب کے سینکڑوں، ہزاروں گاؤں میں گھوم پھر کر دیہی عوام کی کسمپرسی اور ہندو مہاجن کی گرفت اور مکاریوں کا مشاہدہ کر چکے تھے اور اپنے صوبہ کی اس مسلم آبادی کی دگرگوں حالت سے بخوبی آشنا تھے جو ہندوؤں کے تعصب اور معاشی برتری کا شکار تھی یہی وجہ تھی کہ خضر تمیمی نے قیام پاکستان کی جدوجہد میں پورے خلوص اور لگن سے حصہ لیا تھا۔ ان کی قوم و ملک دوستی کے ثبوت میں وہ مضامین بھی پیش کئے جا سکتے ہیں جو انہوں نے "قلندر" کے قلمی نام سے لکھے تھے۔

اخوت، محبت اور ہمدردی ان کی گھٹی میں پڑی تھی، وہ کسی کو مصیبت میں دیکھ کر بے چین ہو جاتے تھے اور اپنی طرف سے مقدور بھر مدد کی کوشش کرتے تھے۔ انسان دوستی ان کا مذہب تھا۔ ذیل کے واقعہ سے ہمارے دعوے کی تصدیق ہوتی ہے مشہور ادیب جناب نم تسکین لکھتے ہیں کہ:-

"میں مرحوم خضر تمیمی کے ہمراہ پیسہ اخبار سے نگینہ بیکری نیلا گنبد جانے کیلئے روانہ ہوا تو آبکاری روڈ پر پیسہ اخبار پولیس اسٹیشن سے دس بارہ قدم دور ایک

سپاہی ایک خوانچہ فروش کو تھانہ کی طرف گھسیٹ رہا تھا خوانچہ فروش کی مزاحمت پر سپاہی کو غصہ آگیا اور اس نے خوانچہ فروش کو پیٹنا شروع کر دیا، اس مار پیٹ کے دوران خوانچہ فروش کا خوانچہ الٹ گیا اور دہی، بھلّے، پکوڑیاں وغیرہ زمین پر گر کر مٹی میں لت پت ہو گئے۔ خوانچہ فروش کی چیخیں بلند ہوئیں تو خضر تمیمی مرحوم برق رفتاری سے آگے بڑھے اور سپاہی سے لپٹ گئے۔ اس اثناء میں بیسیوں لوگ جمع ہو گئے تو خضر مرحوم نے سپاہی کو تھانہ چلنے کیلئے کہا۔ تھانہ میں مرحوم خضر تمیمی نے انچارج "ایس ایچ او" کو سپاہی کے ظلم وستم سے واقف کیا اور زور دے کر کہا کہ سپاہی سب سے پہلے تو اس خوانچہ فروش سے معافی مانگے پھر اس کے نقصان کی تلافی کرے تو معاملہ رفع دفع ہو سکتا ہے بصورت دیگر آپ اس واقعہ کی رپورٹ درج کریں اور ہمارے بھی بطور گواہ بیان لیں۔ اس مطالبہ کے بعد جونہی مرحوم نے اپنا تعارف کرایا کہ وہ وکیل ہیں ایس ایچ او نے سپاہی کو سخت سست کہنے کے علاوہ گالیاں بھی دیں اور خوانچہ فروش سے پوچھا کہ اس کا کتنا نقصان ہوا ہے۔ خوانچہ فروش نے چالیس روپے بتائے اور ایس ایچ او نے فوراً ہی اپنی جیب سے نکال کر پچاس روپے اس کے حوالے کر دیئے"۔

یہ تو تھی آپ کی انسان دوستی، اب ایک مثال وطن دوستی کی بھی سن لیجئے۔ ایک دفعہ ٹریفک کے حادثہ میں ان کی ٹانگ زخمی ہو گئی۔ دوستوں کے استفسار پر کہنے لگے۔

"کاش میری یہ ٹانگ ٹریفک حادثہ میں زخمی ہونے کی بجائے کسی جنگ میں زخمی ہوتی۔ ایسی جنگ جس میں اپنے وطن کی حفاظت کے لئے دشمنوں کے ساتھ لڑ رہا ہوتا"۔

قیام پاکستان کے کچھ عرصہ بعد لاء کالج لاہور میں بحیثیت لیکچرار بھی کام کیا پھر باقاعدہ وکالت کرنے لگے اور جلد ہی ان کا شمار لائق وفائق اور دیانتدار وکلاء میں ہونے لگا۔ وہ چونکہ پابند

صوم وصلوٰۃ مسلمان تھے۔ اس لیے دروغ گوئی کو ہر حال میں بُرا سمجھتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ گہری چھان بین کے بعد صرف اس مؤکل کا کیس لیتے تھے، جس کے بارے میں انہیں یقین ہو جاتا کہ یہ بے گناہ ہے، یا راہِ راست پر ہے۔ ان کی اس احتیاط پسندی نے ظاہراً دنیاوی لحاظ سے انہیں خاصا مالی نقصان پہنچایا لیکن وہ اس مالی نقصان کو اس لئے برداشت کر گئے کہ انہیں اپنا نام کسی بھی طرح دروغ گو انسانوں کی فہرست میں درج کرانا پسند نہ تھا۔ [1]

آپ کو حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ سے غایت درجہ عقیدت تھی قصیدہ غوثیہ کے بہت بڑے عامل تھے۔ تمام قصیدہ انہیں زبانی یاد تھا۔ اور مختلف مواقع پر بڑی لَے سے پڑھتے تھے۔ آخیر عمر میں تصوف کا غلبہ زیادہ ہو گیا تھا اور زہد و تقویٰ میں ہی زیادہ تر وقت گزرتا تھا۔ ۲۷ر جنوری ۱۹۷۷ء / ۲ر محرم الحرام ۱۳۹۷ھ بروز اتوار ۸ بجے شب کو آپکا وصال ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مزار اقدس چنیوٹ میں عقیدت مندوں کا مرجع ہے۔ [2]

---

[1] روزنامہ امروز لاہور ۲۰ر فروری ۱۹۷۷ء

[2] تاریخ جھنگ از بلال زبیری، جھنگ ۱۹۷۶ء ص ۴۰۱۔

محمد مالک شہید

تحریک پاکستان میں طلباء کا کردار بہت بڑی اہمیت کا حامل ہے، جسے کسی ثبوت کی ضرورت نہیں حضرت قائداعظم کو طلباء سے بے حد نسبت اور محبت تھی طلباء پر پورا اعتماد تھا اور طلباء ہی ان کے دست راست تھے طلباء ان کے احکامات پر دل و جان سے عمل کرتے تھے۔ ان کے ارشادات پر اپنی ہر چیز فدا کرنے پر تیار رہتے تھے بلکہ فخر سمجھتے تھے۔ وہ طلباء ہی تھے جن کی کوششوں سے ۱۹۴۶ء میں مسلم لیگ کو انتخابات میں کامیابی حاصل ہوئی۔ ان ایام میں اسلامیہ کالج لاہور اس تحریک کا مرکز تھا یہیں سے پروگرام مرتب ہوتے تھے اور انہیں عملی جامہ پہنایا جاتا تھا چنانچہ محمد مالک شہید بھی اس کالج کا سیکنڈ ایئر کا طالب علم تھا۔ جسے تحریک پاکستان سے والہانہ لگاؤ تھا۔ اور اس لگاؤ کے زیر اثر ۱۹۴۶ء میں جانی قربانی سے بھی دریغ نہ کیا" اور "شہید اولین پاکستان" قرار پایا۔

محمد مالک کی ولادت ۱۹۲۵ء میں گوجرانوالہ کے ایک ممتاز گھرانے کے فرد مولوی عبدالرحیم کے گھر ہوئی ابتدائی تعلیم گوجرانوالہ میں حاصل کرنے کے بعد اسلامیہ کالج لاہور میں داخل ہو گیا۔ ۹ مارچ ۱۹۴۶ء کو ایک جلوس تحریک پاکستان کے سلسلے میں قائداعظم کے حکم سے اسلامیہ کالج لاہور سے مرتب ہوا جس میں اکثریت اسلامیہ کالج کے طلباء کی تھی۔ محمد مالک شہید بھی اس جلوس میں شریک تھا بلکہ پیش پیش تھا جلوس کی منزل مقصود وزیر اعظم پنجاب (ملک خضر حیات خان ٹوانہ) کی کوٹھی تھی جلوس کے ہمراہ عوام کے علاوہ چند ممتاز شخصیتیں بھی تھیں مثلاً ملک فیروز خان نون سردار شوکت حیات، میاں افتخار الدین، میاں ممتاز محمد خان دولتانہ، نواب افتخار حسین ممدوٹ چوہدری عبدالکریم، ملک لال خان، نواب اللہ یار دولتانہ اور دیگر اراکین مسلم لیگ بھی تھے۔ اس

کے علاوہ پولیس بھی ہمراہ تھی جلوس اس وقت کے مخصوص نعروں (بن کے رہے گا پاکستان۔ دینا پڑے گا پاکستان۔ لے کے رہیں گے پاکستان) کے ساتھ گول باغ کی طرف جا رہا تھا جب جلوس سناتن دھرم کالج (حال ایم اے او کالج) کے بالمقابل پہنچا تو سناتن دھرم کالج کے طلباء نے اپنی سوچی سمجھی سکیم کے مطابق کالج کی بالکونی سے جلوس پر خشت باری کی جس کے نتیجے میں چند مسلمان طلباء زخمی ہوئے جن میں محمد مالک شہید بھی تھا۔ زخمی طلباء کو میو ہسپتال پہنچا دیا گیا۔ چنانچہ محمد مالک زخموں کی تاب نہ لا کر ۱۰ مارچ ۱۹۴۶ء صبح ۲½ بجے اپنے خالق سے جا ملا۔ جس پر قوم نے اسے "شہید اولین پاکستان" کے نام سے موسوم کیا۔

شہید کی قربانی رائیگاں نہ گئی بلکہ بار آور ہوئی اور ۱۹۴۷ء میں پاکستان معرض وجود میں آ گیا۔ اس وقت کے اخبارات نے شہید کی یادگار کے قیام کے بارے میں بہت کچھ لکھا۔ خود حضرت قائد اعظم بھی چند روز بعد شہید کی قبر انور پر تشریف لے گئے پھولوں کی چادر چڑھائی اشکوں کا نذرانہ پیش کیا، فاتحہ پڑھی اور یادگار قائم کرنے کے بارے میں ارشاد فرمایا۔ لیکن بعد میں ملکی حالات کے پیش نظر سب بھول گئے اور آج تک بھولے ہوئے ہیں۔

محمد مالک شہید کا جنازہ جب پھولوں اور خوشبویات کی بارش میں قبرستان میانی صاحب میں پہنچا تو اس وقت تک زائرین کی تعداد ڈیڑھ لاکھ ہو چکی تھی۔ جس میں کیا بوڑھا، کیا جوان، کیا بچے کیا عورتیں سب شریک تھے چنانچہ تین گھنٹے تک لوگ زیارت کرتے رہے شہید کے چہرے پر ایک قسم کی مسکراہٹ طاری تھی۔ آخر کار پانچ بجے شام شہید کو سپرد خاک کر دیا گیا اور شہر میں کسی قسم کا ناخوشگوار واقعہ رونما نہ ہوا جب لوگ شہید کو دفن کر کے واپس آ رہے تھے تو شہید کی روح زبانِ حال سے پکار پکار کر کہہ رہی تھی۔ ؎

بالے، دنیا میں رہو، غمزدہ یا شاد رہو
ایسا کچھ کر کے چلو یاں، کہ بہت یاد رہو

محمد مالک شہید کی قبر غازی علم الدین شہید کی قبر کے قریب جنوب کی طرف واقع ہے

مغرب کی طرف پھیرداں کا درخت ہے اور مشرق کی طرف غازی علم الدین شہید کی قبر ہے، زندہ قومیں اپنے شہداء کی یاد کو تازہ رکھتی ہیں اور یوم شہادت مناتی ہیں مگر ہم اتنے احسان فراموش ہیں کہ اپنے شہداء کو بھولتے جا رہے ہیں ہمیں چاہیئے کہ ہم شہید اوّلین پاکستان کو بھول نہ جائیں بالخصوص اسلامیہ کالج لاہور کے طلباء کو چاہیئے کہ وہ اپنے شہید بھائی کو فراموش نہ کریں بلکہ ہر سال ۱۰ مارچ کو یوم مالک شہید منائیں تاکہ اس کی یاد تازہ رہے۔[1]

نامِ نیکاں رفتگاں ضائع مکن
تا نام نیکت ماند برقرار

---

[1] روزنامہ مشرق لاہور ۱۴ اگست ۱۹۷۶ء۔

سید منظور احمد مکان شریفی

آپ کی ولادت باسعادت مکان شریف (در تر چھتر) ضلع گورداسپور (مشرقی پنجاب) میں ۱۳۲۳ھ میں ہوئی۔ آپ برصغیر کی ممتاز روحانی شخصیت اور ولیٔ کامل حضرت سید امام علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے پڑپوتے تھے۔ یہ گھرانہ صدیوں سے دینی اور روحانی فیض کا منبع رہا ہے اور اس نے نامور ہستیاں پیدا کی ہیں۔

حضرت سید منظور احمد نے اپنے والد بزرگوار سید غلام رسول سے کم سنی میں ہی فارسی صرف، نحو، اصول فقہ، فلسفہ، تاریخ و ادب کے علوم سیکھے اور ان پر اتنا عبور حاصل کر لیا کہ صرف سترہ برس کی عمر میں ہی ان کا فتویٰ چلنے لگا۔ انہوں نے وقت کے بڑے بڑے علماء و فضلاء سے اکتساب علم کر کے والد گرامی کے دستِ اقدس پر بیعت کی اور تمام عمر تفسیر قرآن و حدیث اور اشاعت تعلیماتِ مجددیہ کے لیے وقف کر دی۔ ان کی علمی قابلیت اور روحانی عظمت کا شہرہ جلد ہی دور دور تک پھیل گیا۔

انہوں نے قیام پاکستان کی تحریک کی نہ صرف پرجوش حمایت کی بلکہ اس میں بھرپور حصہ لیا۔ اور ایسے وقت میں جب کہ بعض علماء نے کانگرس کی حمایت میں پاکستان کے قیام کی مخالفت شروع کر دی تھی۔ انہوں نے باقاعدہ مسلم لیگ میں شامل ہو کر نہ صرف اپنے تمام مریدوں اور معتقدین کو مسلم لیگ میں شامل کیا بلکہ برصغیر کی تمام درگاہوں کے سجادہ نشینوں کو مراسلے بھیج کر انہیں تحریک پاکستان میں پرزور حصہ لینے کی اپیل کی۔ اس بارے میں سرہند شریف کے سجادہ نشین حضرت سید مقبول احمد رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ان کی مراسلت بڑی دلچسپ ہے۔ سید مقبول احمد کے نام اپنے مراسلہ میں سید منظور احمد نے استفسار کیا کہ مسلم لیگ میں شرکت کیلئے

آپ کی کیا رائے ہے ؟ آپ کا جواب آنے پر اس بارے میں اعلان کیا جائے گا۔ اس کے جواب میں حضرت سید مقبول احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۵ ر نومبر ۱۹۴۵ء کو ایک طویل مراسلہ بھیجا۔ اس میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے مجاہدانہ طریق عمل اور ہند دلنواز پالیسیوں کے خلاف سرفروشانہ خدمات کا مفصل جائزہ پیش کیا گیا اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے پیش کردہ دو قومی نظریہ کے حوالہ سے مسلمانوں کے لیے علیحدہ وطن پر زور دیا گیا۔ سجادہ نشین سرہند شریف کے اس تاریخی مکتوب کو حضرت سید منظور احمد شاہ نے ہزاروں کی تعداد میں شائع کر کے تقسیم کیا۔

قیام پاکستان کے بعد حضرت سید منظور احمد ساہیوال (منٹگمری) میں منتقل ہو گئے۔ یہاں انہوں نے فروغ دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے اپنی زندگی وقف کر دی۔ وہ بے مثال خطیب اور بے بدل ادیب تھے۔ مطالعہ بے حد وسیع اور حافظہ بلا کا پایا تھا۔ مکتوبات امام ربانی پر گہرا عبور حاصل تھا۔ بوقت ضرورت کئی کئی صفحوں کی عبارتیں زبانی سناتے اور حوالوں پر حوالے دیئے جاتے۔ اُن کی پُر تاثیر تقریر پر سامعین وجد میں آ جاتے۔ ان کا دستر خوان بے حد وسیع تھا۔

پاکستان چلے آنے کے بعد انہیں مغربی پاکستان اوقاف بورڈ کا رکن نامزد کیا گیا۔ انہوں نے اسلامی قانون وقف کے نفاذ کیلئے جتنی سفارشات پیش کیں وہ سب منظور کر لی گئیں۔ افسر شاہی کے مروجہ طریقوں اور دفتری پیچیدگیوں کے باعث چند برس کے بعد وہ بورڈ سے الگ ہو گئے اور پھر دینی مشاغل میں مصروف ہو گئے۔

جنگ ستمبر ۱۹۶۵ء کے دوران انہوں نے نعت کہنا شروع کی اور مہجور تخلص اختیار کیا۔ جنگ کے ۱۷ دنوں کے دوران انہوں نے اعلیٰ پایہ کی بے شمار فارسی اور اردو نعتیں کہیں جو ادب عالیہ کا گرانقدر حصہ بن چکی ہیں۔ اُن کی نعتوں کا ایک مجموعہ "بام عرش" کے نام سے تاج کمپنی نے بڑے التزام سے چھاپا ہے۔ ممتاز ادبی شخصیت مجید امجد مرحوم نے

اس مجموعہ کے دیباچہ میں ان نعتوں پر پرجوش اظہار تحسین کیا ہے۔
حضرت سید منظور احمد شاہ رسالت کی عظمت سے آگاہ اور معرفت سے سرشار تھے ہر وقت عبادت میں مصروف رہتے اپنے معتقدین اور ملنے والوں کو شرعی زندگی گزارنے پر زور دیتے۔ انہوں نے اپنے سفر آخرت کے متعلق دو تین سال پہلے ہی اشارہ کر دیا تھا۔ ۸ محرم الحرام ۱۳۸۹ھ مطابق ۲۷ مارچ ۱۹۶۹ء بروز جمعرات انتقال کر گئے آپ کی وصیت کے مطابق آپ کا مزار مبارک آپ کی رہائش گاہ، مکان شریف ۱۲۰ اسول لائن ساہیوال میں ہی بنایا گیا۔ وہیں آپ کا عرس شریف بھی ہر سال منعقد ہوتا ہے۔[1]

---

[1] روزنامہ مشرق لاہور ۲۸ مارچ ۱۹۶۹ء۔

غازی محمد بخش کپتان

غازی محمد بخش نے ۱۹۰۴ء میں محلہ قاضی جلال اندرون پاک گیٹ ملتان کے ایک غریب گھرانے میں آنکھ کھولی۔ جوان ہوئے تو بہاولپور ریاست کے محکمہ پولیس میں ملازم ہو گئے کئی سال بعد اس سرکاری نوکری کو خیرباد کہہ کر ۱۹۳۱ء کے اوائل میں واپس ملتان آ گئے۔ ان دنوں ملتان میں فدائے ملت پیر سید زین العابدین گیلانی کے ملت نواز مجاہدانہ کارناموں کا بہت چرچا تھا اور ان کی صدارت میں انجمن فدایانِ اسلام یہاں کے مسلمانوں کی ہر دلعزیز جماعت بن چکی تھی جلوس ترتیب دیئے جاتے اور بڑے بڑے جلسے منعقد ہوتے۔ پیر صاحب کی خواہش تھی کہ مسلمانوں میں جہاد کا جذبہ مفقود ہو چکا ہے اس کا از سر نو احیا کیا جائے اور منتشر و پراگندہ افرادِ ملت میں باہمی ربط و ضبط کا جذبہ پیدا ہو چنانچہ اس مقصد کے لیے غازی محمد بخش نے اپنی مخلصانہ خدمات پیر صاحب کے سپرد کر دیں نوجوانوں کی رضاکارانہ بھرتی شروع ہوئی اور دیکھتے ہی دیکھتے مختلف علاقوں میں چاق و چوبند نوجوانوں کے نیم فوجی دستے معرض وجود میں آ گئے۔ مرکزی تنظیم کا نام "فوج ظفر موج فدایانِ اسلام" رکھا گیا جس کے سپہ سالار غازی محمد بخش مقرر کیے گئے۔

یہ تمام دستے جب اپنے کپتانوں کی سرکردگی میں مرکزی دفتر پہنچتے اور پھر وہاں سے پانچ سو تربیت یافتہ باوردی رضاکار اپنے فوجی بینڈ کی دلکش اور سریلی تانوں کے ساتھ شہر کے بازاروں اور سڑکوں پر تلواروں سے مسلح مارچ کرتے گزرتے تو اسلامی شان و شوکت نظر آتی تھی۔ جلوس کے راستہ میں ہزاروں مسلمان دو رویہ کھڑے پرجوش نعروں سے استقبال کرتے اور ان پر پھولوں کی پتیاں نچھاور کرتے۔ انگریز حکام اور ہندوؤں سکھوں

پر دہشت کا عالم طاری ہو جاتا۔ اس فوج نے شہر کی کئی جگہوں پر ہندوؤں کے ناجائز تعمیر کردہ مندروں کو مسمار کیا بعض مزارات کو غیر مسلموں کے قبضہ سے آزاد کرایا۔ ہندو علاقوں میں واقع متعدد غیر آباد اور ویران مساجد کو آباد کیا ضلع بھر میں مہاسبھائی ہندوؤں کی غاصبانہ دراز دستیوں کو نہایت جرأت و دلیری سے ختم کیا۔ شہر میں اسلامی تمدن کے تحفظ کے سلسلہ میں مسلم مستورات کو غیر مردوں کے پیچھے پھرنے اور ہندو علاقوں سے گزرنے سے روک دینے کا انتظام بھی اس فوج نے اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

انہیں دنوں مغلپورہ کالج لاہور میں ایک انگریز افسر کے ہاتھوں مسلم طلباء کی بے عزتی اور مسلمانوں کے خلاف نفرت و حقارت پھیلانے کی بنا پر جب قومی آن پر قربانی پیش کرنے کی دعوت پہنچی تو فوج فدایانِ اسلام کا ایک منظم دستہ غازی محمد بخش کی کمان میں لاہور روانہ ہوا جس کی فتح مندانہ واپسی پر نومبر ۱۹۳۱ء میں اہالیانِ ملتان نے ایک پر شکوہ جلوس نکالا۔

تحریک کشمیر میں بھی آپ کی سرکردگی میں سینکڑوں سرفروش نوجوان راہِ خدا میں اپنا سر کٹانے کے لیے کڑاکے کی سردی میں پاپیادہ چل کھڑے ہوئے اور سیالکوٹ پہنچ گئے جہاں غازی محمد بخش کو ساڑھے چار ماہ قید با مشقت کی سزا دی گئی، دیگر رضاکار بھی قید کر دیئے گئے آخر مہاراجہ کشمیر کی معزول گورنمنٹ نے مسلمانانِ کشمیر کے اہم مطالبات تسلیم کر لیے اور یہ تحریک اختتام پذیر ہوئی۔

ملتان کی دو مساجد واقع باغ عام خاص اور پل شوالہ کو منہدم ہونے سے بچانے کے لیے اہالیانِ ملتان نے اپنے مجاہد لیڈر سید زین العابدین شاہ گیلانی کی قیادت میں سر دھڑ کی بازی لگا دی تو غازی محمد بخش اور ان کے ساتھی رضاکاروں نے بھی انگریز افسروں اور پولیس کے مسلح دستوں کی موجودگی میں اعلان کر دیا کہ جب تک ہمارے دم میں دم ہے تب تک مسجد کی ایک اینٹ بھی اکھاڑنا ناممکن ہے چنانچہ نازک حالات کے باوجود اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کامیابی عطا فرمائی۔

جب کشمیر، الور اور دیوداس کی ہندو ریاستوں میں مسلمانوں کی تحریکیں فتحیاب ہو گئیں تو اس کا بدلہ لینے کے لئے آل انڈیا ہندو مہاسبھا نے ۱۱ رجون ۱۹۳۳ء کو اسلامی ریاست بہاولپور پر دھاوا بولنے کا اعلان کیا۔ اس پروگرام کے سلسلہ میں ملتان کے ہندوؤں کو پہل کرنے کو کہا گیا تو فوج فدایان اسلام کے شیر بھی انگڑائی لے کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے اس چیلنج کا مقابلہ کرنے کے لیے ملتان شہر اور چھاؤنی ریلوے اسٹیشنوں کو جانے والی سڑکوں کے درمیان اپنے فوجی کیمپ نصب کر دیئے اور اعلان کر دیا کہ دریائے ستلج عبور کرنا تو کجا رہا ملتان یا باہر کا کوئی ہندو نالہ ولی محمد خان کو بھی عبور کرے گا تو اس کا خون پی جائیں گے آخر بہاول پور کے ہندوؤں نے بیرونی امداد سے مایوس ہو کر حکومت بہاول پور سے معافی مانگ لی اور فوج فدایان اسلام اپنے چیف کمانڈنگ افسر غازی محمد بخش کے ساتھ فتح و نصرت کا نقارہ بجاتی ہوئی ایک عظیم الشان جلوس کے ساتھ شہر کو واپس آئی۔

۱۹۳۵ء میں پاک گیٹ ملتان کے ایک ہندو دودھ فروش دیر بھان کے متعلق شکایت ملی کہ وہ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس کے خلاف نازیبا الفاظ استعمال کرتا ہے مسلمانوں میں اشتعال پیدا ہو گیا۔ اس ضمن میں انجمن فدایان اسلام کے خفیہ اجلاس میں پیر سید زین العابدین گیلانی مرحوم نے اس دشمن رسول کے قتل کی دعوت دی غازی محمد بخش نے ذمہ داری اٹھائی کہ وہ اس نابکار و ناہنجار کو کیفر کردار تک پہنچا دیا جائیگا چنانچہ دوسرے روز اطلاع ملی کہ وہ ہندو قتل کر دیا گیا ہے۔ پیر صاحب کو ضلع بدر کر دیا گیا غازی صاحب اپنے آپ کو پولیس کے حوالہ کرنا چاہتے تھے مگر چند اکابرین نے منع کیا اور انہیں باہر بھیج دیا کچھ مسلمان گرفتار ہوئے جنہیں بعد میں شک کا فائدہ دیکر خاص عدالت نے بری کر دیا۔ یہاں یہ ذکر کرنا غالباً بے جا نہ ہو گا کہ اس سے پہلے جب غازی صاحب نے ملتان کے مشہور روحانی پیشوا حضرت مخدوم پیر سید محمد صدر الدین گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے دست حق پرست پر بیعت کی تھی تو حضرت نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ انہیں غازی کے

مرتبہ سے سرفراز کرے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

مسجد شہید گنج لاہور کی واگزاری کی تحریک میں غازی محمد بخش رضا کاروں کے تین دستے لیکر موچی دروازہ لاہور کی آل انڈیا مجلس اتحاد ملت کانفرنس میں شریک ہوئے اور اپنی جانی قربانی پیش کرنے کا یقین دلایا۔ اس کے علاوہ آپ نے آل انڈیا مسلم سکاؤٹس کے نائب کپتان اور مجلس مرکزیہ اتحاد ملت ہند کے نائب سالار اعلیٰ کی حثیت سے بھی نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔

۱۹۳۹ء میں چند مسلمان عورتوں کی بے حرمتی پر ملتان میں ہندو مسلم فساد ہو گیا۔ جس میں کئی ہندو مارے گئے۔ فدائے ملت پیر سید زین العابدین گیلانی کو گرفتار کر لیا گیا تو مسجد حناز گاہ میں بہت بھاری اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے انجمن فدایانِ اسلام کے جنرل سیکرٹری خواجہ عبد الکریم قاصف نے کہا کہ اگر ہمارے لیڈر کو دو دن کے اندر اندر رہا نہ کیا گیا تو شہر کی اینٹ سے اینٹ بجادی جائے گی۔ اس موقعہ پر جنرل غازی محمد بخش نے مسلمانوں کو سر پر کفن باندھ کر نکل آنے کی مؤثر اپیل کی۔ حالات بگڑ چکے تھے، دفعہ ۱۴۴ اور کرفیو نافذ کر دیا گیا ہزار ہا مسلمان کلہاڑیاں ہاتھوں میں لیکر گلیوں اور بازاروں میں چلنے پھرنے لگے۔ دو دن شہر میں مکمل ہڑتال رہی۔ سید محمد رضا شاہ گیلانی مرحوم ممبر پنجاب اسمبلی نے بھی انگریز حکومت کو انتباہ کیا۔ آخر کار گورنمنٹ کو گھٹنے ٹیکنے پڑے اور پیر صاحب کو رہا کر دیا گیا۔

اس کے بعد جب ملتان میں پیر سید زین العابدین شاہ گیلانی کی صدارت میں مسلم لیگ قائم ہوئی تو فوج فدایان اسلام کو مسلم لیگ نیشنل گارڈ کہا جانے لگا جس کے پہلے سالار اعلیٰ غازی محمد بخش تھے مخدوم سید صدر الدین شاہ سجادہ نشین دربار حضرت پیر پیران ملتان نے مسلم لیگ کو طاقتور عوامی جماعت بنانے کے لیے اس کی بڑی بڑی کانفرنسوں کی صدارت کرنا منظور فرمایا اور ان کے لاکھوں مرید اور عقیدت مند مسلم لیگ کے سرگرم کارکن بن گئے۔ مخدوم صاحب ممدوح کے صاحبزادے سید محمد رضا شاہ گیلانی مرحوم ممبر صوبائی اسمبلی اور پوتے

سید محمد ولایت حسین مرحوم ممبر صوبائی اسمبلی بھی مسلم لیگ کا پیغام گھر گھر پہنچانے لگے۔ مخدوم صاحب کے بھائی مخدوم سید شبیر شاہ ممبر مرکزی اسمبلی بھی حضرت قائداعظم کے ساتھ برصغیر پاک و ہند کا دورہ کرنے لگے تو غازی محمد بخش نے بھی اپنے پیر و مرشد کی ہدایت پر مسلم لیگ کی طرف سے جاری کردہ تحریک آزادی میں بھرپور حصہ لینا شروع کیا۔

۱۹۴۶ء میں جب قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے حکومت برطانیہ کو ڈائریکٹ ایکشن کی دھمکی دی تو غازی محمد بخش نے اپنے مقامی لیڈر پیر سید زین العابدین گیلانی کی ہمراہی میں ضلع کے مختلف مقامات کا دورہ کر کے مسلمانوں کو جہاد کے لیے آمادہ کیا۔ ہندو مسلم فسادات کے دوران مسلم جانوں کی حفاظت کے لیے جان کی بازی لگا دی۔ ۱۴ راگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان دنیا کے نقشے پر ابھرا تو غازی صاحب نے مہاجرین کی بحالی کے لیے سرگرمی سے کام کیا۔ اس کے بعد اپنے کاروبار پر زیادہ تر توجہ مبذول کرنے لگے لیکن خدمت خلق کے فرائض سے کبھی غافل نہیں رہے۔ ایوبی دور میں اپنے محلہ سے بنیادی جمہوریت کے بلا مقابلہ ممبر منتخب ہوئے اور اپنے حلقہ کی مقدور بھر خدمت کرتے رہے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے حج بیت اللہ و زیارت روضۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سعادت سے مشرف ہو چکے ہیں۔ ان دنوں صحت کی خرابی کی بنا پر اپنے پاک گیسٹ کے ہوٹل کا انتظام اپنے صاحبزادوں کے حوالہ کر رکھا ہے۔ ہر نماز کے بعد دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حکومت کو پاکستان میں اسلامی نظام جلد از جلد نافذ کرنے کی توفیق دے جس کے لیے قوم نے بے شمار قربانیاں دی تھیں۔[1]

---

[1] روزنامہ کوہستان ملتان ۱۸ اکتوبر ۱۹۵۹ء۔ روزنامہ امروز ملتان، ۱ اکتوبر ۱۹۰۵ء۔
مکتوب گرامی خواجہ عبدالکریم قاصف ایڈووکیٹ ملتان موصولہ ۱۲ فروری ۱۹۷۷ء۔

پیر محمد ہاشم جان سرہندی

آپ کی ولادت باسعادت ۱۳۲۲ھ میں ٹنڈو سائیں داد تحصیل ٹنڈو محمد خان ضلع حیدرآباد (سندھ) میں ہوئی۔ آپ معروف شیخ طریقت حضرت خواجہ محمد حسن سرہندی مجددی فاروقی قدس سرہٗ، کے دوسرے صاحبزادے تھے سلسلہ نسب تیرہویں پشت میں حضرت مجدد الف ثانی سے ملتا ہے آپ نے گیارہ برس کی عمر میں قرآن پاک حفظ کر لیا۔ بعد ازاں ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کرنے کے بعد دارالعلوم معینیہ عثمانیہ اجمیر شریف میں داخلہ لیا اور مشہور معقولی عالم حضرت مولانا معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ سے استفادہ کیا اور سندِ تکمیل حاصل کی۔ اجمیر شریف ہی میں حکیم نظام الدین (برادر مولانا معین الدین اجمیری) سے فن طب حاصل کیا اور سندھ واپس آکر تدریس وارشاد اور طبابت میں معروف ہو گئے۔ [۱]

اللہ تعالےٰ نے آپ کو خطابت اور طبابت پر یکساں مہارت عطا فرمائی تھی آپ اپنے وقت کے ممتاز خطبا میں شمار ہوتے تھے۔ آپ نے ہمیشہ تبلیغ و وعظ کا فریضہ کسی دنیوی طمع و لالچ کے بغیر سرانجام دیا اس سلسلے میں کسی دنیاوی طمع و خواہش کو آپ انتہائی بُرا سمجھتے تھے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے آپ کا عشق کمال کو پہنچا ہوا تھا۔ دوران وعظ جب حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک آپ کی زبان سے ادا ہوتا تو آپ کا چہرہ سُرخ ہو جاتا اور ایک عجیب کیفیت طاری ہو جاتی آپ کی تقریر و تبلیغ کا موضوع سیرت و محبت

---

[۱] تذکرہ مشائخ نقشبندیہ از مولانا نور بخش توکلی (تکمیل از محمد صادق قصوری) مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء ص ۵۹۵
تذکرہ مظہر مسعود از پروفیسر محمد مسعود احمد مطبوعہ کراچی ۱۹۶۹ء ص ۲۴۲۔

مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم ہوتا بعض اوقات لوگ آپ کو کسی دوسرے موضوع پر بولنے کا عرض کرتے تو آپ فرماتے ؎

ما قصۂ سکندر و دارا نہ خواندہ ایم
از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس

میں تو محبوب کریم فداہ ابی و امی کی ثنا و صفت ہی بیان کروں گا۔ ہاں اس کے بعد سیاسی و ملی مسائل پر بھی ضمناً گفتگو ہو جائے گی۔ [1]

آپ نے اپنے والد گرامی حضرت خواجہ محمد حسن سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے دست حق پرست پر بیعت کی تھی اور انہیں سے ہی سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں اجازت و خلافت حاصل کی تھی۔ آپ کی تمام زندگی ذکر و فکر میں گزری۔ جوں جوں عمر بڑھتی گئی ذکر و فکر کا شوق فزوں سے فزوں تر ہوتا چلا گیا ؎

وعدۂ وصل چوں شود نزدیک
آتش عشق تیز تر گردد

آخری عمر میں جب کراچی میں قیام پذیر ہوئے تو ہر اتوار کو مجلس ذکر منعقد کراتے۔ آبائی مریدوں کے علاوہ آپ کے اپنے حلقۂ مریدین و معتقدین کی تعداد بھی ہزاروں تک پہنچی ہوئی تھی جن میں پاکستانی افواج میں آپ کے مریدوں کی بہت بڑی تعداد ہے کیوں کہ آپ فوج میں تبلیغ دین ضروری سمجھتے تھے سینکڑوں افراد آپ کی ہدایت و تلقین سے مشرف بہ اسلام بن گئے [2]

آپ نے تحریک خلافت میں اپنے استاد حضرت مولانا معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ

---

[1] مکتوب گرامی پروفیسر پیر نثار احمد جان سرہندی مدظلہ، بنام مؤلف زبیر بو خاص (سندھ) محررہ ۲۵ مئی ۱۹۷۶ء

[2] ایضاً

کے ساتھ بھرپور حصہ لیا برصغیر کے طول و عرض میں جلسوں سے خطاب کیا میٹنگوں میں شرکت کی صوبہ سندھ میں تحریک خلافت کو پروان چڑھایا۔ ؎۱ تحریک خلافت کے بعد آپ مولانا محمد الیاس کی تبلیغی جماعت سے متاثر ہوئے۔ مولانا الیاس نے آپ کو یقین دلایا کہ تبلیغی جماعت میں مذہبی اختلافات کا شائبہ تک نہ ہوگا صرف لوگوں کو نماز روزہ کی طرف دعوت دی جائے گی چنانچہ آپ کئی سال تک تبلیغی جماعت کے ساتھ دور دراز علاقوں کے دورے کرتے رہے لیکن جب یہ بات عیاں ہوگئی کہ یہ لوگ نماز روزہ و دیگر ارکان دین کے پردہ میں وہابیت کی تبلیغ کرتے ہیں۔ تو آپ نے اس جماعت سے علیحدگی اختیار کرلی۔ ؎۲

تحریک پاکستان کا غلغلہ بلند ہوا۔ تو آپ مسلم لیگ میں شامل ہوگئے ؎۳ اور اپنی تمام تر قوتوں کو مسلم لیگ کے لیے وقف کر دیا۔ سندھ کے دیوبندی علماء بہت بڑے اثر و رسوخ کے مالک تھے اور ان کی تمام تر ہمدردیاں کانگرس سے وابستہ تھیں، آپ نے دیگر علماء و مشائخ اہل سنت کے ساتھ مل کر اُن کے اثر و رسوخ کو زائل کر دیا۔ یہ ان ہی حضرات کی مساعی تھیں، جن کی وجہ سے ایک طرف سندھ کے مسلم عوام بیدار ہوئے اور دوسری طرف سندھ اسمبلی کے ممبران نے حالات کا رُخ دیکھ کر اسمبلی میں پاکستان ریزولیشن کو بالاتفاق منظور کرنے میں پورے ہندوستان میں پہل کر دی۔ ؎۴

پاکستان بننے کے بعد اسلامی دستور کی جدوجہد میں سرگرم رہے۔ اور ۱۹۵۲ء میں علماء کرام کے اس اجلاس میں نمایاں حصہ لیا جس نے حکومت کے چیلنج پر اسلامی دستور کے ۲۲ نکات

؎۱ تذکرہ مشائخ نقشبندیہ ص ۵۹۵ ہفت روزہ اخبار جہاں کراچی ۱۹ نومبر ۱۹۷۵ء ص ۱۴۔

؎۲ مکتوب پروفیسر نثار احمد سرهندی محررہ ۲ مئی ۱۹۷۶ء

؎۳ تاریخ وہابیہ از حکیم محمد رمضان علی مطبوعہ لائل پور ۱۹۷۶ء ص ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۲۲ -

؎۴ روزنامہ جنگ کراچی ۳۰ اکتوبر ۱۹۶۹ء ہفت روزہ اخبار جہاں کراچی ۱۹ نومبر ۱۹۷۵ء ص ۱۴ -

منظور کئے۔ لواری شریف میں حج کا فتنہ برپا ہوا تو اس کا مقابلہ مؤثر طور پر آپ ہی نے کیا۔ آپ جمعیت الاطباء کے کئی سال تک صدر رہے جمعیت علماء ضلع حیدرآباد کی صدارت کو بھی شرف بخشا۔ پاکستان میں سوشلزم کا فتنہ نمودار ہوا تو آپ نے ہر طرح سے اس کی سرکوبی کی۔ سندھ کے ملاحدہ کے خلاف بہت کام کیا۔ دو تین سال قبل جب چند ملک دشمن عناصر نے اپنے سیاسی مقاصد کی خاطر نئے اور پرانے سندھیوں میں کچھ غلط فہمیاں پیدا کر کے نوبت فساد تک پہنچا دی۔ تو آپ نے رات دن ایک کر کے پورے سندھ کے دورے کیئے، وفود روانہ کیے، خطوط لکھے، بیانات دیئے، کتابچے شائع کیے اور اتحاد بین المسلمین کے لیے انتھک جدوجہد کی جو نہایت کامیاب رہی حقیقت یہ ہے کہ نئے اور پرانے سندھیوں کو قریب لانے کے سلسلہ میں آپ کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ ؎۱

آپ عمر کے آخری چھ سات سال جمعیت مجددیہ سندھ کے صدر رہے اور حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد کو اپنے آبائی طریقہ پر مستقیم رہنے کی تلقین فرماتے رہے۔ آپ کو مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی کا رکن بھی نامزد کیا گیا مگر آپ نے شہادت کے مسئلہ پر اختلاف کی وجہ سے کمیٹی کے دیگر ارکان سے اشتراک عمل نہیں کیا۔ گزشتہ دو تین سال سے آپ سندھو دیش کی مذموم تحریک کے خلاف سینہ سپر تھے اور صوبہ سندھ کے اسلام پسند اور دیندار حلقے کی تنظیم اور بیداری کے لیے بھی آپ نے تمام تر توانائیاں وقف کر دی تھیں، اس سلسلہ میں اپنے ذاتی روپے سے متعدد کتابیں اور رسالے لاکھوں کی تعداد میں چھپوا کر شائع کیے۔ ؎۲

آپ نے کوئی مستقل تصنیف نہیں چھوڑی حالانکہ آپ بہترین مضمون نگار تھے۔ غنۃ المقامات (مطبوعہ لاہور) کا مقدمہ جو آپ نے فارسی زبان میں تحریر فرمایا۔ وہ فن تحریر میں آپ کے کمال کا زندہ نمونہ ہے۔ آپ نے اپنے والد ماجد کی دو عربی کتابوں "العقائد الصحیحہ" اور "طریق النجات" کا اردو

؎۱ ۔ تذکرہ مشائخ نقشبندیہ ص ۵۹۵ بہ معیت روزنامہ اخبار جہاں کراچی ۱۹ نومبر ۱۹۷۵ء ص ۱۴ ۔

؎۲ مکتوب پروفیسر نثار احمد سرہندی محررہ ۲/۵/۷۶ و تذکرہ مشائخ نقشبندیہ ص ۵۹۵ ۔

میں ترجمہ کیا۔ حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "اذکارِ معصومیہ" کا سندھی میں ترجمہ کیا۔ زیادہ تر پمفلٹوں اور مکتوبات کی صورت میں اپنے خیالات کا اظہار فرماتے رہے جن کو اگر جمع کیا جائے تو ایک بہت بڑا علمی ذخیرہ بن سکتا ہے۔

آپ بے حد حسین و جمیل تھے چہرہ پُر نور اور متبسم حافظہ بے مثال قد مناسب داڑھی سفید براق ہونٹ گلاب کی پتیوں کی طرح گلابی اور نازک۔ دانت موتی کی لڑیاں، ہونٹوں پر دائمی مسکراہٹ، پان کھائے ہوئے غنچۂ دہن سے جب گفتگو فرماتے تو فضا خوشبو سے مہک جاتی باریک ململ کے نفیس جامہ سے جسم کا گلابی رنگ جھلملاتا کسی کا دل نہ دکھاتے، سب کی باتیں شربت کے گھونٹ سمجھ کر پیتے جاتے تھے۔ وضعداری، صاف گوئی غرض بہت سی ذاتی اور خاندانی صفات سے بہرہ ور تھے منقولات و معقولات سے یکساں مناسبت، پاک باطن، روشن جبیں، کردار میں تقویٰ و طہارت، کلام میں خلوص کی شیرینی لکھنؤ اور دہلی کے محاورات اس کثرت اور روانی سے استعمال فرماتے کہ مخاطب آپ کی وطنیت اور سندھ کی نسبت کے بارے میں شک میں پڑ جاتے۔ فارسی عربی اور اردو کے ہزاروں اشعار آپ کی نوکِ زبان تھے۔ [۱]

آپ کے عقیدتمندوں کا حلقہ بہت وسیع ہے آپ کی روزانہ اور ہفتہ وار مجالسِ وعظ میں بے شمار لوگ شریک ہو کر فیوض و برکات حاصل کرتے تھے آپ کا متبسم اور پُر نور چہرہ دیکھ کر خدا یاد آجاتا تھا۔ آخری چند سالوں میں ٹنڈو سائیں داد سے ناظم آباد کراچی منتقل ہو گئے تھے۔ اور کراچی کے اہلِ ذوق حضرات کے لیے آپ کا دولت خانہ ایک روحانی مرکز کی حیثیت کا حامل تھا۔

آپ کی وفات حسرت آیات ۲۱ رمضان المبارک ۱۳۹۵ھ مطابق ۲۸ ستمبر ۱۹۷۵ء بمقام

---

[۱] ہفت روزہ اخبار جہاں کراچی ۱۹ نومبر ۱۹۷۵ء ص ۱۴ —
وروایت پروفیسر فیاض احمد خاں کاوش۔

شناہوگئی نزدکوئٹہ بس ہوئی اور جسد اطہر ٹنڈو سائیں داد لاکر سپرد خاک کیا گیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون[1]

جناب الحاج ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان مدظلہ، ایم اے، ایل ایل بی، پی، ایچ ڈی، ڈی لٹ
صدر شعبہ اردو سندھ یونیورسٹی حیدرآباد نے مندرجہ ذیل قطعہ تاریخ وفات کہا۔ ؎

آہ بگذشت افتخار ایں زماں — آں کہ زد شانِ مجدّد قائم است
حافظ و عالم، ادیب و ہم حکیم — موتِ عالم آہ موتِ عالم است
صرف کردہ عمرِ خود در قطع کفر — بے گماں مثلِ محمد قاسم است
حسنِ صورت، حسنِ سیرت، حسنِ خلق — ورع و تقویٰ را نشاں دائم است
"جاوداں جنت الفردوس یافت — بے گنہ حافظ محمد ہاشم است"

۱۳۹۵ھ — ۱۹۷۵ء

[1] روزنامہ حریت کراچی یکم اکتوبر ۱۹۷۵ء ص اک ۸۔ روزنامہ جنگ کراچی ۳ راکتوبر ۱۹۷۵ء تذکرہ مشائخ نقشبندیہ ص ۵۹۰۔ ہفت روزہ اخبار جہاں کراچی ۹ ر نومبر ۱۹۷۵ء ص ۱۴۔ مکتوب گرامی پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب قبلہ بنام مؤلف از ٹھٹھی (سندھ) محررہ ۱۶ راکتوبر ۱۹۷۵ء۔

پیر محمد حسین جان سرہندی

علم و ادب اور فضل و کمال کا یہ آفتاب ارغسان علاقہ قندھار (افغانستان) میں ۱۲۸۶ھ کو طلوع ہوا۔[1] آپ کا سلسلۂ نسب دس واسطوں سے شیخ الشیوخ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سے اور ۳۸ واسطوں سے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے آپ نے اپنے والد ماجد قیوم زماں خواجہ شاہ عبدالرحمٰن فاروقی مجددی قدس سرہ، اور دیگر علماء کرام سے دینی تعلیم حاصل کی۔

یہ وہ دور تھا جب افغانستان میں انگریزوں کی ریشہ دوانیوں نے امن کا دیوالہ نکال دیا تھا، عوام کی زندگی اجیرن ہو کر رہ گئی تھی، ان حالات میں خواجہ عبدالرحمٰن قدس سرہٗ نے نعرۂ جہاد بلند کیا۔ آپ نے اپنے خاندان کو جمع کر کے فرمایا کہ:۔

"آج حضرت حق جل مجدہٗ ہم سے اوراد و وظائف کی بجائے مال اور جان کا طلبگار ہے، اب خانقاہ میں بیٹھ کر مراقبے کا وقت نہیں ہے۔ بلکہ محبوب حقیقی کے حضور میدان جنگ میں آ کر اپنے خون کا نذرانہ پیش کرنے کا نام ہے"۔ چنانچہ آپ دیوانہ وار جنگ میں کود پڑے۔ پیر محمد حسین سرہندی باوجود صغر سنی کے والد گرامی کے شانہ بشانہ داد شجاعت دیتے رہے، یہ جنگ چھ ماہ تک جاری رہی اور آپ کے خاندان کے افراد کے علاوہ مریدین اور عام مسلمان بھی اس معرکۂ حق و باطل میں شریک رہے اس جنگ میں انگریزوں کو شکست فاش کا سامنا کرنا پڑا۔[2]

---

[1] مونس المخلصین از شاہ آغا مطبوعہ کراچی ۱۳۱۶ھ ص ۱۹۔ [2] ایضاً ص ۹، ۱۰۔

اس شکست کے بعد جلد ہی عیار انگریز نے اپنے ایجنٹ امیر عبدالرحمٰن خان کو بے شمار جنگی ساز و سامان اور مال و زر دے کر بھیجا چنانچہ افغانستان ایک بار پھر بدامنی کی لپیٹ میں آگیا نتیجتاً ملک کی باگ ڈور امیر عبدالرحمٰن کے ہاتھ آگئی اور قتل و غارت کا بازار گرم ہو گیا۔ اس صورتِ حال کے پیشِ نظر حضرت خواجہ عبدالرحمٰن نے حجاز مقدس کی طرف ہجرت کا ارادہ فرمایا جب حدود بلوچستان اور سندھ سے گزرے تو آپ کے لاکھوں مریدوں نے یہاں مستقل قیام کرنے کی درخواست پیش کی۔ چنانچہ آپ چھ ماہ موضع ٹکھڑ شریف ضلع حیدرآباد میں قیام فرما کر مدینہ منورہ چلے گئے اور پھر تین سال بعد واپس آکر ٹکھڑ شریف میں مستقل رہائش اختیار فرمائی۔

پیر محمد حسین سرہندی نے قیام مدینہ منورہ کے دوران اپنے برادر اکبر پیر محمد حسن فاروقی مجددی سے درس لیا اور ٹکھڑ شریف آکر مولانا لعل محمد متعلوی سے استفادہ کیا۔ الغرض چوبیس[۲] سال کی عمر میں تمام علوم عقلیہ و نقلیہ میں مہارت حاصل کر لی۔ بعد ازاں طب میں بھی ید طولیٰ حاصل کیا اور تمام سندھ میں اپنے علم و فضل کا لوہا منوایا۔ بڑے بڑے فضلاء مشکل مسائل کے حل کے لیے آپ کی طرف رجوع کرتے تھے۔

فارسی نظم و نثر میں آپ کو یکساں قدرت حاصل تھی۔ آپ کے دیوان "خیابان سرہندی" کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ فارسی شاعری میں آپ کا مقام کلیم ہمدانی اور نظیری نیشاپوری سے کسی طرح کم نہیں۔ ذیل میں ایک غزل پیش کی جاتی ہے جس سے آپ کے علمی تبحر اور فنی شعری میں مقام و مرتبے کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔[۱]

بر در گہت فتادن و مردن گناہ من — دیدن ز خاک بر نگر فتن گناہ کیست
دزدیدہ دیدن آہ کشیدن گناہ من — خندیدن و کرشمہ نمودن گناہ کیست
از دیدنِ تو چشم نہ بستن گناہ من — پیش آمدن نقاب کشادن گناہ کیست

---

[۱] خیابان سرہندی مطبوعہ کراچی ص ۱۲۲ -

گفتن بگریہ وصل تو جستن گناہ من ‌‌ ‌ رفتن بخندہ زود گذشتن گناہ کیست
دل دادن و وفا طلبیدن گناہ من ‌ ‌ ‌ دل بردن و جفا نمودن گناہ کیست
گفتن ز عشق بیخود و نہفتن گناہ من ‌ ‌ ‌ پیش رقیب رفتن و گفتن گناہ کیست
عاشق شدن ترا ز تو جستن گناہ من ‌ ‌ ‌ کشتن بہجر و رحم نکردن گناہ کیست
قربان شدن فدائے تو گشتن گناہ من ‌ ‌ ‌ رنجیدن و ز خویش براندن گناہ کیست
در بر گرفتن و نہ ہلیدن گناہ من ‌ ‌ ‌ خود را رہاندن و رمیدن گناہ کیست
سرہندی این مطایبہ گفتن گناہ من ‌ ‌ ‌ دہ دہ نگفتن و نشنیدن گناہ کیست

فارسی نثر میں بھی آپ کا پایہ بہت بلند تھا۔ "خیابان سرہندی" کا دیباچہ ہمارے دعویٰ کی منہ بولتی تصویر ہے۔ آپ نے پشتو اور سندھی میں بھی طبع آزمائی فرمائی۔ خیابان سرہندی کے علاوہ عربی زبان میں ایک رسالہ "البرهان فی اقامة الجمعة والاذان" بھی تصنیف فرمایا۔ عمر کے آخری دور میں عصر حاضر کے پیش آمدہ مسائل پر عربی زبان میں شرح و بسط سے ایک کتاب لکھ رہے تھے، تقریباً بارہ سو صفحات لکھے جا چکے تھے انتقال ہو گیا۔ مسودے کا کچھ حصہ حضرت پیر محمد ابراہیم خلیل سرہندی مدظلہ کے پاس محفوظ ہے۔[1]

آپ چالیس سال تک ٹھٹھہ شریف میں قیام پذیر رہے پھر حیدرآباد میں منتقل ہو گئے چار سال بعد تحصیل سامارو ضلع تھرپارکر میں جہاں آپ کی پانچ ہزار ایکڑ اراضی تھی مستقل طور پر آباد ہو گئے اور آپ کا گاؤں "قصبہ پیر سرہندی" کے نام سے مشہور و معروف ہے۔[2]

قصبہ پیر سرہندی میں آپ نے ایک دینی مدرسہ قائم کیا جس کے تمام مصارف آپ خود برداشت کرتے تھے۔ اسی طرح مقبرہ شریف واقع کوہ گنجہ میں بھی آپ نے ایک دینی مدرسہ قائم

۱، ۲ مکتوب گرامی پروفیسر پیر نثار احمد جان سرہندی بنام مؤلف از میرپور خاص (سندھ) محررہ جنوری ۱۹۷۶ء

کیا۔ اور لاکھوں روپے کا تعمیری منصوبہ بنایا کراچی میں میمن مسجد کے قریب ایک بہت بڑی بلڈنگ خریدی اور سندھ مدرسۃ الاسلام کے طرز پر ایک عظیم الشان مدرسہ کے قیام کا منصوبہ بنایا۔ افسوس کہ یہ دونوں منصوبے آپ کے وصال کی وجہ سے نامکمل رہ گئے۔ علاوہ ازیں آپ برصغیر کے مختلف مدارس کو نازیست چندہ ارسال فرماتے رہے۔ آپ نے سندھ میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کی اولاد امجاد کو یکجا کر کے انجمن مجددیہ قائم کی جس کے آپ تاحیات صدر رہے۔ ؎۱

سکھر کی مسجد منزل گاہ پر جب ہندوؤں نے ایک مسلمان وزیر اعلیٰ کی مدد سے قبضہ کرنا چاہا اور اس کے مقابلہ کے لیے سکھر بلکہ پورے سندھ کے مسلمانوں نے اعلان جہاد کیا تو آپ نے مختلف مقامات پر جلسے منعقد کر اکر مجاہدین کے گروہ سکھر بھیجے اور اپنے اکلوتے لخت جگر حضرت پیر محمد اسماعیل روشن سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کو سکھر بھیجا جو آخر دم تک وہاں موجود رہے۔ ؎۲

آپ کو انگریزوں سے نفرت ورثہ میں ملی تھی کبھی کسی انگریز افسر سے ملنا گوارا نہیں فرماتے تھے تمام عمر کسی سرکاری دفتر میں نہیں گئے، اگر کوئی انگریز افسر آپ سے ملاقات کی خواہش کرتا تو صاف انکار کر دیتے آپ کو کئی دفعہ مصائب و آلام سے بھی دوچار ہونا پڑا مگر آپ نے ہر پریشانی کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ ؎۳

تحریک خلافت کا دور آیا تو آپ نے اس میں نہایت سرگرمی سے حصہ لیا آپ کے صاحبزادے پیر محمد اسمٰعیل روشن سرہندی نے اپنے آپ کو خلافت کے لیے وقف کر دیا۔ (ملاحظہ ہو اکابر تحریک پاکستان حصہ اول) آپ نے بڑی بڑی رقمیں خلافت فنڈ میں دیں اور پورے سندھ کے دورے کر کے قوم میں بیداری کی لہر دوڑائی۔ تحریک کے ختم ہونے کے بعد بھی کئی سال تک آپ

؎۱ مکتوب گرامی پروفیسر پیر نثار احمد سرہندی بنام مؤلف محررہ ۲ رمئی ۱۹۷۶ء

؎۲ ایضاً

؎۳ ایضاً

کھدر کے کپڑے زیب تن فرماتے رہے حتیٰ کہ کھدر کے کپڑے رنگوا کر مستورات کو دیتے جاتے۔

آپ ان باتوں کی اس قدر پابندی فرماتے کہ جناب پیر محمد ابراہیم جان خلیل سرہندی مدظلہ روایت کرتے ہیں کہ:-

"میں اس زمانہ میں چھوٹا سا بچہ تھا میں نے بڑے چاؤ سے ایک ولایتی کپڑے کی رنگین قمیص سلوائی تھی حضرت صاحب کی نگاہ اچانک اس پر پڑ گئی آپ اتنے خفا ہوئے کہ اتنا اس سے پہلے کبھی خفا نہ ہوئے تھے، فوراً وہ قمیص اتروا کر آگ میں ڈال دی اور فرمایا کہ اس سے بہتر ہے کہ تم سرے سے قمیص ہی نہ پہنو۔ یہاں تک کہ اگر ہم میں سے کوئی ولایتی کپڑے کا ٹکڑا صندوق میں چھپا کر رکھتا تو حضرت کو فوراً اطلاع ہو جاتی اور فرماتے کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ فلاں صندوق خون سے بھرا ہوا ہے۔ ترکوں اور عربوں کے مصائب کے حالات اخبار میں دیکھ کر ہمارے گھر میں صف ماتم بچھ جاتی تھی۔" [۱]

تحریک خلافت کے بعد آپ نے مسلم لیگ میں شمولیت اختیار فرمائی اور ضلع تھرپارکر میں مسلم لیگ کے لیے ڈٹ کر کام کیا۔ کانگرسی علماء کو یا تو مسلم لیگ میں شامل کیا یا ان سے تعلقات ختم کر لیے۔ میرپور خاص میں بارہا مسلم لیگ کے عظیم الشان جلسے کرائے۔ اگرچہ آپ تنہائی و گوشہ نشینی کو بہت پسند فرماتے تھے مگر مسلم لیگ کی خاطر اور عزلت نشینی کو ترک کر کے میرپور خاص، حیدرآباد اور کراچی کے ایسے مرکزی شہروں میں خود کھلے جلسوں میں شامل ہوئے الغرض آپ نے ہر طرح مسلم لیگ کے لیے کام کیا۔ [۲]

اُس زمانے میں قائد اعظم ابھی تک سندھی عوام میں متعارف نہیں ہوئے تھے۔ آپ نے میرپور خاص میں ایک عظیم الشان جلسہ عام منعقد کیا اور قائد اعظم کو شرکت کی دعوت دی چنانچہ

[۱،۲] مکتوب گرامی پروفیسر بشیر احمد سرہندی بنام مؤلف از میرپور خاص محررہ ۲ مئی ۱۹۷۶ء

قائدِ اعظم تشریف لائے اور اردو زبان میں خطاب فرمایا قائدِ اعظم خان بہادر غلام محمد گرسان مرحوم (سابق ایم این اے) کے بنگلہ پر قیام پذیر ہوئے۔ ؎۱

آپ نے سندھ میں مسلم لیگ کے ہر اجلاس میں شرکت کی۔ آل انڈیا مسلم لیگ کے جلسہ منعقدہ کراچی میں شرکت کر کے قائدِ اعظم سے ملاقاتیں کیں۔ نمازِ جمعہ سندھ مدرستہ الاسلام کالج کی مسجد میں قائدِ اعظم کے ساتھ ادا فرمائی۔ ۱۹۴۶ء کے انتخابات میں ضلع تھر پارکر میں مسلم لیگی امیدوار کی ڈٹ کر حمایت کی حالانکہ مخالف امیدوار کی تمام قوم (دھر گڑی) آپ کی مرید تھی اور آپ سے خوشگوار تعلقات تھے مگر آپ نے ان باتوں کی بالکل پرواہ نہ کی۔ ؎۲

قیامِ پاکستان کے بعد جب بھارت میں مسلمانوں کا کشت و خون شروع ہوا اور قوی امکان تھا کہ بھارت پاکستان پر حملہ کر دے گا۔ اس سلسلہ میں مبلغ اسلام مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی (والد گرامی مولانا شاہ احمد نورانی) کی تحریک سے کراچی میں آل پاکستان مشائخ کانفرنس منعقد ہوئی جس میں تمام پاکستان کے پیران طریقت جمع ہوئے اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ تمام حضرات اپنے تمام مریدین کو میدان جہاد میں لائیں گے اور اسلحہ و بارود و دیگر سامانِ حرب کے حصول کے لیے عرب ممالک کا دورہ کریں گے۔ اس کانفرنس کی کامیابی کے لیے آپ نے بڑی کوشش کی مشائخ کانفرنس کے سات نمائندے قائدِ اعظم سے ملاقات کے لیے منتخب ہوئے جن میں آپ بھی شامل تھے۔ وفد غم و غصہ کے عالم میں قائدِ اعظم سے ملا کیوں کہ عام خیال تھا کہ جناح صاحب بہت زیادہ نرمی سے کام لے رہے ہیں جب کہ ملک تباہ ہونے کو ہے حضرت ممدوح کے پوتے حضرت قبلہ پیر محمد ابراہیم جان سرہندی رقمطراز ہیں کہ:۔

"اگرچہ میں وفد میں شامل نہیں تھا مگر حضرت صاحب کے ساتھ میں بھی اندر چلا گیا۔ جناح صاحب سے ملاقات ہوئی جب ملاقات کے بعد وفد واپس آیا تو

؎۱ مکتوب گرامی پروفیسر پیر شاہ احمد سرہندی بنام مؤلف از میرپور خاص محررہ ۲ مئی ۱۹۰۶ء
؎۲ ایضاً

سب نے تسلیم کیا کہ ہم سے زیادہ رنج و غم قائد اعظم کو ہے اور وہ پاکستان کی تعاد متاثت اور بھارتی مسلمانوں کے تحفظ کے لیے ہر ممکن تدابیر پر عمل پیرا ہیں۔" ؎۱

اسی طرح جب مشرقی پنجاب کے مسلمان سرہند شریف کے قلعہ میں پناہ گزیں ہو گئے اور ان کی حالت مسلسل فاقوں اور بیماری کی وجہ سے زبوں ہو گئی جب چالیس پینتالیس ہزار افراد کی حالت غیر ہونے لگی تو آپ نے اس سلسلہ میں سندھ کے وزیر اعلیٰ سر غلام حسین ہدایت اللہ سے مل کر ان مسلمانوں کی مدد کا مطالبہ کیا چنانچہ سر غلام حسین کے ایماء پر قائد اعظم نے اسپیشل ٹرین کا بندوبست کیا بھارتی حکومت کی اجازت کے بعد یہ مسلمان بلوچ رجمنٹ کی حفاظت میں بخیریت پاکستان پہنچ گئے۔ یہ سب کچھ آپ کی مساعی جمیلہ کا ثمرہ تھا۔ ؎۲

آپ کی زندگی بہت سادہ تھی۔ خانقاہ میں مہمانوں کے لیے عالیشان مکانات بنوائے مگر خود ایک پرانے اور سادہ مکان میں زندگی بسر فرمائی۔ مہمانوں کے لیے طرح طرح کے کھانے پکتے مگر آپ سارا سال باجرہ کی خشک روٹی اور چھاچھ دلسی ہی تناول فرماتے۔ آپ کا کتب خانہ بہت وسیع تھا۔ برصغیر اور مصر کے مشہور مطابع کی کتابیں آپ کے پاس موجود تھیں۔ مطالعہ آپ کا محبوب مشغلہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ظاہری و باطنی محاسن سے نوازا تھا۔ چہرہ مبارک اس قدر بارعب تھا کہ بڑے بڑے معزز و متبحر جب اس فقیر بوریہ نشین کے سامنے آتے تو بات کرنے کے لیے زبان نہ کھلتی۔ ؎۳

ع یہ مرتبہ بلند ملا جس کو مل گیا

آپ کی وفات حسرت آیات اسی سال کی عمر میں صفر المظفر ۱۳۶۸ھ میں ہوئی اور جسد مبارک کو حضرت خواجہ عبدالرحمٰن مجددی فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے پہلو میں کوہ گنجیاں سپرد خاک

؎۱ مکتوب گرامی پروفیسر پیر نثار احمد سرہندی بنام مؤلف از میرپور خاص محررہ ۲ مئی ۱۹۷۰ء۔
؎۲ ایضاً ″ ″ ″ ″ ″ ″
؎۳ ایضاً ″ ″ ″ ″ ″ ″

کیا گیا۔ [1]

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

آج کل آپ کی اولاد امجاد میں سے آپ کے پوتے حضرت پیر محمد ابراہیم جان خلیل سرہندی مدظلہ، سندھ میں اسلام کی خدمت میں ہمہ تن مصروف ہیں۔

---

[1] مونس المخلصین از شاہ آغا مطبوعہ کراچی ۱۳۶۶ھ ص ۱۹۔

ملّا شور بازار کابلی

"جب تک تمام اسلامی ممالک اپنے سب فروعی اختلافات ختم نہیں کرتے اور رشتۂ اخوت میں متحد نہیں ہوں گے، اسی طرح ذلت کی زندگی گزاریں گے بڑی طاقتوں اور اسلام دشمن قوتوں کا کھلونا بنے رہیں گے مجھے پورا یقین ہے کہ اگر ہم اپنی صفوں میں اتحاد و استحکام قائم کریں تو وہی طاقتیں اسلام کے دروازے کی سوالی بن جائیں گی"

یہ عالم باعمل پیشوائے طریقت، رہنمائے روحانیت نورالمشائخ فضل عمر ملّا شور بازار کابلی رحمۃ اللہ علیہ کی اس تاریخی تقریر کا اقتباس ہے جو انہوں نے ۲۸ دسمبر ۱۹۴۸ء کو ریڈیو پاکستان لاہور سے اپنے دورۂ پاکستان کے موقع پر عالم اسلام کے نام نشر فرمائی۔ ؎۱

حضرت نورالمشائخ، جمادی الاول ۱۳۰۲ھ کو شور بازار کابل میں خاندان مجددیہ کے بڑے روحانی بزرگ حضرت غلام قیوم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں پیدا ہوئے۔ معاصرین علماء سے علوم عقلیہ و نقلیہ کی تحصیل کے بعد اپنے والد ماجد کے دست حق پرست پر طریقۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ میں بیعت کی اور کچھ عرصہ بعد علم سلوک میں کمال حاصل کر کے خلافت و اجازت سے بھی سرفراز ہوئے والد گرامی کے انتقال کے بعد مشیخیت پر فائز ہوئے۔ آپ کے مریدین افغانستان، ایران، پاکستان ہندوستان حجاز اور مسلم بنگال میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ؎۲

؎۱ روزنامہ مشرق لاہور ۲۲ر فروری ۱۹۶۴ء۔

؎۲ تذکرہ مظہر مسعود از پروفیسر محمد مسعود : مطبوعہ کراچی ۱۹۶۹ء ص ۴۴۶ ۔ روزنامہ مشرق لاہور ۲۲ر فروری ۱۹۶۴ء ، ر فروری ۱۹۶۵ء۔

جب افغانستان کے مرحوم بادشاہ امان اللہ خان نے افغانستان کی خود مختاری کے سلسلے میں انگریزوں کے خلاف جہاد کا اعلان کیا تو حضرت نور المشائخ نے جنوبی افغانستان کے محاذ پر بذات خود اپنے بھائی فضل محمد (شمس المشائخ) اور بڑے صاحبزادے حضرت فضل عثمان (صدر المشائخ) کے ساتھ جہاد میں بھرپور حصہ لیا اور اس دینی و ملی جہاد میں گرانقدر خدمات انجام دیں۔ آپ کی روحانی قوت اور توفیق الٰہی سے انگریزوں کو شرمناک شکست اٹھانی پڑی اور افغانستان کو حقیقی آزادی نصیب ہوئی۔

شاہ امان اللہ نے آپ کو ''نور المشائخ'' کے خطاب سے نوازا اور ''تمغہ المعالی'' عطا فرمایا یہ تمغہ افغانستان کی تاریخ میں آج تک کسی کو نہیں دیا گیا لیکن اس کے باوجود جب شاہ امان اللہ سے بچہ سقہ نے حکومت چھین لی اور امان اللہ سے چند باتیں خلاف شرع سرزد ہوئیں تو حضرت حضرت نور المشائخ بادشاہ سے ناراض ہو کر کاٹھیاواڑ چلے گئے امان اللہ کی پے در پے درخواستوں کے باوجود برابر انکار فرماتے رہے آپ نے بادشاہ سے کہا کہ جب تک وہ خلاف شرع باتیں ترک نہیں کرے گا آپ وطن واپس نہیں آئیں گے۔ [۵]

حبیب اللہ بچہ سقہ افغانستان کا بادشاہ بنا تو اس نے اپنے آپ کو ''خادم دین رسول اللہ'' کا لقب دیا تاکہ اس لقب کی بدولت اپنی حکومت کو افغان عوام پر مسلط کر سکے تھوڑے عرصہ کے بعد جنرل نادر خان پیرس سے ہندوستان پہنچا اور بمبئی میں حضرت نور المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوا محمد نادر خان حضرت سے ملاقات کے بعد وطن کو بچانے اور سلطنت امانیہ کو دوبارہ مستحکم کرنے کے لیے پشاور اور قبائلی علاقہ جات کی طرف روانہ ہوا اور وہاں سے جنوبی افغانستان کی طرف چلا گیا۔ حضرت نور المشائخ نے بھی انگریزوں کو پیغام بھیجا کہ میں

۵؎ تذکرہ مظہر مسعود از پروفیسر محمد مسعود احمد مطبوعہ کراچی ۱۹۶۹ء ص ۴۴۶ - روزنامہ مشرق لاہور ۲۲ فروری ۱۹۷۴ء - ۷ فروری ۱۹۷۵ء

ایک آزاد افغان ہوں اور واپس اپنے وطن جانا چاہتا ہوں۔ آپ کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ ہمیں وطن جانے سے روکا جائے۔ یہ پیغام دینے کے بعد آپ کاٹھیاواڑ سے لاہور کی طرف روانہ ہوئے۔ انگریز نے بھی زیادہ مخالفت اور مقابلہ کرنے کو بے سود سمجھا، آپ بمبئی سے لاہور پہنچے اور یہاں سے پشاور اور پھر قبائلی علاقہ کی طرف رُخ کیا۔ اور اپنے مریدین و معتقدین نادر شاہ کے ساتھ مل کر جہاد کی ترغیب دی۔ بالآخر نادر شاہ کو کامیابی ہوئی اور آپ کو افغانستان کا وزیر عدلیہ مقرر کیا گیا۔ کچھ عرصہ بعد نادر شاہ کو ملک و قوم کے دشمن عبدالخالق نے شہید کر دیا۔ ملک میں بدامنی پھیل گئی لیکن اس نازک موقع پر حضرت نے اپنی تقاریر اور بیانات سے ۴۸ گھنٹے کے اندر اندر ساری فوج اور عوام کو ظاہر شاہ کا وفادار بنا دیا اور انہیں تخت سلطنت پر متمکن کیا۔ [1]

آپ نے ملت اسلامیہ کی نمایاں خدمات انجام دی ہیں ۱۹۴۵ء میں امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے عرس مبارک میں شرکت کے لیے جب ہندوستان آئے تو اس وقت مسلم لیگ اور کانگرس برسر پیکار تھیں۔ قائد اعظم نے ایک مسلم لیگی وفد کے ساتھ جس میں نوابزادہ لیاقت علیخان، سردار عبدالرب نشتر، خواجہ ناظم الدین اور اسمٰعیل چندریگر شامل تھے بمبئی میں حضرت سے ملاقات کی اور مسلم لیگ کے منشور اور مملکت پاکستان کے سلسلہ میں ان سے مفصل مذاکرات کئے اور حضرت سے تعاون کی خواہش کی حضرت نے اس عظیم اسلامی خدمت میں وفد کو اپنے پورے تعاون کا یقین دلایا اور اپنے تمام مخلصین کو مسلم لیگ میں شمولیت کا حکم دیا اور کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہ کرنے کی تلقین فرمائی۔ حضرت نے اپنے مریدین میں سے قبائلی اور بلوچی لوگوں کو بھی مسلم لیگ کے ساتھ تعاون کا حکم دیا۔ اسی طرح کاٹھیاواڑ اور گجرات کے علاقے میں آپ کے مریدین نے برصغیر کے مسلمانوں کا پورا پورا ساتھ دیا۔ ادھر ڈیرہ اسمٰعیل خاں کے علاقے میں آپ کے اثر و رسوخ نے پورا پورا کام کیا۔ [2]

---

[1] تذکرہ مظہر مسعود از پروفیسر محمد مسعود احمد مطبوعہ کراچی ۱۹۶۹ء ص ۴۶، ۴۷ - روزنامہ مشرق لاہور ۲۲ فروری ۱۹۷۴ء، ۷ فروری ۱۹۷۵ء

[2] تذکرہ مظہر مسعود ص ۴۷ - روزنامہ مشرق لاہور ۲۲ فروری ۱۹۷۴ء، ۷ فروری ۱۹۷۵ء -

۱۹۴۸ء میں جب فلسطین کی مقدس سرزمین پر حملہ کیا گیا اور مسلمانوں کو ان کے وطن سے نکالا گیا تو حضرت نے اس سلسلہ میں بہت اہم کردار ادا کیا اور نہایت مؤثر تحریک چلائی حضرت نے خود افغانستان کے گوشے گوشے میں جاکر لاکھوں روپیہ عوام سے چندہ جمع کیا اور بذریعہ مفتی اعظم فلسطین سید امین الحسینی رحمۃ اللہ علیہ مسلمان مجاہدوں کو پہنچایا اور ایک رضاکار فوج کا دستہ تیار کیا جو ضرورت پڑا اپنے مسلمانوں بھائیوں کی مدد کیلئے فلسطین بھیجا جاسکے۔ [1]

۱۹۴۸ء میں لیاقت علیخاں مرحوم وزیر اعظم پاکستان کی دعوت پر آپ نے پاکستان کا سرکاری دورہ کیا خیبر سے کراچی تک پاکستان کے عوام نے اپنے مذہبی رہنما کا فقید المثال استقبال کیا۔ اور ہر جگہ حضرت کے استقبال کے بڑے بڑے جلسے منعقد ہوئے۔ آپ نے سب جلسوں سے خطاب کیا اور اپنی پرجوش تقریروں میں اتحاد عالم اسلام آزادی فلسطین اور مسلمانان کشمیر کی پرزور حمایت کی جس پر حکمرانوں کو حضرت کا یہ عمل نہایت ناگوار گزرا اور بہانہ بنا کر آپ کو سرہند شریف جانے کی اجازت منسوخ کردی چنانچہ آپ نے بادشاہی مسجد لاہور میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا عرس مبارک بڑی دھوم دھام سے منایا۔ [2]

۱۹۵۰ء میں آپ نے براستہ کراچی حج سے واپسی پر پاکستان کا تیسری دفعہ مختصر دورہ کیا۔ اور اس کے بعد افغانستان جاکر گوشہ نشینی اختیار کرلی ہمیشہ فرمانے کہ وصال کا وقت قریب ہے اور بہت جلد میں دنیا سے کوچ کرجاؤں گا۔ اپنے فرزندوں کو فرمایا کہ ہم تین دن بعد اس دنیا سے کوچ کرجائیں گے اور اپنا مدفن متصل مسجد وخانقاہ مجددیہ قلعہ جواد کابل متعین فرمایا چنانچہ بروز ہفتہ ۲۵ محرم الحرام ۱۳۷۶ھ بعد نماز صبح بلند آواز سے

---

[1] تذکرۂ مظہر مسعود ص ۴۴۔ روزنامہ مشرق لاہور ۲۲ فروری ۱۹۷۴ء، ۱ فروری ۱۹۷۵ء۔

[2] روزنامہ مشرق لاہور ۲۲ فروری ۱۹۷۶ء۔

اللہ اکبر کہتے ہوئے اس دارِ فانی سے ہجرت فرمائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون[1]

آپ کی رحلت کے بعد آپ کے دو فرزند سجادہ نشین ہوئے۔

۱۔ حضرت صدر المشائخ پیر فضل عثمان مجددی رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے اٹھارہ سال تک پاکستان میں رشد و ہدایت کا بازار گرم رکھنے کے بعد ۱۹ اپریل ۱۹۸۳ء کو رحلت فرمائی اور ان کی میت کابل پہنچائی گئی۔

۲۔ ضیاء المشائخ پیر محمد ابراہیم مجددی مدظلہ، کابل میں سجادہ نشین ہیں اور علم و عرفان کے دریا بہا رہے ہیں۔

روزنامہ نوائے وقت لاہور نے حضرت نور المشائخ رحمۃ اللہ علیہ کی پاکستان دوستی کو یوں خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔

"نور المشائخ قیامِ پاکستان پر اتنے ہی خوش تھے جتنا کوئی پاکستانی ہو سکتا تھا۔ انہوں نے افغانستان میں پاکستان کے حق میں دلیری سے تقریریں ہی نہیں کیں بلکہ وہ مسلم لیگ کی اوّلین وزارت کے دوران لاہور بھی تشریف لائے اور پاکستان کے مختلف مقامات پر انہوں نے پاکستان کی دل کھول کر تعریف کی اور یقین دلایا کہ افغانستان کے عوام پاکستان کو دولتِ خداداد ہی نہیں بلکہ اپنا سہارا بھی سمجھتے ہیں"[2]

---

[1] روزنامہ پاکستان ٹائمز لاہور ۲ ستمبر ۱۹۶۶ء وایضاً

[2] روزنامہ نوائے وقت لاہور ۱۰ ستمبر ۱۹۶۶ء (اداریہ)

پروفیسر منظور الحق صدیقی

پروفیسر منظور الحق صدیقی ۱۳۳۵ھ میں دہلی سے چونسٹھ میل مغرب میں قصبہ مہم شریف ضلع رہتک کے مشہور صدیقی خاندان میں پیدا ہوئے۔ والد گرامی کا اسم مبارک جناب اظہار اللہ صدیقی (۱۸۷۰/۱۹۲۴ء) تھا۔ گورنمنٹ انٹرمیڈیٹ کالج رہتک سے میٹرک اور ایف اے کے امتحانات اوّل پوزیشن میں پاس کیے۔ اس کے بعد ۱۹۳۹ء میں ایم اے او کالج امرتسر سے بی اے کیا۔ اگلے سال گورنمنٹ سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور سے ایس، اے، وی اور اُس سے اگلے سال بی ٹی کیا۔ ؎۱

۱۹۳۷ء میں آپ پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کی امرتسر شاخ کے رکن بن گئے ۱۹۴۰ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس لاہور میں منعقد ہوا جس میں مسلم علاقوں پر مشتمل آزاد پاکستان کی تحریک منظور ہوئی۔ تو آپ اس اجلاس میں شریک ہوئے۔ بدقسمتی سے اس قراردادِ پاکستان کی تائید میں ایک سال تک پنجاب میں ایک بھی پبلک جلسہ منعقد نہ ہوسکا۔ تو ہندو اخبار طعنہ دینے لگے کہ پاکستان کے لیے صرف اُن صوبوں کے مسلمان شور و غوغا کر رہے ہیں جن میں وہ اقلیت میں ہیں ورنہ جن صوبوں کو پاکستان کہا جاتا ہے وہاں کے مسلمان اس قرارداد کے حق میں نہیں۔ انہوں نے کسی پبلک جلسہ میں اس کی تائید نہیں کی۔ اِس بات کا آپ نے احساس کیا اور ۲ دسمبر ۱۹۴۰ء کو اپنے ساتھیوں چوہدری نصر اللہ خان مرحوم بی، اے، ایل ایل بی، چوہدری محمد صادق ایم اے کے ساتھ قراردادِ پاکستان کی تائید میں کئی جلسوں کا اہتمام کرایا۔ ؎۲

؎۱ ماثر الاجداد از پروفیسر منظور الحق صدیقی مطبوعہ لاہور ۱۹۶۴ء ص ۲۰۳/۲۰۴

؎۲ ایضاً ص ۳۹۹ - ماہنامہ سیارہ ڈائجسٹ لاہور فروری ۱۹۰۲ء ص ۷۱ تا ۸۰ -

۲۱ مارچ ۱۹۴۱ء کو لاہور میں پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے زیر اہتمام پاکستان کانفرنس منعقد ہوئی جس کی صدارت قائد اعظم نے فرمائی اور مغربی پاکستان میں قرارداد پاکستان کی تائید میں یہ پہلا جلسہ تھا۔ اس کی اہمیت کا اندازہ قائد اعظم کے اس ارشاد سے ہوتا ہے، جو آپ نے طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا :-

"ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تمہیں احساس نہیں کہ تم نے کیا کر لیا ہے، تم نے "تاریخ بنا ڈالی"

"YOU DO NOT SEEM TO REALIZE WHAT YOU HAVE DONE. YOU HAVE CREATED HISTORY." [له]

اس کانفرنس میں قائد اعظم کے ایما پر دیہات میں تحریک پاکستان کا کام کرنے کے لیے ایک کمیٹی بنائی گئی جس کا نام "پاکستان رورل پراپیگنڈا کمیٹی" تھا۔ ظفر اللہ خان ملک، مولانا عبدالستار خان نیازی، چوہدری نصر اللہ خان مرحوم، چوہدری محمد صادق اور آپ (منظور الحق) اس کے ممبر مقرر ہوئے۔ بعد میں ڈاکٹر محمد الیاس، مسعود قریشی، ظہور عالم شہید، خواجہ اشرف احمد اور ظہور الحسن ڈار صاحبان بھی اس کمیٹی میں شامل ہوئے۔ اس کمیٹی کے تمام ارکان پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کی عاملہ کے ارکان بھی تھے۔ [۲ه]

آپ نے ۷ سے ۱۳ جون ۱۹۴۱ء تک ایک ہفتہ کے لیے رہتک کے دورے کا پروگرام بنایا۔ ۱۱ جون کو وہاں مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کی شاخ قائم کی، مسلم لیگ کی رکنیت کے فارم چھپوائے اور گھر گھر اور قریہ قریہ جا کر چار دن میں دو ہزار سے زیادہ رکن بنائے جن میں خواتین کی بھی خاصی تعداد تھی۔ جا بجا شہر میں جلسے منعقد کرائے اور خطاب فرمایا

۱، ۲ه روزنامہ نوائے وقت لاہور ۱۱ ستمبر ۱۹۶۲ء بحوالہ مآثر الاجداد ص ۳۲۹۔ روزنامہ نوائے وقت لاہور ۱۲ فروری ۱۹۶۶ء نمونے کا ایک نوجوان مطبوعہ لاہور ۱۹۷۰ء ص ۳، ۴۔

لوگوں کو مسلم لیگ کا ہمنوا بنایا۔ انہی دنوں راؤ خورشید علی خان حال سابق رکن قومی اسمبلی ساہیوال رہتک میں وکالت کرتے تھے اور ان کی شہرت بطور نیشنلسٹ تھی۔ آپ نے ایک دو ملاقاتیں کر کے ان کو مسلم لیگ میں کھینچ لیا۔ چنانچہ ۱۳ جون کو ارکان کا ایک اجتماع ہوا جس میں راؤ صاحب شہری مسلم لیگ کے صدر اور میر بشیر الدین صدیقی سیکرٹری منتخب ہوئے۔ اس عظیم کامیابی کے بعد آپ راولپنڈی چلے گئے۔ [1]

لاہور میں کمیٹی کا جلسہ ہوا جس میں بعض اخبارات کی روش پر غور کیا گیا۔ وزیر اعظم پنجاب سر سکندر حیات خان مرحوم وغیرہ نے وائسرائے کی نیشنل ڈیفنس کونسل کی رکنیت قبول کر کے مسلم لیگ کا وقار معرض خطر میں ڈال دیا تھا۔ لاہور کے دو اخبارات (انقلاب اور شہباز) نے سر سکندر کی حمایت میں اور قائد اعظم کے خلاف شد و مد کے ساتھ پراپیگنڈہ شروع کر رکھا تھا۔ ان میں سے ایک نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ مسٹر جناح محض ایک سیاسی جماعت کے سربراہ ہیں اور سر سکندر حیات پنجاب کے منتخب وزیر اعظم ہیں اس سے یہ تاثر پیدا کرنے کی کوشش کی گئی کہ سر سکندر کی حیثیت زیادہ مضبوط ہے۔

کمیٹی نے ان اخبارات کے خلاف احتجاج کا پروگرام بنایا۔ ان اخبارات کے بہت سے پرچے خریدے گئے اور ۳۰ جولائی ۱۹۴۱ء کو دو بجے سے شام کے ساڑھے سات بجے تک لاہور کے ہر قابل ذکر چوک میں کھڑے ہو کر ان اخبارات کو نذر آتش کیا گیا۔ اخبار سوزی کی یہ رسم پورے لوازم کے ساتھ ادا کی جاتی۔ چوک میں پہنچ کر تانگے والے کھڑے کر لیے جاتے۔ "پاکستان زندہ باد" اور "قائد اعظم زندہ باد" کے نعروں کے بعد محمد الیاس قریشی ترنم کے ساتھ ترانہ ملی پڑھتے۔ اتنے میں دو چار سو راہگیر اور دکاندار جمع ہو جاتے۔ پھر بطل حریت مجاہد ملت مولانا عبدالستار خان نیازی اپنے مخصوص انداز میں مختصر سی تقریر کرتے

---

[1] مآثر الاجداد ص ۲۰۴ - ۴۰۰ - ماہنامہ سیارہ ڈائجسٹ لاہور فروری ۱۹۷۲ء۔

جس کے ختم ہونے پر اخبار جلائے جاتے۔ اخبار جلانے کے بعد شام کے جلسہ کا اعلان کیا جاتا۔ رات کو دہلی دروازے کے باہر جلسہ ہوا۔ ڈاکٹر محمد الیاس قریشی نے تلاوت کے بعد ترانہ ملی سنایا اور چوہدری نصر اللہ خان مرحوم، چوہدری محمد صادق، ظفر اللہ خان ملک مولانا عبدالستار خان نیازی اور پروفیسر منظور الحق نے تقریریں کیں۔ حاضرین کی تعداد دو ہزار سے زیادہ نہ تھی۔ مگر مجلس احرار کے گڑھ میں پاکستان کے حق میں یہ پہلا جلسہ تھا جسے منعقد کرنے کی جرأت اور کوئی نہ کر سکتا تھا۔ اس مظاہرے سے دونوں اخبارات کی فروخت پر خاصا اثر پڑا۔ ؎۱

اخبارات اور طلبہ میں مفاہمت کرانے کے لیے مولانا غلام محی الدین قصوری نے ان دو مالکان و مدیران اخبارات اور پاکستان رورل کمیٹی کے ارکان کو اپنے ہاں ۷ اگست ۱۹۴۱ء کو مدعو کیا۔ فریقین کے درمیان معاہدہ ہوا کہ جب تک آل انڈیا مسلم لیگ کی مجلس عاملہ اس بارے میں کوئی فیصلہ نہ کرے (۱) اخبارات قائد اعظم کی نمائندگی کے بارے میں کچھ نہ لکھیں گے اور طلبہ سر سکندر کے خلاف کوئی مظاہرہ نہیں کریں گے (۲) اخبارات کوشش کریں گے کہ کوئی صورت نکل آئے کہ سر سکندر کو مسلم لیگ سے نہ نکالا جائے تاکہ لیگ کمزور نہ ہو جائے (۳) طرفین کو مسلم لیگ پر کامل اعتماد ہے۔

یہ معاہدہ زبانی تھا۔ اگلے روز دونوں اخبارات میں صرف اس قدر رپورٹ شائع ہوئی کہ "طلبہ کے نمائندوں نے مان لیا ہے کہ وہ سر سکندر کے خلاف کوئی مظاہرہ نہیں کریں گے" کمیٹی کی طرف سے آپ (منظور الحق صدیقی) نے اس کی تردید تمام اخبارات کو بھیجی۔ جسے صرف روزنامہ "احسان" نے اپنی ۹ اگست کی اشاعت میں جگہ دی۔ اس سے اگلے روز اخبار "پرتاپ" نے اس تردید پر چٹپٹا تبصرہ کیا۔ . . . ؎۲

؎۱ مآثر الاجداد ص ۴۰۰، ۴۰۱ - ماہنامہ سیارہ ڈائجسٹ لاہور فروری ۱۹۶۲ء

؎۲ " " ۴۰۱، ۴۰۲ " " " "

۲۰ر اگست ۱۹۴۱ء کو چوہدری محمد صادق اور آپ نے دو ہفتہ کے لیے موجودہ مشرقی پنجاب کے اضلاع کا دورہ کیا۔ اس سلسلہ میں ایک دن لدھیانہ ٹھہر کر انبالہ پہنچے۔ وہاں خاصا سیاسی شعور پایا گیا۔ لوگوں میں کام کرنے کا جذبہ بھی موجود تھا۔ مگر بڑوں کے اختلافات سے مسلم لیگ کی گاڑی رکی ہوئی تھی۔ ۲۴ر اگست کو سید محمد حنیف ایڈووکیٹ کے ہاں معززین کا اجتماع ہوا۔ جس میں حضرت میر غلام بھیک نیرنگ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی شرکت فرمائی۔ آپ نے اور چوہدری محمد صادق نے خطاب فرمایا اور فوراً ہی مسلم لیگ قائم ہو گئی اور انتخابات بھی ہو گئے۔ حضرت نیرنگ کے دستِ راست سید محمد حنیف صدر، اشتیاق احمد قریشی سیکرٹری اور شیخ عبداللطیف خازن منتخب ہوئے۔ [1]

انبالہ سے یہ وفد لدھیانہ پہنچا۔ یہاں مسلم لیگی رہنماؤں غازی محمود دھرم پال، آغا غضنفر علی، ڈاکٹر محمد اعظم اور طفیل محمد صاحبان نے اس وفد کے لیے ایک پبلک جلسے کا اعلان کر رکھا تھا۔ پاکستان کی مخالف مجلس احرار کے رہنما یہ برداشت نہ کر سکے اور اسی وقت اور اسی میدان میں اپنے جلسے کی منادی کرا دی۔ چنانچہ ۲۶ر اگست کو ایک ہی میدان میں دونوں جلسے ہوئے۔ آپ نے اور چوہدری محمد صادق نے اپنے مخصوص انداز میں خطاب کیا اور لوگوں کو مسلم لیگ کا دلدادہ و شیدا بنا دیا۔ اگرچہ احراریوں نے ہنگامے کی کوشش کی مگر سامعین آخر تک مکمل سکون سے بیٹھے رہے۔ لدھیانہ سے یہ وفد جگراؤں، مدار، جالندھر اور ہوشیار پور ہوتا ہوا یکم ستمبر کو لاہور پہنچ گیا۔ [2]

پاکستان رورل پروپیگنڈا کمیٹی کی تمام کارروائیوں سے آپ نے قائدِ اعظم کو باخبر رکھا تھا۔ ایک خط میں قائدِ اعظم نے آپ سے بالمشافہ گفتگو کا اظہار فرمایا تو آپ نے

---

[1] مآثر الاجداد ص ۴۰۱ - ۴۰۲ - ماہنامہ سیارہ ڈائجسٹ لاہور فروری ۱۹۷۲ء

[2] " " ۴۰۲ - ۴۰۳ - روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲۰ جون ۱۹۷۵ء

ظفراللہ خاں ملک اور چوہدری نصر اللہ کو ساتھ لے کر ۸ ستمبر ۱۹۴۱ء کی ایک شام کو بمبئی میں قائداعظم سے ملاقات کی یہ ملاقات ساڑھے تین گھنٹے جاری رہی۔ دوبارہ پھر ۱۰ ستمبر کو اڑھائی گھنٹے دوسری نشست ہوئی، اس ملاقات میں مادرِ ملت محترمہ فاطمہ جناح مرحومہ بھی موجود تھیں۔ ۵۱

۷۔۸ مارچ ۱۹۴۲ء کو پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کا دوسرا سالانہ اجلاس راولپنڈی میں منعقد ہوا۔ آپ اس کے محرک، منتظم اور صدرِ مجلس استقبالیہ تھے۔ اس اجلاس کی صدارت چوہدری خلیق الزمان مرحوم نے کی۔ حاضرین کی تعداد "سول اینڈ ملٹری گزٹ" کے مطابق پچیس ہزار تھی جن میں متعدد ہندو بھی تھے۔ یہ کانفرنس اس علاقہ میں عوامی تحریک کا نقطۂ آغاز ثابت ہوئی۔ ۵۲ اس موقعہ پر ملک کے چوٹی کے رہنماؤں سے آپ کی خط و کتابت ہوئی۔ ذیل میں آپ کے نام قائدِ اعظم کے ایک خط سے چند اقتباسات درج کئے جا رہے ہیں۔ ۵۳

"آپ کا ۲۶ فروری ۱۹۴۲ء کا تار موصول ہوا۔ جس میں آپ نے پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے سالانہ اجلاس کے لیے جو راولپنڈی میں ۷ اور ۸ مارچ کو منعقد ہو رہا ہے مجھ سے پیغام کی درخواست کی ہے۔

"میری خواہش تھی میں ایک اور مرتبہ آپ کے ساتھ ہوتا اور آپ سب سے ملاقات کی مسرت حاصل کرتا مگر افسوس کہ میری یہ خواہش پوری نہیں ہو سکتی۔ میرا دہلی میں رہنا قطعی ضروری ہے۔ تاہم میں آئندہ پنجاب میں آنے کا موقعہ تلاش کر رہا ہوں پھر آپ سے دوبارہ

۵۱-۲ مآثرالاجداد ص ۲۰۴، ۳۰۴، روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲۰ جون ۱۹۴۵ء

۵۳ اصل خط انگریزی میں تھا۔ ہمیں صرف اردو ترجمہ ہی مل سکا ہے۔

ملیں گا۔ یقین جانیئے میرا دل آپ کے ساتھ ہے اور میں مسلمانوں کی بہبودی کے لیے اور اس مقصد کے لیے جو ہم سب کو عزیز ہے حتی المقدور کوشاں ہوں۔ مجھے امید ہے کہ آپ جو کارِ خیر کر رہے ہیں، اسے جاری رکھیں گے۔

مجھے یقین ہے کہ چوہدری خلیق الزمان کی صدارت میں اور دوسرے رہنماؤں کی موجودگی میں جو یقیناً وہاں آئیں گے آپ کا سالانہ اجلاس بڑا ہی کامیاب رہے گا۔

سیاست میں ہمیں آل انڈیا مسلم لیگ کی پالیسی اور پروگرام پر عمل پیرا رہنا چاہیئے۔ پانچ سال کی مدت میں ہم ہندوستان کے مسلمانوں میں اتنی تنظیم پیدا کرنے میں کامیاب ہو چکے ہیں کہ اس کی مثال گزشتہ ڈیڑھ صدی میں نہیں ملتی۔ ان میں اس طرح بیداری پیدا کر دی گئی ہے کہ مخالفین انگشت بدنداں ہو گئے اور ان کے قدم لڑکھڑا گئے۔ مسلمان جمود کو خیرباد کہہ رہا ہے اور شکست خوردگی اور یاس و ناامیدی کے عمیق غار سے نکل آیا ہے۔ ان کو اپنی قوت کا احساس ہو چلا ہے۔ انہیں خود اپنی طاقت اور صلاحیتوں کا اب تک علم نہیں۔ اگر وہ اپنی قسمت دوسروں کے ہاتھ میں نہ دیں اور متحد ہو جائیں تو کوئی طاقت ان کے عزائم کے راستے میں حائل نہیں ہو سکتی۔

مسلمانوں سے میں ایک بار اور یہ استدعا کروں گا کسی پر تکیہ نہ کریں اپنی ہی طاقت پر انحصار کریں۔ مسلمانوں نے ابھی تک یہ حقیقت نہیں پہچانی کہ اگر وہ متحد ہو کر کام کریں تو ان میں کتنی طاقت ہے۔ ہمیں ابھی بہت سا ابتدائی کام کرنا ہے اور اس کے لیے تکلیفیں برداشت کرنی پڑیں گی۔ ہمیں دبانے

میں ہمارے حریف اپنی پوری طاقت صرف کر دیں گے۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ہم پر ظلم و تعدی کریں اور ہمارا قتل عام ہو۔ مگر مجھے یقین کامل ہے کہ ہم اس آزمائش کی بھٹی سے اور زیادہ پاکیزہ، بہتر اور مضبوط تر ہو کر نکلیں گے۔

آخر میں مسلم طلباء اور مسلمان نوجوانوں سے یہ کہنا چاہتا ہوں، اس امر کو پیش نظر رکھیں کہ آج جو کچھ ہو رہا ہے اس کی باگ ڈور کل تمہارے ہاتھ میں ہوگی۔ کیا تم نے یہ ذمہ داری اٹھانے کے لیے تربیت حاصل کر لی ہے اور اپنے اندر وہ خواص پیدا کر لیے ہیں۔ اگر ایسا نہیں ہوا تو آج ہی اس کی ابتداء کریں۔ یہی مناسب ہے۔ خدا تعالیٰ تمہیں کامیابی سے ہمکنار کرے۔

مخلص

ایم، اے، جناح

بنام منظور الحق صدر مجلس استقبالیہ

اجلاس ثانی پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن۔ راولپنڈی۔ [۱]

۱۹۴۲ء میں آپ نے نوابزادہ لیاقت علی سیکرٹری آل انڈیا مسلم لیگ کی دعوت پر لیگ کے اجلاس خصوصی الہ آباد میں مجلس موضوعات میں شرکت کی۔ اس کے بعد اسی سال آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس دہلی کے موقع پر بھی کونسل کے اجلاس میں شرکت کی۔ رہتک کے علاقے میں آپ کی ذاتی کوششوں سے ہزاروں افراد مسلم لیگ کے ممبر بنے۔ اور بڑے بڑے کٹر کانگرسیوں کو آپ مسلم لیگ میں پھیر لائے۔ حاجی خیر محمد پٹھان بائیس سال سے کانگرس کمیٹی جھجھر کے صدر چلے آتے تھے، آپ نے ایک ہفتہ کی سعی بلیغ سے انہیں مسلم لیگ میں لانے کا معرکہ سر انجام دیا۔ اس پر جھجھر کے تمام مسلمان

---

[۱] مآثر الاجداد ص ۴۰۴، ۴۰۵۔

اہل ہنود ششدر رہ گئے۔ ؎۱

۱۹۴۵ء کے الیکشن میں آپ نے اور آپ کے خاندان نے صوبائی اسمبلی کے انتخابات میں مسلم لیگی امیدواروں کی کامیابی کے لیے پورے ضلع رہتک میں کام کیا۔ ۱۹۴۷ء میں پنجاب کی خضر وزارت کے خلاف سول نافرمانی کی تحریک میں آپ نے اپنے خاندان کو جھونک دیا۔ پنجاب میں اخبار "ڈان" دہلی کا داخلہ ممنوع قرار دیا گیا تو آپ نے اپنے خاندان کے ایک نوجوان محمد حسین عرف محمد میاں کی ڈیوٹی لگائی کہ وہ ہر روز دہلی جا کر "ڈان" کے پرچے لاتا۔ اور پھر یہ پرچے جلسہ عام میں فروخت کیے جاتے۔ عام طور پر اخبار "ڈان" کا ایک پرچہ دس روپے میں بکتا اور نیلامی میں زیادہ قیمت اٹھتی۔ پولیس والے حیران تھے کہ تمام احتیاطی تدابیر کے باوجود ڈان کس طرح رہتک پہنچ جاتا ہے۔ جس روز ضلع کی خفیہ پولیس کا تمام عملہ اس ٹوہ میں لگا ہوا تھا کہ پرچے کون لاتا ہے اس روز "ڈان" کا ایک پرچہ چھہتر روپے میں نیلام ہوا اور نیلامی کی بولی ایک ان پڑھ قصاب کے نام ہوئی۔ "ڈان" کے پرچوں کی فروخت تحریک کا فنڈ تھی۔ ؎۲

اس تحریک میں آپ کے خاندان کی مستورات نے بھی کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ آپ کی اہلیہ محترمہ سرور صدیقہ نے خواتین کے بہت سے جلسوں میں تقریریں کیں اور پھر مردوں کے جلسوں سے بھی خطاب کیا۔ یہ خاندان سے پہلی خاتون تھیں جنھوں نے کسی سیاسی جلسہ میں مردوں سے خطاب کیا۔ جتنی بار تقریر کی، علیحدہ کمرے میں بیٹھ کر مائیکروفون کے ذریعے جب لوگوں نے پہلی دفعہ ان کی تقریر سنی تو سب کو احساس ہوا کہ اب پانی سر سے گزر چکا ہے۔ ملت کو اتنا عظیم خطرہ درپیش ہے کہ ایک پیرزادی بھی میدانِ عمل میں اترنے پر مجبور ہو گئی ہے۔ اس روز مظاہرین میں غیر معمولی جوش و خروش تھا۔

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان کی صبح طلوع ہوئی۔ تو آپ کے خاندان پر مصائب

؎۲۱ مآثر الاجداد ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸ ۔ ماہنامہ سیارہ ڈائجسٹ لاہور فروری ۱۹۷۲ء۔

کے پہاڑ ٹوٹے۔ آپ کو جس قدر مصائب و آلام کا شکار ہونا پڑا، وہ ایک علیحدہ باب کے متقاضی ہیں آپ ۶ ؍ نومبر ۱۹۴۷ء کو اپنا سب کچھ لٹا کر، راستے میں اپنے خاندان کے دو افراد کو شہید کروا کر لٹے پٹے قافلے کی صورت میں لاہور پہنچے۔ اور یہاں آ کر جن پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا اُن کے تصور سے ہی کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ یہاں آنے کے بعد آپ کیڈٹ کالج حسن ابدال میں پروفیسر مقرر ہو گئے اور تا حال ریاضیات اور اردو پڑھا رہے ہیں۔ اور مندرجہ ذیل کتابیں لکھ کر علمی، ادبی اور مذہبی حلقوں سے دادِ تحسین حاصل کر چکے ہیں۔

۱۔ سالار مسعود غازی (ترجمہ) ۱۹۵۴ء

۲۔ معیاری جیومیٹری (چھٹی جماعت کے لیے سول ٹیکسٹ بک بورڈ ضلع لاہور ۱۹۵۵ء

۳۔ معیاری الجبرا و جیومیٹری (ساتویں جماعت " " " " "

۴۔ " " " (آٹھویں " " " " "

۵۔ ہادیٔ ہریانہ ۱۹۶۳ء

۶۔ مآثر الاجداد ۱۹۶۴ء

۷۔ محفلِ معما گوئی ۱۹۶۸ء

۸۔ شاہ لطیف بری مع تاریخ نورپور شاہاں ۱۹۷۰ء

۹۔ نمونے کا ایک نوجوان ۱۹۷۰ء

۱۰۔ تاریخ حسن ابدال ۱۹۷۷ء

۱۱۔ خطبۂ استقبالیہ (پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے دوسرے سالانہ اجلاس منعقدہ راولپنڈی، ۸ ؍ مارچ ۱۹۴۲ء) [1]

ان تصانیف و تالیفات کے علاوہ ملک کے نامور رسائل و جرائد میں اکثر آپ کے علمی و ادبی مضامین بھی چھپتے رہتے ہیں۔ آجکل آپ کا زیادہ رجحان تصنیف و تالیف کی طرف ہے

[1] مکتوب بنام مؤلف از حسن ابدال محررہ ۱۰ ؍ اکتوبر ۱۹۷۵ء۔ ماہنامہ سیارہ ڈائجسٹ لاہور فروری ۱۹۷۶ء

نوابزادہ مہدی علی خاں

نوابزادہ مہدی علی خاں ۱۹۰۷ء میں اجنالہ ضلع گجرات میں پیدا ہوئے۔ آپ سر سید گجرات نوابزادہ سر فضل علی مرحوم کے سب سے بڑے صاحبزادے تھے۔ زمیندارہ ہائی سکول گجرات سے میٹرک کرنے کے بعد زراعتی کالج لائل پور میں چلے گئے اور پھر علیگڑھ یونیورسٹی سے گریجوایشن کی۔ اس کے بعد سرکاری ملازمت اختیار کر کے تحصیلدار اور پھر افسر مال بنے۔

۱۹۴۵ء میں آپ لاہور میں ایڈیشنل ڈپٹی کمشنر کے عہدہ پر فائز تھے۔ کہ انہی دنوں قائداعظم کشمیر سے واپسی پر گجرات تشریف لائے۔ اتفاق سے آپ اس وقت گجرات میں موجود تھے۔ آپ بھی مسلمانوں کے عظیم رہنما کا استقبال کرنے کے لیے جلسگاہ (پاسک باغ) میں تشریف لے گئے اور قائداعظم کو ہار پہنائے۔ جب لاہور واپس تشریف لائے تو ڈپٹی کمشنر لاہور مسٹر ولیم نے انہیں سرزنش کی کہ وہ مسلم لیگ کی سرگرمیوں میں دلچسپی نہ لیں اور محمد علی جناح ایسے لیڈروں کو ہار نہ پہنایا کریں۔ نوابزادہ صاحب نے ڈپٹی کمشنر کو جو جواب دیا۔ وہ اُس سے برافروختہ ہوا اور آپ کا تبادلہ منٹگمری (ساہیوال) کرا دیا۔ اس پر آپ نے ملازمت سے استعفیٰ دے دیا اور گجرات تشریف لے آئے۔

اب آپ نے باقاعدہ مسلم لیگ کی رکنیت قبول کر کے مسلم لیگی لیڈروں ملک فیروز خان نون اور سردار شوکت حیات خان کے ساتھ ضلع بھر کا دورہ کر کے رائے عامہ کو ہموار کیا۔ اور مسلم لیگ کو عوام کے دلوں کی دھڑکن بنا دیا۔ ۱۹۴۵ء کے عام انتخابات میں اپنے چھوٹے بھائی نوابزادہ اصغر علیخان (یونینسٹ) کے مقابلہ پر مسلم لیگی لیڈر چوہدری

عطا محمد کی حمایت کی ۱۹۴۷ء میں جب تحریک سول نافرمانی چلی تو جیل بھی گئے۔
۱۹۵۰ء میں مسلم لیگ کے ٹکٹ پر صوبائی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے
۱۹۵۶ء میں ضلع مسلم لیگ گجرات کے صدر بنائے گئے۔ یہ وہ دور تھا کہ
بڑے بڑے سیاسی گھرانوں کے بیٹوں کی وفاداریاں اور دوستیاں اقتدار کے
تیور دیکھ کر بدلتی رہتی تھیں۔ ان کا کردار سیاسی اخلاق باختگی سے قطعی پاک رہا۔ اور
قائدِ اعظم کے شیدائی و سپاہی ہونے کی حیثیت سے انہوں نے کبھی مسلم لیگ
سے علیحدگی اختیار نہ کی۔

اگرچہ آپ ایک نواب خاندان کے چشم و چراغ تھے اور سرکاری افسر بھی رہے
تھے لیکن اُن میں امیرانہ خو بُو نہ تھی۔ ہمیشہ سادہ زندگی بسر کی۔ عام لوگوں میں گھل مل کر رہے
ملنے والوں کو کرسی پیش کرتے اور خود چارپائی پر بیٹھتے۔ پیدل چلنے کو عار نہ سمجھتے
تھے۔ حج بیت اللہ کی سعادت سے بہرہ ور ہو چکے تھے اور نماز کے پابند تھے۔ ادب
کا ارفع ذوق بھی رکھتے تھے۔ ادیبوں اور شاعروں کے قدر دان تھے۔ شعر کہتے تھے۔ آپ
نے ایک ہفت روزہ اخبار بھی جاری کیا تھا۔

مذہب و ملت کی گرانقدر خدمات انجام دینے کے بعد آپ نے ۱۲ رجون
۱۹۵۸ء کو گجرات میں رحلت فرمائی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

ع حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

۵ے روزنامہ نوائے وقت لاہور ۱۵ رجون ۱۹۷۵ء - ۲۳ رمارچ ۱۹۷۲ء -

سر میاں محمد شفیع

ارائیں قوم کا یہ نامور فرزند ۱۰ مارچ ۱۸۶۹ء کو باغبانپورہ نزد شالامار باغ لاہور میں پیدا ہوا۔ والد گرامی کا اسم مبارک میاں دین محمد تھا۔ رنگ محل ہائی سکول سے میٹرک اور ایف سی کالج لاہور سے ایف اے کر کے میاں محمد شفیع انگلینڈ چلے گئے، جہاں مڈل ٹمپل میں بار میں داخلہ لیا اور کانسٹی ٹیوشن بلا میں وظیفہ حاصل کیا۔ ۱۸۹۰ء میں دوران طالب علمی ہی میں انجمن اسلامیہ لندن کے صدر منتخب ہوئے ۱۸۹۲ء میں بیرسٹری کی تعلیم مکمل کر کے واپس وطن آ گئے۔ ؎۱

وطن واپس لوٹنے کے بعد ہوشیار پور میں وکالت سے اپنی زندگی کا آغاز کیا۔ بعد ازاں ۱۸۹۵ء میں لاہور منتقل ہو گئے بحیثیت ایک قانون دان کے آپ نے پنجاب کی اس وقت کی سیاست کو سمجھنے کی کوشش کی سیاست میں بتدریج دلچسپی سے انہیں اپنے جوہر دکھانے کے مواقع ملے۔ انہیں دنوں آپ نے سرسید احمد خان کی آل انڈیا مسلم ایجوکیشن کانفرنس میں شمولیت اختیار کر لی جس کا مقصد مسلمانوں کو بیدار کرنا تھا کہ ان کو ہندوؤں سے پیچھے رکھا جا رہا ہے۔ علاوہ ازیں آپ نے انجمن حمایت اسلام لاہور کی ترقی و بہبود میں بھی نمایاں حصہ لیا۔ ؎۲

دسمبر ۱۹۰۶ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کا قیام ڈھاکہ میں عمل میں آیا تو مسلم لیگ کا خاکہ اور نام سر محمد شفیع نے تجویز کیا تھا۔ بعد ازاں ۳۰ نومبر ۱۹۰۷ء کو پنجاب میں مسلم لیگ کی بنیاد رکھی گئی تو آپ کو جنرل سیکرٹری منتخب کیا گیا اور آپ نو سال تک اس عہدۂ جلیلہ پر فائز رہے۔ منٹو مارلے

؎۱ تاریخ ارائیاں از علی اصغر چوہدری مطبوعہ لاہور ۱۹۶۳ء ص ۴۰۵۔

؎۲ ایضاً ۔ روزنامہ نوائے وقت لاہور ۱۰ جنوری ۱۹۹۶ء۔

اصلاحات میں مسلمانوں کے لیے انتھک کام کیا۔ ۱۹۱۳ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس لکھنؤ کی صدارت آپ نے کی اور اسی اجلاس میں آپ کا پرمغز اور مدلل صدارتی خطبہ ایک عرصہ تک سیاسی اور عوامی حلقوں میں موضوع گفتگو رہا۔ ۱۹۱۶ء میں آپ نے پنجاب مسلم لیگ سے استعفیٰ دے دیا ۱۹۱۹ء میں آپ کو سر کا خطاب ملا اور وزیر تعلیم مقرر ہوئے ۱۹۲۷ء میں آپ کو آل انڈیا مسلم لیگ کا صدر چنا گیا۔ اور پنجاب یونیورسٹی کے فیلو مقرر ہوئے۔ ؎۱

غازی علم الدین شہید نے جب رسوائے زمانہ کتاب شائع کرنے پر راجپال کو واصل جہنم کیا تو اسے ۳۱ اکتوبر ۱۹۲۹ء کو میانوالی جیل میں پھانسی دے دی گئی اور اس کی نعش خاموشی سے وہیں دفن کر دی گئی۔ مسلمانوں نے اس شہید عشق محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی لاش کا مطالبہ کیا مگر انگریزوں نے ہندوؤں اور سکھوں کے ایما پر نعش دینے سے انکار کر دیا جس پر بڑے بڑے جلسے ہوئے جلوس نکلے مگر آخر کار ایک وفد بنایا گیا جس میں حکیم الامت علامہ اقبال خلیفہ شجاع الدین اور میاں عبدالعزیز بیرسٹر وغیرہ شامل تھے اس کا قائد سر میاں محمد شفیع کو منتخب کیا گیا۔ چنانچہ اس وفد کی کوششوں سے غازی علم الدین شہید کی نعش واپس لائی گئی۔ جسے نہایت تزک و احتشام سے قبرستان میانی صاحب لاہور میں دفن کیا گیا۔ ؎۲

۱۹۳۱ء میں پہلی گول میز کانفرنس میں شرکت کی کانفرنس کے اجلاس میں آپ نے عالمانہ انداز میں ہندوستان کے مسلمانوں کے مسائل اور مطالبات پیش کئے۔ یہی وہ موقعہ تھا جب مسلمانان ہند کے قابل قدر رہنما اور آتش بیان مقرر مولانا محمد علی جوہر مرحوم آپ کی قائدانہ صلاحیت و قابلیت اور سیاسی بصیرت کے معترف ہوئے۔ ؎۳

؎۱ مشاہیر جنگ آزادی از مفتی انتظام اللہ شہابی مطبوعہ کراچی ۱۹۵۷ء ص ۲۸۲۔ میاں عبدالعزیز بالوادہ از محمد انور امین مطبوعہ لاہور ۱۹۷۱ء ص ۳۹۔

؎۲ ماہنامہ سیارہ ڈائجسٹ لاہور بابت اکتوبر ۱۹۶۴ء

؎۳ روزنامہ نوائے وقت لاہور ۱۰ جنوری ۱۹۷۱ء۔ بے تیغ سپاہی ص ۲۰۴۔

آپ کی سیاسی زندگی کا سفر اگرچہ بے داغ رہا لیکن سائمن کمشن ۱۹۲۷ء کے موقع پر بدقسمتی سے آپ کا مسلم لیگ سے نظریاتی اختلاف ہوگیا اور لیگ دو حصوں میں بٹ گئی۔ ایک کے صدر قائد اعظم محمد علی جناح تھے اور سیکرٹری ڈاکٹر سیف الدین کچلو تھے اور جب کہ دوسری لیگ کے صدر سر میاں محمد شفیع اور سیکرٹری علامہ اقبال۔ دونوں لیگیں بنیادی مطالبات میں متفق تھیں لیکن اختلاف کی بڑی وجہ یہ تھی کہ جناح لیگ نے مخلوط انتخابات کا فارمولا قبول کر لیا تھا جب کہ شفیع لیگ جداگانہ انتخابات کے مطالبے پر سختی سے قائم تھی۔ یہاں تک کہ دونوں لیگوں کی کونسلوں کا ایک مشترکہ اجلاس دہلی میں ہوا۔ آپ (سر محمد شفیع) اتحاد بین المسلمین کی خاطر رضاکارانہ طور پر صدارت سے دستبردار ہوگئے اور قائد اعظم آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر چنے گئے۔ [1]

سر میاں محمد شفیع نہ صرف ایک ماہر قانون دان اور قابل سیاست دان تھے بلکہ آپ مسلمانوں کی تعلیمی ترقی کے ایک عظیم بہی خواہ بھی تھے۔ آپ مسلمانوں کے تعلیمی مسائل میں حد درجہ دلچسپی لیتے تھے اور ان کے تعلیمی مسائل کو حل کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرتے۔

آپ مسلمانوں کی بے شمار تعلیمی انجمنوں اور اداروں سے کسی نہ کسی حیثیت سے منسلک رہے جن میں انجمن حمایت اسلام لاہور خاص طور پر قابل ذکر ہے بحیثیت وزیر تعلیم آپ نے علی گڑھ کالج کو یونیورسٹی کا درجہ دلایا۔ آپ کا سب سے زیادہ قابل ذکر کارنامہ لکھنؤ، ڈھاکہ، رنگون، ناگ پور، علی گڑھ اور دہلی یونیورسٹیوں کو ریزیڈنشل یونیورسٹیاں بنوانا ہے۔ آپ کی وفات پر دہلی یونیورسٹی کے وائس چانسلر خان بہادر محمد عبدالرحمن نے آپ کی تعلیمی خدمات کو سراہتے ہوئے کہا تھا:۔

"بحیثیت وزیر تعلیم یونیورسٹی کی تعلیم کے لیے ہندوستان میں نئے طریقوں کی بہت سی یونیورسٹیاں قائم کرانے میں آپ نے نمایاں کردار ادا کیا۔ ایک طرح سے سر شفیع دہلی یونیورسٹی کے بانی تھے کیونکہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے دارالحکومت میں یونیورسٹی کی تعلیم کا تصور سب سے پہلے پیش کیا ۱۹۲۲ء میں لیجسلیٹو کونسل میں دہلی یونیورسٹی کا بل پیش کیا تھا اور اس تعلیمی درس گاہ کے پہلے

[1] صحافت پاکستان و ہند میں بحوالہ تاریخ ارائیاں ص ۲۳۶، ۲۳۷ بے تیغ سپاہی ص ۲۰۴

پرو چانسلر کی حیثیت سے اس نوعمر ادارے کے معاملات میں گہری دلچسپی کا اظہار کیا۔" (بحوالہ: تحریک پاکستان میں مسلم خواتین کا کردار، بزبان انگریزی ص ۲۳)

۷ جنوری ۱۹۳۲ء کو بعارضہ نمونیہ آپ کا انتقال ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ کی وفات پر ڈیلی ہیرالڈ لندن نے تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ:۔

"ان کی اپنی قوم کے وہ لوگ جو یہ سمجھتے تھے کہ وہ تنقید کر کے سر شفیع کو کمزور کر دیں گے۔ ان کا سر شفیع نے دلیرانہ مقابلہ کیا۔ سر شفیع سماجی توہمات کے خلاف ایک مرد آہن تھے اور وہ لوگ جو ان کے وقار کو مجروح کرنے کے درپیش تھے بعد ازاں ان کے پرستار اور پیروکار بن گئے۔"

قائداعظم محمد علی جناح نے بیان دیتے ہوئے فرمایا:۔

"امن کے فروغ کے لیے ہندوستان ایک زبردست قوت سے محروم ہو گیا ہے۔ سر محمد شفیع موجودہ حساس اور جذباتی حالات میں حکومت اور عوام دونوں کے لیے ایک عظیم شخصیت ثابت ہو سکتے تھے۔ میں نے گول میز کانفرنس کے دوران سر شفیع کو ایک آزاد خیال وطن پرست پایا جو دلی طور سے مسلمانوں کے جائز حقوق حاصل کرنے کی پرخلوص خواہش رکھتے تھے۔" (بحوالہ تحریک پاکستان میں مسلم خواتین کا کردار۔ ص ۲۳) [لہ]

لہ روزنامہ نوائے وقت لاہور ۱۰ جنوری ۱۹۷۶ء۔

مولانا محمد علی جوہر

رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر ۱۰ ذوالحجہ ۱۲۹۵ھ مطابق ۱۸۷۸ء میں رام پور (یوپی) کے ایک معزز گھرانے میں پیدا ہوئے۔ والد گرامی کا اسم مبارک عبدالعلی خاں تھا۔ جو نواب رام پور کے امرائے دربار میں سے تھے۔ ۱۸۸۰ء میں والد گرامی کی رحلت ہو گئی، اس وقت آپ کی والدہ ماجدہ (بی اماں) کی عمر صرف ستائیس برس تھی۔ مگر انہوں نے اپنی باقی عمر اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت میں گزارنے کا فیصلہ کر لیا۔ [1]

مولانا محمد علی نے ابتدائی تعلیم رام پور اور بریلی میں حاصل کی۔ اس کے بعد انہیں علیگڑھ بھیج دیا گیا۔ علی گڑھ کالج میں آپ "باغی طالب علم" شمار ہوتے تھے۔ انگریز سٹاف پر تنقید کرنے اور لڑکوں کو ان کے خلاف منظم کرنے۔ ۱۸۹۸ء میں انہوں نے بی اے کا امتحان اوّل نمبر میں پاس کیا۔ آپ کی اس غیر معمولی کامیابی نے آپ کے عزیزوں کو چونکا دیا۔ کالج کے پرنسپل نے آپ سے نجات پا کر خوشی محسوس کی۔ بڑے بھائی مولانا شوکت علی نے معاشی حالات ناساعد ہونے کے باوجود آپ کو اعلیٰ تعلیم کے لیے انگلستان بھیج دیا۔ ۱۹۰۲ء میں آکسفورڈ سے تاریخ میں آنرز کی ڈگری حاصل کی۔ سول سروس کا امتحان دیا لیکن ناکام رہے۔ [2]

انگلستان سے واپسی پر پہلے رام پور اور پھر بڑودہ میں ملازم رہے۔ لیکن آپ ملازمت

---

[1] تاریخ پاکستان از شیخ محمد رفیق وغیرہ مطبوعہ لاہور ۱۹۶۳ء، ص ۳۴۴۔ روزنامہ نوائے وقت ۹ جنوری ۱۹۶۰ء

[2] کاروان احرار جلد اوّل مطبوعہ لاہور ۱۹۰۵ء ص ۱۰۲۔ روزنامہ جنگ کراچی ۵ جنوری ۱۹۰۶ء

[3] مشاہیر جنگ آزادی از مفتی انتظام اللہ شہابی مطبوعہ کراچی ۱۹۵۸ء ص ۲۸۵۔ ہمارا محمد علی جوہر کلیم نشتر مطبوعہ لاہور ص ۴۔ تاریخ ہند و پاکستان از مولانا قاری احمد مطبوعہ کراچی ۱۹۶۷ء ص ۳۳۲

کے لیے پیدا نہیں ہوتے تھے۔ جلد ہی ان کے ادبی مزاج نے انہیں صحافت کی طرف کھینچ لیا آپ نے "ٹائمز آف انڈیا" میں "آج کا علیگڑھ" کے عنوان سے مضامین کا ایک سلسلہ شروع کیا جو علیگڑھ کے طلبا میں بہت مقبول ہوا اور ۱۹۰۷ء میں علیگڑھ میں انگریزی سٹاف کے خلاف ہڑتال ہوگئی جو بالآخر اس کی علیحدگی پر منتج ہوئی۔ ؎۱ انگریزی استعمار کے خلاف یہ آپ کی پہلی بھرپور ضرب تھی۔

۱۹۰۶ء میں مسلم لیگ کی تشکیل کے وقت آپ بھی موجود تھے۔ نواب وقار الملک کے کہنے پر آپ نے اس اولین اجلاس کی کاروائی بھی مرتب کی تھی، جو بعد میں آل انڈیا مسلم لیگ کے تعارف کے طور پر ایک پمفلٹ کی صورت میں شائع ہوئی۔ آپ لیگی اور کانگرسی دونوں حلقوں میں مقبول تھے مئی ۱۹۱۵ء میں جنگ عظیم چھڑ جانے کی وجہ سے آپ کو نظر بند کر دیا گیا۔ ؎۲ ۱۹۱۷ء میں جب آپ قید فرنگ میں تھے آپ کو آل انڈیا مسلم لیگ کا صدر منتخب کیا گیا۔ اور اس کے سالانہ اجلاس میں کرسئ صدارت پر آپ کی تصویر رکھ دی گئی جیل سے رہا ہونے کے بعد ۱۹۲۳ء میں آپ کو آئندہ سال کے لیے آل انڈیا کانگرس کا صدر منتخب کیا گیا۔ اس قومی اعزاز نے آپ کو ملک کا سب سے بڑا لیڈر بنا دیا مگر آپ کی نگاہ میں ان دنیوی اعزازات کی کوئی اہمیت نہ تھی کیوں کہ آپ کی محبت، آپ کی عداوت، آپ کا جینا سب کچھ اللہ کے لیے تھا۔ اپنے ذاتی مفاد یا وجاہت و وقار کے لیے نہ تھا۔ اس لیے اس قومی اعزاز پر آپ نے فرمایا کہ۔

"میں اس عزت افزائی کے لیے ملت کا شکر گزار ہوں مگر میری نظر میں اس کی اتنی زیادہ وقعت نہیں خود فرماتے ہیں۔ ؎

؎۱ روزنامہ امروز لاہور ۳ جنوری ۱۹۷۵ء مجلس منتظمہ تاریخ پاکستان مطبوعہ لاہور ۱۹۶۳ء ص ۳۴۵
ہمارے محمد علی جوہر از کلیم نشتر مطبوعہ لاہور ص ۱۰۔

؎۲ روح روشن مستقبل از سید طفیل احمد منگلوری مطبوعہ بدایوں ۱۹۴۶ء ص ۷۰۔

یہ صدر نشینی ہو مبارک تمہیں جوہر
لیکن صلۂ روز جزا اور ہی کچھ ہے ۔ ؎۱

۱۴ جنوری ۱۹۱۱ء کو کلکتہ سے "کامریڈ" اخبار جاری کیا۔ ۱۹۱۳ء میں اس کے ساتھ "ہمدرد" کے نام سے ایک اردو روزنامہ بھی کیا۔ یہ دور عالمی سیاسی بحران کا زمانہ تھا۔ برصغیر کے اندر اور باہر مسلمانوں پر خاص ابتلاء کا دور تھا۔ عالم اسلام میں انگریزوں کے استعماری عزائم تباہی مچا رہے تھے۔ ترکی کے حصے بخرے کرنے کے لیے اٹلی اور یونان کو ابھار رہا تھا۔ ملک کے اندر تقسیم بنگال کی تنسیخ کی تحریک، مسلمانوں کے خلاف ہندوؤں کا عناد، انگریز حکومت کا کانپور کی مسجد کے ایک حصے کو شہید کرنا، علیگڑھ یونیورسٹی کے قیام کا مسئلہ، غرضیکہ اتنے مسائل تھے کہ برصغیر کی سیاست ایک اہم موڑ مڑتی نظر آرہی تھی۔ اس اہم دور میں، کامریڈ اور ہمدرد کے مضامین، تنقیدی نوٹ اور حقائق کے انکشافات نے برصغیر کے لوگوں کو بیدار کرنے میں بہت اہم کردار ادا کیا۔ کامریڈ کی زبان اتنی پیاری تھی کہ انگریز اس کو پڑھ کر چٹخارہ لیتے تھے۔

آپ صحافت کے ساتھ ساتھ قومی مسائل میں بھی قوم کی قیادت کرتے تھے۔ تقسیم بنگال کی تنسیخ پر ان کا ردِ عمل بہت شدید تھا۔ ۱۹۱۲ء کے اجلاس مسلم لیگ میں اس کا انہوں نے بھرپور اظہار کیا۔ مسجد کانپور کے مسئلہ پر ایک وفد لیکر انگلستان گئے اور مذہبی امور میں حکومت کی مداخلت کے خلاف شدید احتجاج کیا۔ وہیں محمد علی جناح کو مسلم لیگ کا کارکن بنایا۔ واپس لوٹے تو جنگ چھڑ گئی۔ انگریزوں نے ترکی کے حامی مسلمانوں کو لیڈرشپ سے محروم کرنے کے لیے علی برادران کو جیل بھیج دیا۔ اور پورے پانچ سال جیل میں رہے۔ ؎۲ دسمبر ۱۹۱۹ء میں رہائی کے

؎۱ تاریخ پاکستان ص ۳۲۵۔ روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲۰ جنوری ۱۹۷۵ء۔ مسلمانوں کا ایثار اور آزادی کی جنگ مطبوعہ لکھنؤ ۱۹۳۸ء ص ۹۰ — ۲۰۲۔

؎۲ ایضاً تاریخ پاکستان ص ۳۴۲ تا ۳۴۶۔

بعد کانگرس اور مسلم لیگ کے اجلاسوں میں شرکت کے لیے سیدھے امرتسر پہنچے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب جلیانوالہ باغ کا روح فرسا اور المناک واقعہ رونما ہو چکا تھا اور ہند کی فضا آزادی کے نعروں سے معمور تھی۔ امرتسر کے ریلوے سٹیشن پر آزادی کے ہزاروں پرستاروں نے ان کا فقید المثال استقبال کیا۔ کانگرس کے اجلاس میں پنڈت موتی لعل نہرو نے علی برادران کو خراج تحسین پیش کیا۔ وہاں سے مسلم لیگ کے اجلاس میں تشریف لے گئے جہاں حکیم الامت اور نواب محمد وٹ نے انہیں خوش آمدید کہا۔ اس اجتماع میں حکیم الامت نے یوں منظوم خراج عقیدت پیش کیا۔ لے

ہے اسیری اعتبار افزا جو ہو فطرت بلند — قطرۂ نیساں ہے زندانِ صدف سے ارجمند
مشک اذفر چیز کیا ہے اک لہو کی بوند ہے — مشک بن جاتی ہے ہو کر نافۂ آہو میں بند
ہر کسی کی تربیت کرتی نہیں قدرت مگر — کم ہیں وہ طائر کہ ہیں دام و قفس سے بہرہ مند
"شہپر زاغ و زغن در بند قید و صید نیست — ایں سعادت قسمت شہباز و شاہیں کردہ اند"

تحریکِ خلافت کا دور آیا تو علی برادران رہا ہو چکے تھے۔ اب خلافت کو آپ جیسے مدبر قائد کی حمایت حاصل ہو گئی۔ آپ خلافت کا وفد لیکر انگلستان گئے مگر ناکامی ہوئی۔ قوم کو تحریک کیلئے تیار کیا گیا اور کئی سال تک تحریک نے برصغیر کے نظم و ضبط کو درہم برہم کئے رکھا اور انگریزوں کے اقتدار کی جڑیں کھوکھلی کر دیں۔ ۱۱ر جولائی ۱۹۲۱ء کو آپ نے کراچی خلافت کانفرنس کی صدارت کی۔ آپ کے خطبۂ صدارت کو باغیانہ قرار دیکر آپ کو گرفتار کر لیا گیا اور آپ پر یہ جرم عاید کیا گیا کہ آپ نے مسلم سپاہیوں میں سرکار انگریزی کے خلاف بد دلی اور ناراضگی پھیلائی ہے۔ اس ریزولیشن کی تائید میں تقریر کرنے والے پیر غلام مجدد سرہندی، مولانا شوکت علی، مولانا حسین احمد دیوبندی ڈاکٹر سیف الدین کچلو اور مولانا نثار احمد کانپوری بھی گرفتار کر لیے گئے۔ خالق دینا ہال کراچی میں کیس چلا۔

لے روزنامہ نوائے وقت لاہور ۴ر جنوری ۱۹۷۵ء ۔ روزنامہ مشرق لاہور، ۱۴ر ستمبر ۱۹۷۱ء ۔
سوانح مولانا محمد داؤد غزنوی (سید داؤدی) مطبوعہ لاہور ۱۹۷۴ء ص ۹۵ ۔

۲۶ نومبر ۱۹۲۱ء کو آپ نے ایک طویل بیان دیا اور عدالت کو للکارتے ہوئے کہا،

"ایک ہندوستانی، ایک انسان اور ایک مسلمان کی حیثیت میں برطانوی حکومت کا ساتھ دینا اور اس کی غلامی پر رضامند ہونا ضمیر کی موت اور ایمان کی جان کنی ہے"

اس میں آپ کو دو سال قید ہوئی۔ دوران جیل اپنی صاحبزادی آمنہ کی علالت کی اطلاع ملی تو آپ نے اُسے خط لکھا اس سے آپ کی ایمانی کیفیت کا اندازہ کرنا کچھ دشوار نہیں۔ [1]

تیری صحت ہمیں مطلوب ہے لیکن اس کو
نہیں منظور تو پھر ہم کو بھی منظور نہیں

آپ کو انگریزوں سے حد درجہ نفرت تھی۔ آپ نے ارادہ کیا ہوا تھا کہ انگریزوں کو ملک سے نکال کر دم لیں گے۔ ایک دفعہ بمبئی کے محلہ مدن پورہ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔

"گلیڈسٹون ترکوں کو یورپ سے بوریہ بستر سمیت نکال د[illegible] لیکن ہم انہیں نکالتے وقت ان سے بوریہ بستر یاں رکھوا لیں گے [illegible] مال ہے"

اسی طرح ایک دفعہ پھر فرمایا۔

"ہم بھی کوئی مسلمان ہیں جو حکومت سے ڈر رہے ہیں [illegible] سے ڈر رہے ہیں اس سے ڈر رہے ہیں۔ مسلمان کے لیے مخلوق بھی کوئی چیز ڈرنے اور خوف کھانے کی ہے۔ مسلمان کو تو صرف ایک اور اکیلے خالق ذوالجلال سے ڈرنا چاہیے۔ اگر اس کی مخلوق سے اور مخلوق بھی کون؟ اس کی باغی، اس کی نافرمان، اس کی اطاعت سے خارج"

[1] تاریخ پاکستان ص ۲۴۶، روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲۰ جنوری ۱۹۰۵ء ہفت روزہ پاک جمہوریت لاہور ۲۶ دسمبر ۱۹۰۵ء ص ۸۔ روزنامہ نوائے وقت لاہور ۴ جنوری ۱۹۰۶ء روزنامہ جنگ کراچی ۵ جنوری ۱۹۰۶ء ہفت روزہ چٹان لاہور ۱۲ جنوری ۱۹۰۶ء ص ۔ ۔ ۔

پہلی نظربندی کے اختتام پر رہا کرتے وقت انگریز گورنمنٹ نے آپ کو اس امر کے ایک عہدنامہ پر دستخط کرنے کو کہا کہ آپ آئندہ غیر آئینی اور منتشرانہ طریقوں سے اجتناب کریں گے تو آپ نے اس عہدنامہ میں ان الفاظ کا بھی اضافہ کر دیا۔ سب سے پہلے مجھ پر اللہ کی اطاعت فرض ہے اور بادشاہِ وقت سے میری وفاداری اس شرط سے مشروط ہے کہ اگر دنیاوی قوانین خدائی احکام سے ٹکرائیں گے تو اس صورت میں، میں صرف احکام الٰہی کی اطاعت کروں گا۔

حکومت نے یہ عہدنامہ نہ صرف مسترد کر دیا بلکہ دونوں بھائیوں کو حکومت کے احکام پر خدا کے احکام کو ترجیح دینے کی پاداش میں دو سال کے لیے پھر جیل بھیجدیا۔ [1]

آپ نے حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ اقدس پر بیعت کی تھی اور دل وجان سے اُن کے شیدائی تھے۔ [2] عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا اوڑھنا بچھونا تھا۔ اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ہر وقت کوشاں رہتے تھے۔ آپ نے خلافت کمیٹی کی ممبری کی شرط ہی نماز باجماعت تجویز کی تھی کہ آئندہ اس کے وہی مسلمان ممبر بن سکیں گے جو نماز باجماعت کے پابند ہوں گے۔ ہر وقت درود آپ کی زبان پر جاری رہتا۔ ذیل کے اشعار سے آپ کے ذوق درود کا اندازہ کیا جا سکتا ہے واضح رہے کہ یہ اشعار آپ نے جیل میں کہے۔ خیال رہے کہ یہ اشعار آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے متعلق ہے۔

تنہائی کے سب دن ہیں، تنہائی کی سب راتیں　　اب ہونے لگیں ان سے خلوت میں ملاقاتیں
بے مایہ سہی نامہ دہ بلا بھیجیں　　بھیجی ہیں ہم نے بھی درودوں کی سوغاتیں

---

[1] روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲۰ جنوری ۱۹۷۵ء مسلمانوں کا ایثار اور آزادی کی جنگ مطبوعہ لکھنؤ ۱۹۳۸ء ص ۹۲۔

[2] کاروانِ گم گشتہ از رئیس احمد جعفری مطبوعہ کراچی ۱۹۶۱ء ص ۱۶۔ روزنامہ نوائے وقت لاہور ۴ جنوری ۱۹۶۶ء مسلمانوں کا ایثار اور آزادی کی جنگ مطبوعہ لکھنؤ ۱۹۳۸ء ص ۱۳۴، ۱۳۸، ۱۳۹۔ کاروانِ احرار حصہ اوّل مطبوعہ لاہور ۱۹۷۵ء ص ۱۰۲۔ ہمارے محمد علی جوہر مطبوعہ لاہور ص ۳۸۔

بقول مفتی عبدالرحمٰن خان۔

"آپ کا زیادہ تر کلام دورِ زنداں کی یادگار ہے۔ جہاں رات کے طویل حصے درود شریف کے ورد میں گزر جاتے تھے اور آسی غازی پوری کا یہ شعر اکثر وردِ زبان رہتا ؎

وہاں پہنچ کے یہ کہیو صبا، سلام کے بعد
تمہارے نام کی رٹ ہے خدا کے نام کے بعد" [1]

آپ کی ساری زندگی عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا پرتو تھی۔ جوں ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نامِ گرامی اسمِ گرامی آتا۔ آپ کی آنکھیں اشکبار ہو جاتیں جب لاہور کے ایک متعصب اور دشمنِ اسلام راج پال نے رسوائے زمانہ کتاب شائع کی جس میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ پر نہایت رکیک و بیہودہ حملے کیے گئے تھے ادھر ہائیکورٹ نے بھی جانبداری کرتے ہوئے مجرم کو صاف بری کر دیا تو آپ نے ایک ایسا قانون پاس کرانے کی تحریک شروع کر دی جس کی رُو سے کسی ایسے شخص کو جو انبیائے کرام اور بادیانِ مذہبی رہنماؤں کی توہین کا مرتکب ہو سزا دی جا سکے۔ چنانچہ آپ کی کوشش کامیاب ہوئی اور آپ کا تیار کردہ مسودہ حاجی سر عبداللہ ہارون نے مرکزی اسمبلی میں پیش کیا۔ جو غیر معمولی اکثریت سے منظور ہو گیا۔ [2]

سارداا ایکٹ کا دور آیا۔ جس کی رو سے کم سنی کی شادی ممنوع قرار دے دی گئی۔ تو آپ نے مسلمانوں کے لیے بعض استثنائی صورتوں میں اس کے قانونی جواز کا مطالبہ کیا حکومت نے کوئی توجہ نہیں دی یہاں تک کہ بل ایکٹ بن گیا۔ آپ ایک وفد لے کر وائسرائے ہند، لارڈ اردن کے پاس پہنچے اور اپنا مطالبہ دہرایا۔

وائسرائے نے جواب دیا:۔

---

[1] روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲۰ جنوری ۱۹۶۵ء

[2] کاروانِ گم گشتہ از رئیس احمد جعفری مطبوعہ کراچی ۱۹۶۱ء ص ۲۱-۲۰۔

"ہندوستان میں ہر مذہب کو آزادی حاصل ہے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ مفاد عمومی سے نہ ٹکرائے۔ اس صورت میں حکومت کے قانون کو بالادستی حاصل ہو گی اور اس کا نفاذ بہر حال کیا جائے گا"

آپ نے جواب دیا:۔

"میں قانون پر مذہب کی بالادستی کا قائل ہوں، لہٰذا سے بنفسہٖ اسی صورت میں مسلمانوں پر نافذ نہیں ہونے دوں گا"

وائسرائے نے تھوڑے تامل کے بعد کہا:۔

"مجھے یقین ہے اس سے آپ کی مراد قانون شکنی نہیں ہے"

آپ نے جواب دیا:۔

"میں اس یقین میں آپ کے ساتھ شریک نہیں ہوں، کیونکہ میری مراد قانون شکنی ہی ہے"

اور پھر اس کے بعد اخبار میں اعلان کر کے آپ نے قانون شکنی کی مگر حکومت آپ پر ہاتھ ڈالنے کی جرأت نہ کر سکی۔ [ط۱]

۱۹۲۲ء میں آپ نے کانگرس کے اجلاس کوکناڈا کی صدارت کی اور اتحاد کا اصول یہ بتایا کہ۔

"سوراج کا مطلب ہے، سب کا راج، لیکن اب کانگرس وہ پہلی کانگرس نہیں تھی، جو "سب" میں مسلمانوں کو اپنے پورے حقوق دینے پر آمادہ ہو۔ اب کانگرس ہندو مہاسبھا کے زیر اثر آگئی تھی۔ شدھی اور سنگھٹن کی

ط۱ کاروان گم گشتہ ص ۱۹۔ ط۲ روح روشن مستقبل از سید طفیل احمد منگلوری مطبوعہ بدایوں ۱۹۴۶ء ص ۹۲
مسلمانوں کا روشن مستقبل از سید طفیل احمد منگلوری مطبوعہ بدایوں ۱۹۴۰ء ص ۴۰۹۔

تحریکیں چل پڑی تھیں۔ آپ اتحاد چاہتے تھے لیکن مسلمانوں سے فسادات کو قربان
کر کے نہیں آپ مسلم لیگ میں بھی شامل تھے اور کانگرس میں بھی اور جمعیت علماء
ہند میں بھی، خلافت کمیٹی اُن کا اصل پلیٹ فارم تھا جب ضرورت ہوئی
آل انڈیا مسلم کانفرنس کے زیر اہتمام تمام مسلمانوں کو جمع کر لیتے۔ آپ اب
"درجہ نو آبادیات (DOMINION STATES) نہیں کامل آزادی طلب کر
کر رہے تھے۔ اس مقصد کے لیے ہندوؤں سے اتحاد چاہتے تھے

آپ نے کانگرس کو اپنے ساتھ رکھنے کی کوشش کی۔ جناح کے ساتھ مل کر سائمن کمشن
کا بائیکاٹ کیا بلکہ اس کے لیے بھرپور مہم چلائی۔ آل پارٹیز کانفرنس میں شریک ہوئے نہرو
کمیٹی کی رپورٹ آئی تو آپ لندن میں زیر علاج تھے۔ فوراً واپس لوٹے۔ اس نازک دور میں
علاج کو بھی چنداں اہمیت نہ دی۔ دسمبر کی آل پارٹیز کانفرنس میں جناح کے ساتھ مل کر
شرکت کی۔ تجاویز دہلی اور جناح کی ترامیم کی حمایت کی لیکن جب کانگرسی اور مہاسبھائی
ایک بھی ماننے کو تیار نہ ہوئے تو اجلاس سے واک آؤٹ کیا اور کانگرس کو ہمیشہ کے لیے خیرباد کہہ دیا۔
ذاتی اختلافات اور مختلف مزاج رکھنے کے باوجود سر محمد شفیع مرحوم سے مل کر آل پارٹیز
مسلم کانفرنس طلب کی۔ سر آغا خاں کو اس کی صدارت کے لیے فرانس سے بلایا اور
جداگانہ انتخاب کے اصول کو پوری قوت سے دوبارہ پیش کیا۔ آپ نے "ہندوستانی قومیت"
کے تصور کو مسترد کر دیا۔ اور گاندھی جی کی ستیہ گری کی کھل کر مذمت کی۔ [1]

گول میز کانفرنس میں آپ کو شرکت کی دعوت دی گئی تو خلافت کمیٹی کے کانگرسی
ممبروں نے آپ کے خلاف سیاہ جھنڈیوں سے مظاہرہ کرنے کی کوشش کی لیکن مولانا شوکت علی
ان کو بھگا دینے میں کامیاب ہو گئے۔ کانفرنس میں پہنچ کر آپ نے اعلان کیا کہ۔

---

[1] تاریخ پاکستان ص ۳۴۴ — روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲۶ مارچ ۱۹۶۳ء۔

"میں ایک لمحے کے لیے بھی تصور نہیں کر سکتا کہ میں پہلے ہندوستانی ہوں اور پھر مسلمان۔۔ میں یقیناً پہلے مسلمان ہوں اور کچھ بعد میں۔"

دوسری گول میز کانفرنس میں مہاتما گاندھی بھی شریک تھے۔ جو وائسرائے اروِن کے ساتھ معاہدہ کر گئے تھے کہ ان کے سوراج کا مطلب مکمل آزادی نہیں بلکہ درجۂ نوآبادیات ہی ہوگا۔ تاہم آپ نے وہاں اعلان کیا کہ

"میں درجۂ نوآبادیات کا قائل نہیں ہوں، میں تو آزادی کامل کو اپنا مسلک قرار دے چکا ہوں۔

میں اس وقت تک اپنے غلام ملک میں واپس نہیں جاؤں گا۔ جب تک آزادی کا پروانہ میرے ہاتھ میں نہ دیا جائے گا۔ اگر تم نے ہمیں ہندوستان میں آزادی نہ دی تو تمہیں یہاں مجھے قبر کی جگہ دینی پڑے گی۔ اس تقریر کے بعد آپ کی حالت سنبھل نہ سکی اور بے ہوش ہو گئے اور اسی قومی و ملی درد کی کسک میں ۴ جنوری ۱۹۳۱ء کو دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔

(انا للہ وانا الیہ راجعون۔ [۱]

مولانا شوکت علی اور دوسرے مسلمان قائدین نے آپ کو غسل دیا۔ شام کو لیڈ یگٹن ھال لندن میں نماز جنازہ ادا کی گئی جس میں گول میز کانفرنس کے تمام اراکین، وزیر ہند اور دیگر معززین نے شرکت کی۔ بعد ازاں آپ کا جسد خاکی بیت المقدس لے جایا گیا جہاں مسجد اقصیٰ اور مسجد عمر کے قریب دفن کر دیا گیا۔ اور یوں آپ کا یہ شعر حرف بحرف صحیح ثابت ہوا۔ سے

---

[۱] تاریخ پاکستان ص ۴۸۳۔ روزنامہ امروز لاہور ۳ جنوری ۱۹۷۵ء روزنامہ مشرق لاہور ۳ جنوری ۱۹۷۵ء مسلمانوں کا ایثار اور آزادی کی جنگ ص ۲۱۶ کاروانِ احرار جلد اول مطبوعہ لاہور ۱۹۷۵ء ص ۹۸/۱۰۱ ہمارے محمد علی جوہر مطبوعہ لاہور ص ۵۳، ۵۴ حصول پاکستان از پروفیسر احمد سعید مطبوعہ لاہور ۳۲۲۔

مارا دیارِ غیر میں مجھ کو وطن سے دور
رکھ لی مرے خدا نے مری بے بسی کی شرم
ہے رشکِ خلق کو جوہر کی موت پر
یہ اس کی دین ہے جسے پروردگار دے

شفاء الملک حکیم محمد حسن قرشی مرحوم راوی ہیں کہ۔

"جب آپ کی وفات ہوئی تو فلسطین کے عرب رہنماؤں نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ محمد علی جوہر کو بیت المقدس میں دفن کیا جائے چنانچہ مولانا کی نعش بذریعہ جہاز پورٹ سعید پہنچی تو حکومت مصر کی جانب سے وزیر اعظم اور علماء نے استقبال کیا جب یہ جنازہ بیت المقدس پہنچا تو ہزاروں لوگ جمع تھے جلوس کی رہنمائی مفتی اعظم فلسطین مرحوم سید امین الحسینی کر رہے تھے قاہرہ، عمان اور تیونس کے عرب شعراء نے روح پرور مرثیوں سے فضا کو مسحور کیا۔ مصر کے شاعر مشرقی پاشا نے ایک بلند پایہ مرثیہ میں مولانا محمد علی جوہر کو خراجِ عقیدت پیش کیا۔"

یہ مرثیہ مولانا مرحوم کی تاریخی خدمات کا اجمالی تذکرہ ہے۔ مرثیہ ملاحظہ فرمائیں۔

"آج میں اس کی ملاقات سے سرفراز ہوا۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے اپنی براق کے بیٹھنے کی جگہ کھول دی اور اس کے آنے کا مقام وہ ہے جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات کو گئے تھے۔ مشرق کے حقوق کے لیے لڑنا اس کا کام تھا، مشرق کے لئے اس کی جو تڑپ تھی یا ہندوستان کے واقعات کے لیے اس کی بے خوابی، اُسے ہندوستان بھلا نہیں سکتا۔ اپنی مصیبتوں میں اس کی آواز کو یاد کرے گا اور مرحوم کی رہنمائی، سچی تڑپ کو فراموش نہیں کریں گے اس نے زندگی میں وہاں کے باشندوں کی مدد و اعانت کی وہ وہاں کے لئے

اجنبی کیسے ہو سکتا ہے۔" [1]

وفات سے قبل آپ نے اپنے وصیت نامے میں لکھوایا۔

"میں شاید ہر ہندوستانی سے زیادہ اس کا خواہشمند ہوں کہ غیر ملکی اقتدار ختم ہو جائے، جو ایک دکانداروں کی قوم نے ہماری قسمتوں پر حاصل کر لیا ہے لیکن جیسا کہ میں نے گول میز کانفرنس کے دعوت نامے کے جواب میں ہز ایکسیلینسی وائسرائے کو لکھا تھا کہ میں ہرگز نہیں چاہتا کہ غیر ملکی دکانداروں کے بجائے خود اپنے ملک میں دکانداروں کے ایک ملکی فرقہ کو اپنی قسمتوں پر حاوی کر دیا جائے۔" [2]

خان بہادر الحاج سید مسعود حسن مسعود تخیلم پوری پی سی ایس (ریٹائرڈ) نے آپ کی وفات پر مندرجہ ذیل قطعہ تاریخ کہا۔

جوہر تخلص اور محمد علی تھا نام
بعد وفات پائی جگہ جنت النعیم
تھی ذات اُن کی فخر علیگڑھ کے واسطے
اور شہر رام پور کے باشندہ قدیم
لندن میں موت بیت مقدس ہے جائے دفن
مسعود ہے وفات کا سن، "فاضل عظیم" [3]
۱۹۳۱ء

حکیم الامت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو یوں خراج عقیدت پیش کیا۔

خاک قدس اورا بہ آغوش تمنا در گرفت
سوئے گردوں رفت زاں راہے کہ پیغمبر گزشت [4]

یورپ کے عظیم فلاسفر برنارڈ شاہ نے ان الفاظ میں اپنی عقیدت کے پھول نچھاور کئے۔

"وہ نپولین کا دل۔ برک کی زبان اور میکالے کا قلم رکھتے تھے۔" [5]

---

[1] روزنامہ "جمہور" دہلی ۶ جنوری ۱۹۳۱ء / جنگ آزادی کے مسلم مجاہد حصہ سوم از عزیز الرحمن جامعی لدھیانوی مطبوعہ دہلی ۱۹۶۵ء ص ۹۹، ۱۰۰
[2] علی برادران ص ۴۰۲ بحوالہ تاریخ پاکستان ص ۲۸۴ [3] عندلیب تواریخ از سید مسعود حسن مسعود مطبوعہ الٰہ آباد ۱۹۶۳ء ص ۵۲۔
[4] روزنامہ نوائے وقت لاہور ۴ جنوری ۱۹۷۶ء

سید مظہر گیلانی

سید رہبر حسین مظہر گیلانی ۱۹۱۸ء میں پشاور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اسلامیہ ہائی سکول پشاور میں حاصل کی اور منشی فاضل اور ادیب فاضل کی تیاری کے لیے مولانا ابوالکلام عبدالسلام سلیم کے حلقۂ تدریس میں زانوئے تلمذ تہ کیا۔ میٹرک کے بعد سینیئر کیمبرج کرنے کے لیے بینٹ کالج شملہ چلے گئے جس کی وجہ سے منشی فاضل کا کورس مکمل نہ کر سکے۔ شومئی قسمت کہ والدہ ماجدہ کی رحلت کے سبب شملہ میں بھی تعلیم کا سلسلہ جاری نہ رہ سکا۔[1]

آپ کو شعر گوئی، افسانہ نویسی اور اردو ڈرامہ نگاری کا بچپن ہی سے شوق تھا۔ دوسری جماعت میں جب آپ نے اپنی پہلی غزل لکھی تو ہر طرف سے حوصلہ افزائی ہوئی۔ چوتھی جماعت میں دو تین ڈرامے اور افسانے لکھے، جو اخبارات میں بھی شائع ہوئے۔ یہی شاندار آغاز تھا جس نے بعد میں انہیں ادبی دنیا کے ساتھ ہمیشہ کے لیے وابستہ کر دیا!

آپ نے اپنی زندگی میں بے شمار افسانے اور ڈرامے لکھے۔ ریڈیو پشاور سے آپ کے ڈرامے کئی بار نشر ہوئے۔ اسی طرح فیچر بھی لکھے۔ اردو غزل میں اپنے انداز میں منفرد مقام کے مالک تھے۔ پروفیسر محسن احسان کے الفاظ میں "صوبہ سرحد میں مظہر اردو غزل کا قطعی طور پر منفرد نمائندہ تھا۔ اس کی غزل کا اندازِ فکر اور اسلوب بیان جدا تھا۔ اس میں بے انداز والہانہ پن اور سرمستی تھی۔ اُس نے کبھی بھی ندرت و جدت کی خاطر شعریت کا خون نہیں کیا اور نہ ہی تغزل کی چاشنی کو یکسر منقطع کیا ہے۔ بیسویں صدی کی چوتھی تہائی میں جب اس خطے کے اکثر شعراء

---

[1] روزنامہ مشرق پشاور ۳۰ جنوری ۱۹۸۶ء۔

روائتی انداز کی غزلیں لکھ کر مشاعروں میں داد سخن وصول کر رہے تھے مظہر گیلانی نے اس روایت کے ساتھ رشتہ جوڑتے ہوئے ایسے نازک و دلگداز اشعار کہے جن میں مظہر کے لہجے کی کھنک نمایاں تھی اس کا سارا سوز و گداز اور خیال و جذبے کی ساری گھلاوٹ اس کے لہجے کی صورت میں آشکار ہوتی ہے مظہر گیلانی کا شعری آہنگ الفاظ کی در و بست سے زیادہ احساسات کی غنائیت سے اُبھرا ہے۔ غم زیست و غم محبوب دونوں نے مل کر مظہر کی غزل کی تعمیر کی ہے اس میں قدم قدم پر جذبے کی چاشنی ملتی ہے اور کہیں کہیں تفکر کی گہرائی۔ ؎

تجھ کو چاہا تیری دہلیز پہ سجدہ نہ کیا
وہ میرا عشق تھا یہ میری خودداری ہے

فرق جب رند و بوالہوس میں نہیں
دور سے ایسے میکدے کو سلام [1]

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے کلام میں سے نمونے کے طور پر کچھ چیزیں قارئین کی خدمت میں پیش کریں۔ ملاحظہ ہو۔ ؎

؎ ——— جو چیز ہو سیاہ اُسے چومتا ہوں میں
دل میں خیال گیسوئے جاناں کئے ہوئے

؎ ——— تیرے روگ نے تو دشمن کی خوشامدیں سکھا دیں
تیری بات پوچھتا ہوں شب ماہ آسماں سے

؎ ——— تیرے ہی احترام میں ابر حسین اُٹھا
جانِ شراب جھوم ذرا سا تجلیں اُٹھا
بیتاب ہو رہی ہے سرشت سبو کشی
یا جام یا نگاہ شراب آخریں اُٹھا

---

[1] روزنامہ مشرق پشاور ۳۰ رجنوری ۱۹۶۲ء۔

حیرت ہے میکدے میں بھی وہ کھل نہیں سکے
پینے کے باوجود تکلف نہیں اُٹھا
رندوں کو میکدے سے نہ دے زحمتِ خرام
دنیا یہیں بنی ہے قیامت یہیں اُٹھا
دلیل شیخ سے مظہرؔ کچھ اختلاف نہیں
بس ایک ضد سی ہے اس خانماں خراب کے ساتھ

سید مظہر گیلانی خاندانی اعتبار سے سجادہ نشین اور روحانی پیشوا تھے لیکن انہوں نے زندگی کی الگ روش اختیار کر رکھی تھی۔ وہ مجاہدۂ نفس کی بجائے جہاد بالسیف کے مقلدین میں شامل ہو گئے تھے۔ وہ گوشہ نشین ہو کر ضرباتِ قلب کی بجائے وسعت زمانہ میں پھیل جانے کے قائل تھے لیکن اس کے باوجود اُن کا تعلق رشد و ہدایت کے خانوادے سے تھا اور وہ اس شجر کے ساتھ پیوستہ رہنا چاہتے تھے اس کا ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے نہایت عقیدت و احترام سے قصیدہ غوثیہ کا منظوم ترجمہ کیا۔ یہ ترجمہ کیا ہے اپنی جگہ ادب کا شہ پارہ ہے۔ ارشاد ہوتا ہے ۔

(۱) پلائی عشق نے مجھ کو مئے ناب! کھلے مجھ پر وصال و کیف کے باب
پکارا میں نے نشوں کو ادھر آؤ
میرے آگے بجا لاؤ سب آداب

(۲) بڑھا میری طرف انبوہ مستی وہ مستی جس کو ہے دنیا ترستی
بہمراہ رفیقانِ خود آگاہ!
نئی ڈالی بنائے مے پرستی

(۳) حضور کبریا، یوں جبہ سا ہوں کہ ہر حالت میں، ظلِ کبریا ہوں
ہے خود معبود مجھ پہ سایہ فگن
اسی کا ہوں، اسی کا اقتضا ہوں

(۴) ابد کے راز اور مضمر نظارے   مجھے دکھلا دیئے اللہ نے سارے
نہ رد میری ہوئی کوئی تمنّا
مجھے حاصل ہیں مولا کے سہارے
(۵) میرے سینے میں جو کچھ بھی نہاں ہے   دہکتی آگ پر بار گراں ہے
جو سُن پائے میرے اسرار سارے
تو سمجھو برف ہے آتش کہاں ہے   [1]

شعر و شاعری کے ساتھ ساتھ آپ نے ملک کی سیاسی تحریکوں میں بھی زبردست حصہ لیا۔ آپ آزادی اور حرّیت کے دلوانے تھے ۱۹۳۰ء کا حادثہ قصہ خوانی مجاہدین آزادی کے لیے ایک کربلا سے کم نہیں تھا۔ خاک و خون کی ہولی کھیلی گئی۔ مجاہدین صف شکن آگے بڑھتے اور آہن و آتش کے شعلے برساتے پہاڑوں سے ٹکرا جاتے۔ ۲۳ اپریل ۱۹۳۰ء کو آپ نے اس جانکاہ حادثہ پر طویل نظم لکھی۔ دو بند ملاحظہ ہوں ؎

السلام اے مرنے والو ملک پر دلوانہ وار
قصہ خوانی بن گئی خوں سے تمہارے لالہ زار
السلام اے پیکران صبر و ایثار نظام
آج بھی تم محترم ہو آج بھی تم نیک نام
خون کی سرخی تمہاری آخرش نکھری تو ہے
زلفِ آزادی وطن کے دوش پر بکھری تو ہے
رنگ لایا ہے تمہارا خوں بعنوان حیات
ہیں منوّر حرّیت کی روشنی سے شش جہات

---

[1] روزنامہ نوائے وقت لاہور، ۱۷ اپریل ۱۹۷۵ء۔

نخلِ آزادی کو تم نے اپنے خوں سے سینچ کر
رفع آخر کر دیا سحرِ غلامی کا اثر!

اور پھر آزادی کے بعد عوام پر جو کچھ گزری، اس کی نوحہ خوانی کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

زندگی کو اب بھی لیکن زندگی حاصل نہیں
یعنی اس خورشید کو تابندگی حاصل نہیں [1]

۱۹۴۵ء میں مسلم لیگ سے وابستہ ہو گئے اور ضلعی مسلم لیگ پشاور کے جنرل سیکریٹری منتخب ہوئے۔ اور پھر تادم واپسیں مسلم لیگ سے منسلک رہے۔ جنرل سیکریٹری منتخب ہونے کے بعد آپ نے اس کو مستحکم بنیادوں پر منظم کیا۔ اور قائدِ اعظم کے دورۂ پشاور کا بہت اچھی طرح بندوبست کیا۔ آپ کے اس حسنِ انتظام سے پاکستان کے مخالفین کے گھروں میں صفِ ماتم بچھ گئی اور آپ کے درپے آزار ہو گئے [2]

ڈاکٹر خان صاحب کی وزارت نے صوبہ سرحد میں مسلم لیگیوں پر عرصۂ حیات تنگ کر ... اور طرح طرح کے مظالم ڈھانے شروع کر دیئے تو پیر صاحب مانکی شریف ... سید علی گیلانی ... دیگر لیڈروں نے جس پامردی سے ان ستم ہائے روزگار کا مقابلہ کیا وہ ... کا ... روشن باب ہے مظہر گیلانی نے ایک جلسۂ عام میں ایک طویل نظم بعنوان ... پاکستان ... جس کے نتیجے میں انہیں تین ماہ تک قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنی پڑیں۔ ... انداز میں للکارتے ہوئے کہا ہے

اٹھو کہ اب پیشِ نظر تعمیرِ پاکستان ہے — اٹھو کہ ... منتظر ... پاکستان ...
جھوم کر اک بار اٹھو پھر مستیٔ ایماں لیے — آسماں کو گھورتے ... ان ... دل ...

---

[1] روزنامہ ... وقت لاہور ۱۶ اپریل ۱۹۶۵ء
[2] روزنامہ ... پشاور ۳۰ جنوری ۱۹۶۶ء

ٹوٹ پڑ پھر کفر و باطل پر علم کھولے ہوئے
برچھیاں تانے ہوئے تیغ دو دم تولے ہوئے

مسلم جرّار یہ موقع ہے بسم اللہ اُٹھ
اس کو کہتے ہیں جہاد فی سبیل اللہ اُٹھ

خاک و خوں میں کفر کو پھر روندنے اک بار اُٹھ
برق کی صورت عدو پر کوندنے اک بار اُٹھ

اک زمانہ ہو گیا پیاسی تری شمشیر ہے
کفر کے خوں میں نہانا پھر تری تقدیر ہے [1]

۱۹۴۷ء میں سول نافرمانی کی تحریک میں آپ نے حضرت پیر صاحب مانکی شریف کے شانہ بشانہ جو کارہائے نمایاں انجام دیئے قلم ان کا احاطہ کرنے سے قاصر ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ اگر مسلم لیگ کو حضرت پیر صاحب مانکی شریف رحمۃ اللہ علیہ کی رہنمائی اور سید مظہر گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا تعاون حاصل نہ ہوتا تو شاید صوبہ سرحد میں کانگرسی اثر و نفوذ کو توڑنے میں ناکامی ہوتی۔ سرحد میں سول نافرمانی کی یہ تحریک دراصل ضلع ہزارہ کی ایک نو مسلم خاتون اسلام بی بی سے متعلق تھی جو بعد میں قیام پاکستان کی تحریک بن گئی۔ ہزارہ کی اس سکھ خاتون نے اسلام قبول کرنے کے بعد ایک مسلم نوجوان سے شادی کر لی تو ہندوؤں کے احتجاج پر صوبہ سرحد کی کانگرسی وزارت نے اس نو مسلم خاتون کو واپس سکھوں کے حوالے کر دیا جس پر مسلم لیگ کی طرف سے شدید ناراضی اور غم و غصے کا اظہار کرتے ہوئے کانگرسی حکومت کے اس طرز عمل کی مذمت کی گئی اور اس سلسلے میں ۲۱ فروری ۱۹۴۷ء کو پشاور سٹی مسلم لیگ کے زیر اہتمام چوک یادگار میں ایک بہت بڑا جلسہ عام منعقد ہوا جس کی صدارت خان فدا محمد خان صدر پشاور مسلم لیگ نے کی۔

اس جلسہ سے ارباب عبد الغفور خان نے خطاب کیا۔ ارباب صاحب کی آتش نوائی نے یہ عظیم اجتماع بھڑ سا گیا اور نعرے بلند کرتا ہوا۔ ایک بہت بڑے جلوس کی صورت میں اس وقت کے وزیر اعلیٰ ڈاکٹر خان صاحب کے بنگلے کی طرف روانہ ہو گیا۔ ارباب عبد الغفور خان اور فدا محمد خان

---

[1] روزنامہ نوائے وقت لاہور، ۱۷ اپریل ۱۹۷۵ء۔

ایڈووکیٹ اس جلوس کی قیادت کر رہے تھے۔ پشاور سنٹرل جیل اور سوئیکارنو چوک کے درمیان ریلوے پل کا آہنی پھاٹک بند کر دیا گیا۔ سید ایس بی شاہ ڈپٹی کمشنر تھے اور سرحد کے ایک سابق وزیر اعلیٰ سردار عبدالرشید خاں ایس ایس پی تھے۔ جن کی رہنمائی میں پولیس کی ایک بھاری جمعیت آنسو گیس اور لاٹھیوں سے مسلح جلوس کا راستہ روکنے کے لیے موجود تھی۔ جلوس جب وہاں پہنچا تو پولیس نے اس پر آنسو گیس کے گولے پھینکے لیکن پرجوش نوجوان اور دوسرے ہزاروں افراد پل کا آہنی پھاٹک پھلانگنے کی بجائے اس کے دونوں جانب نیچے ریلوے لائن کو عبور کر کے آگے نکل گئے اور تیز رفتاری کے ساتھ ڈاکٹر خان صاحب کے بنگلے پر جا پہنچے۔ جہاں ارباب عبدالغفور خاں اور ڈاکٹر خان صاحب مرحوم کے درمیان چند منٹ تک سوال و جواب ہوتے رہے۔ ارباب صاحب نے ڈاکٹر خان صاحب سے کہا کہ "مستعفی ہو جاؤ"، ڈاکٹر خان صاحب نے جواب دیا۔ "میں مستعفی نہیں ہوتا"۔ اس دوران پولیس کی بھاری جمعیت بنگلے کے چاروں جانب جمع ہو چکی تھی جلوس میں شامل لوگ اب جیل کی جانب روانہ ہو چکے تھے۔ جیل کے بیرونی دروازے کی صرف ایک کھڑکی کھلی تھی، جو اندر داخل ہونے والے ایک بڑے ہجوم کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی چنانچہ سینکڑوں کارکن اور دوسرے لوگ دیواریں پھاند کر جیل کے اندر داخل ہو گئے۔ اس واقعہ کے دوسرے روز صوبے کے تمام شہروں میں سول نافرمانی کی تحریک کا آغاز ہو گیا شہروں میں یہ جدوجہد دن بدن تیز ہوتی گئی، یہاں تک کہ دس مارچ کو سرحد اسمبلی (موجودہ ہائیکورٹ) کے قریب ایک جلوس پر جو اسمبلی کے باہر مظاہرہ کرنا چاہتا تھا۔ گولی چلادی گئی جس کے نتیجہ میں دو افراد ہلاک ہوئے اور قصہ خوانی بازار میں تمباکو کا ایک دوکاندار آغا محمد گولی لگنے سے اپنی ایک ٹانگ سے محروم ہو گیا۔ بنی کے ایک مرد مجاہد نواب خان نے ہلالی پرچم تھام رکھا تھا۔ اس نے جونہی اللہ اکبر کا نعرہ لگاتے ہوئے قدم آگے بڑھایا، گولی اس کے پیٹ میں لگی اور وہ شہید ہو گیا پرچم گرنے ہی والا تھا کہ ایک اٹھارہ سالہ نوجوان مشتاق احمد غوثیہ نے چھلانگ لگا کر اسے تھام لیا۔ اور گولیوں کی بوچھاڑ میں بھی اسے سرنگوں نہیں ہونے دیا۔

اس قسم کا ایک واقعہ پشاور سنٹرل جیل میں بھی رونما ہوا جب کہ بعض کارکنوں نے اپنی توہین

پر جیل کے حکام سے احتجاج کیا تو جیل خانہ جات کے انگریز انسپکٹر جنرل کرنل سمتھ کی رگِ تعصب بھڑک اٹھی جیل میں سیاسی قیدیوں پر پانی کی سپلائی بند کر دی گئی اور ہجوم پر آنسو گیس چھوڑی جانے لگی۔ سیاسی قیدیوں کا شور جب بڑھا تو پھر گولی بھی داغ دی گئی جس کے نتیجے میں پشاور کے دو نوجوان مبارک اور ظفر شہید ہو گئے اور کئی ایک شدید زخمی ہوئے۔ یہ واقعہ مئی ۱۹۴۷ء سے تعلق رکھتا ہے اس دوران پشاور اور دوسرے علاقوں میں سول نافرمانی کی تحریک برابر جاری رہی حتیٰ کہ ۳ جون ۱۹۴۷ء کو پاکستان کے قیام کا اعلان ہو گیا۔ ۱؎

پاکستان معرضِ وجود میں آیا تو سید مظہر گیلانی نے بھارتی علاقوں سے آنے والے مہاجرین کی آبادکاری کے لیے جس محنت، دیانتداری اور جانسپاری سے کام لیا۔ وہ کچھ انہیں کا حصہ تھا اُس وقت آپ سٹی مسلم لیگ پشاور کے جنرل سیکرٹری تھے اور وزیر اعلیٰ خان عبدالقیوم خان (سابق وفاقی وزیر داخلہ) کے معتمدین میں اُن کا شمار ہوتا تھا۔ اُن کی ایک معمولی پرچی پر بڑی سے بڑی جائیداد الاٹ ہو جاتی تھی۔ انتظامیہ اُن کے احکام کی پابند تھی، وہ چاہتے تو لاکھوں کی املاک پر قبضہ جما سکتے تھے لیکن وہ دل کے غنی اور ہاتھ کے سخی تھے اور طبیعت سیر تھی۔ شب و روز اس مہم میں رہے کہ مہاجرین کو جلد از جلد آباد کرنا چاہیئے۔ ۲؎

قیامِ پاکستان کے بعد صوبہ سرحد میں پہلے انتخابات کا وقت آیا، تو آپ نے انتخابات لڑنے کے لیے لاہور میں اپنی جدی پشتی جائیداد کا ایک بہت بڑا حصہ فروخت کر دیا مگر بدقسمتی سے مسلم لیگ نے انہیں ٹکٹ نہ دیا جس سے آپ بہت آزردہ خاطر ہوئے اور تمام عمر شکوہ سنج رہے جھکنا اور درخواستیں پیش کرنا آپ کے مشرب میں نہیں تھا کسی دروازے پر دستک دینے کے لیے تیار نہ تھے۔ اس لیے اُن پر اقتدار کا دروازہ نہ کھل سکا اس پہلے حملے کے باوجود مسلم لیگ

۱؎ روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲۳ مارچ ۱۹۷۵ء ۲۵ اگست ۱۹۷۵ء۔

۲؎ روزنامہ نوائے وقت لاہور ۱۷ اپریل ۱۹۷۵ء۔

سے وابستہ رہے، اُن پر بدستور یلغاریں ہوتی رہیں لیکن وہ مسکراتے اور انہیں نظر انداز کر دیتے۔ ؎۱

۱۹۵۳ء میں خان قیوم مرکز میں چلے گئے اور سردار عبدالرشید کو سرحد مسلم لیگ کا صدر بنا دیا گیا تو آپ نے سردار صاحب کی ڈٹ کر مخالفت کی۔ اگر چاہتے تو اُن کا ساتھ دے کر مالی منفعت حاصل کر سکتے تھے اور اس قسم کی پیشکش بھی کی گئی لیکن انہوں نے اصولوں کا سودا کرنے سے انکار کر دیا۔ آپ سردار رشید کی صدارت کو مسلم لیگ پر "شب خون" سمجھتے تھے۔ اور آپ کا ذہن یہ بات قبول کرنے پر آمادہ نہ ہو سکا کہ ایک پولیس افسر کسی سیاسی جماعت کا سربراہ بن سکتا ہے۔ آپ پاکستانی سیاسیات میں خود غرضی، بدنیتی، ضمیر فروشی، اور ایمان فروشی کے نتیجہ میں ہولناک تباہ کاریوں کو دیکھتے اور جھنجھلاتے تھے۔ وقت جوں جوں آگے بڑھ رہا تھا۔ ملک کی حالت زبوں تر ہوتی جا رہی تھی۔ اور صاحبانِ عقل و دانش ان حالات کے ہولناک نتائج پر نظر ڈال رہے تھے۔ چنانچہ آپ نے ۲۵ دسمبر ۱۹۵۵ء کو قائد اعظم کو پکارتے ہوئے کہا ؎

جو دیا تو نے کیا روشن خدا کے نام سے ۔۔۔ ابتدا جس کی ہوئی قرآن سے اسلام سے

عالم اسلام تھا مسرور جس اقدام سے ۔۔۔ آج خوف آتا ہے اس کے مضمحل انجام سے

اور وہ مضمحل انجام قوم نے ۱۹۷۱ء ہی میں دیکھ لیا تھا۔

۱۹۶۴ء کے الیکشن میں ایوب خاں کے مقابلے میں مادرِ ملت محترمہ فاطمہ جناح کا ساتھ دیا۔ اور انتخابی مہم میں اُن کے پولنگ ایجنٹ تھے۔ حکومت کی طرف سے لاکھوں روپوں کی نقد پیشکش ہوئی مگر پائے استحقار سے ٹھکرا دیا۔ اس کی پاداش میں انہیں جس قدر مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑا، وہ ایک علیحدہ باب کے متقاضی ہیں۔ ؎۲

گوناگوں مصروفیتوں کے باوجود آپ نے بہت سی کتابیں لکھیں جن میں سے اٹھارہ کے قریب زیورِ طبع سے آراستہ ہو گئی ہیں۔ ان کتابوں سے تعارف حاصل ہو سکا۔

؎۱ روزنامہ نوائے وقت لاہور، ۱۰ اپریل ۱۹۷۵ء

؎۲ روزنامہ نوائے وقت لاہور، ۱۱ 〃 〃

۱ - مردِ کامل :- اس کتاب میں آپ نے اقبال کی منظومات کو دلکش انداز میں نثر کے لباس میں پیش کیا ہے۔

۲ - ستانگین کا شان -

۳ - مدارج پاکستان -

۴ - نہرو کی ڈائری :- اس میں پنڈت جواہر لال نہرو کے دورہ سرحد کا ذکر تفصیل کے ساتھ کیا گیا ہے جو انھوں نے متحدہ ہندوستان کی عبوری حکومت کے دوران کیا چونکہ سرحد میں نہرو کا ہر جگہ پر کالی جھنڈیوں، گندے انڈوں، ٹماٹروں اور کوڑا کرکٹ سے بھرے ہوتے لفافوں سے استقبال کیا گیا تھا۔ آپ نے اس کی تفصیلات قلمبند کی ہیں۔ نہرو پسند طبقہ یہ برداشت نہ کر سکا اور اس کتاب کی کاپیاں ہر بک سٹال سے خرید کر جلانے لگا۔ تاہم اس کی چند کاپیاں بعض لوگوں کے پاس محفوظ رہ گئی ہیں۔

۵ - اردو ترجمہ قصیدہ غوثیہ (منظوم)

آپ کی وفات حسرت آیات ۳۰ جنوری ۱۹۷۳ء کو پشاور میں ہوئی اور وہیں دفن کئے گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ [۱]

آسماں تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

---

[۱] روزنامہ مشرق پشاور ۳۰ جنوری ۱۹۷۶ء۔

مولانا مصلح الدین

آپ کا اسم گرامی مصلح الدین، والد کا نام مولانا محمود، دادا کا نام مولانا حافظ ذاکر اللہ اور پردادا کا نام حضرت حافظ مولانا شاکر اللہ تھا۔ آپ تمام علوم اپنے والد گرامی سے پڑھ کر ہندوستان تشریف لے گئے۔ میرٹھ میں دار العلوم امداد الاسلام، ریاست ٹونک میں مدرسہ نواب صاحب اور مدرسہ عالیہ رام پور میں تکمیل کی اور سندات حاصل کیں۔ ۱۱ ہو میں ایک برس تک اجمیر میں پڑھا فراغت کے بعد اپنے والد مرحوم کی مسند علم پر درس دینا شروع کیا۔ اور مردان میں ارشاد العلوم کے نام سے ایک اعلیٰ درجہ کا مدرسہ قائم کیا۔ یہ مدرسہ سات برس تک کام کرتا رہا پھر آپ کے بعض ذاتی عقائد کی وجہ سے بند ہو گیا۔ مثلاً آپ کا عقیدہ ہے کہ مدرسہ پر زکوٰۃ نہیں لگتی مدرسہ کے لیے مانگنا صحیح نہیں یہی وجہ تھی کہ کئی وسائل کی وجہ سے دار العلوم بند ہو گیا۔

آپ ابتدا ہی سے کانگرس کے مخالف تھے جب مسلم لیگ نے مطالبہ پاکستان عوام کے سامنے رکھا تو آپ نے مسلم لیگ کی حمایت کرتے ہوتے تحریک پاکستان میں انتھک جدوجہد کی اور ہر امکانی کوشش کر کے مسلسل دس برس تک اس تحریک کو صوبہ سرحد میں پھیلایا چونکہ آپ کا تعلق مانکی شریف کے مشائخ کے ساتھ تھا اس لیے جب حضرت پیر حافظ محمد امین الحسنات سجادہ نشین مانکی شریف نے بھی مسلم لیگ کی حمایت کا اعلان کیا تو پھر مولانائے موصوف نے تمام امور کو چھوڑ کر صوبہ سرحد کے قریہ قریہ اور پہر پہر، شہر شہر میں پھر کر مسلم لیگ کو کامیاب و کامران کروایا۔

آپ نے پیر صاحب مانکی شریف کی قیادت میں تمام صوبہ سرحد کے علماء کا مردان میں اجتماع کروایا۔ اس اجتماع میں جمعیۃ العلماء اسلام کا قیام عمل میں لایا گیا۔ صوبہ سرحد کے ممتاز علماء دین

سید حبیب شاہ پچانہ ماڑی کی تحریک پر آپ کو اس جمعیۃ کا جنرل سیکرٹری (ناظم اعلیٰ) مقرر کیا گیا۔

آزاد قبائل میں کانگرس کے اثرات بہت غالب تھے۔ خان عبدالغفار خان المعروف باچا خان کی لیڈرشپ چھائی ہوئی تھی۔ مسلم لیگ نے ایک وفد تیار کیا جو کہ آزاد قبائل جا کر مسلم لیگ کے مطالبات سے ان لوگوں کو روشناس کرائے۔ اس وفد میں جناب مولانا عبداللہ شاہ المعروف مازارہ میاں صاحب اور آپ ہی رہ گئے تیسرے صاحب بیماری کی وجہ سے نہ جا سکے آپ کی مخلصانہ کوششوں سے اور پیر صاحب مانکی شریف کے اس خط کی بدولت جو آپ نے حاجی صاحب ترنگ زئی کی وساطت سے آزاد قبائل کو لکھا تھا خاطر خواہ نتیجہ پاکستان کے حق میں نکلا۔ مسلم لیگ نے جب سول نافرمانی کی تحریک شروع کی تو اس کی ابتداء مردان سے کی گئی اس جلسہ کی صدارت آپ ہی نے کی پھر مردان میں تحریک چلانے کا کام آپ کو ہی سونپا گیا۔ باحسن وجوہ آپ نے اس تحریک کو چلایا۔ آخر کار ریفرنڈم پر یہ تحریک ختم ہوئی۔ تمام کارکن جیلوں سے باہر آ گئے اور آپ ریفرنڈم لڑنے کے لئے پھر تمام صوبہ میں پھرے۔ سرخ پوش تحریک نے ریفرنڈم کا بائیکاٹ کر دیا۔ ریفرنڈم کا فیصلہ پاکستان کے حق میں ہوا جب پاکستان بن گیا تو خان عبدالقیوم خان صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ مقرر کئے گئے۔

آپ نے پیر صاحب کی معیت میں وہ وعدے جو مسلم لیگ کے لیڈروں نے آپ سے کئے تھے ان کو پورا کروانے کی جدوجہد شروع کر دی مگر آپ فرماتے ہیں کہ:۔

"ان حضرات نے جتنے وعدے کئے تھے ان سے پھر گئے اور ایک مطالبے کو بھی پورا کرنے پر تیار نہ ہوئے بلکہ صاحبان اقتدار شریعت اسلامیہ کے نفاذ کے مطالبہ کو سننا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔"

چنانچہ ان مشکلات پر قابو پانے کے لیے مسلم لیگی وزارت نے آپ کو گرفتار کر کے دس ماہ قید کر دیا۔ رہا ہونے کے بعد پھر آپ نے کوشش کی کہ صوبہ سرحد میں کسی ممکن طریقہ پر جو ملت اسلامیہ

میں افتراق ہے اس کو ختم کیا جائے اور مطالبہ کیا کہ:۔

"سرخ پوش تحریک کے کارکنوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔"

چنانچہ قائدِ اعظم نے اس تجویز کو مناسب طریقہ پر پسند فرمایا مگر صوبہ سرحد کے مسلم لیگی کارکنوں نے اپنے مستقبل کے خوف کی وجہ سے یہ تمام کوششیں بے کار کر دیں بلکہ آپ کو دوبارہ ۱۴ ماہ تک پابند سلاسل کر دیا۔ دونوں بار عدالت نے ان دونوں مقدمات میں علی الترتیب ۱۰ ماہ اور ۸ ماہ کے بعد رہا کر دیا۔

اب تک آپ تبلیغ اسلام، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں کوشاں ہیں۔ صاحب اخلاق حمیدہ و اوصاف شریفہ ہیں۔ صاحبِ وقار اور صاحب عزت ہیں عوام آپ کو انتہائی ادب و احترام سے دیکھتے ہیں۔ آپ کے فتویٰ پر عیدین ہوتی ہیں۔ روزے رکھے جاتے ہیں اس وقت آپ کی عمر ۵۵/۶۰ سال کے لگ بھگ ہو گی [1]

دسمبر ۱۹۷۷ء میں قائدِ اہل سنت مولانا شاہ احمد نورانی صدر جمعیت علماء پاکستان اور مجاہد ملت مولانا عبدالستار خان نیازی سیکرٹری جنرل جمعیت علماء پاکستان نے صوبہ سرحد کا اہم تنظیمی دورہ کیا تو آپ نے جمعیت علماء پاکستان میں شمولیت کرتے ہوئے نظامِ مصطفےٰ کے نفاذ کے لیے ہر قسم کی قربانی دینے کے عزم کا اعلان کیا۔ [2]

---

[1] آپ کے حالات تذکرہ علماء و مشائخ سرحد (جلد دوم) از محمد امیر شاہ قادری سے ماخوذ ہیں۔
[2] ہفت روزہ افق کراچی بابت ۳۱ دسمبر ۱۹۷۷ء ص ۲۔ ماہنامہ فیضان فیصل آباد، جنوری ۱۹۷۸ء ص ۱۴، ۱۶۔

پروفیسر چوہدری محمد صادق

آپ آبائی گاؤں کالا فادر تحصیل نارووال ضلع سیالکوٹ میں ۱۹۱۴ء میں پیدا ہوئے ۱۹۳۵ء میں گورنمنٹ کالج لاہور سے ایم اے تاریخ اور ۱۹۳۹ء میں مسلم یونیورسٹی علیگڑھ سے ایم اے جغرافیہ کیا۔ سیاسی شعور علیگڑھ کی دین ہے وہیں پہلی مرتبہ قائد اعظم کو دیکھا اور سُنا۔

۱۹۴۰ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس لاہور میں شرکت کی اور اسی سال سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور میں بی ٹی کلاس میں داخل ہوئے۔ یہاں چوہدری نصر اللہ خاں مرحوم اور پیرزادہ پروفیسر منظور الحق صدیقی کے ساتھ پاکستان کانفرنس کے تین محرکین میں سے ایک بنے پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کی یہ تاریخی کانفرنس یکم اور ۲ مارچ ۱۹۴۱ء کو اسلامیہ کالج لاہور کے میدان میں ہوئی۔ اس کانفرنس کی صدارت قائد اعظم نے فرمائی۔ آپ اس کانفرنس کے فنانشل سیکرٹری تھے پاکستان رورل پروپیگنڈا کمیٹی کے رکن کی حیثیت سے آپ نے ۱۹۴۱ء میں ڈاکٹر محمد الیاس مسعود اور جناب ظہور الحسن ڈار کی معیت میں ضلع شیخوپورہ اور مولانا بشیر احمد اختر کی معیت میں ضلع سیالکوٹ کا دورہ کیا اور مسلم لیگ کی متعدد شاخیں قائم کیں پھر پیرزادہ پروفیسر منظور الحق صدیقی کے ساتھ مشرقی پنجاب کا تنظیمی دورہ کیا۔ ان دوروں کی وجہ سے پنجاب کی سیاسی صورت حال میں نمایاں تبدیلی ہوئی۔

۱۹۴۲ء میں آپ نے پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے دوسرے سالانہ اجلاس منعقدہ راولپنڈی کی کامیابی کے لیے صدر مجلس استقبالیہ پروفیسر منظور الحق صدیقی کا ہاتھ بٹایا اور اسی سال ان کے ساتھ آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس الہ آباد میں شرکت کی۔

اکتوبر ۱۹۴۲ء سے ۱۹۴۷ء تک اسلامیہ کالج لاہور میں لیکچرر رہے۔ یہاں انہوں نے اپنے

رفیق کار پروفیسر انیس الدین انصاری کے ساتھ ملکر مسلم طلباء میں کانگرس وزارت کے خلاف ایک قابل قدر گروہ تیار کر لیا اور وہاں مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن قائم کرائی۔ ۱۹۴۷ء کے استصواب میں اس کالج کے پروفیسر اور طلباء تمام صوبے میں پھیل گئے۔ آپ نے پروفیسر چوہدری سردار احمد کے ساتھ مل کر ایک ماہ تک ڈیرہ اسمٰعیل خاں کے دیہاتوں کا دورہ کیا۔ پشاور کے قیام کے دوران آپ کی قائداعظم سے خط و کتابت رہی۔

۱۹۴۵ء کی تعطیلات میں فاطمہ جناح کالج (فار گرلز) لاہور میں حصول تحریک پاکستان کے کارکنوں کی تربیت کے لیے ایک پندرہ روزہ ٹریننگ کیمپ قائم کیا گیا۔ اس کا ناظم اعلیٰ آپ کو مقرر کیا گیا۔ قائداعظم نے تربیت یافتہ کارکنوں میں اسناد تقسیم کیں۔

چوہدری محمد صادق تحریک پاکستان کے ان مخلص اور بے لوث کارکنوں میں سے ہیں جنہوں نے اپنی خدمت کو کسی ترقی کا زینہ نہیں بنایا۔ قیام پاکستان سے پہلے وہ لیکچرار تھے اور ۱۹۷۶ء میں وہ لیکچرار ہی کی حیثیت سے کیڈٹ کالج حسن ابدال سے ریٹائر ہوئے۔ آج کل اپنے آبائی گاؤں میں مقیم ہیں۔ [1]

---

[1] ماخذ:- جناب پروفیسر منظور الحق صدیقی کیڈٹ کالج حسن ابدال۔

رانا نصر اللہ خاں

رانا نصر اللہ خاں کی ولادت ۱۰ فروری ۱۹۰۸ء کو اپنے نانا جان خان صاحب محمد نواز خان تحصیلدار گجرات کے ہاں ہوئی۔ والد گرامی کا اسم مبارک رانا خدا بخش خاں تھا۔ آپ کے مورثِ اعلیٰ اکبری عہد میں رانا سانگا سے جنگ کے بعد فتح پور سیکری سے نقل مکانی کر کے ہریانہ ضلع ہوشیارپور (مشرقی پنجاب) میں آکر آباد ہو گئے تھے۔

رانا صاحب نے میٹرک کرنے کے بعد کرنل براؤن سکول دہرہ دون میں داخلہ لیا لیکن وہاں کے سٹاف اور منتظمین ہوسٹل سے بعض امور پر اختلاف پیدا ہو گیا۔ اس اختلاف نے اتنا طول پکڑا کہ آپ نے سکول میں ہڑتال کروادی اور اپنی تعلیم کو ادھورا چھوڑ کر گھر آ گئے اور پھر منشی فاضل کرنے کے بعد ایف اے کیا۔

حصول تعلیم کے بعد آپ ہندو مسلم سکول ہریانہ کے نائب صدر اور مینجر کی حیثیت سے خدمات سرانجام دیتے رہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ اہل سنت وجماعت کی مختلف تنظیموں سے منسلک رہ کر دین حقہ کی مقدور بھر خدمت کی۔ ۱۹۳۶ء میں مسلم لیگ سے وابستہ ہو گئے۔ اس سے قبل آپ یونی نسٹ پارٹی کے ٹکٹ پر پنجاب اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے تھے جب مسلم لیگ مخالف بنچوں پر بیٹھی تو آپ کو ڈپٹی وہپ مسلم لیگ اسمبلی پارٹی چن لیا گیا۔ آپ نے مسلم لیگ کی کامیابی و کامرانی کے لئے دن رات ایک کر دیئے۔ بعد میں آپ کو آرگنائزنگ سیکرٹری پنجاب مسلم لیگ اور آل انڈیا مسلم لیگ کا کونسلر بنا دیا گیا۔ اس کے علاوہ آپ پراونشل ورکنگ کمیٹی کے رکن بھی نامزد کئے گئے۔ مدوٹ ولا لاہور میں آپ کو اکثر حضرت قائداعظم کی خدمت اور قربت کا موقعہ ملا۔

۱۹۴۶ء کے انتخابات میں آپ بھاری اکثریت سے دوبارہ پنجاب اسمبلی کے ممبر منتخب ہو گئے اور تحریک پاکستان کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لئے اپنی زندگی کو وقف کر دیا یہاں تک کہ پاکستان معرضِ وجود میں آگیا۔

قیام پاکستان کے بعد آپ پاکستان تشریف لے آئے اور سیاست کے کوچہ کو خیرباد کہہ کر کاروبار اور زمینداره میں مصروف ہو گئے۔ اہل سنت و جماعت کے حقوق کے حصول کیلئے "مرکزی تنظیم اہل سنت و جماعت" قائم کی جس کے آپ صدر مقرر ہوئے۔ اس کے علاوہ نئی نسل کو نظریہ پاکستان سے روشناس کرانے کیلئے "جمہوریت کارکنان تحریک پاکستان کے نام سے بھی ایک تنظیم قائم کی جس کے آپ کنوینر ہیں اور اس کا مرکزی دفتر آپ کی رہائش گاہ ۲۔ لارنس روڈ لاہور میں ہے۔

آپ بہت شریف النفس، پرہیزگار و متقی، صوم و صلوٰۃ کے پابند، خدا ترس اور مذہب و ملت کا درد رکھنے والے بزرگ ہیں۔ سادگی، انکساری اور ملنساری اور تواضع آپ کا طرۂ امتیاز ہے حضرت خواجہ نظام الدین تونسوی قدس سرہٗ سے شرفِ بیعت رکھتے ہیں۔ آج کل نہایت خاموشی سے مذہب و ملت کی خدمت کے لئے کوشاں ہیں۔ ع

نہ ستائش کی تمنا ہے اور نہ صلے کی پرواہ

جناب نورالامین

"کاش اللہ تعالیٰ نے مجھے اس المیہ سے پہلے ہی دنیا سے اٹھالیا ہوتا" یہ الفاظ پاکستان کی سالمیت و یک جہتی کے زبردست حامی، تحریک پاکستان کے بزرگ سیاستدان جناب نورالامین مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے بعد عموماً کہا کرتے تھے۔ انہیں پاکستان کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے کا شدید صدمہ تھا اور یہی صدمہ انہیں اندر ہی اندر دیمک کی طرح چاٹتا رہا اور وہ اللہ کو پیارے ہو گئے۔

جناب نورالامین ۱۸۹۷ء میں ضلع کومیلا کے ایک گاؤں حترا میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مشرقی پاکستان کے مشہور شہر میمن سنگھ میں حاصل کرنے کے بعد کلکتہ یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا اور اور سترہ سال کی عمر میں قانون کی ڈگری حاصل کی اور ۱۹۲۴ء میں میمن سنگھ میں وکالت شروع کی۔ اس کے ساتھ ساتھ سیاست میں بھی حصہ لینے لگے۔ ۱۹۳۶ء میں مسلم لیگ کے رکن بن کر اس کی کامیابی و کامرانی کے لیے مقدور بھر جدوجہد کی۔ ۱۹۴۲ء میں پہلی مرتبہ بنگال اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ اس کے بعد ۱۹۴۶ء میں مطالبۂ پاکستان کی بنیاد پر انتخابات ہوئے تو آپ مسلم لیگ کے ٹکٹ پر بنگال لیجسلیٹو اسمبلی کے ممبر منتخب ہو گئے، اس کے ساتھ ساتھ آپ میمن سنگھ ڈسٹرکٹ بورڈ اور ضلعی مسلم لیگ کے صدر بھی تھے۔ ؎۱

۱۹۴۷ء میں مشرقی بنگال میں خواجہ ناظم الدین نے جو وزارت بنائی جناب نورالامین اس میں شریک تھے۔ ان کے پاس سول سپلائیز کا محکمہ تھا۔ جب ستمبر ۱۹۴۸ء میں قائد اعظم کی وفات کے بعد

؎۱ روزنامہ نوائے وقت لاہور ۳ اکتوبر ۱۹۷۴ء، مساوات لاہور ۲ اکتوبر ۱۹۷۴ء، تاریخ ہند و پاکستان از مولانا قاری احمد مطبوعہ کراچی ۱۹۷۴ء ص ۹۱۴۔

خواجہ ناظم الدین کو پاکستان کا گورنر جنرل بنایا گیا تو جناب نورالامین ان کی جگہ مشرقی پاکستان کے وزیر اعلیٰ بن گئے اور چھ سال تک اس عہدہ جلیلہ پر متمکن رہے۔ یہ دور پاکستان کی سیاسی تاریخ کا انتہائی نازک اور کربناک دور تھا۔ نہ صرف ملک کو متعدد مسائل درپیش تھے۔ بلکہ سیاست کے اونچے ایوانوں میں سازشوں اور جوابی سازشوں کا بھی بازار گرم تھا کئی مواقع پر جناب نورالامین کی وزارت کو بھی ان سازشوں کا شکار بنانے کی کوشش کی گئی لیکن چونکہ ان کا دامن ہر قسم کی آلائش سے پاک تھا، اس لیے خود غرض عناصر کی سازشیں ان کے خلاف کامیاب نہ ہو سکیں۔ اس دور میں مشرقی پاکستان میں علیحدہ زبان اور صوبائی خود مختاری کے مطالبات اُبھرے جو بعد میں مغربی پاکستان کے خلاف منافرت اور مرکز گریز رجحانات کی مستقل بنیاد بن گئے۔ لے[1]

جناب نورالامین جنونی تعصب کے اس طوفان کے سامنے زیادہ دیر تک نہ ٹھہر سکے اور ۱۹۵۴ء کے صوبائی انتخابات میں اپوزیشن کے متحدہ محاذ (جگتو فرنٹ) کے نامزد طالبعلم اُمیدوار کے مقابلے میں ہار گئے۔ یہ جگتو فرنٹ تو زیادہ عرصہ تک اپنا اتحاد برقرار نہ رکھ سکا لیکن اس نے اپنی انتخابی مہم میں تعصب و نفرت کے جو بیج بوئے تھے وہ بالآخر پاکستان کو دولخت کرنے کی تمہید ثابت ہوئے۔ پہلے جگتو فرنٹ کا خاص نشانہ بھی نورالدین تھے اور پھر علیحدگی کے طوفان کو روکنے میں بھی سب سے زیادہ مزاحم جناب نورالامین ہی ہوتے۔ وہ دونوں مرتبہ بظاہر ناکام ہوئے لیکن پاکستان کے ایک مخلص خادم ہونے کے باعث یہ ناکامی ان کی عزت و تکریم میں اضافہ کا باعث بن گئی۔ لے[2]

۱۹۵۴ء میں گورنر جنرل غلام محمد نے خواجہ ناظم الدین کو برطرف کر دیا اور ملک کی پہلی دستور ساز اسمبلی کو توڑ دیا۔ اس دستور ساز اسمبلی کے ذمے پاکستان کا آئین تیار کرنا تھا لیکن سات سال

لے[1] روزنامہ نوائے وقت لاہور ۳ اکتوبر ۱۹۷۵ء، مساوات لاہور ۳ اکتوبر ۱۹۷۵ء۔

لے[2] ایضاً

کی مہلت ملنے کے باوجود دستور ساز اسمبلی اپنا فرض ادا کرنے میں ناکام رہی تھی۔ اسے پاکستان کے سیاستدانوں کی ناکامی کہیئے یا پاکستان کے عوام کی بدنصیبی کیوں کہ اس کے بعد جمہوری اداروں کی کمزوری اور فردِ واحد کے ہاتھ میں زیادہ سے زیادہ اختیارات جمع ہونے کا دورِ عمل شروع ہوا جو بالآخر ۱۹۵۸ء میں ایوب خان آمریت کے قیام پر منتج ہوا۔ جناب نورالامین نے اس سارے عمل کو پیدا ہوتے اور عروج پکڑتے دیکھا لیکن اس دوران وہ محض خاموش تماشائی بن کر نہیں رہے بلکہ ان کی ہمدردیاں ان لوگوں کے ساتھ تھیں جو ان حالات میں بھی آمریت سے ٹکر لینے اور ملک میں جمہوریت بحال کرنے کی سعی کر رہے تھے۔ [1]

دسمبر ۱۹۶۴ء کے انتخابات سے قبل جب پاکستان کی سیاسی جماعتوں کو کام کرنے کی اجازت ملی اور مختلف سیاسی پارٹیوں نے ایوب خان کا مقابلہ کرنے کے لئے ایک متحدہ جمہوری محاذ بنایا تو جناب نورالامین کو اس محاذ کا صدر مقرر کیا گیا۔ اس طرح ایک مرتبہ پھر انہیں قومی رہنما کی حیثیت حاصل ہو گئی۔ مارچ ۱۹۶۵ء کے الیکشن میں آپ مومن شاہی کے حلقے سے قومی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے اور جون ۱۹۶۵ء میں قائدِ حزبِ اختلاف چنے گئے اور قومی اسمبلی میں یونائیٹڈ پارلیمانی پارٹی قائم کی۔ یہ درست ہے کہ فروری مارچ ۱۹۶۹ء کی گول میز کانفرنس کی ناکامی کی وجہ سے پورے سات سال پر محیط یہ کوشش بے نتیجہ ثابت ہوئی لیکن اس دوران میں نورالامین کی بے لوثی اور خلوص کا اتنا مظاہرہ ہو چکا تھا کہ وہ اپنے طور پر بھی ایک بزرگ قومی رہنما سمجھے جانے لگے تھے اور چند سرپھرے عناصر کے سوا تمام سیاسی حلقے ان کا احترام کرتے تھے۔ [2]

مارچ ۱۹۶۹ء کی گول میز کانفرنس کی ناکامی کے ساتھ پاکستان کے لیے جو پُرآشوب سیاسی دور شروع ہوا۔ جناب نورالامین بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ بعد میں چار سیاسی جماعتوں (نظام اسلام

---

[1] روزنامہ مساوات لاہور ۶ر اکتوبر ۱۹۷۰ء

[2] " نوائے وقت " ۳ر " ۱۹۶۵ء

پارٹی، جسٹس پارٹی، عوامی لیگ اور قومی جمہوری محاذ) کے اتحاد سے جب پاکستان جمہوری پارٹی بنی وہ اس کے سربراہ منتخب ہوئے لیکن ائیر مارشل اصغر خان کی بوجوہ علیحدگی سے اس پارٹی کو جو دھچکا لگا وہ ناقابل تلافی ثابت ہوا۔ اس کے باوجود قبائلی سردار راجہ تری دیو رائے کے ساتھ مسٹر نور الامین واحد امیدوار تھے جو دسمبر ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں عوامی لیگ کے مقابلہ میں کامیاب ہوئے تھے۔ ان انتخابات کے نتائج نے ملکی سیاست کو یکسر نئے اور بھیانک راستہ پر ڈال دیا۔ دسمبر ۱۹۷۱ء کے المیہ سقوط مشرقی پاکستان تک جناب نور الامین ایک درماندہ راہرو کی صدائے دردناک بن کر رہ گئے اور ان کے ذہنی اور روحانی کرب کی صدائے بازگشت ہر اس مقام سے سننے میں آتی رہی جہاں وہ پیرانہ سالی اور علالت کے باوجود قائد اعظم کے پاکستان کے تحفظ کی دعوت دینے کے لئے پہنچے۔ اس زمانہ میں ان کی حالت قابل رحم تھی۔ وہ نہ صرف بیمار تھے، کارفرما سیاسی رہنماؤں کے انداز اور حکمران یحییٰ خاں کے طور طریقوں سے بھی وہ سخت مایوس اور نالاں تھے لیکن وہ پاکستان کی وحدت کو بچانے کے لئے بالکل اس ماں کی طرح دہائی دیتے نظر آتے تھے جس کا بچہ دریا کی تند و تیز لہروں میں بہہ جائے اور وہ کنارے پر بے بسی کی تصویر بنی آہ و فغاں کے سوا کچھ بھی نہ کر سکے۔ [1]

۲۱ نومبر ۱۹۷۱ء کو جب بھارت نے مشرقی پاکستان پر کھلا حملہ شروع کر دیا تو یحییٰ خان نے جناب نور الامین کو عبوری دور کے لیے وزیر اعظم نامزد کر دیا اور ان کے ساتھ مسٹر بھٹو کو نائب وزیر اعظم اور وزیر خارجہ بنا دیا لیکن اس وقت تک بازی ہار نے کی بنیاد رکھی جا چکی تھی۔ سقوط مشرقی پاکستان کے بعد نئے پاکستان میں انہیں نائب صدر بنایا گیا۔ اس عہدے پر وہ ۱۴ اگست ۱۹۷۳ء نئے آئین کے نفاذ تک فائز رہے۔ ۱۴ اپریل ۱۹۷۲ء کے قومی اسمبلی کے اجلاس کی صدارت آپ نے ہی کی جو تین دن کے لیے طلب کیا گیا تھا لیکن ان کی زندگی پر پژمردگی غالب آ چکی تھی بلکہ وہ اپنی ہی شکست کی آواز بن چکے تھے جس کا اکثر اظہار وہ ان الفاظ میں کرتے تھے۔

---

[1] روزنامہ نوائے وقت لاہور ۳ اکتوبر ۱۹۷۵ء۔

"کاش! اللہ تعالیٰ مجھے پاکستان کے ٹوٹنے کے المیہ سے پہلے ہی اس دنیا سے اُٹھا لیتا۔"

اسی دوران قائدِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضر ہو کر پھوٹ پھوٹ کر رو دیئے۔

یہ قدرت کے کچھ اپنے اصول اور رموز ہیں کہ ایک انسان کی حسرت دوسروں کے لیئے انتباہ بن جاتی ہے بہرحال شکست اور ناکامی کے باوجود جناب نورالامین حُبِّ وطن کے سلسلہ میں اپنی ثابت قدمی اور قربانی سے ایک نئی اور لافانی عظمت کے حامل بن گئے۔ [۱]

جناب نورالامین نے کافی بڑی عمر اور طویل علالت کے بعد ۱۲ اکتوبر ۱۹۷۴ء کو وفات پائی۔ اس فانی دنیا سے اُن کا رخصت ہونا کوئی غیر متوقع اور ناگہانی سانحہ نہیں تھا، اس کے باوجود پاکستان کے ہر حصہ میں اور ہر طبقہ کے لوگوں نے ان کی وفات پر دلی افسوس ظاہر کیا تھا۔ وفات کے وقت مرحوم کسی منصب پر فائز نہیں تھے اور نہ کسی سیاسی و معاشرتی تنظیم سے وابستہ تھے۔ اس لیے ان کی وفات پر ملک کے ہر حصہ میں غم و صدمہ کا احساس کسی بھی انداز میں ظاہر داری پر مبنی نہیں تھا اور نہ کسی ذاتی یا گروہی تعلق کا مرہونِ منت تھا۔ اس کا سبب ان کی وہ خدمات تھیں جو انہوں نے ایک سیاسی کارکن اور پھر ممتاز قومی رہنما کے طور پر ملک کے لیے سرانجام دی تھیں۔ اپنی عمر کے آخری دور میں تو جناب نورالامین پاکستان —— اصل اور قائدِ اعظم کے پاکستان —— کی ایک نشانی بن کر رہ گئے تھے جس کے قیام کی طرح جس کی بقا کی جدوجہد میں بھی انہوں نے سرگرم حصہ لیا تھا۔ [۲]

وہ ذاتی زندگی میں سلیم الطبع، عجز و انکسار کے پیکر اور بڑے وضعدار انسان تھے اور سیاسی زندگی میں انہیں یہ عزت حاصل ہوئی کہ جن نظریات کا پرچم تھام کر وہ سیاست میں آئے تھے۔ آخری دم تک انہیں ہی سربلند رکھنے کے لیے کوشاں رہے اور قدردان قوم نے بھی اس کا اعتراف یوں کیا کہ اگرچہ انہوں

---

[۱] روزنامہ مساوات لاہور ۵ اکتوبر ۱۹۷۴ء۔ نوائے وقت لاہور ۳ اکتوبر ۱۹۷۵ء۔

[۲] روزنامہ نوائے وقت لاہور ۳ اکتوبر ۱۹۷۵ء، ۴ اکتوبر ۱۹۷۴ء، ۱۹ جنوری ۱۹۷۵ء۔

نے اپنے آبائی وطن سے بہت دور وفات پائی لیکن دفن کے لیے زمین انہیں قائد اعظم کے مزار کے احاطہ میں سردار عبدالرب نشتر مرحوم کے پہلو میں میسر آگئی جو کسی بھی پاکستانی کے لیے ایک بہت بڑا اعزاز ہے اور آج بھی۔ [1]

مرنے والے کی جبیں روشن ہے اس ظلمات میں
جس طرح تارے چمکتے ہیں اندھیری رات میں

جناب نورالامین کی وفات حسرت آیات پر تمام ملک میں کہرام مچ گیا، ہر آنکھ خون کے آنسو روتی ہر طرف صفِ ماتم بچھ گئی۔ ایسا کیوں نہ ہوتا جب کہ آپ مشرقی پاکستان کی جانب سے متحدہ پاکستان کی انمول نشانی تھے پہلی نماز جنازہ ۴ ؍اکتوبر کو جی ایچ کیو گراؤنڈ راولپنڈی میں ادا کی گئی، امامت کے فرائض مرکزی جامع مسجد کے خطیب مولانا فیض علی فیضی نے ادا کیے جناب فضل الٰہی چوہدری صدر پاکستان، جناب ذوالفقار علی بھٹو وزیر اعظم پاکستان، وفاقی وزراء، پاک فوج کے چیف آف سٹاف ٹکا [2] خاں، اعلیٰ سول اور فوجی حکام اور شہریوں کی بہت بڑی تعداد نے نماز جنازہ پڑھی۔ لوگ صبح ہی سے جی ایچ کیو گراؤنڈ پہنچنا شروع ہو گئے تھے، وہیں میت آخری دیدار کے لیے رکھ دی گئی تھی بنہایت رقت خیز منظر تھا ہر آنکھ پرنم تھی اور بعض لوگوں کو جن میں تحریک قیام پاکستان کے پرانے کارکن بھی تھے جناب نورالامین کی حب الوطنی کا ذکر کرتے ہوئے دھاڑیں مار مار کر روتے دیکھا گیا۔ [3]

اس کے بعد میت فضائیہ کے ایک خصوصی طیارے کے ذریعے کراچی پہنچائی گئی، آپ کے صاحبزادے جناب روح الامین اور کنبے کے دیگر افراد میت کے ساتھ تھے۔ دو صاحبزادے جناب انوارالامین اور محبوب الامین جو لندن میں رہتے تھے کراچی نہ پہنچ سکے ان کا طیارہ لندن سے تہران پہنچ چکا تھا لیکن کسی وجہ سے یہ طیارہ وقت پر پاکستان نہ پہنچ سکا اس طرح یہ دونوں صاحبزادے اپنے والد کے آخری

---

[1] روزنامہ نوائے وقت لاہور ۳ ؍اکتوبر ۱۹۷۴ء، ۴ ؍اکتوبر ۱۹۷۴ء، ۱۹ ؍جنوری ۱۹۸۰ء
[3] روزنامہ نوائے وقت لاہور ۴ ؍اکتوبر ۱۹۷۴ء۔ [2] اب ریٹائر ہو چکے ہیں۔

دیدار سے محروم رہے کراچی کے ہوائی اڈے پر میت کی آمد سے قبل ہزاروں شہری جمع ہو چکے تھے پولو گراؤنڈ میں نماز جنازہ ادا کی گئی اور پھر انہیں سردار نشتر مرحوم کے پہلو میں ابدی نیند سلا دیا گیا جس وقت جناب نورالامین کی میت کو لحد میں اتارا گیا تو فضا از حد سوگوار تھی جنازے میں شریک لاکھوں افراد کی آنکھیں پُرنم تھیں اور بعض کو کرب کی شدت سے نڈھال دیکھا گیا جس وقت میت کو لحد میں اتارا جا رہا تھا تو بہت سی خواتین بھی موجود تھیں جن میں بیگم اختر سلیمان (جناب حسین شہید سہروردی کی صاحبزادی) اور بیگم شائستہ اکرام اللہ بھی شامل ہیں اس وقت آہ و بکا کا عالم تھا اور ہر چہرہ اشکبار تھا۔ ان کے جگری ساتھی جناب محمود علی کی حالت دیدنی تھی ان کے آنسو رکنے ہی نہ تھے۔[۱] قومی اخبارات نے انھیں زبردست خراج عقیدت پیش کیا۔ ذیل میں روزنامہ نوائے وقت لاہور کا اداریہ نذر قارئین ہے۔

"ایک عظیم پاکستانی کی رحلت"

"جناب نورالامین کی وفات سے پاکستان ایک عظیم اور ممتاز رہنما، ایک مخلص ترین فرزند آزادی کے ایک بے خوف مجاہد جمہوریت کے ایک عظیم رہنما، برگزیدہ سیاستدان، ایک عظیم محب وطن، نظریہ پاکستان کے ایک عظیم علمبردار اور بانی پاکستان حضرت قائد اعظم کے ایک معتمد رفیق سے محروم ہو گیا ہے۔ ان کی موت ایک عظیم پاکستانی کی رحلت ہے ایک عظیم انسان کی موت ہے۔ ایک قومی سانحہ ہے۔ ان کی موت پر ہر سچا پاکستانی سوگوار اور ہر وہ آنکھ پُرنم ہے جسے نظریہ پاکستان سے ذرا سی بھی دلچسپی ہے۔

جناب نورالامین ایک عظیم انسان تھے۔ انتہائی حلیم الطبع اور نہایت شریف النسان۔ عجز و انکسار اور نجابت کا مجسمہ انسان۔ ان کی ساری عمر ملک و ملت کی خدمت میں گزری ۱۹۳۶ء میں جب قائد اعظم کی زیر قیادت مسلم لیگ کی تنظیم نو ہوئی تو نورالامین برصغیر کے مسلمانوں کی

---

[۱] روزنامہ نوائے وقت لاہور ۴ اکتوبر ۱۹۷۴ء۔

اس واحد نمائندہ جماعت میں شامل ہوئے اور اپنے کردار و اوصاف کی بدولت بہت جلد سیاست میں ممتاز مقام حاصل کر لیا۔ ۱۹۴۲ء میں وہ بنگال کی مجلس قانون ساز کے رکن منتخب ہوئے ۱۹۴۶ء میں پھر صوبائی انتخابات میں کامیابی حاصل کی اور اسمبلی کے سپیکر منتخب ہوئے۔ ۱۹۴۷ء میں مشرقی پاکستان کی پہلی صوبائی کابینہ میں سول سپلائیز کے وزیر رہے اور ۱۹۴۸ء سے ۱۹۵۴ء تک وزارت اعلیٰ کے عہدے پر فائز رہے ۱۹۶۵ء میں پاکستان کی قومی اسمبلی کے رکن اور حزب مخالف کے قائد منتخب ہوئے اسی زمانے میں انھوں نے قومی اسمبلی میں متحدہ پارلیمانی پارٹی قائم کی ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں جناب نورالامین واحد غیر عوامی لیگی تھے (راجہ تری دلورائے چکمہ قبیلہ کے نمائندہ تھے) جو مشرقی پاکستان سے قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوتے تھے۔

ہمارے یہاں جس قسم کی سیاست فروغ پاتی رہی ہے اس میں استواری اور وضع داری ہمیشہ محل نظر رہی ہے لیکن جناب نورالامین نے اپنے کردار و عمل سے ثابت کر دیا ہے کہ انسان کے نظریات تجارت کا مال نہیں ہوتے۔ انھوں نے پہلے دن جس عزم و آرزو کے ساتھ میدان سیاست میں قدم رکھا آخر دم تک انتہائی پامردی و استقلال سے اسے نبھایا۔ انھوں نے پہلے دن جس نظریات کا پرچم بلند کیا آخر دم تک انہیں سینے سے لگائے رہے۔ قیام پاکستان کے بعد پہلے وزیر اعظم جناب لیاقت علیخان مرحوم اور چوہدری خلیق الزمان مرحوم کی ملی بھگت (سربراہ حکومت اور پارٹی کی قیادت کا ایک ہی شخصیت پر اجتماع) نے پاکستان بنانے والی مسلم لیگ کو جس انجام تک پہنچایا اس کی داستان بڑی دلخراش اور موقعہ پرستیوں کا ایک افسوس ناک تذکرہ ہے لیکن جناب نورالامین کا دل گردہ دیکھئے کہ وہ حرص و آز کے ہر دام سے اپنا دامن بچاتے رہے اور صاف ستھری سیاست کا پرچم بلند کرتے رہے۔ وہ پاکستان کی دونوں حصوں میں جغرافیائی بُعد کے باوجود ایک جہتی و سالمیت کے علمبردار ہی نہیں تھے بلکہ اس کی جیتی جاگتی علامت تھے صدر مملکت جناب فضل الٰہی چوہدری نے بجا طور پر کہا ہے کہ :-

"مرحوم اپنی ساری زندگی اپنے اصولوں پر ثابت قدم رہے اور ان کی تکمیل کے لیے

بڑی سے بڑی قربانیاں دیں حصول پاکستان کی جدوجہد سے لیکر اور اس کے بعد طرح طرح کے نامساعد حالات حتیٰ کہ المیہ مشرقی پاکستان تک مرحوم نے ایک بہادر اور عظیم لیڈر کا کردار پیش کیا اور میں متحدہ پاکستان کے پُرجوش حامی کو سلام عقیدت پیش کرتا ہوں۔"

بقول جناب وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو:۔

"اُنھوں نے آخری وقت تک ۱۹۷۱ء کے المیہ کے باوجود پاکستان کی یک جہتی اور نظریہ پاکستان کو عزیز رکھا اور اسلامی اتحاد و اخوت کے لیے بھاری قیمت ادا کی۔" وہ ایک پاکستان کے حامی و علمبردار تھے۔

اور جیسا کہ بیگم اختر سلیمان نے کہا ہے:۔

"اُنھوں نے مشرقی پاکستان کی علیحدگی کو کبھی تسلیم نہ کیا اور مرتے دم تک کبھی اُسے بنگلہ دیش نہ کہا۔"

ہم پاکستان والے اگر اس عظیم پاکستانی کے جذبہ سے سرشار ہوتے اور سوویٹ یونین کی زیر پرستی برہمنی سامراج کی جارحیت کے ذریعے منصہ شہود پر ابھرنے والی "بنگلہ دیش کی حقیقت" کو۔ بہ امر مجبوری تسلیم کرنے کے باوجود بھی جناب نورالامین کی طرح پامردی کے ساتھ نظریہ پاکستان کا پرچم بلند کرتے رہتے تو آج شاید نظریاتی اعتبار سے حالات مختلف ہوتے۔ قوموں کی زندگی میں فتح و شکست کی حیثیت لمحہ گزراں سے زیادہ نہیں ہوتی لیکن انسان کسی شکست سے مایوس ہوکر اپنے نظریات ہی ترک نہیں کردیا کرتے۔ اصولوں اور نظریات سے استواری انسان کو لافانی بنادیا کرتی ہے اور جو لوگ اپنے نظریات چھوڑ دیتے ہیں انہیں تاریخ بھی فراموش کردیا کرتی ہے۔ یہ کتنی ستم ظریفی ہے کہ بعض لوگ ایک عارضی شکست کی مایوسی سے نڈھال ہوکر بچے کھچے پاکستان کو غنیمت جاننے لگے اور یہ کہنا شروع کردیا کہ ۱۹۴۰ء ہی میں دو پاکستانوں کا تصور پیش کیا گیا تھا۔ اور ستم بالائے ستم ان میں ایسے لوگ بھی شامل تھے جو بڑے بڑے عہدوں پر

فائز ہیں۔ جناب نورالامین تحریک پاکستان کی صف اوّل کے رہنما تھے ۱۹۴۰ء میں جو فیصلہ ہوا تھا وہ اس میں شریک تھے اور انھوں نے اپنے کردار و عمل سے ثابت کر دکھایا کہ یہ فیصلہ کیا تھا یہ ایک پاکستان کا تصور ہی تھا جس کی شکست و ریخت کو مرحوم نے زندگی میں کبھی تسلیم نہ کیا اور آخری وقت تک اپنی ضعیف العمری و بیماری کے باوجود نہایت بے خوفی و بے باکی سے ایک پاکستان کی بات کرتے رہے ان کی ذات مشرقی و مغربی پاکستان اور دوسرے ملکوں میں مقیم ان کروڑوں پاکستانیوں کے لیے ایک شمع فروزاں کی حیثیت رکھتی تھی جو بڑی جرأت مندی و پامردی اور عزم و حوصلہ کے ساتھ پاکستان کے اتحاد و یکجہتی کے لیے کام کر رہے ہیں آج وہ شمع خموش ہو گئی ہے۔

جناب نورالامین نے قائداعظم سے جس جمہوریت کا درس لیا تھا اور جس قسم کی سیاست سیکھی تھی اُسے آخری دم تک حرزِ جاں بنائے رکھا۔ ۱۹۵۸ء کے مارشل لاء کے بعد جب آمریت نے جمہوریت کا نقاب اوڑھا اور مسلم لیگ کا نام کنونشن کے سابقہ سے استعمال کیا تو جناب نورالامین نے اس پردہ زنگاری سے بھی کوئی فریب نہ کھایا اور ایوبی آمریت کی مخالفت میں ڈٹے رہے وہ جمہوریت اور ایک پاکستان کی بقا کی خاطر یحییٰ خان کے ساتھ تعاون پر آمادہ ہوئے لیکن جب یحییٰ خان کی بے بصیرتی اور اپنوں اور دشمنوں کی سازشوں سے مشرقی پاکستان الگ ہوا تو یہ نورالامین ہی تھے جنھوں نے انتہائی نامساعد میں ایک پاکستان کی یکجہتی و سالمیت کا نعرہ بلند کیا وہ پوری پاکستانی قوم کے لیے ایک بانگ جرس اور درس شوق کی حیثیت رکھتا ہے وہ اگر چاہتے تو شیخ مجیب سے مصالحت کر کے بنگلہ دیش میں بڑے سے بڑا عہدہ حاصل کر سکتے تھے لیکن نظریات کے پرستار عہدوں کے بھوکے نہیں ہوتے انہوں نے پاکستان کی نائب صدارت بھی اسی خیال سے قبول کی تھی کہ شاید وہ اتحاد پاکستان کے لیے کوئی کام کر سکیں لیکن جب ہم نے بنگلہ دیش کو تسلیم کر لیا تو اس کے بعد انھوں نے کوئی عہدہ گوارا نہ کیا اور کنج عزلت اختیار کر لی۔ ع حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا۔ [۱]

---

[۱] روزنامہ نوائے وقت لاہور ۴ر اکتوبر ۱۹۷۶ء۔

تحریک پاکستان کے نامور مجاہد ضیغم اسلام مجاہد ملت حضرت مولانا عبدالستار خان نیازی مدظلہ،
سیکرٹری جنرل جمعیت علماء پاکستان نے یوں عقیدت کے پھول پیش کیے۔
"جناب نورالامین ایک عظیم محب وطن اور تحریک حصول پاکستان کے مجاہد تھے انھوں نے قیام پاکستان کے بعد ملک کی سلامتی، وحدت اور استحکام کے لیے جدوجہد جاری رکھی جب پاکستان میں استبدادی آمریت نے اپنے جبر و تشدد سے عوام کے بنیادی حقوق کو کچل دیا تو جناب نورالامین نے ایک نڈر، بیباک اور بااصول اپوزیشن کا کردار ادا کیا۔ وہ تحریک پاکستان کے لیے سب کچھ قربان کر دینے والے قائدین کی آخری یادگار تھے" ؎[1]
آخر میں بزرگ صحافی و شاعر جناب وقار انبالوی کا ایک قطعہ نقل کیا جا رہا ہے۔ جو انھوں نے ان کی وفات پر کہا۔ ؎[2]

بات کا دھنی نورالامین۔

ہے لیڈری میں جان جہاں ذہنیں کے ساتھ
بدلے ہیں روپ یاروں نے رنگ زمین کے ساتھ
باتیں سیاسیات میں کہنے کو ہیں بہت!
نورالامین کی بات تھی نورالامین کے ساتھ

؎[1] روزنامہ نوائے وقت لاہور ۴ر اکتوبر ۱۹۷۴ء
؎[2] ایضاً 〃 〃 〃 〃

چوہدری نصر اللہ خاں

چوہدری نصر اللہ خاں ملتِ اسلامیہ کے ان گمنام محسنوں میں سے ہیں جنہوں نے پاکستان کی بنیادوں کے لیے اپنے عزم و استقلال کی چٹانوں سے تراشے ہوئے پتھر اور اپنے اخلاص و ایام جوانی کے مسالے کو مہیا کیا۔ آپ کا آبائی ضلع سیالکوٹ تھا۔ آپ کی پیدائش ۱۹۱۶ء میں ہوشیارانیاں ضلع سیالکوٹ میں ہوئی جہاں ان کے والد گرامی محکمہ انہار میں ضلعدار تھے۔ اور چوہدری صاحب نے اسلامیہ کالج لاہور سے بی اے کرنے کے بعد ۱۹۴۰ء میں ایل ایل بی کیا۔

۱۹۴۱ء میں پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن نے لاہور میں پاکستان کانفرنس منعقد کی تو چوہدری نصر اللہ خاں اس تاریخ ساز کانفرنس کی مجلس استقبالیہ کے جنرل سیکرٹری تھے حقیقت یہ ہے کہ وہ اس کے محرک اور روح رواں تھے۔ اس کانفرنس کی صدارت قائد اعظم نے فرمائی اس کانفرنس میں چھ بنیادی کارکنوں پر مشتمل ایک پاکستان رورل پروپیگنڈا کمیٹی بنائی گئی جس نے پنجاب کے کئی علاقوں کے دیہات میں مسلم لیگ کی شاخوں کا جال پھیلا دیا۔ چوہدری نصر اللہ خاں اور ان کے ساتھی ظفر اللہ خان ملک بی اے ایل ایل بی نے ضلع سیالکوٹ کے ایک حصے کے دیہات کا دورہ کیا اور وہاں گاؤں گاؤں مسلم لیگ کا پیغام پہنچایا۔

پاکستان رورل پروپیگنڈا کمیٹی کے کام کی وسعت اور پنجاب کے سیاسی حالات سے اور زیادہ باخبر رہنے کے لیے قائد اعظم نے اس کمیٹی کے ارکان سے بالمشافہ گفتگو کا اظہار فرمایا چنانچہ چوہدری نصر اللہ خاں اور ان کے دو ساتھی پروفیسر منظور الحق صدیقی اور ظفر اللہ خاں ملک بمبئی پہنچے وہاں ۸ ستمبر ۱۹۴۲ء کی شام کو قائد اعظم کے دولت کدے پر ان تینوں کی ساڑھے تین گھنٹے باتیں ہوتی رہیں۔ قائد اعظم نے انہیں چائے پر مدعو کیا۔ ۱۰ ستمبر کی شام کو ڈھائی گھنٹے تک مزید گفتگو رہی۔

ان دونوں ملاقاتوں میں برصغیر کی سیاست کا ہر پہلو زیربحث آگیا۔ نصر اللہ خاں اور اُن کے ساتھی جو تجاویز لے کر گئے تھے ان میں ایک یہ بھی تھی کہ لاہور سے ایک انگریزی روزنامہ نکالا جائے۔

۱۹۴۲ء میں پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کا دوسرا سالانہ اجلاس راولپنڈی میں ہوا۔ اس کی کامیابی کے لیے بھی چوھدری صاحب نے بڑا کام کیا۔ اس اجلاس کے بعد آپ پیرزادہ منظور الحق صدیقی (پروفیسر) اور اپنے نوجوان چچا چوھدری محمد صادق کی معیت میں آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس الہ آباد میں شرکت کے لیے گئے جہاں ان تینوں کو خصوصی طور پر مجلس مضامین میں شرکت کی دعوت دی گئی۔

آپ نے سیالکوٹ میں پریکٹس شروع کی مگر ان کے رگ و ریشے میں پاکستان سمایا ہوا تھا۔ اتنی ہی پریکٹس کرتے کہ زندہ رہنے کے لیے قلیل آمدنی ہو جائے۔ بیشتر وقت مسلم لیگ کی تنظیم پر صرف کرتے کیوں کہ مسلم لیگ اُن کا اوڑھنا بچھونا تھی۔ اگر آپ چاہتے تو پریکٹس پر توجہ کر کے لاکھوں روپے کما سکتے تھے، ان کے ایک اشارۂ ابرو پر کانگرس اور دیگر پاکستان دشمن جماعتیں دولت کی بارش کرنے کو تیار تھیں مگر اس مرد مجاہد نے دولت کو ٹھوکر مار کر آخرت کو دنیا پر ترجیح دی اور مسلم لیگ کی خدمت کو اپنا مطمعِ نظر بنالیا۔

قیام پاکستان کے وقت مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کا جو قتل عام ہوا اور ریڈکلف نے مسلمانوں سے جو دغا کی اس کا چوھدری صاحب پر بڑا ہی اثر تھا۔ پیچ و تاب کھاتے اور کڑھتے رہتے تھے کہ ہمارے عزائم کیا تھے اور مسلم لیگ کس چیز پر قناعت کر بیٹھی۔ آپ ان خیالات کا اظہار بڑے دردناک لہجے میں بیان کیا کرتے تھے۔ ملت کے اس غم میں گھلتے گھلتے آپ کی صحت گرتی چلی گئی۔ اور آپ کوچۂ سیاست کو خیرباد کہہ کر چک نمبر ۱۸۵ ضلع لائل پور میں مقیم ہو گئے۔

آپ بڑے صاف دل، صاف گو اور زندہ دل مسلمان تھے۔ ذاتی مفاد پر قومی مفاد کو ترجیح دیتے تھے۔ اگر چاہتے تو پاکستان بننے پر دیگر لوگوں کی طرح کروڑوں کی جائیدادیں حاصل کر لیتے مگر انھوں نے رزق حلال پر ہی قناعت کی۔ ۱۱ جولائی ۱۹۵۹ء کو تحریک پاکستان کے اس نامور مجاہد نے قوم

کے دور میں گھلتے گھلتے گلاب دیوی ہسپتال لاہور میں اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی اور چک ۱۸۵ ضلع لائل پور میں آخری آرام گاہ میں ابدی نیند سو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ [1]

ع خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں

---

[1] روایت :۔ پروفیسر منظور الحق صدیقی و پروفیسر محمد صادق صاحبان کیڈٹ کالج حسن ابدال روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲۳ مارچ ۱۹۷۴ء تحریک پاکستان کا ایک زندہ جاوید مجاہد از حکیم آفتاب احمد قریشی)

قطعہ تاریخ اشاعتِ اکابر تحریکِ پاکستانؒ

مجبئے صادقے عالی جنابے — فرستادہ بما روشن کتابے
کتابے مایہ حُسنِ عقیدت — بلطف معنیٔ آں حسنِ انتخابے
نشانِ عظمتِ اسلامیاں است — بپاکستانیاں فیض انتسابے
بیاں کردہ جہادِ زندگانی — عیاں کردہ نشانِ لاجوابے
بیانِ آں حیاتِ جاوداں است — نشانِ رونقِ عظمت مآبے
پئے تاریخ تصنیفش مرا گفت — مجبئے صادقے عالی جنابے

سنش گو "بافضائل انتخاب" است
۱۹۷۸ء

بیکتائی کتابے مستطابے
۱۳۹۸ھ

از

جناب پروفیسر قریشی احمد حسین احمد قلعداریؒ
(گجرات)

ماخذ و مراجع

کتابیات

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف	سنِ طباعت
۱-	اکابر تحریکِ پاکستان (حصہ اول)	محمد صادق قصوری	لاہور ۱۹۷۶ء
۲-	آئینہ ملتان	منشی عبدالرحمٰن خاں	" ۱۹۷۲ء
۳-	افکار راولپنڈی ڈائرکٹری	سید غلام مصطفےٰ خالد گیلانی	راولپنڈی ۱۹۶۲ء
۴-	بے تیغ سپاہی	نواب صدیق علی خاں	کراچی ۱۹۷۱ء
۵-	برگِ گل مجلہ اردو کالج کراچی (قائدِ اعظم نمبر)		" ۱۹۷۶ء
۶-	پنجاب کی سیاسی تحریکیں	عبداللہ ملک	لاہور ۱۹۷۱ء
۷-	پاکستان انقلاب سے پہلے اور بعد	اشرف عطا، قیوم نظامی	" ۱۹۶۸ء
۸-	پاک و ہند کی اسلامی تاریخ	ریاض الاسلام وغیرہ	"
۹-	پاکستان	سری پرکاش	دہلی ۱۹۶۸ء
۱۰-	تاریخِ ہند و پاکستان	مولانا قاری احمد پیلی بھیتی	کراچی ۱۹۷۴ء
۱۱-	تاریخِ پاکستان	شیخ محمد رفیق وغیرہ	لاہور ۱۹۷۳ء
۱۲-	تحریکِ پاکستان کا ایک باب	محمد سرور	" ۱۹۷۵ء
۱۳-	تکملہ تذکرہ نقشبندیہ	محمد صادق قصوری	" ۱۹۷۶ء
۱۴-	تذکرہ مظہر مسعود	پروفیسر محمد مسعود احمد	کراچی ۱۹۶۹ء
۱۵-	تذکرہ صمدیہ	محی الدین قادری	" ۱۹۷۷ء
۱۶-	تاریخِ وہابیہ	حکیم محمد رمضان علی	لائلپور ۱۹۷۶ء

۱۵۔	تاریخِ ارائیاں	علی اصغر چوہدری	لاہور	۱۹۷۳ء
۱۶۔	تاریخِ جھنگ	بلال زبیری	جھنگ	۱۹۷۶ء
۱۷۔	تاریخِ ملتان جلد دوم	مولانا نور احمد خاں فریدی	ملتان	۱۹۷۳ء
۱۸۔	جنگِ آزادی کے مسلم مجاہدین، حصہ سوم	عزیز الرحمٰن جامعی لدھیانوی	دہلی	۱۹۷۵ء
۱۹۔	چند یادیں چند تاثرات	ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی	لاہور	۱۹۶۹ء
۲۰۔	حصولِ پاکستان	پروفیسر احمد سعید	〃	۱۹۷۵ء
۲۱۔	خیابانِ سرہندی	پیر محمد حسین جان سرہندی	کراچی	
۲۲۔	دیوانِ روشن	پیر محمد اسمٰعیل روشن سرہندی	سندھ	۱۹۶۱ء
۲۳۔	روحِ روشن مستقبل	سید طفیل احمد منگلوری	بدایوں	۱۹۴۶ء
۲۴۔	روشنی (مجلہ گورنمنٹ کالج لائلپور)	قائدِ اعظم نمبر	لائلپور	۱۹۷۶ء
۲۵۔	سیدی والدی	سید ابوبکر غزنوی	لاہور	۱۹۷۴ء
۲۶۔	سیرتِ امیرِ ملت	سید اختر حسین علی پوری	〃	۱۹۷۵ء
۲۷۔	سرحد اور جدوجہد آزادی	الہٰ بخش یوسفی	〃	۱۹۶۸ء
۲۸۔	طالب علم کی ڈائری	سید الطاف علی بریلوی	کراچی	
۲۹۔	ظہورِ پاکستان	چوہدری محمد علی	لاہور	۱۹۷۲ء
۳۰۔	عالمی معلومات	زاہد حسین انجم	〃	۱۹۷۵ء
۳۱۔	عندلیبِ تواریخ	سید مسعود حسن مسعود	الہ آباد	۱۹۶۳ء
۳۲۔	عقیدت کے پھول	پیر عبدالغفور ہاشمی	لاہور	۱۹۷۵ء
۳۳۔	قائدِ اعظم اور ان کا عہد	رئیس احمد جعفری	〃	۱۹۶۶ء
۳۴۔	قائدِ اعظم کے دستِ راست	محمد حنیف شاہد	〃	۱۹۷۶ء
۳۵۔	کاروانِ احرار جلد اول	جانباز مرزا	〃	۱۹۷۵ء

۳۶۔ کشمکش	چوہدری غلام عباس	لاہور	۱۹۵۰ء
۳۷۔ کاروانِ گم گشتہ	رئیس احمد جعفری	کراچی	۱۹۷۱ء
۳۸۔ مسلم لیگ کا دورِ حکومت	صفدر محمود	لاہور	۱۹۷۳ء
۳۹۔ مکاتیب بہادر یار جنگ	نواب بہادر یار جنگ	کراچی	۱۹۶۷ء
۴۰۔ مشاہیر جنگِ آزادی	مفتی انتظام اللہ شہابی	"	۱۹۵۷ء
۴۱۔ مسلمانوں کا ایثار اور آزادی کی جنگ	عبدالوحید خاں	لکھنؤ	۱۹۳۸ء
۴۲۔ مسلمانوں کا روشن مستقبل	سید طفیل احمد منگلوری	بدایوں	۱۹۴۰ء
۴۳۔ مونس المخلصین	شاہ آغا سرہندی	کراچی	۱۳۶۶ھ
۴۴۔ مرقع ملتان	سید اولاد علی گیلانی	ملتان	۱۹۴۰ء
۴۵۔ مآثر الاجداد	پروفیسر منظور الحق صدیقی	لاہور	۱۹۶۴ء
۴۶۔ معلوماتی کتابچہ بسلسلہ انتخابات قومی و صوبائی اسمبلی ضلع لاہور		"	۱۹۷۰ء
۴۷۔ میاں عبدالعزیز مالواڈہ	محمد انور امین	"	۱۹۷۱ء
۴۸۔ نمونے کا ایک نوجوان	پروفیسر منظور الحق صدیقی	"	۱۹۷۰ء
۴۹۔ ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا	ڈاکٹر محمد الیاس مسعود	"	۱۹۶۳ء
۵۰۔ ہمارے محمد علی جوہر	کلیم نشتر	"	
۵۱۔ وے صورتیں الٰہی	ڈاکٹر عبدالسلام خورشید	"	۱۹۷۶ء

رسائل

نمبر شمار	نام رسالہ		مقامِ اشاعت	سنِ اشاعت
۱۔	الحبیب	(ماہنامہ)	لاہور	اکتوبر ۱۹۷۰ء
۲۔	اردو ڈائجسٹ	〃	〃	اگست ۱۹۶۶ء
۳۔	انوار الصوفیہ	〃	سیالکوٹ	ستمبر ۱۹۵۱ء
۴۔	پیامِ حق	〃	کراچی	اپریل ۱۹۷۴ء
۵۔	ترجمانِ اہلِ سنت	〃	〃	مارچ ۱۹۷۳ء، اگست ستمبر ۱۹۷۴ء
۶۔	رضائے مصطفےٰ	〃	گوجرانوالہ	جون ۱۹۷۶ء
۷۔	سیارہ ڈائجسٹ	〃	لاہور	اکتوبر ۱۹۶۴ء، فروری ۱۹۷۲ء
۸۔	قومی زبان	〃	کراچی	نومبر ۱۹۶۸ء
۹۔	اخبارِ جہاں	(ہفت روزہ)	〃	۱۹ر نومبر ۱۹۷۵ء
۱۰۔	الہام	〃	بہاولپور	۱۴ر اگست ۱۹۷۴ء
۱۱۔	پاک جمہوریت	〃	لاہور	۲۷ر دسمبر ۱۹۷۵ء، ۲۱ر فروری ۱۹۷۶ء
۱۲۔	چٹان	〃	〃	۱۶ر جون ۱۹۷۵ء، ۲۰ر جنوری، ۱۰ر مئی ۷۶ء
۱۳۔	زندگی	〃	〃	۳ر نومبر ۱۹۶۹ء، ۱۰ر جنوری ۱۹۷۰ء
۱۴۔	طاہر	〃	〃	۲۹ر دسمبر ۱۹۷۵ء
۱۵۔	وفاق	〃	〃	۱۷ر دسمبر ۱۹۶۱ء

اخبارات

نمبر شمار	روزنامہ	مقامِ اشاعت	تاریخِ اشاعت
۱۔	امروز	لاہور	۳/جنوری، ۱۵/اکتوبر ۱۹۷۵ء، ۲۰/فروری ۷۷ء
۲۔	〃	ملتان	۱۶/جنوری، ۱۴/جون، ۲۰/جون، ۲۱، ۲۷/جون ۱۹۷۶ء ۸/اپریل ۱۹۷۴ء، ۱۷/اکتوبر ۱۹۷۵ء
۳۔	آفتاب	〃	۱۸/جنوری ۱۹۷۶ء
۴۔	پاکستان ٹائمز	لاہور	۲/ستمبر ۱۹۶۶ء
۵۔	جنگ	کراچی	۱۴/فروری ۱۹۷۱ء، ۳/اکتوبر ۱۹۷۵ء، ۵/جنوری ۱۹۷۶ء، ۱۸/مئی ۱۹۷۷ء
۶۔	جمہور	لاہور	۲/جنوری ۱۹۷۵ء
۷۔	حریت	کراچی	یکم اکتوبر ۱۹۷۵ء
۸۔	روشنی	〃	۱۴/اگست ۱۹۵۸ء
۹۔	مغربی پاکستان	لاہور	۲۷/اپریل ۱۹۷۹ء
۱۰۔	مساوات	〃	۶/اکتوبر ۱۹۷۴ء، ۱۳/اکتوبر، ۹/نومبر ۱۹۷۵ء
۱۱۔	مشرق	لاہور، پشاور	۱۹۷۱ء تا ۱۹۷۶ء (متعدد شمارے)
۱۲۔	نوائے وقت	لاہور	۱۹۶۷ء تا ۱۹۷۶ء (〃)
۱۳۔	نوائے ملتان	ملتان	۲۰/مارچ ۱۹۷۰ء، ۲۷/جنوری ۱۹۷۵ء
۱۴۔	وفاق	لاہور	۱۰/جون ۱۹۷۵ء، ۱۰/جولائی ۱۹۷۷ء، ۶/مارچ ۱۹۷۵ء، ۲۱/اکتوبر ۱۹۷۳ء